# داستان ایمان فروشوں کی

پہلا حصہ

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش



خالد رضا سنی حنفی رضوی

تاج الشریعہ سلامت رہیں

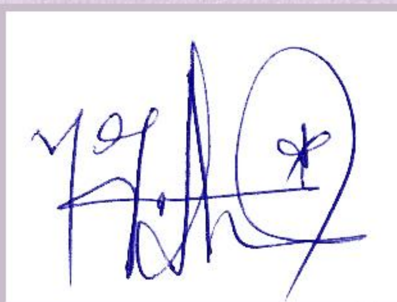
Hazrat Allama Muhammad Akhtar Raza Qadri Azhari

TAJUSH SHARIAH SALAAMAT RAHEIN

# رضا کی تلوار لائبریری

9119466913

خالد رضا سنی حنفی رضوی



# تعارف

ایسے قارئین کی تعداد کم نہیں جنہیں یہ مسئلہ پریشان کئے ہوتے ہے کہ ہمارے ہاں غلیظ کہانیوں کے سوا رہ ہی کیا گیا ہے۔ اگر کچھ ہے تو وہ افسانے ہیں۔ اِن میں بھی عشق بازی، فرار اور افسردگی ہوتی ہے جو نوجوان ذہن کے لئے صحت مند نہیں۔ بتائیے ہم کیا پڑھیں اور بچّوں کو کیا پڑھائیں۔ قاری کم سن ہو، جوان ہو یا بوڑھا، وہ ایسی کہانیاں پسند کرتا ہے جن میں کچھ تفریحی مواد ہو، سنسنی اور سسپنس ہو، ان میں ذرا سی ہنگامہ آرائی بھی ہو اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے آسانی سے مُسترد نہیں کیا جا سکتا۔ قارئین کی اِسی کمزوری کو اسلام دشمن عناصر نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے اور پاکستان کے زیرِ پرست ناشر اور ادیب اسی سے پیسہ کما رہے ہیں۔ یہیں سے فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور، حد یہ کہ دشمن کے غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیوں نے جنم لیا اور حیران کُن حد تک فروغ اور مقبولیت حاصل کی۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کُشی کے لئے اِن اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنایا ہے۔

ہم "داستان ایمان فروشوں کی" کے مصنّف محترم التمش کے ممنون ہیں جنہوں نے حکایت میں صلاح الدّین ایوّبی کے دَور کی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ہم اُن کی پہلی آٹھ کہانیاں پیش کر رہے ہیں۔ ان میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور نوجوان نسل کے مطالبے کی تسکین کریں گے، ساتھ ہی ساتھ اُس قومی جذبے کو بھی زندہ و بیدار کریں گے جسے ہمارا دشمن پُرلذت کہانیوں کے ذریعے ختم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔

ان آٹھ کہانیوں کے متعلق مختصراً کچھ عرض کر دینا ضروری ہے۔ اسلام کے عظیم

مجاہد اور عظمتِ اسلام کے پاسبان صلاح الدین ایوبی کے دور میں جتنی اسلام کُش سازشیں ہوتی ہیں اتنی اور کسی دور میں نہیں ہوئیں۔ صلیبیوں اور یہودیوں نے مسلمان امراء اور فوجی کمانڈروں کو ہاتھ میں لے کر صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے خلاف استعمال کرنے کے لیے جہاں بے دریغ دولت استعمال کی وہاں اپنی جوان اور خوب صورت لڑکیوں کو خصوصی ٹریننگ دے کر مکمل بے حیائی سے استعمال کیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو میدانِ جنگ میں شکست دینا آسان نہیں۔ سلطان ایوبی کا طریقۂ جنگ ایسا تھا کہ صلیبی جنگی طاقت کی افراط اور برتری کے باوجود شکست کھا جاتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے سلطنتِ اسلامیہ میں، خصوصاً مصر میں جس کی امارت اور فوجی قیادت صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ میں تھی، جاسوسی، تخریب کاری اور اُس وقت کی نوجوان نسل کی کردار کُشی کی مہم تیز کر دی۔ دولت اور عورت کو خوب استعمال کیا اور صلاح الدین ایوبی کی ہائی کمان اور انتظامیہ میں غدار پیدا کر لیے۔ یہ ایمان فروشوں کا گروہ تھا۔

صلاح الدین ایوبی کو ایک جنگ تو میدان میں لڑنی پڑی۔ یہ بڑے بڑے معرکوں کا سلسلہ تھا جو صلیبی جنگوں کے نام سے ہم تک پہنچا، مگر اُس جنگ کی کوئی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی جو سلطان ایوبی نے صلیبی جاسوسوں جن میں حسین لڑکیاں تھیں اور حسن بن صباح کے پیشہ ور قاتل بھی شامل تھے، کے خلاف لڑی۔ ان قاتلوں کو فدائی بھی کہا جاتا تھا اور حشیشین بھی۔ انہوں نے صلاح الدین ایوبی پہ چار قاتلانہ حملے کیے۔ اللہ کا یہ مجاہد ڈرامائی طریقے سے اور اپنے زورِ بازو سے ہر بار بچ گیا۔ اس زمین دوز صلیبی جنگ نے ان کہانیوں کو جنم دیا جن میں سے آٹھ پیش کی جا رہی ہیں۔

تاریخ کی یہ حقیقی داستانیں تفصیلات کی طوالت کی وجہ سے باقاعدہ تاریخ میں نہ آ سکیں اور اس لئے بھی کہ مؤرخوں کی نظر زمین کے نیچے اور پردوں کے پیچھے نہیں جایا کرتی۔ ایسی کہانیاں متعلقہ دور کے وقائع نگاروں کی تحریروں میں محفوظ ہوتی ہیں یا عینی شاہد بیان کرتے ہیں اور یہ سینہ بہ سینہ نسل بعد نسل سُنی سُنائی جاتی اور زندہ رہتی ہیں۔

محترم التمش تلاشِ روزگار کے لئے مشرقِ وسطیٰ گئے تھے۔ روزگار ملا تو اُن کے اندر تاریخ کا جنون پیدا ہوگیا۔ گزشتہ بارہ برسوں میں انہوں نے متعدد



اسلامی ممالک کی لائبریریوں کے سٹوروں میں سے وہ کاغذات ڈھونڈ نکالے جنہیں بیکار سمجھ کر وہاں پھینک دیا گیا تھا۔ اِن میں سے انہیں صلاح الدین ایوبی کے دور کے سرکاری اور غیر سرکاری وقائع نگاروں کی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ تحریریں مل گئیں۔ یہی تھی سلطان ایوبی کے دور کی اصل تاریخ ــــ یہی ہوتی ہیں وہ وارداتیں جو ماضی کی لغزشوں اور غداریوں کو بے نقاب کرتی اور اگلی نسلوں کے لیے باعثِ عبرت اور مشعلِ راہ بنتی ہیں۔

اِن وقائع نگاروں کے علاوہ محترم التمش نے جن مؤرخوں کی تحریروں سے تفصیلی واقعات حاصل کیے ہیں ان میں ہیرلڈ لیمب، لین پول، ولیم آف ٹائر، قاضی بہاؤالدین شداد، محمد فرید ابو حدید، اینتھنی ویسٹ، واقدی، ہتّی، جنرل محمد اکبر خان رنگروٹ، موئیر، سراج الدین، اسدالاسدی، الاطہر، سسٹن، بالڈون اور چند ایک گمنام تاریخ دان بھی شامل ہیں۔

۱۹۷۴ کے آخر میں محترم التمش پاکستان آئے اور مجھے ملے۔ میں اُن کا یہ احسان تاقیامت نہیں بھولوں گا کہ انہوں نے یہ انمول خزانۂ حکایت کے قارئین کی نذر کیا۔ میں نے فروری ۱۹۷۵ کے شمارے سے اس سلسلے کی اشاعت شروع کر دی جو ابھی تک جاری ہے۔ یہ کہانیاں مسلسل تاریخ نہیں۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں جن میں آپ کو صلاح الدین ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغرسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور ڈرامائی تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔ یہ دراصل عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں ہیں جو آپ کو چونکا دیں گی اور آپ کے اندر اگر ایمان کا چراغ ٹمٹما رہا ہے تو وہ بھڑک اُٹھے گا۔

اُس دور کا دشمن آج بھی آپ کا دشمن ہے اور وہ ابھی تک وہی پُر لذت حربے استعمال کر رہا ہے۔ یہ کہانیاں خود بھی پڑھیں، بچوں کو بھی پڑھائیں۔ اگر آپ سچے دل سے فحش، عُریاں اور مخرب الاخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو یہ آٹھ کہانیاں گھر لے جائیے۔ یہ کہانیاں پڑھ کر آپ محسوس کریں گے کہ آج پھر تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے اور صلاح الدین ایوبی کو پُکار رہی ہے۔

# جب ذکوئی

# سُلطان ایوبیؒ کے خیمے میں گئی

"تم پرندوں سے دل بہلایا کرو۔ سپاہ گری اُس آدمی کے لیے
ایک خطرناک کھیل ہے جو عورت اور شراب کا دلدادہ ہو۔"

یہ الفاظ اپریل ۱۱۷۵ء میں صلاح الدین ایوبیؒ نے اپنے چچا زاد بھائی خلیفہ الصالح کے ایک امیر سیف الدین کو لکھے تھے۔ اُن دونوں نے صلیبیوں کو در پردہ مدد اور زر و جواہرات کا لالچ دیا اور صلاح الدین ایوبیؒ کو شکست دینے کی سازش کی تھی۔ صلیبی یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے حملہ کیا۔ الصالح اور سیف الدین نے ان کی مدد کی صلاح الدین ایوبی نے ان سب کو شکست دی۔ امیر سیف الدین اپنا مال و متاع چھوڑ کر بھاگا۔ اس کی ذاتی خیمہ گاہ سے رنگ برنگے پرندے، حسین اور جوان رقاصائیں اور گانے والیاں، ساز اور سازندے اور شراب کے مٹکے برآمد ہوئے۔ صلاح الدین ایوبی نے پرندوں کو، ناچنے گانے والیوں اور اُن کے سازندوں کو رہا کر دیا اور امیر سیف الدین کو اس مضمون کا خط لکھا:

تم دونوں نے کفار کی پشت پناہی کر کے اُن کے ہاتھوں میرا نام و نشان مٹانے کی ناپاک کوشش کی مگر یہ نہ سوچا کہ تمہاری یہ سازش عالمِ اسلام کا بھی نام و نشان مٹا سکتی ہے۔ تم اگر مجھ سے حسد کرتے تھے تو مجھے قتل کرا دیا ہوتا۔ تم مجھ پر دو قاتلانہ حملے کرا چکے ہو۔ دونوں ناکام رہے۔ اب ایک اور کوشش کر دیکھو۔ ہو سکتا ہے کامیاب ہو جاؤ۔ اگر تم مجھے یہ یقین دلا دو کہ میرا سر میرے تن سے جُدا ہو جائے تو اسلام اور زیادہ سر بلند ہو گا تو ربِ کعبہ کی قسم، میں تمہاری تلوار سے اپنا سر کٹواؤں گا اور تمہارے قدموں میں رکھ دینے کی وصیت کروں گا۔ میں تمہیں

صرف یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ کوئی غیر مسلم مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ تاریخ تمہارے سامنے ہے۔ اپنا ماضی دیکھو۔ شاہ فرینک اور ریمانڈ جیسے اسلام دشمن صلیبی تمہارے دوست صرف اس لیے بنے کہ تم نے انہیں مسلمانوں کے خلاف میدان میں اُترنے کی شہ اور مدد دی تھی۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اُن کا اگلا شکار تم ہوتے اور اس کے بعد اُن کا یہ خواب بھی پورا ہو جاتا کہ اسلام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے۔

تم جنگجو قوم کے فرد ہو۔ فنِ سپاہ گری تمہارا قومی پیشہ ہے۔ ہر مسلمان اللہ کا سپاہی ہے مگر ایمان اور کردار بنیادی شرط ہے۔ تم پرندوں سے ہی دل بہلایا کرو۔ سپاہ گری اُس آدمی کے لیے ایک خطرناک کھیل ہے جو عورت اور شراب کا دلدادہ ہو۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے ساتھ تعاون کرو اور میرے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤ۔ اگر یہ نہ کر سکو تو میری مخالفت سے باز آجاؤ۔ میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔ آمین!

صلاح الدین ایوبی

ایک یورپی مورخ لین پول لکھتا ہے — "صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ جو مالِ غنیمت لگا اس کا کوئی حساب نہیں تھا۔ جنگی قیدی بھی بے اندازہ تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے تمام تر مالِ غنیمت تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ جنگی قیدیوں میں تقسیم کر کے انہیں رہا کر دیا۔ دوسرا حصّہ اپنی سپاہ اور غریبوں میں تقسیم کیا اور تیسرا حصّہ مدرسہ نظام الملک کو دے دیا۔ اُس نے اسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی تھی۔ نہ خود کچھ رکھا نہ اپنے کسی جرنیل کو کچھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی قیدی جن میں بہت سے مسلمان تھے اور باقی غیر مسلم، رہا ہو کر صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں جمع ہو گئے اور اس کی اطاعت قبول کر کے اپنی خدمات اُس کی فوج کے لیے پیش کر دیں۔ ایوبی کی کشادہ ظرفی اور عظمت دُور دُور تک مشہور ہو گئی"۔

اس سے پہلے حسن بن صباح کے پُراسرار فرقے 'فدائی'، جنہیں یورپی مورخوں نے قاتلوں کا گروہ لکھا ہے، صلاح الدین ایوبی پر دو بار قاتلانہ حملے کر چکے تھے لیکن خدائے ذوالجلال کو اپنے اس عظیم مردِ مجاہد سے بہت کام لینا تھا۔ دونوں بار ایک معجزہ ہوا کہ اسلام کا یہ محافظ بال بال بچ گیا۔ اس پر تیسرا قاتلانہ حملہ اس وقت ہوا



جب وہ اپنے مسلمان بھائیوں اور صلیبیوں کی سازش کی چٹان کو شمشیر سے ریزہ ریزہ کر چکا تھا۔ امیر سیف الدین میدان سے بھاگ گیا تھا مگر وہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف حسد اور کینے سے باز نہ آیا۔ اس نے حسن بن صباح کے قاتل فرقے کی مدد حاصل کر لی۔ یہ فرقہ ایک مدت سے اسلام کی آستین میں سانپ کی طرح پل رہا تھا۔ اس کا تفصیلی تعارف بہت ہی طویل ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح زمین سورج سے الگ ہو کر گناہوں کا گہوارہ بن گئی ہے اسی طرح حسن بن صباح نام کے ایک آدمی نے اسلام سے الگ ہو کر نبیوں اور پیغمبروں والی عظمت حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلاتا رہا اور ایسا گروہ بنا لیا جو طلسماتی طریقوں سے لوگوں کو اپنا پیروکار بناتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس گروہ نے نہایت حسین لڑکیاں، نشہ آور جڑی بوٹیاں، ہپناٹزم اور چرب زبانی جیسے طریقے اختیار کیے۔ بہشت بنائی جس میں جا کر پتھر بھی موم ہو جاتے تھے۔ اپنے مخالفین کو ختم کرنے کے لیے قاتلوں کا ایک گروہ تیار کیا۔ قتل کے طریقے خفیہ اور پُراسرار ہوتے تھے۔ اس فرقے کے افراد اس قدر چالاک، ذہین اور نڈر تھے کہ بھیس اور زبان بدل کر بڑے بڑے جرنیلوں کے باڈی گارڈ تک بن جاتے تھے اور جب کوئی پُراسرار طریقے سے قتل ہو جاتا تھا تو قاتلوں کا سراغ ہی نہیں ملتا تھا۔ کچھ عرصے بعد یہ فرقہ "قاتلوں کا گروہ" کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہ لوگ سیاسی قتل کے ماہر تھے۔ زہر بھی استعمال کرتے تھے جو حسین لڑکیوں کے ہاتھوں شراب میں دیا جاتا تھا۔ بہت مدت تک یہ فرقہ اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتا رہا۔ اس کے پیروکار 'فدائی' کہلاتے تھے۔

صلاح الدین ایوبی کو نہ حسین لڑکیوں سے دھوکا دیا جا سکتا تھا نہ شراب سے۔ وہ اِن دونوں سے نفرت کرتا تھا۔ اُسے قتل کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا کہ اس پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ اُس کے محافظوں کی موجودگی میں اس پر حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دو حملے ناکام ہو چکے تھے۔ اب جبکہ صلاح الدین ایوبی کو یہ توقع تھی کہ اس کا چچا زاد بھائی الصالح اور امیر سیف الدین شکست کھا کر توبہ کر چکے ہوں گے، انھوں نے انتقام کی ایک اور زیرِ زمیں کوشش کی۔ صلاح الدین ایوبی نے اس فتح کا جشن منانے کی بجائے حملے جاری رکھے اور تین قصبوں کو قبضے میں لے لیا۔ ان میں غازہ کا مشہور قصبہ بھی تھا۔ اسی قصبے کے گرد و نواح میں ایک روز صلاح الدین ایوبی، امیر جاوالاسدی کے خیمے میں دوپہر کے وقت غنودگی کے عالم میں سستا رہا تھا۔ اُس نے اپنی وہ پگڑی

نہیں اتاری تھی جو میدانِ جنگ میں اُس کے سر کو صحرا کے سورج اور دشمن کی تلوار سے محفوظ رکھتی تھی۔ خیمے کے باہر اُس کے محافظوں کا دستہ موجود اور چوکس تھا۔

باڈی گارڈز کے اس دستے کا کمانڈر ذرا سی دیر کے لیے وہاں سے چلا گیا۔ ایک محافظ نے صلاح الدین ایوّبی کے خیمے کے گرے ہوئے پردوں میں سے جھانکا۔ اسلام کی عظمت کے پاسبان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا اس محافظ نے باڈی گارڈز کی طرف دیکھا۔ ان میں سے تین چار باڈی گارڈز نے اس کی طرف دیکھا۔ محافظ نے اپنی آنکھیں بند کر کے کھولیں۔ تین چار محافظ اٹھے اور دوسروں کو باتوں میں لگا لیا۔ محافظ خیمے میں چلا گیا۔ کمربند سے خنجر نکالا۔ دبے پاؤں چلا اور پھر چیتے کی طرح سوئے ہوئے صلاح الدین ایوّبی پر جست لگائی۔ خنجر والا ہاتھ اوپر اُٹھا۔ عین اُس وقت صلاح الدین ایوّبی نے کروٹ بدل لی۔ یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ محافظ خنجر کہاں مارنا چاہتا تھا۔ دل میں یا سینے میں۔ مگر ہُوا یوں کہ خنجر صلاح الدین ایوّبی کی پگڑی کے بالائی حصے میں اُتر گیا اور سر سے بال برابر دُور رہا، پگڑی سر سے اُتر گئی۔

صلاح الدین ایوّبی بجلی کی تیزی سے اٹھا۔ اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ سب کیا ہے۔ اُس پر اس سے پہلے ایسے دو حملے ہو چکے تھے۔ اُس نے اس پر بھی حیرت کا اظہار نہ کیا کہ حملہ آور اس کے اپنے باڈی گارڈز کے لباس میں تھا جسے اس نے خود اپنی باڈی گارڈز کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس نے ایک سانس جتنا عرصہ بھی ضائع نہ کیا۔ حملہ آور اس کی پگڑی سے خنجر کھینچ رہا تھا۔ ایوّبی سر سے ننگا تھا۔ اُس نے حملہ آور کی ٹھوڑی پر پوری طاقت سے گھونسہ مارا۔ ہڈی ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ حملہ آور کا جبڑا ٹوٹ گیا تھا۔ وہ پیچھے کو گرا اور اُس کے منہ سے ہیبت ناک آواز نکلی۔ اس کا خنجر صلاح الدین ایوبی کی پگڑی میں رہ گیا تھا۔ ایوّبی نے اپنا خنجر نکال لیا۔ اتنے میں دو محافظ دوڑتے اندر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ صلاح الدین ایوّبی نے انہیں کہا کہ اسے زندہ پکڑ لو۔ مگر یہ دونوں محافظ صلاح الدین ایوّبی پر ٹوٹ پڑے۔ صلاح الدین ایوّبی نے ایک خنجر سے دو تلواروں کا مقابلہ کیا۔ یہ مقابلہ ایک دو منٹ کا تھا کیونکہ تمام باڈی گارڈز اندر آ گئے تھے۔ صلاح الدین ایوّبی یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے باڈی گارڈز دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کو لہولہان کر رہے تھے۔ اسے چونکہ معلوم نہیں تھا کہ ان میں اس کا دشمن کون اور دوست کون ہے، وہ اس معرکے میں شریک نہ ہو سکا۔



کچھ دیر بعد جب باڈی گارڈز میں سے چند ایک مارے گئے، کچھ بھاگ گئے اور بعض زخمی ہو کر بے حال ہو گئے تو انکشاف ہُوا کہ اس دستے میں جو صلاح الدین ایوّبی کی حفاظت پر مامور تھا، سات محافظ 'فدائی' تھے جو صلاح الدین ایوّبی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اس کام کے لیے صرف ایک 'فدائی' خیمے میں بھیجا تھا۔ اندر صورتِ حال بدل گئی۔ چنانچہ باقی بھی اندر چلے گئے۔ اصل محافظ بھی اندر گئے۔ وہ صورتِ حال سمجھ گئے اور صلاح الدین ایوبی بچ گیا۔ اُس نے اپنے پہلے حملہ آور کی شہ رگ پر تلوار کی نوک رکھ کر پوچھا کہ وہ کون ہے اور اُسے کس نے بھیجا ہے؟ سچ بولنے کے بدلے صلاح الدین ایوّبی نے اسے جان بخشی کا وعدہ دیا۔ اس نے بتا دیا کہ وہ 'فدائی' ہے اور اسے کیمیشتکن (جسے بعض مورّخوں نے گمشتگین لکھا ہے) نے اس کام کے لیے بھیجا تھا۔ کیمشتکن الصالح کے ایک قلعے کا گورنر تھا۔

☆

اصل کہانی سنانے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات سے پہلے کے دَور کو دیکھا جائے۔ صلاح الدین ایوّبی کے نام، اس کی عظمت اور تاریخِ اسلام میں اُس کے مقام اور کارناموں سے کون واقف نہیں؟ ملّتِ اسلامیہ تو اُسے بھُول ہی نہیں سکتی، مسیحی دنیا بھی اُسے ہمیشہ یاد رکھے گی۔ لہٰذا یہ ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ صلاح الدین ایوّبی کا شجرۂ نسب تفصیل سے بیان کیا جائے۔ ہم جو کہانی سنانے لگے ہیں وہ اس نوعیت کی ہے جس کی وسعت کے لیے تاریخ کا دامن تنگ ہوتا ہے۔ یہ تفصیلات وقائع نگاروں اور قلم کاروں کی ریکارڈ کی ہوئی ہوتی ہیں۔ کچھ سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں تک پہنچتی ہیں۔ تاریخ کے دامن میں صلاح الدین ایوبی کے صرف کارنامے محفوظ کیے گئے ہیں۔ ان سازشوں کا ذکر بہت کم آیا ہے جو اپنوں نے اُس کے خلاف کی اور اُس کی بڑھتی ہوئی شہرت اور عظمت کو داغ دار کرنے کے لیے اُسے ایسی لڑکیوں کے جال میں پھانسنے کی بار بار کوشش کی گئی جن کے حُسن میں طلسماتی اثر تھا۔

تاریخِ اسلام کا یہ حقیقی ڈرامہ ۲۳ مارچ ۱۱۶۹ کے روز سے شروع ہوتا ہے جب صلاح الدین ایوّبی کو مصر کا وائسرائے اور فوج کا کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ اُسے اتنا بڑا رتبہ ایک تو اس لیے دیا گیا کہ وہ حکمران خاندان کا نونہال تھا اور دوسرے اس لیے کہ اوائل عمر میں ہی وہ فنِ حرب و ضرب کا ماہر ہو گیا تھا۔ سپاہ گری ورثے

میں پائی تھی۔ اس کے ذہن میں حکمرانی کے معنی بادشاہی نہیں اسلام کی پاسبانی اور قوم کی عظمت اور فلاح و بہبود تھی۔ اس کا جب شعور بیدار ہُوا تو پہلی خلش یہ محسوس کی کہ مسلمان حکمرانوں میں نہ صرف یہ کہ اتحاد نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کی مدد سے بھی گریز کرتے تھے۔ وہ عیاش ہو گئے تھے۔ شراب اور عورت نے جہاں اُن کی زندگی رنگین بنا رکھی تھی وہاں عالمِ اسلام اور خدا کے اس عظیم مذہب کا مُستقبل تاریک ہو گیا تھا۔ ان امیروں، اُن کے وزیروں اور مشیروں کے حرم غیر مسلم لڑکیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ زیادہ تر لڑکیاں یہودی اور عیسائی تھیں جنہیں خاص تربیت دے کر ان حرموں میں داخل کیا گیا تھا۔ غیر معمولی حُسن اور اداکاری میں کمال رکھنے والی یہ لڑکیاں مسلمان حکمرانوں اور سربراہوں کے کردار اور قومی جذبے کو دیمک کی طرح کھا رہی تھیں۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صلیبی جن میں فرینک (فرنگی) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مسلمانوں کی سلطنتوں کے ٹکڑے ہڑپ کرتے چلے جا رہے تھے اور بعض مسلم حکمران شاہ فرینک کو سالانہ ٹیکس یا جزیہ ادا کر رہے تھے جس کی حیثیت غنڈہ ٹیکس کی سی تھی۔ صلیبی اپنی جنگی قوّت کے رُعب سے اور چھوٹے موٹے حملوں سے حکمرانوں کو ڈراتے رہتے، کچھ علاقے پر قبضہ کر لیتے، تاوان اور ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ آہستہ آہستہ دنیائے اسلام کو ہڑپ کر لیا جائے۔ مسلمان حکمران اپنی رعایا کا خون چُوس کر ٹیکس دیتے رہتے تھے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ انہیں عیش و عشرت میں پریشان نہ کیا جائے۔

فرقہ پرستی کے بیج بھی بو دیئے گئے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک فرقہ حسن بن صباح کا تھا جو صلاح الدّین ایوبی کی جوانی سے ایک صدی پہلے معرضِ وجود میں آیا تھا۔ یہ مفاد پرستوں کا فرقہ تھا، بے حد خطرناک اور پُراسرار۔ یہ لوگ اپنے آپ کو 'فدائی' کہلاتے تھے جو بعد میں حشیشین کے نام سے مشہور ہوئے کیونکہ وہ حشیش نام کی ایک نشہ آور شے سے دوسروں کو اپنے جال میں پھانستے تھے۔

صلاح الدّین ایوبی نے مدرسۂ نظام الملک میں تعلیم حاصل کی۔ یاد رہے کہ نظام الملک دنیائے اسلام کی ایک سلطنت کے وزیر تھے۔ یہ مدرسہ انہوں نے قائم کیا تھا جس میں اسلامی تعلیم دی جاتی اور بچوّں کو اسلامی نظریات اور تاریخ سے بہرہ ور کیا جاتا تھا۔ ایک مورّخ ابنِ الاطہر کے مطابق نظام الملک، حسن بن صباح کے 'فدائیوں'



کا پہلا شکار ہوئے تھے کیونکہ وہ رومیوں کی توسیع پسندی کی راہ میں چٹان بنے ہوئے تھے۔ رومیوں نے ۱۰۹۱ میں انہیں 'فدائیوں' کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔ ان کا مدرسہ قائم رہا۔ صلاح الدّین ایوّبی نے وہیں تعلیم حاصل کی۔ اسی عمر میں اس نے سپاہ گری کی تربیت اپنے بزرگوں سے لی۔ نورالدین زنگی نے اسے جنگی چالیں سکھائیں، ملک کے انتظامات کے سبق دیئے اور ڈپلومیسی میں مہارت دی۔ اس تعلیم و تربیت نے اس کے اندر وہ جذبہ پیدا کر دیا جس نے آگے چل کر اسے صلیبیوں کے لیے بجلی بنا دیا۔ اوائل جوانی میں ہی اس نے وہ ذہانت اور اہلیت حاصل کر لی تھی جو ایک سالارِ اعظم کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

صلاح الدّین ایوّبی نے فنِ حرب و ضرب میں جاسوسی (انٹیلی جنس)، کمانڈو اور گوریلا اپریشن کو خصوصی اہمیت دی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ صلیبی جاسوسی کے میدان میں آگے نکل گئے ہیں اور وہ مسلمانوں کے نظریات پر نہایت کارگر حملے کر رہے ہیں۔ صلاح الدّین ایوّبی نظریات کے محاذ پر لڑنا چاہتا تھا جس میں تلوار استعمال نہیں ہوتی۔ اس کہانی میں آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ اُس کی تلوار کا وار تو گہرا ہوتا ہی تھا۔ اس کی محبت کا وار اس سے کہیں زیادہ مار کرتا تھا۔ اس کے لئے تحمل اور بُردباری کی ضرورت ہوتی ہے جو اس نے اوائل عمر میں ہی اپنے آپ میں پیدا کر لی تھی۔

اُسے جب مصر کا وائسرائے اور کمانڈر انچیف بنا کر مصر بھیجا گیا تو اُن سینئر افسروں نے ہنگامہ برپا کر دیا جو اس عہدے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ اُن کی نگاہ میں صلاح الدّین ایوّبی ابھی طفلِ مکتب تھا مگر اس طفلِ مکتب نے جب اُن کا سامنا کیا، اُس کی باتیں سنیں تو ان کا احتجاج سرد پڑ گیا۔ مورّخ لین پول کے مطابق صلاح الدین ایوّبی ڈسپلن کا بڑا ہی سخت ثابت ہُوا۔ اس نے تفریح، عیاشی اور آرام کو اپنے لیے اور اپنی افواج کے لیے حرام قرار دے دیا۔ اس نے اپنی دماغی اور جسمانی قوتوں کو صرف اس مقصد پر مرکوز کر دیا کہ سلطنتِ اسلامیہ کو مستحکم کرنا ہے اور صلیبیوں کو اس سرزمین سے نکالنا ہے۔ فلسطین پر وہ ہر قیمت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے یہی مقاصد اپنی فوج کو دیئے۔ مصر کا وائسرائے بن کر اس نے کہا— "خدا نے مجھے مصر کی سرزمین دی ہے۔ اس کی ذاتِ باری مجھے فلسطین بھی ضرور عطا کرے گی"— مگر مصر پہنچ کر اُس پر انکشاف ہُوا کہ اس کا مقابلہ صرف صلیبیوں سے نہیں بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں نے

اس کی راہ میں بڑے بڑے حسین جال بچھا رکھے ہیں جو صلیبیوں کے عزائم اور جنگی قوت سے زیادہ خطرناک ہیں۔

☆

مصر میں صلاح الدّین ایوّبی کا استقبال جن زعما نے کیا ان میں ناجی نام کا ایک سالار خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ ایوبی نے سب کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور زبان پر پیار و محبت کی چاشنی تھی۔ بعض پرانے افسروں نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا جن میں طنز تھی اور تمسخر بھی تھا۔ وہ صلاح الدّین ایوّبی کے صرف نام سے واقف تھے یا اُس کے متعلق یہ جانتے تھے کہ وہ حکمران خاندان کا فرد اور اپنے چچا کا جانشین ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نورالدین زنگی کے ساتھ اس کا کیا رشتہ ہے۔ ان کی نگاہوں میں صلاح الدین ایوبی کی اہمیّت بس اس کے خاندان کی بدولت تھی یا اس وجہ سے انہوں نے اسے اہمیّت دی کہ وہ مصر کا فوجی وائسرائے بن کے آیا تھا۔ اس کے سوا انہوں نے صلاح الدّین ایوّبی کو کوئی وقعت نہ دی۔ ایک بوڑھے افسر نے اپنے ساتھ کھڑے افسر کے کان میں کہا۔

"بچّہ ہے۔ اسے ہم پال لیں گے۔"

مورّخ اور اُس وقت کے وقائع نگار یہ نہیں بتا سکتے کہ صلاح الدین ایوّبی نے ان لوگوں کی نظریں بھانپ لی تھیں یا نہیں۔ وہ استقبال کرنے والے اس ہجوم میں بچہ لگ رہا تھا۔ البتہ جب وہ ناجی کے سامنے مصافحہ کے لئے رُکا تو ایوّبی کے چہرے پر تبدیلی سی آگئی تھی۔ وہ ناجی سے ہاتھ ملانا چاہتا تھا لیکن ناجی جو اس کے باپ کی عمر کا تھا، سب سے پہلے درباری خوشامدیوں کی طرح جھکا۔ پھر ایوّبی سے بغل گیر ہو گیا۔ اُس نے ایوّبی کی پیشانی چوم کر کہا ـــــ "میرے خون کا آخری قطرہ بھی تمہاری جان کی حفاظت کے لیے بہے گا۔ تم میرے پاس زنگی اور شرکوہ کی امانت ہو۔"

"میری جان عظمتِ اسلام سے زیادہ قیمتی نہیں"۔ صلاح الدّین ایوّبی نے ناجی کا ہاتھ چوم کر کہا ـــــ "محترم! اپنے خون کا ایک ایک قطرہ سنبھال کر رکھیے۔ صلیبی سیاہ گھٹاؤں کی مانند چھا رہے ہیں۔"

ناجی جواب میں صرف مسکرایا جیسے صلاح الدین ایوّبی نے کوئی لطیفہ سنایا ہو۔ صلاح الدین ایوّبی اس تجربہ کار سالار کی مسکراہٹ کو غالباً نہیں سمجھ سکا۔ ناجی فاطمی خلافت کا پروردہ سالار تھا۔ وہ مصر میں باڈی گارڈز کا کمانڈر تھا جس کی نفری



پچاس ہزار تھی اور ساری کی ساری نفری سوڈانی تھی۔ یہ فوج اُس دَور کے جدید ہتھیاروں سے مسلح تھی اور یہ فوج ناجی کا ہتھیار بن گئی تھی جس کے زور پر وہ بے تاج بادشاہ بنا بیٹھا تھا۔ وہ سازشوں اور مفاد پرستی کا دور تھا۔ اسلامی دُنیا کی مرکزیت ختم ہو چکی تھی۔ صلیبیوں کی بھی نہایت دلکش تخریب کاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ زرپرستی اور تعیش کا دَور دورہ تھا۔ جس کے پاس ذرا سی بھی طاقت تھی، اسے وہ اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے اور دولت سمیٹنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ سوڈانی باڈی گارڈز فوج کا کمانڈر ناجی مصر میں حکمرانوں اور دیگر سربراہوں کے لیے دہشت بنا ہُوا تھا۔ خدا نے اسے سازش ساز دماغ دیا تھا۔ اُسے اُس دور کا بادشاہ ساز کہا جاتا تھا۔ بنانے اور بگاڑنے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے صلاح الدّین ایوّبی کو دیکھا تو اس کے چہرے پر بالکل اسی طرح مسکراہٹ آگئی جس طرح کمزور سی بھیڑ کو دیکھ کر بھیڑیئے کے دانت نکل آتے ہیں۔ ایوّبی اس زہر خند کو نہ سمجھ سکا۔ اُس کے لیے سب سے زیادہ اہم آدمی ناجی ہی تھا کیونکہ وہ پچاس ہزار باڈی گارڈز کا کمانڈر تھا اور صلاح الدین کو اس فوج کی ضرورت تھی۔

صلاح الدّین ایوّبی سے کہا گیا کہ حضور بڑی لمبی مسافت سے تشریف لائے ہیں پہلے آرام کر لیں تو اس نے کہا ـــــ "میرے سر پر جو دستار رکھ دی گئی ہے میں اس کے اہل نہ تھا۔ اس دستار نے میرا آرام اور میری نیند ختم کر دی ہے۔ کیا آپ حضرات مجھے اُس چھت کے نیچے نہیں لے چلیں گے جہاں میرے فرائض میرا انتظار کر رہے ہیں؟"

"کیا حضور کام سے پہلے طعام پسند نہیں فرمائیں گے؟" ـــــ اُس کے نائب نے پوچھا۔

صلاح الدّین ایوّبی نے کچھ سوچا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ لمبے تڑنگے، قوی ہیکل باڈی گارڈز اس عمارت کے سامنے دو رویہ کھڑے تھے جس میں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایوّبی نے ان گارڈز کے قدبُت اور ہتھیار دیکھے تو اس کے چہرے پر رونق آگئی مگر یہ رونق دروازے میں قدم رکھتے ہی غائب ہو گئی۔ وہاں چار نوجوان لڑکیاں جن کے جسموں میں زہد شکن لچک اور شانوں پر بکھرے ہوئے ریشمی بالوں میں قدرت کا حُسن سمویا ہُوا تھا، ہاتھوں میں پھولوں کی پتیوں سے بھری ہوئی خوشنما ٹوکریاں اٹھائے کھڑی تھیں۔ انہوں نے صلاح الدّین ایوّبی کے راستے میں پتیاں بکھیرنی شروع کر دیں

اور اس کے ساتھ دف کی تال پر طاؤس ورباب اور شہنائیوں کا مسحور کُن نغمہ اُبھرا۔ ایوّبی نے راستے میں پھولوں کی پتیاں دیکھ کر قدم پیچھے کر لیا۔ ناجی اور اس کا نائب اُس کے دائیں بائیں تھے۔ وہ دونوں جھک گئے اور اُسے آگے چلنے کی دعوت دی۔ یہ وہ انداز تھا جسے مغل بادشاہوں نے ہندوستان میں رائج کیا تھا۔

"صلاح الدین ایوبی پھولوں کی پتیاں مسلنے نہیں آیا" ایوّبی نے ایسی مسکراہٹ سے کہا جو اُن لوگوں نے پہلے کم ہی کبھی کسی کے ہونٹوں پر دیکھی تھی۔

"ہم حضور کے راستے میں آسمان سے تارے بھی توڑ کر بچھا سکتے ہیں"۔ ناجی نے کہا۔

"اگر میری راہ میں کچھ بچھانا چاہتے ہو تو وہ ایک ہی چیز ہے جو میرے دل کو بھاتی ہے"۔ صلاح الدین ایوّبی نے کہا۔

"آپ حکم دیں"، نائب نے کہا۔ "وہ کون سی چیز ہے جو حضور کے دل کو بھاتی ہے"؟

"صلیبیوں کی لاشیں"، صلاح الدین ایوّبی نے مسکرا کر کہا مگر فوراً ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے دھیمی آواز میں، جس میں قہر اور عتاب چھپا ہُوا تھا، کہا ۔۔۔ "مسلمان کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں۔ جانتے نہیں ہو صلیبی سلطنتِ اسلامیہ کو چوہوں کی طرح کھا رہے ہیں؛ اور جانتے ہو کہ وہ کیوں کامیاب ہو رہے ہیں؛ صرف اس لیے کہ ہم نے پھولوں کی پتیوں پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ ہم نے اپنی بچیوں کو ننگا کر کے اُن کی عصمتیں روند ڈالی ہیں۔ میری نظریں فلسطین پر لگی ہوئی ہیں۔ تم میری راہ میں پھُول بچھا کر مصر سے بھی اسلام کا پرچم اُتروا دینا چاہتے ہو؟"... اُس نے سب کو ایک نظر دیکھا اور دبدبے سے کہا ۔۔۔ "اُٹھا لو یہ پھُول میرے راستے سے۔ میں نے ان پر قدم رکھا تو میری روح کانٹوں سے چھلنی ہو جائے گی۔ ہٹا دو لڑکیوں کو میرے راستے سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری تلوار ان کے اتنے دلکش سنہرے بالوں میں اُلجھ کر بیکار ہو جائے"۔

"حضور کی جاہ و حشمت ....."

"مجھے حضور نہ کہو"، صلاح الدین ایوّبی نے بولنے والے کو یوں ٹوک دیا جیسے تلوار سے کسی کافر کی گردن کاٹ دی ہو۔ اس نے کہا۔ "حضور وہ تھے جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو اور جن کا میں غلامِ بے دام ہوں۔ میری جان فدا ہو اُس حضور صلعم پر جن کے مقدّس پیغام کو میں نے سینے پر کندہ کر رکھا ہے۔ میں یہی پیغام لے کے مصر میں آیا ہوں۔



صلیبی مجھ سے یہ پیغام چھین کر بحیرۂ روم میں ڈبو دینا چاہتے ہیں۔ شراب میں غرق کر دینا چاہتے ہیں۔ میں بادشاہ بن کے نہیں آیا"۔

لڑکیاں کسی کے اشارے پر پھولوں کی پتیاں سمیٹ کر وہاں سے ہٹ گئی تھیں صلاح الدین ایوّبی تیزی سے دروازے کے اندر چلا گیا۔ ایک وسیع کمرہ تھا۔ اس میں ایک لمبی میز رکھی تھی جس پر رنگا رنگ پھول بکھرے ہوئے تھے اور ان کے درمیان روسٹ کیے ہوئے بکروں کے بڑے بڑے ٹکڑے، سالم مرغ اور جانے کیسے کیسے کھانے سجے ہوئے تھے۔ صلاح الدین ایوّبی رک گیا اور اپنے نائب سے پوچھا ۔۔۔ "کیا مصر کا ہر ایک باشندہ اسی قسم کا کھانا کھاتا ہے؟"

"نہیں حضور!" نائب نے جواب دیا۔ "غریب لوگ تو ایسے کھانے کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے"۔

"تم سب کس قوم کے فرد ہو؟" صلاح الدین ایوّبی نے پوچھا۔ "کیا ان لوگوں کی قوم الگ ہے جو ایسے کھانوں کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے؟" کسی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے کہا۔ "اس جگہ جس قدر ملازم ہیں اور یہاں جتنے سپاہی ڈیوٹی پر ہیں اُن سب کو اندر بلاؤ۔ یہ کھانا انہیں کھلا دو"۔ اس نے لپک کر ایک روٹی اٹھائی۔ اس پر دو تین بوٹیاں رکھیں اور کھڑے کھڑے کھانے لگا۔ نہایت تیزی سے پوری روٹی کھا کر پانی پیا اور باڈی گارڈز کے کمانڈر ناجی کو ساتھ لے کر اس کمرے میں چلا گیا جو وائسرائے کا دفتر تھا۔

دو گھنٹے بعد ناجی باہر نکلا۔ دوڑ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا۔ ایڑ لگائی اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

رات ناجی کے خاص کمرے میں اس کے دو کمانڈر جو اُس کے معتمد اور ہمراز تھے اس کے پاس بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ناجی نے کہا ۔۔۔ "جوانی کا جوش ہے۔ تھوڑے دنوں میں ٹھنڈا کر دوں گا۔ کم بخت جو بھی بات کرتا ہے کہتا ہے ربِ کعبہ کی قسم صلیبیوں کو سلطنتِ اسلامیہ سے باہر نکال کر دم لوں گا"۔

"صلاح الدین ایوّبی"، ایک کمانڈر نے طنزیہ کہا۔ "اتنا بھی نہیں جانتا کہ سلطنتِ اسلامیہ کا دم نکل چکا ہے۔ اب سوڈانی حکومت کریں گے"۔

"کیا آپ نے اُسے بتایا نہیں کہ یہ پچاس ہزار کا لشکر سوڈانی ہے؟" ۔۔۔ دوسرے کمانڈر نے ناجی سے پوچھا۔ "اور یہ لشکر جسے وہ اپنی فوج سمجھتا ہے، صلیبیوں کے

خلاف نہیں لڑے گا؟"

"تمہارا دماغ ٹھکانے ہے اوروش؟"۔ ناجی نے کہا۔"میں اُسے یہ یقین دلا آیا ہوں کہ یہ پچاس ہزار سوڈانی شیر اس کے اشارے پر صلیبیوں کے پرخچے اڑا دیں گے۔ لیکن ....." ناجی چُپ ہو کر سوچ میں پڑ گیا۔

"لیکن کیا؟"

"اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ مصر کے باشندوں کی ایک فوج تیار کرو"۔ ناجی نے کہا۔"اس نے کہا ہے کہ ایک ہی ملک کی فوج مناسب نہیں ہوتی۔ وہ مصر کے لوگوں کو بھرتی کرکے ہماری فوج میں شامل کرنا چاہتا ہے"۔

"تو آپ نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہا کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی"۔ ناجی نے جواب دیا۔"مگر میں ایسے حکم کی تعمیل نہیں کروں گا"۔

"مزاج کا کیسا ہے وہ؟" اوروش نے پوچھا۔

"ضد کا پکا معلوم ہوتا ہے"۔ ناجی نے جواب دیا۔

"آپ کی دانش اور تجربے کے سامنے تو وہ کچھ بھی نہیں لگتا"۔ دوسرے کمانڈر نے کہا۔"نیا نیا امیرِ مصر بن کے آیا ہے۔ کچھ روز یہ نشہ طاری رہے گا"۔

"میں یہ نشہ اُترنے نہیں دوں گا"۔ ناجی نے کہا۔"اسے اسی نشے میں بدمست کر کے ماروں گا"۔

بہت دیر تک یہ تینوں صلاح الدّین ایوّبی کے خلاف باتیں کرتے رہے اور اس مسئلے پر غور کرتے رہے کہ اگر صلاح الدّین ایوّبی نے ناجی کی بے تاج بادشاہی کے لیے خطرہ پیدا کردیا تو وہ کیا کارروائی کریں گے۔ اُدھر صلاح الدّین ایوّبی اپنے نائبین کو سامنے بٹھائے یہ ذہن نشین کرا رہا تھا کہ وہ حکومت کرنے نہیں آیا اور نہ کسی کو حکومت کرنے دے گا۔ اُس نے انہیں کہا کہ اسے جنگی طاقت کی ضرورت ہے اور اُس نے یہ بھی کہا کہ اسے یہاں کا فوجی ڈھانچہ بالکل پسند نہیں۔ پچاس ہزار باڈی گارڈز سوڈانی ہیں۔ ہمیں ہر خطے کے باشندوں کو یہ حق دینا ہے کہ وہ ہماری فوج میں آئیں۔ اپنے جوہر دکھائیں اور مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ وصول کریں۔ یہاں کے عوام کا معیارِ زندگی اسی



طرح بلند ہو سکتا ہے۔ صلاح الدین ایوّبی نے انہیں بتایا۔"میں نے ناجی سے کہہ دیا ہے کہ وہ عام بھرتی شروع کردے"۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے گا؟" ایک ناظم نے اُس سے پوچھا۔

"کیا وہ حکم کی تعمیل سے گریز کرے گا؟"

"وہ گریز کر سکتا ہے"۔ ناظم نے جواب دیا۔"فوجی امور اُسی کے سپرد ہیں۔ وہ کسی سے حکم لیا نہیں کرتا۔ اپنی منوایا کرتا ہے"۔

صلاح الدّین ایوّبی خاموش رہا جیسے اس پر کچھ اثر ہی نہ ہوا ہو۔ اُس نے سب کو رخصت کردیا اور صرف علی بن سفیان کو اپنے ساتھ رکھا۔ علی بن سفیان جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا ماہر تھا۔ اسے صلاح الدّین ایوبی بغداد سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ اُدھیڑ عمر آدمی تھا۔ اداکاری، چرب زبانی اور بھیس بدلنے میں مہارت رکھتا تھا۔ جنگوں میں اس نے جاسوسی کی بھی تھی اور جاسوسوں کو پکڑا بھی تھا۔ اس کا اپنا گروہ تھا جو آسمان سے تارے بھی توڑ لاتا تھا ــــ صلاح الدّین ایوّبی کو جاسوسی کی اہمیت سے واقفیت تھی۔ فنی مہارت کے علاوہ علی میں وہی جذبہ تھا جو صلاح الدّین ایوّبی میں تھا۔

"تم نے سنا علی!" صلاح الدّین نے کہا۔"یہ لوگ کہہ گئے ہیں کہ ناجی کسی سے حکم لیا نہیں کرتا۔ اپنی منوایا کرتا ہے"۔

"ہاں"۔ علی نے جواب دیا۔"میں نے سُن لیا ہے۔ اگر میں چہرے پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا تو میری رائے میں باڈی گارڈز کا یہ کمانڈر جس کا نام ناجی ہے، ناپاک ذہنیت کا انسان ہے۔ اس کے متعلق میں پہلے سے بھی کچھ جانتا ہوں۔ یہ فوج جو ہمارے خزانے سے تنخواہ لیتی ہے، دراصل ناجی کی ذاتی فوج ہے۔ اس نے حکومتی حلقوں میں ایسی ایسی سازشیں کی ہیں جنہوں نے انتظامی ڈھانچے کو بے حد کمزور کردیا ہے۔ آپ کا یہ فیصلہ بالکل بجا ہے کہ فوج میں یہاں کے ہر خطّے کے سپاہی ہونے چاہئیں۔ میں آپ کو تفصیلی معلومات فراہم کروں گا۔ مجھے شک ہے کہ سوڈانی فوج ناجی کی وفادار ہے، ہماری نہیں۔ آپ کو اس فوج کی ترتیب اور تنظیم بدلنی پڑے گی یا ناجی کو سبکدوش کرنا پڑے گا"۔

"میں اپنی صفوں میں ہی اپنے دشمن پیدا نہیں کرنا چاہتا"۔ صلاح الدین ایوّبی نے کہا۔"ناجی گھر کا بھیدی ہے۔ اسے سبکدوش کرکے اپنا دشمن بنا لینا دانشمندی نہیں۔

ہماری تلوار غیروں کے لیے ہے، اپنوں کا خون بہانے کے لیے نہیں۔ میں ناجی کی ذہنیت کو پیار اور محبت سے بدل سکتا ہوں۔ تم اس فوج کی ذہنیت معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے صحیح اطلاع دو کہ فوج کہاں تک ہماری وفادار ہے۔"

مگر ناجی اتنا کچا آدمی نہیں تھا۔ اس کی ذہنیت پیار اور محبت کے بکھیڑوں سے آزاد تھی۔ اُسے اگر پیار تھا تو اپنے اقتدار اور شیطانیت کے ساتھ تھا۔ اس لحاظ سے وہ پتھر تھا مگر جسے اپنے جال میں پھانسنا چاہتا اس کے سامنے موم ہو جاتا تھا۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ یہی رویّہ اختیار کیا۔ اس کے سامنے وہ بیٹھتا نہیں تھا۔ ہاں میں ہاں ملاتا چلا جاتا تھا۔ اس نے مصر کے مختلف خطوں سے ایوبی کے حکم کے مطابق فوج کے لیے بھرتی شروع کر دی تھی، حالانکہ یہ کام اُس کی مرضی کے خلاف تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوّبی اُسے کچھ کچھ پسند کرنے لگا تھا۔ ناجی نے اُسے یقین دلایا تھا کہ سوڈانی باڈی گارڈز فوج حکم کی منتظر ہے اور یہ قوم کی توقعات پر پوری اُترے گی۔ ناجی صلاح الدین ایوّبی کو دو تین مرتبہ کہہ چکا تھا کہ وہ باڈی گارڈز کی طرف سے اُسے دعوت دینا چاہتا ہے اور فوج اس کے اعزاز میں جشن منانے کے لیے بے تاب ہے لیکن صلاح الدین ایوّبی مصروفیت کی وجہ سے یہ دعوت قبول نہیں کر سکا تھا۔

☆

رات کا وقت تھا۔ ناجی اپنے کمرے میں اپنے دو معتمد جونیئر کمانڈروں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ دو ناچنے والیاں سازوں کی ہلکی ہلکی موسیقی پر مستی میں آئی ہوئی ناگنوں کی طرح مسحور کُن اداؤں سے رقص کر رہی تھیں۔ اُن کے پاؤں میں گھنگھرو نہیں تھے۔ اُن کے جسموں پر کپڑے صرف اسی قدر تھے کہ اُن کے ستر ڈھکے ہوئے تھے۔ اس رقص میں خمار کا تاثر تھا۔

دربان اندر آیا اور ناجی کے کان میں کچھ کہا۔ ناجی جب شراب اور رقص میں محو ہوتا تھا تو کوئی مخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ صرف دربان کو معلوم تھا کہ وہ کون سا ضروری کام ہے جس کی خاطر ناجی عیش و طرب کی محفل سے اٹھا کرتا ہے ورنہ وہ اندر آنے کی جرأت نہ کرتا۔ اس کی بات سنتے ہی ناجی باہر نکل گیا اور دربان اُسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہاں سوڈانی لباس میں ملبوس ایک اُدھیڑ عمر آدمی بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک جوان لڑکی تھی۔ ناجی کو دیکھ کر وہ اٹھی۔ ناجی اُس کے



چہرے اور قد کاٹھ کی دلکشی دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ وہ عورتوں کا شکاری تھا۔ اُسے عورتیں صرف اپنی عیاشی کے لئے درکار نہیں ہوتی تھیں۔ ان سے وہ اور بھی کئی کام لیا کرتا تھا جن میں ایک یہ تھا کہ وہ نہایت خوبصورت اور عیّار لڑکیوں کے ذریعے بڑے بڑے افسروں کو اپنی مٹھی میں رکھتا تھا اور ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ انہیں امیروں وزیروں کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا اور ان سے وہ جاسوسی بھی کراتا تھا۔ جس طرح قصاب جانور کو دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ اُس کا گوشت کتنا ہے، اسی طرح ناجی لڑکی کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا کہ یہ کس کام کے لیے موزوں ہے۔ لڑکیوں کے بیوپاری اور بردہ فروش اکثر ناجی کے پاس 'مال' لاتے رہتے تھے۔

یہ آدمی بھی ایسے ہی بیوپاریوں میں سے لگتا تھا۔ لڑکی کے متعلق اُس نے بتایا کہ تجربہ کار ہے۔ ناچ بھی سکتی ہے اور پتھر کو زبان کے میٹھے زہر سے پانی میں تبدیل کر سکتی ہے۔ ناجی نے اس کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ وہ اس فن کا ماہر تھا۔ اس کے مطابق اس نے لڑکی کا امتحان لیا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ جس کام کے لیے وہ ایک اور لڑکی کو تیار کر رہا تھا اس کے لیے یہ لڑکی تھوڑی سی ٹریننگ کے بعد موزوں ہو سکتی ہے۔ سودا طے ہو گیا۔ بیوپاری قیمت وصول کر کے چلا گیا۔ ناجی لڑکی کو اُس کمرے میں لے گیا جہاں اس کے دو ساتھی رقص اور شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ اُس نے لڑکی کو ناچنے کے لیے کہا۔ لڑکی نے جب چغہ اُتار کر جسم کو دو ہی بل دیئے تو ناجی اور اس کے ساتھی تڑپ اٹھے۔ پہلی دونوں ناچنے والیوں کے رنگ پیلے پڑ گئے۔ اس نئی لڑکی کے سامنے ان کی قدر و قیمت کم ہو گئی تھی۔

ناجی نے اسی وقت محفل برخاست کر دی اور اس لڑکی کو اپنے پاس بٹھا کر سب کو باہر نکال دیا۔ لڑکی سے نام پوچھا تو اس نے ذکوئی بتایا۔ ناجی نے لے کہا "ذکوئی! تمہیں یہاں لانے والے نے بتایا تھا کہ تم پتھر کو پانی میں تبدیل کر سکتی ہو۔ میں تمہارا یہ کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ پتھر کون ہے؟" ذکوئی نے پوچھا۔

"نیا امیرِ مصر" ناجی نے جواب دیا "وہ سالارِ اعظم بھی ہے۔"

"صلاح الدین ایوّبی؟" ذکوئی نے پوچھا۔

"ہاں۔ صلاح الدین ایوّبی" ناجی نے کہا "اگر تم اسے پانی میں تبدیل کر دو تو

ہماری تلوار غیروں کے لیے ہے، اپنوں کا خون بہانے کے لیے نہیں۔ میں ناجی کی ذہنیت کو پیار اور محبت سے بدل سکتا ہوں۔ تم اس فوج کی ذہنیت معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے صحیح اطلاع دو کہ فوج کہاں تک ہماری وفادار ہے۔"

مگر ناجی اتنا کچا آدمی نہیں تھا۔ اس کی ذہنیت پیار اور محبت کے بکھیڑوں سے آزاد تھی۔ اُسے اگر پیار تھا تو اپنے اقتدار اور شیطانیت کے ساتھ تھا۔ اس لحاظ سے وہ پتھر تھا مگر جسے اپنے جال میں پھانسنا چاہتا اس کے سامنے موم ہو جاتا تھا۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ یہی رویّہ اختیار کیا۔ اس کے سامنے وہ بیٹھتا نہیں تھا۔ ہاں میں ہاں ملاتا چلا جاتا تھا۔ اس نے مصر کے مختلف خطوں سے ایوبی کے حکم کے مطابق فوج کے لیے بھرتی شروع کر دی تھی، حالانکہ یہ کام اُس کی مرضی کے خلاف تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی اُسے کچھ کچھ پسند کرنے لگا تھا۔ ناجی نے اُسے یقین دلایا تھا کہ سوڈانی باڈی گارڈز فوج حکم کی منتظر ہے اور یہ قوم کی توقعات پر پوری اُترے گی۔ ناجی صلاح الدین ایوبی کو دو تین مرتبہ کہہ چکا تھا کہ وہ باڈی گارڈز کی طرف سے اُسے دعوت دینا چاہتا ہے اور فوج اس کے اعزاز میں جشن منانے کے لیے بے تاب ہے لیکن صلاح الدین ایوبی مصروفیت کی وجہ سے یہ دعوت قبول نہیں کر سکا تھا۔

☆

رات کا وقت تھا۔ ناجی اپنے کمرے میں اپنے دو معتمد جونیئر کمانڈروں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ دو ناچنے والیاں سازوں کی ہلکی ہلکی موسیقی پر مستی میں آئی ہوئی ناگنوں کی طرح مسحور کُن اداؤں سے رقص کر رہی تھیں۔ اُن کے پاؤں میں گھنگھرو نہیں تھے۔ اُن کے جسموں پر کپڑے صرف اسی قدر تھے کہ اُن کے ستر ڈھکے ہوئے تھے۔ اس رقص میں خمار کا تاثر تھا۔

دربان اندر آیا اور ناجی کے کان میں کچھ کہا۔ ناجی جب شراب اور رقص میں محو ہوتا تھا تو کوئی مخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ صرف دربان کو معلوم تھا کہ وہ کون سا ضروری کام ہے جس کی خاطر ناجی عیش و طرب کی محفل سے اٹھا کرتا ہے ورنہ وہ اندر آنے کی جرأت نہ کرتا۔ اس کی بات سنتے ہی ناجی باہر نکل گیا اور دربان اُسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہاں سوڈانی لباس میں ملبوس ایک اُدھیڑ عمر آدمی بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ایک جوان لڑکی تھی۔ ناجی کو دیکھ کر وہ اٹھی۔ ناجی اُس کے



چہرے اور قد کاٹھ کی دلکشی دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ وہ عورتوں کا شکاری تھا۔ اُسے عورتیں صرف اپنی عیاشی کے لیے درکار نہیں ہوتی تھیں۔ ان سے وہ اور بھی کئی کام لیا کرتا تھا جن میں ایک یہ تھا کہ وہ نہایت خوبصورت اور عیّار لڑکیوں کے ذریعے بڑے بڑے افسروں کو اپنی مٹھی میں رکھتا تھا اور ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ انہیں امیروں وزیروں کو بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کرتا تھا اور ان سے وہ جاسوسی بھی کراتا تھا۔ جس طرح قصاب جانور کو دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ اُس کا گوشت کتنا ہے، اسی طرح ناجی لڑکی کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا کہ یہ کس کام کے لیے موزوں ہے۔ لڑکیوں کے بیوپاری اور بردہ فروش اکثر ناجی کے پاس "مال" لاتے رہتے تھے۔

یہ آدمی بھی ایسے ہی بیوپاریوں میں سے لگتا تھا۔ لڑکی کے متعلق اُس نے بتایا کہ تجربہ کار ہے۔ ناچ بھی سکتی ہے اور پتھر کو زبان کے میٹھے زہر سے پانی میں تبدیل کر سکتی ہے۔ ناجی نے اس کا تفصیلی انٹرویو لیا۔ وہ اس فن کا ماہر تھا۔ اس کے مطابق اس نے لڑکی کا امتحان لیا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ جس کام کے لیے وہ ایک اور لڑکی کو تیار کر رہا تھا اس کے لیے یہ لڑکی تھوڑی سی ٹریننگ کے بعد موزوں ہو سکتی ہے۔ سودا طے ہو گیا۔ بیوپاری قیمت وصول کر کے چلا گیا۔ ناجی لڑکی کو اُس کمرے میں لے گیا جہاں اس کے دو ساتھی رقص اور شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ اُس نے لڑکی کو ناچنے کے لیے کہا۔ لڑکی نے جب چغہ اُتار کر جسم کو دو ہی بل دیئے تو ناجی اور اس کے ساتھی تڑپ اٹھے۔ پہلی دونوں ناچنے والیوں کے رنگ پیلے پڑ گئے۔ اس نئی لڑکی کے سامنے ان کی قدر و قیمت کم ہو گئی تھی۔

ناجی نے اسی وقت محفل برخاست کر دی اور اس لڑکی کو اپنے پاس بٹھا کر سب کو باہر نکال دیا۔ لڑکی سے نام پوچھا تو اس نے ذکوئی بتایا۔ ناجی نے لے کہا "ذکوئی! تمہیں یہاں لانے والے نے بتایا تھا کہ تم پتھر کو پانی میں تبدیل کر سکتی ہو۔ میں تمہارا یہ کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ پتھر کون ہے؟" ذکوئی نے پوچھا۔

"نیا امیرِ مصر" ناجی نے جواب دیا۔ "وہ سالارِ اعظم بھی ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی؟" ذکوئی نے پوچھا۔

"ہاں۔ صلاح الدین ایوبی" ناجی نے کہا۔ "اگر تم اسے پانی میں تبدیل کر دو تو

چُن دی ہے جس کی آنکھیں بھی ہیں، کان بھی ہیں اور یہ دیدار متحرک ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ میں نے اُسے اپنے جاسوسی کے قلعے میں قید کرلیا ہے۔"

صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس سے اس کی درپردہ کارروائی کی تفصیل نہ پوچھی۔ علی نے اس سے پوچھا۔ "معلوم ہُوا ہے کہ وہ آپ کو جشن پر مدعو کر رہا ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کی دعوت اس وقت قبول کیجئے گا جب میں آپ کو بتاؤں گا۔"

ایوبی اٹھا اور ہاتھ پیٹھ پیچھے رکھ کر ٹہلنے لگا۔ اُس کی آہ نکل گئی۔ وہ رک گیا اور بولا۔ "بن سفیان! زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بے مقصد زندگی سے کیا یہ بہتر نہیں کہ انسان پیدا ہوتے ہی مرجائے؛ کبھی کبھی یہ سوچ دماغ میں آجاتی ہے کہ وہ لوگ شاید خوش نصیب ہیں جن کی قومی حس مُردہ ہوتی ہے اور جن کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ بڑے مزے سے جیتے اور اپنی آئی پر مرجاتے ہیں۔"

"وہ بدنصیب ہیں امیرِ محترم!" علی نے کہا۔

"ہاں بن سفیان!" صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "میں جب انہیں خوش نصیب کہتا ہوں تو یہی بات معلوم نہیں کون میرے کان میں کہہ دیتا ہے جو تم نے کہی ہے۔ مگر سوچتا ہوں کہ ہم نے تاریخ کا دھارا اس موڑ پر نہ بدلا تو ملّتِ اسلامیہ بکھر کر وادیوں، جنگلوں اور صحراؤں میں کھو جائے گی۔ ملّت کی خلافت تین حصوں میں بٹ گئی ہے۔ امیر من مانی کر رہے ہیں اور صلیبیوں کے آلۂ کار بنتے جا رہے ہیں۔ مجھے یہ ڈر بھی محسوس ہونے لگا ہے کہ مسلمان اگر زندہ رہے تو وہ ہمیشہ صلیبیوں کے غلام اور آلۂ کار رہیں گے۔ وہ اسی پہ خوش رہیں گے کہ زندہ ہیں مگر قوم کی حیثیت سے وہ مردہ ہوں گے۔ ذرا نقشہ دیکھو علی! آدھی صدی میں دیکھو ہماری سلطنت کا نقشہ کتنا سکڑ گیا ہے۔" وہ خاموش ہوگیا۔ سر جھکا کر ٹہلنے لگا۔ پھر رک گیا اور سر کو جھٹک کر علی بن سفیان کو دیکھا۔ کہنے لگا۔ "جب تباہی اپنے اندر سے اٹھے تو اُسے روکنا محال ہوجاتا ہے۔ اگر ہماری خلافت اور امارتوں کا یہی حال رہا تو صلیبیوں کو ہم پر حملے کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ آگ جس میں ہم اپنا ایمان، اپنا کردار اور اپنی قومیت جلا رہے ہیں اس میں صلیبی آہستہ آہستہ تیل ڈالتے رہیں گے۔ اُن کی سازشیں ہمیں آپس میں لڑاتی رہیں گی ۔ ۔ ۔ ۔ میں شاید اپنا عزم پورا نہ کرسکوں۔ میں شاید صلیبیوں سے شکست بھی کھا جاؤں لیکن میں قوم کے نام ایک وصیت چھوڑنا



چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ کسی غیر مسلم پر کبھی بھروسہ نہ کرنا۔ اُن کے خلاف لڑنا ہے تو لڑ کر مرجانا، کسی غیر مسلم کے ساتھ کبھی سمجھوتہ اور کوئی معاہدہ نہ کرنا۔"

"آپ کا لہجہ بتا رہا ہے جیسے آپ اپنے عزم سے مایوس ہوگئے ہیں۔" ـــــ علی بن سفیان نے کہا۔

"مایوس نہیں۔" صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "جذباتی ۔ ۔ ۔ ۔ علی! میرا ایک حکم متعلقہ شعبے تک پہنچا دو۔ بھرتی تیز کردو اور کوشش کرو کہ فوج کے لیے زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی رکھو جو جنگ کا تجربہ حاصل کرچکے ہوں۔ ہمارے پاس اتنی لمبی تربیت کا وقت نہیں۔ بھرتی ہونے والوں کا مسلمان ہونا لازمی قرار دے دو اور تم اپنے لیے ذہن نشین کرلو کہ ایسے جاسوسوں کا ایک دستہ تیار کرو جو دشمن کے علاقے میں جا کر جاسوسی بھی کریں اور شبخون بھی ماریں۔ یہ جانبازوں کا دستہ ہوگا۔ انہیں خصوصی تربیت دو۔ ان میں یہ صفات پیدا کرو کہ اونٹ کی طرح زیادہ سے زیادہ عرصہ پیاس برداشت کرسکیں۔ اُن کی نظریں عقاب کی طرح تیز ہوں۔ اُن میں صحرائی لومڑی کی مکاری ہو اور وہ دشمن پر چیتے کی طرح جھپٹنے کی مہارت، دلیری اور طاقت کے مالک ہوں۔ اُن میں شراب، حشیش وغیرہ کی عادت نہ ہو اور عورت کے لیے وہ برف کی طرح یخ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ بھرتی تیز کرادو بن سفیان! ۔ ۔ ۔ ۔ اور یاد رکھو، میں ہجوم کا قائل نہیں۔ مجھے لڑنے والوں کی ضرورت ہے خواہ تعداد تھوڑی ہو۔ اُن میں قومی جذبہ ہو اور وہ میرے عزم کو سمجھتے ہوں۔ کسی کے دل میں یہ شبہ نہ ہو کہ اُسے کیوں لڑایا جا رہا ہے۔"

☆

اگلے دس دنوں میں ہزارہا تربیت یافتہ سپاہی امارتِ مصر کی فوج میں آگئے اور اُن دس دنوں میں ناجی نے زکوئی کو ٹریننگ دے دی کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو کون کون سے طریقے سے اپنے حُسن کے جال میں پھانس کر اس کی شخصیت اور اس کے کردار کو کمزور کرسکتی ہے۔ ناجی کے ہمراز دوستوں نے زکوئی کو دیکھا تو انہوں نے بلا خوفِ تردید کہا کہ اس لڑکی کو مصر کے فرعون دیکھ لیتے تو خدائی کے دعوے سے دستبردار ہوجاتے۔ ناجی کا جاسوسی کا اپنا نظام تھا، بہت تیز اور دلیر۔ وہ معلوم کرچکا تھا کہ علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کا خصوصی مشیر ہے اور عرب کا مانا ہُوا سراغرساں۔ اس نے علی کے پیچھے اپنے جاسوس چھوڑ دیئے تھے اور اس نے علی کو قتل کرا

دینے کا منصوبہ بھی بنا لیا تھا۔

ذکوئی کو ناجی نے صلاح الدّین ایوّبی کو اپنے دام میں پھانسنے کے لیے تیار کیا تھا لیکن وہ محسوس نہ کر سکا کہ مراکش کی رہنے والی یہ لڑکی اس کے اپنے اعصاب پر سوار ہو گئی ہے۔ وہ صرف شکل و صورت کی ہی دلکش نہیں تھی، اس کی باتوں میں ایسا جادو تھا کہ ناجی اسے پاس بٹھا کر اس کے ساتھ باتیں ہی کرتا رہتا تھا۔ اُس نے اُن دو ناچنے گانے والی لڑکیوں سے نگاہیں پھیر لی تھیں جو اس کی منظورِ نظر تھیں۔ تین چار راتوں سے اُس نے ان لڑکیوں کو اپنے کمرے میں نہیں بلایا تھا۔ ناجی سونے کے انڈے دینے والی مرغی تھی جو اُن کے قبضے سے نکل کر ذکوئی کی آغوش میں انڈے دینے لگی تھی۔ انہوں نے ذکوئی کو راستے سے ہٹانے کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دیں۔ وہ آخر اس نتیجے پر پہنچیں کہ اُسے قتل کرا دیا جائے مگر اسے قتل کرانا ممکن نظر نہیں آتا تھا، کیونکہ ناجی نے اُسے جو کمرہ دے رکھا تھا اُس پر دو محافظوں کا پہرہ رہتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ دونوں لڑکیاں اس مکان سے بلا اجازت باہر نہیں جا سکتی تھیں جو ناجی نے انہیں دے رکھا تھا۔ انہوں نے حرم کی خادمہ عورتوں میں سے ایک کو اعتماد میں لینا شروع کر دیا۔ وہ اس کے ہاتھوں ذکوئی کو زہر دینا چاہتی تھیں۔

علی بن سفیان نے صلاح الدّین ایوّبی کا محافظ دستہ بدل دیا۔ یہ سب امیرِ مصر (وائسرائے) کے پرانے باڈی گارڈ تھے۔ اُن کی جگہ اُس نے ان سپاہیوں میں سے باڈی گارڈز کا دستہ تیار کر دیا جو نئی بھرتی میں آئے تھے۔ یہ جانبازوں کا منتخب دستہ تھا جو سپاہ گری میں بھی تاک تھا اور جذبے کے لحاظ سے اس کا ہر سپاہی مردِ حُر تھا۔

ناجی کو یہ تبدیلی بالکل پسند نہیں تھی لیکن اس نے صلاح الدّین ایوّبی کے سامنے اس تبدیلی کی بے حد تعریف کی اور اس کے ساتھ ہی درخواست کی کہ صلاح الدّین ایوّبی اس کی دعوت قبول کرے۔ ایوّبی نے اسے جواب دیا کہ وہ ایک آدھ دن میں اُسے بتائے گا کہ وہ کب دعوت قبول کر سکے گا۔ اس کے جانے کے بعد صلاح الدّین ایوّبی نے علی بن سفیان سے مشورہ لیا کہ وہ دعوت پر کب جائے۔ علی نے اُسے مشورہ دیا کہ اب وہ کسی بھی روز دعوت قبول کرے۔

دوسرے ہی دن صلاح الدّین ایوّبی نے ناجی کو بتایا کہ وہ کسی بھی رات دعوت پر آسکتا ہے۔ ناجی نے تین روز بعد کی دعوت دی اور بتایا کہ یہ دعوت کم اور جشن زیادہ ہو گا اور یہ جشن شہر سے دور صحرا میں مشعلوں کی روشنی میں منایا جائے گا۔ ناچ گانے کا انتظام



ہو گا۔ باڈی گارڈز کے گھوڑ سوار اپنے کرتب دکھائیں گے۔ شمشیر زنی اور بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے مقابلے ہوں گے اور صلاح الدّین ایوّبی کو رات وہیں قیام کرایا جائے گا۔ رہائش کے لیے خیمے نصب ہوں گے... صلاح الدّین ایوّبی پروگرام کی تفصیل سنتا رہا۔ اس نے ناچ گانے پر بھی اعتراض نہ کیا۔ ناجی نے ڈرتے جھجکتے کہا۔ "فوج کے بیشتر سپاہی جو مسلمان نہیں یا جو ابھی نیم مسلمان ہیں کبھی کبھی شراب پیتے ہیں۔ وہ شراب کے عادی نہیں۔ وہ اجازت چاہتے ہیں کہ جشن میں انہیں شراب پینے کی اجازت دی جائے۔"

"آپ اُن کے کمانڈر ہیں۔" صلاح الدین ایوّبی نے کہا۔ "آپ چاہیں تو انہیں اجازت دے دیں۔ نہ دینا چاہیں تو میں آپ پر اپنا حکم نہیں چلاؤں گا۔"

"امیرِ مصر کا اقبال بلند ہو۔" ناجی نے غلاموں کی طرح کہا — "میں کون ہوتا ہوں اُس کام کی اجازت دینے والا جس کو آپ سخت ناپسند کرتے ہیں۔"

"انہیں اجازت دے دیں کہ جشن کی رات ہنگامہ آرائی اور بدکاری کے سوا سب کچھ کر سکتے ہیں۔" صلاح الدّین ایوبی نے کہا — "اگر شراب پی کر کسی نے ہلّا گلّا کیا تو اسے سخت سزا دی جائے گی۔"

یہ خبر جب صلاح الدّین ایوّبی کے سٹاف تک پہنچی کہ ناجی صلاح الدّین ایوّبی کے اعزاز میں جو جشن منعقد کر رہا ہے اس میں ناچ گانا ہو گا اور شراب بھی پی جائے گی اور صلاح الدّین ایوّبی نے اس جشن کی دعوت ان خرافات کے باوجود قبول کر لی ہے، تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ کسی نے کہا کہ ناجی جھوٹ بولتا ہے وہ دوسروں پر اپنا رعب ڈالنا چاہتا ہے اور کسی نے یہ رائے دی کہ ناجی کا جادو صلاح الدّین ایوّبی پر بھی چل گیا ہے۔ یہ رائے اُن سربراہوں کو پسند آئی جو ناجی کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے۔ صلاح الدّین ایوّبی نے چارج لیتے ہی اُن کے لیے عیش و عشرت، شراب نوشی اور بدکاری جرم قرار دے دی تھی۔ اس نے ایسا سخت ڈسپلن رائج کر دیا تھا کہ کسی کو پہلے کی طرح فرائض سے کوتاہی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ وہ اس پر خوش تھے کہ آج نئے امیرِ مصر نے کسی دعوت میں شراب اور رقص کی اجازت دے دی ہے تو کل پرسوں وہ خود بھی ان رنگینیوں کا رسیا ہو جائے گا۔

صرف علی بِن سفیان تھا جسے معلوم تھا کہ صلاح الدّین ایوّبی نے خرافات کی اجازت کیوں دی ہے۔

جشن کی شام آگئی۔ ایک تو چاندنی رات تھی۔ صحرا کی چاندنی اتنی شفاف ہوتی ہے کہ ریت کے ذرّے بھی نظر آجاتے ہیں۔ دوسرے ہزار ہا مشعلوں نے وہاں صحرا کی رات کو دن بنا دیا تھا۔ باڈی گارڈز کا ہجوم تھا جو ایک وسیع میدان کے گرد دیواروں کی طرح کھڑا تھا۔ ایک طرف صلاح الدّین ایوّبی کے بیٹھنے کے لیے جو مسند رکھی گئی تھی وہ کسی بہت بڑے بادشاہ کا تخت معلوم ہوتی تھی۔ اس کے دائیں بائیں بڑے رتبوں کے مہمانوں کی نشستیں تھیں۔ اس وسیع و عریض تماشہ گاہ سے تھوڑی دُور مہمانوں کے لیے نہایت خوبصورت خیمے نصب تھے۔ ان سے ہٹ کر ایک بڑا خیمہ صلاح الدّین ایوّبی کے لیے نصب کیا گیا تھا جہاں اسے رات بسر کرنی تھی۔ علی بِن سفیان نے سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں جاکر اس خیمے کے ارد گرد محافظ کھڑے کر دیئے تھے۔

جب علی بِن سفیان وہاں محافظ کھڑے کر رہا تھا، ناجی، ذکوئی کو آخری ہدایات دے رہا تھا۔ اُس شام ذکوئی کا حُسن کچھ زیادہ ہی نکھر آیا تھا۔ اُس کے جسم سے ایسے عطر کی بھینی بھینی بُو اٹھ رہی تھی جس میں سحر کا تاثر تھا۔ اُس نے بال عریاں کندھوں پر پھیلا دیئے تھے۔ سپید کندھوں پر سیاہی مائل بھُورے بال زاہدوں کی نظروں کو گرفتار کرتے تھے۔ اس کا لباس اس قدر باریک تھا کہ اس کے جسم کے تمام نشیب و فراز صاف نظر آتے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر قدرتی تبسّم اَدھ کھِلی کلی کی مانند تھا۔

ناجی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور کہا۔ ـــ "صلاح الدّین ایوّبی پر تمہارے جسمانی حُسن کا شاید اثر نہ ہو۔ اپنی زبان استعمال کرنا۔ وہ سبق بھُولنا نہیں جو میں اتنے دنوں سے تمہیں پڑھا رہا ہوں اور یہ بھی نہ بھولنا کہ اُس کے پاس جاکر اُس کی لونڈی نہ بن جانا۔ انجیر کا وہ پھول بن جانا جو درخت کی چوٹی پر نظر آتا ہے مگر درخت پر چڑھ کر دیکھو تو غائب ہو جاتا ہے۔ اُسے اپنے قدموں میں بٹھا لینا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم اس پتھر کو پانی میں تبدیل کر لو گی۔ اسی سرزمین میں قلوپطرہ نے سیزر جیسے مردِ آہن کو اپنے حسن و جوانی سے پگھلا کر مصر کی ریت میں بہا دیا تھا۔ قلوپطرہ تم سے زیادہ خوبصورت نہیں تھی۔ میں نے تمہیں جو سبق دیئے ہیں وہ قلوپطرہ کی چالیں تھیں۔ عورت کی یہ چالیں کبھی ناکام نہیں ہو سکتیں۔"

ذکوئی مسکرا رہی تھی اور بڑے غور سے سُن رہی تھی۔ مصر کی ریت نے ایک اور



قلوپطرہ کو حسین ناگن کی طرح جنم دیا تھا۔ مصر کی تاریخ اپنے آپ کو دُہرانے والی تھی۔

سورج غروب ہوگیا تو مشعلیں جل اٹھیں۔ صلاح الدّین ایوّبی گھوڑے پر سوار آگیا۔ اُس کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے اُس کے اُن محافظوں کے گھوڑے تھے جو علی بِن سفیان نے منتخب کیے تھے۔ اسی دستے میں سے اُس نے دس محافظ شام سے پہلے ہی یہاں لاکر صلاح الدّین ایوّبی کے خیمے کے گرد کھڑے کر دیئے تھے۔ سازوں نے دف کی آواز پر استقبالیہ دُھن بجائی اور صحرا "امیرِ مصر صلاح الدّین ایوّبی زندہ باد" کے نعروں سے گونجنے لگا۔ ناجی نے آگے بڑھ کر استقبال کیا اور کہا ـــ "آپ کے جاں نثار، عظمتِ اسلام کے پاسبان آپ کو بسر و چشم خوش آمدید کہتے ہیں۔ اُن کی بے تابیاں اور بے قراریاں دیکھئے۔ آپ کے اشارے پر کٹ مریں گے" ـــ اور خوشامد کے لیے اُسے جتنے الفاظ یاد آئے اُس نے کہہ ڈالے۔

جونہی صلاح الدّین ایوّبی اپنی شاہانہ نشست پر بیٹھا، سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ گھوڑے جب مشعلوں کی روشنی میں آئے تو سب نے دیکھا کہ چار گھوڑے دائیں سے اور چار بائیں سے دوڑے آرہے تھے۔ ہر ایک پر ایک ایک سوار تھا۔ اُن کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آرہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ ٹکرا جائیں گے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب آئے تو دونوں فریقوں کے سوار رکابوں میں پاؤں جما کر کھڑے ہوگئے۔ پھر انہوں نے لگامیں ایک ایک ہاتھ میں کر لیں اور دوسرے بازو پھیلا دیئے۔ دونوں اطراف کے گھوڑے بالکل آمنے سامنے آگئے اور سواروں کی دونوں پارٹیاں ایک دوسری سے اُلجھ گئیں۔ سواروں نے ایک دوسرے کو پکڑنے اور گھوڑے سے گرانے کی کوشش کی۔ جب گھوڑے آگے نکل گئے تو دو سوار جو گھوڑوں سے گر پڑے تھے ریت پر قلابازیاں کھا رہے تھے۔ ایک طرف کے ایک سوار نے دوسری طرف کے ایک سوار کو ایک بازو میں جکڑ کر اسے گھوڑے سے اُٹھا لیا تھا اور اسے اپنے گھوڑے پر ڈال کر لے جا رہا تھا۔ ہجوم نے اس قدر شور بپا کیا کہ اپنی آواز اپنے آپ کو بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔

یہ سوار اندھیرے میں غائب ہوئے تو دونوں طرف سے چار چار اور گھوڑے آئے اور اسی طرح مقابلہ ہُوا۔ اس طرح آٹھ مقابلے ہوئے اور اس کے بعد شتر سوار آئے۔ پھر گھوڑ سواروں اور شتر سواروں نے سواری کے متعدد کرتب دکھائے۔ اس

کے بعد تیغ زنی اور بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے مظاہرے ہوئے جن میں کئی ایک سپاہی زخمی ہو گئے۔ صلاح الدین ایوبی شجاعت اور بے خوفی کے ان مظاہروں اور مقابلوں میں جذب ہو کے رہ گیا تھا۔ اُسے ایسی ہی بہادر فوج کی ضرورت تھی۔ اس نے علی بن سفیان کے کان میں کہا ـــ "اگر اس فوج میں اسلامی جذبہ بھی ہو تو میں صرف اسی فوج سے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا سکتا ہوں"

علی بن سفیان نے وہی مشورہ دیا جو وہ پہلے بھی دے چکا تھا۔ اس نے کہا ـــ "اگر ناجی سے کمان لے لی جائے تو جذبہ بھی پیدا ہو جائے گا" ـــ مگر صلاح الدین ایوبی ناجی جیسے ذہین اور تجربہ کار سالار کو سبکدوش کرنے کی بجائے سدھار کر راہِ حق پر لانا چاہتا تھا۔ وہ اس جشن میں اپنی آنکھوں یہی دیکھنے آیا تھا کہ یہ فوج کردار کے لحاظ سے کیسی ہے۔ اسے ناجی کی اس درخواست سے ہی مایوسی ہو گئی تھی کہ اس کے سپاہی اور کماندار شراب پینا چاہتے ہیں اور ناچ گانا بھی ہوگا۔ صلاح الدین ایوبی نے اس کی درخواست اس وجہ سے منظور کی تھی کہ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لشکر کس حد تک عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا ہے۔

بہادری، شہسواری اور تیغ زنی وغیرہ کے مظاہروں اور مقابلوں میں تو یہ فوج عسکری اور جنگی معیار پہ پوری اُترتی تھی مگر کھانے کا وقت آیا تو یہ فوج بدتمیزوں، بلانوشوں اور ہنگامہ پرور لوگوں کا بے قابو ہجوم بن گئی۔ کھانے کا انتظام وسیع و عریض میدان میں کیا گیا تھا۔ ایک طرف فوج کے کم و بیش دو ہزار آدمیوں کے لیے کھانا چُنا گیا تھا اور اُن سے ذرا دُور صلاح الدین ایوبی اور دیگر بڑے مہمانوں کے کھانے کا انتظام تھا۔ سینکڑوں سالم دنبے اور بکرے، اونٹوں کی سالم رانیں اور ہزاروں مرغ روسٹ کیے گئے تھے۔ دیگر لوازمات کا کوئی شمار نہ تھا اور سپاہیوں کے سامنے شراب کے چھوٹے، چھوٹے مشکیزے اور صراحیاں رکھ دی گئی تھیں۔ سپاہی کھانے اور شراب پر ٹوٹ پڑے۔ غٹاغٹ شراب چڑھانے لگے اور معرکہ آرائی ہونے لگی۔ صلاح الدین ایوبی یہ منظر دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جو یہ ظاہر کرتا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اُس نے ناجی سے صرف اتنا پوچھا ـــ "پچاس ہزار فوج میں سے آپ نے یہ سپاہی دعوت کے لیے کس طرح منتخب کیے تھے؟ کیا یہ آپ کے بدترین سپاہی ہیں؟"

"نہیں امیرِ مصر!" ناجی نے غلامانہ لہجے میں جواب دیا ـــ "یہ دو ہزار عسکری



میرے بہترین آدمی ہیں۔ آپ نے ان کے مظاہرے دیکھے ہیں۔ ان کی بہادری دیکھی ہے۔ میدانِ جنگ میں یہ جس جانبازی کا مظاہرہ کریں گے وہ آپ کو حیران کر دے گا۔ آپ ان کی بدتمیزی کو نہ دیکھیں۔ یہ آپ کے اشارے پر جانیں قربان کر دیں گے۔ میں انہیں کبھی کبھی کھلی چھٹی دے دیا کرتا ہوں تاکہ مرنے سے پہلے دنیائے رنگ و بُو سے پورا پورا لطف اٹھا لیں"

صلاح الدین ایوبی نے اس استدلال کے جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔ ناجی جب دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہُوا تو صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان سے کہا ـــ "میں جو دیکھنا چاہتا تھا، وہ دیکھ لیا ہے۔ یہ سوڈانی عسکری شراب اور ہنگامہ آرائی کے عادی ہیں۔ تم کہتے ہو کہ ان میں جذبہ نہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان میں کردار بھی نہیں۔ اس فوج کو اگر تم میدانِ جنگ میں لے گئے تو یہ لڑنے کی بجائے اپنی جان بچانے کی فکر کرے گی اور مالِ غنیمت لوٹے گی اور مفتوح کی عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرے گی"

"اس کا علاج یہ ہے" ـ علی بن سفیان نے کہا ـ "کہ آپ نے مختلف خطّوں سے جو فوج تیار کی ہے، انہیں ناجی کے اس پچاس ہزار سوڈانی لشکر میں مدغم کر دیا جائے۔ بُرے سپاہی اچھے سپاہیوں کے ساتھ مِل جُل کر اپنی عادتیں بدل دیا کرتے ہیں"

صلاح الدین ایوبی مسکرایا اور علی سے کہا ـــ "تم یقیناً میرے دل کا راز جانتے ہو۔ میرا منصوبہ یہی ہے جو میں ابھی تمہیں نہیں بتانا چاہتا تھا۔ کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا"

علی بن سفیان میں یہی وصف تھا کہ دوسروں کے دلوں کے راز جان لیتا تھا اور غیر معمولی طور پر ذہین تھا۔ وہ کچھ اور کہنے ہی لگا تھا کہ ان کے سامنے کئی اور مشعلیں روشن ہو گئیں۔ زمین پر بیش قیمت قالین بچھے ہوئے تھے۔ شہنائی اور سارنگ کا ایسا میٹھا اور پُرسوز نغمہ اُبھرا کہ مہمانوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ ایک طرف سے ناچنے والیوں کی قطار نمودار ہوئی۔ بیس لڑکیاں ایسے باریک اور نفیس لباس میں ملبوس چلی آ رہی تھیں جس میں ان کے جسموں کا انگ انگ نظر آ رہا تھا۔ ہر ایک کا لباس نہایت باریک چغہ سا تھا جو شانوں سے ٹخنوں تک لمبا تھا۔ اُن کے بال کھلے ہوئے تھے اور اسی ریشم کا حصہ نظر آتے تھے جس کا انہوں نے لباس پہن رکھا تھا۔ صحرا کی ہلکی ہلکی ہوا سے اور لڑکیوں کی چال سے یہ ڈھیلا ڈھالا لباس ہلتا تھا

تو یوں لگتا تھا جیسے پھولدار پودوں کی ڈالیاں فضا میں تیرتی آرہی ہوں۔ ہر ایک کے لباس کا رنگ جُدا تھا۔ ہر ایک کی شکل و صورت ایک دوسری سے مختلف تھی لیکن حُسن اور جسم کی لچک میں سب ایک جیسی تھیں۔ اُن کے مرمریں بازو عریاں تھے۔ وہ چلتی آرہی تھیں لیکن قدم اٹھتے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ ہوا کی لہروں کی مانند آرہی تھیں۔

وہ نیم دائرے میں ہو کر رک گئیں۔ صلاح الدین ایوبی کی طرف منہ کرکے تعظیم کے لیے جھکیں۔ سب کے بال سرک کر شانوں پر آگئے۔ سازندوں نے ان ریشمی بالوں اور جسموں کے جادو میں طلسم پیدا کر دیا۔ دو سیاہ فام، دیوہیکل حبشی جن کی کمر کے گرد چیتوں کی کھالیں تھیں، ایک بڑا سارا ٹوکرا اٹھائے تیز تیز قدم چلتے نظر آئے اور ٹوکرا لڑکیوں کے نیم دائرے کے سامنے رکھ دیا۔ ساز سپیروں کی بین کی دُھن بجانے لگے۔ حبشی مست سانڈوں کی طرح پھنکارتے غائب ہو گئے۔ ٹوکرے میں سے ایک بہت بڑی کلی اوپر کو اٹھی اور پھول کی طرح کھل گئی۔ اس پھُول میں سے ایک لڑکی کا چہرہ نمودار ہُوا اور پھر وہ اوپر کو اٹھنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے سرخ بادلوں میں سے چاند نکل رہا ہو۔ یہ لڑکی اس دنیا کی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کی مسکراہٹ بھی ارضی نہیں تھی۔ اس کے بالوں کی چمک بھی مصر کی کسی لڑکی کی چمک نہیں لگتی تھی اور جب لڑکی نے پھول کی چوڑی پتیوں میں سے باہر قدم رکھا تو اس کے جسم کی لچک نے تماشائیوں کو مسحور کر لیا۔

علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے مسکرا کر اس کے کان میں کہا ـــ "مجھے توقع نہیں تھی کہ یہ اتنی خوبصورت ہوگی۔"

ناجی نے صلاح الدین ایوبی کے پاس آکر کہا ـــ "امیرِ مصر کا اقبال بلند ہو۔ اس لڑکی کا نام ذکوئی ہے۔ اسے میں نے آپ کی خاطر سکندریہ سے بلایا ہے یہ پیشہ ور رقاصہ نہیں اور یہ عصمت فروش بھی نہیں۔ رقص سے اسے پیار ہے۔ شوقیہ ناچتی ہے۔ کسی محفل میں نہیں جاتی۔ میں اس کے باپ کو جانتا ہوں۔ ساحل پر مچھلیوں کا کاروبار کرتا ہے۔ یہ لڑکی آپ کی عقیدت مند ہے۔ آپ کو پیغمبر مانتی ہے۔ میں اتفاق سے اس کے گھر اس کے باپ سے ملنے گیا تو اس لڑکی نے استدعا کی کہ سنا ہے صلاح الدین ایوبی امیرِ مصر بن کے آئے ہیں۔ خدا کے



نام پر مجھے ان سے ملوا دو۔ میرے پاس اپنی جان اور رقص کے سوا کچھ بھی نہیں جو میں اس عظیم ہستی کے قدموں میں پیش کروں.... قابلِ صد احترام امیر! میں نے آپ سے رقص و سرود کی اجازت اسی لیے مانگی تھی کہ اس لڑکی کو میں آپ کے حضور پیش کرنا چاہتا تھا۔"

"آپ نے اسے بتایا تھا کہ میں اپنے سامنے کسی لڑکی کو رقص اور عُریانی کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا؟" ـــــ صلاح الدین ایوبی نے کہا ـــــ "یہ لڑکیاں جنہیں آپ ملبوس لائے ہیں بالکل ننگی ہیں ـــــ"

"عالی مقام!" ناجی نے کھسیانہ ہو کے جواب دیا۔ "میں نے بتایا تھا کہ امیرِ مصر رقص کو ناپسند فرماتے ہیں لیکن یہ کہتی تھی کہ وہ میرا رقص پسند کریں گے کیونکہ میرے رقص میں دعوتِ گناہ نہیں۔ یہ ایک باعصمت لڑکی کا رقص ہوگا۔ میں ایوبی کے حضور اپنا جسم نہیں، اپنا فن پیش کروں گی۔ اگر میں مرد ہوتی تو ایوبی کی جان کی حفاظت کے لیے اس کے محافظ دستے میں شامل ہو جاتی۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا ـــ "اس لڑکی کو اپنے پاس بُلا کر اسے خراجِ تحسین پیش کروں کہ تم اپنے جسم کو ہزاروں مردوں کے سامنے عریاں کرکے بہت اچھا ناچتی ہو؟ اسے اس پر شاباش کہوں کہ اس نے مردوں کے جنسی جذبات بھڑکانے میں خوب مہارت حاصل کی ہے؟"

"نہیں امیرِ مصر!" ناجی نے کہا۔ "میں اسے اس وعدے پر یہاں لایا ہوں کہ آپ اسے شرفِ باریابی بخشیں گے۔ یہ بڑی دُور سے اسی امید پر آئی ہے۔ ذرا دیکھیے اسے۔ اس کے رقص میں پیشہ ورانہ تاثر نہیں، خود سپردگی ہے۔ دیکھیے، وہ آپ کو کیسی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔ بے شک عبادت صرف اللہ کی جاتی ہے لیکن یہ رقص کی اداؤں سے، عقیدت سے، مخمور نگاہوں سے آپ کی عبادت کر رہی ہے۔ آپ اسے اپنے خیمے میں آنے کی اجازت دے دیں۔ تھوڑی سی دیر کے لیے۔ اسے مستقبل کی وہ ماں سمجھیں جس کی کوکھ سے اسلام کی پاسبانی کے لیے جانباز جنم لیں گے۔ یہ اپنے بچوں کو بڑے فخر سے بتایا کرے گی کہ میں نے صلاح الدین ایوبی سے تنہائی میں باتیں کرنے کا شرف حاصل کیا تھا۔"

ناجی نے نہایت پُر اثر الفاظ اور جذباتی لب و لہجہ میں صلاح الدین ایوبی سے منوا لیا کہ یہ لڑکی جسے اُس نے ایک بردہ فروش سے خریدا تھا، شریف باپ کی

باعصمت بیٹی ہے۔ اس نے صلاح الدین ایوبی سے کہلوا لیا کہ "اچھا، اسے میرے خیمے میں بھیج دینا"۔

ذکوئی نہایت آہستہ آہستہ جسم کو بل دیتی اور بار بار صلاح الدین ایوبی کی طرف دیکھ کر مسکراتی تھی۔ باقی لڑکیاں اس کے گرد تتلیوں کی طرح جیسے اُڑ رہی ہوں۔ یہ اُچھل کود والا رقص نہیں تھا۔ مشعلوں کی روشنی میں کبھی تو یوں لگتا تھا جیسے ہلکے نیلے شفاف پانی میں جل پریاں تیر رہی ہوں۔ چاندنی کا اپنا ایک تاثر تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے متعلق کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ گُم سُم بیٹھا کیا سوچ رہا تھا۔ ناجی کے سپاہی جو شراب پی کر ہنگامہ بپا کر رہے تھے وہ بھی جیسے مرگئے تھے۔ زمین اور آسمان پر وجد طاری تھا۔ ناجی اپنی کامیابی پر بے حد مسرور تھا اور رات گزرتی جا رہی تھی۔

☆

نصف شب کے بعد صلاح الدین ایوبی اُس خوشنما خیمے میں داخل ہُوا جو ناجی نے اس کے لیے نصب کرایا تھا۔ اندر اس نے قالین بچھا دیئے تھے۔ پلنگ پر چیتے کی کھال کی مانند پلنگ پوش تھا۔ فانوس جو رکھوایا تھا، اس کی ہلکی نیلی روشنی صحرا کی شفاف چاندنی کی مانند تھی اور اندر کی فضا عطر بیز تھی، خیمے کے اندر ریشمی پردے آویزاں تھے۔ ناجی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ خیمے میں گیا اور پوچھا — "اُسے ذرا سی دیر کے لیے بھیج دوں؟ میں وعدہ خلافی سے بہت ڈرتا ہوں"۔

"بھیج دو"، صلاح الدین ایوبی نے کہا اور ناجی ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا خیمے سے نکل گیا۔

تھوڑا ہی وقت گزرا ہوگا کہ صلاح الدین ایوبی کے محافظوں نے ایک رقاصہ کو اس کے خیمے کی طرف آتے دیکھا۔ خیمے کے ہر طرف مشعلیں روشن تھیں۔ روشنی کا یہ انتظام علی بن سفیان نے کرایا تھا تاکہ رات کے وقت محافظ گرد و پیش کو اچھی طرح دیکھ سکیں۔ رقاصہ قریب آئی تو انہوں نے اسے پہچان لیا۔ انہوں نے اُسے رقص میں دیکھا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو ٹوکرے میں سے نکلی تھی۔ وہ ذکوئی تھی۔ وہ رقص کے لباس میں تھی۔ یہ لباس تو بے شکن تھا۔ اس میں وہ عریاں تھی۔ محافظوں کے کمانڈر نے اُسے روک لیا۔ [illegible] نے اسے بتایا اُسے امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی نے بلایا ہے۔ کمانڈر نے اسے [illegible]ایا کہ یہ اُن امیروں میں



سے نہیں جو تم جیسی فاحشہ لڑکیوں کے ساتھ راتیں گزارتے ہیں۔

"آپ اُن سے پوچھ لیں"، ذکوئی نے کہا: "میں بن بلائے آنے کی جرأت نہیں کرسکتی"۔

"اُن کا بلاوا تمہیں کس طرح ملا تھا؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"سالار ناجی نے کہا ہے کہ تمہیں امیر مصر بلاتے ہیں"، ذکوئی نے کہا۔ "آپ کہتے ہیں تو میں واپس چلی جاتی ہوں۔ امیر نے جواب طلبی کی تو خود بُھگت لینا"۔

کمانڈر تسلیم نہیں کرسکتا تھا کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی خواب گاہ میں ایک رقاصہ کو بلایا ہے۔ وہ ایوبی کے کردار سے واقف تھا۔ اس کے اس حکم سے بھی واقف تھا کہ ناچنے گانے والیوں سے تعلق رکھنے والے کو ایک سَو دُرّے لگائے جائیں گے۔ کمانڈر شش و پنج میں پڑ گیا۔ سوچ سوچ کر اس نے جرأت کی اور صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں چلا گیا۔ ایوبی اندر ٹہل رہا تھا۔ کمانڈر نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ باہر ایک رقاصہ کھڑی ہے۔ کہتی ہے کہ حضور نے اُسے بلایا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا — "اُسے اندر بھیج دو"۔

کمانڈر باہر نکلا اور ذکوئی کو اندر بھیج دیا۔ محافظوں کو توقع تھی کہ ان کا امیر اور سالارِ اعظم اس لڑکی کو باہر نکال دے گا۔ وہ سب اس کی گرجدار آواز سننے کے لیے تیار ہوگئے مگر انہیں ایسی کوئی آواز نہ سنائی دی۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ اندر سے دھیمی دھیمی باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ محافظ دستے کا کمانڈر بے قراری کے عالم میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ ایک محافظ نے اسے کہا — "کیا یہ حکم صرف ہمارے لیے ہے کہ کسی فاحشہ کے ساتھ تعلق رکھنا جرم ہے؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "حکم صرف ماتحتوں کے لیے اور قانون صرف رعایا کے لیے ہوتے ہیں"۔

"امیرِ مصر کو دُرّے نہیں لگائے جا سکتے"۔

"بادشاہوں کا کوئی کردار نہیں ہوتا"۔ کمانڈر نے جل کر کہا۔ "صلاح الدین ایوبی شراب بھی پیتا ہوگا۔ ہم پر جھوٹی پارسائی کا رُعب جمایا جاتا ہے"۔

ان کی نگاہوں میں صلاح الدین ایوبی کا جو بُت تھا وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس بُت میں سے ایک عربی شہزادہ نکلا جو عیاش اور بدکار تھا۔ پارسائی کے پردے میں گناہ کا مرتکب ہو رہا تھا۔

ناجی بہت خوش تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی خوشنودی کے لیے اُس نے شراب سونگھی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھا مسرت سے جھوم رہا تھا۔ اس کے سامنے اس کا نائب سالار اوروش بیٹھا تھا۔ اس نے ناجی سے کہا۔ "اسے گئے بہت وقت گزر گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہمارا تیر صلاح الدین ایوبی کے دل میں اُتر گیا ہے۔"

"میرا تیر خطا کب گیا تھا؟" ناجی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اگر یہ تیر خطا جاتا تو فوراً یہیں لوٹ کے ہمارے پاس آجاتا۔"

"تم ٹھیک کہتے تھے۔" اوروش نے کہا۔ "ذکوئی انسان کے روپ میں طلسم ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ لڑکی حشیشین کے ساتھ رہی ہے ورنہ صلاح الدین ایوبی جیسا بُت کبھی نہ توڑ سکتی۔"

"میں نے اسے جو سبق دیئے تھے وہ حشیشین کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہوں گے۔" ناجی نے کہا۔ "اب صلاح الدین ایوبی کے حلق سے شراب اتارنی رہ گئی ہے۔" ناجی کو باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ دوڑ کر باہر گیا۔ وہ ذکوئی نہیں تھی۔ کوئی سپاہی جا رہا تھا۔ ناجی نے دُور سے صلاح الدین ایوبی کے خیمے کی طرف دیکھا۔ پردے گرے ہوئے تھے اور باہر محافظ کھڑے تھے۔ اس نے اندر جا کر اوروش سے کہا۔ "اب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میری ذکوئی نے بُت توڑ ڈالا ہے۔"

☆

رات کا آخری پہر تھا جب ذکوئی صلاح الدین ایوبی کے خیمے سے نکلی۔ ناجی کے خیمے میں جانے کی بجائے وہ دوسری طرف چلی گئی۔ راستے میں ایک آدمی کھڑا تھا، جس کا جسم سر سے پاؤں تک ایک ہی لبادے میں ڈھکا ہُوا تھا۔ اس نے دھیمی سی آواز میں ذکوئی کو پکارا۔ وہ اس آدمی کے پاس چلی گئی۔ وہ آدمی اسے ایک خیمے میں لے گیا۔ بہت دیر بعد وہ اس خیمے سے نکلی اور ناجی کے خیمے کا رُخ کر لیا۔ ناجی اس وقت تک جاگ رہا تھا اور کئی بار باہر نکل کر صلاح الدین ایوبی کے خیمے کو دیکھ چکا تھا کہ ذکوئی نے صلاح الدین ایوبی کو پھانس لیا ہے اور اسے آسمان کی بلندیوں سے گھسیٹ کر ناجی کی ذہنیت کی پستیوں میں لے آئی ہے۔

"اوروش!" اس نے کہا۔ "رات تو گزر گئی ہے۔ وہ ابھی تک نہیں آئی۔"

"وہ اب آئے گی بھی نہیں۔" اوروش نے کہا۔ "امیرِ مصر اُسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ ایسے ہیرے کوئی شہزادہ واپس نہیں کیا کرتا.... تم نے اس پر بھی غور کیا ہے؟"



"نہیں۔" ناجی نے کہا۔ "میں نے اپنی چال کا یہ پہلو تو سوچا ہی نہیں تھا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ امیرِ مصر ذکوئی کے ساتھ باقاعدہ شادی کرلے؟" اوروش نے کہا۔ "اس صورت میں یہ خطرہ ہے کہ لڑکی ہمارے کام کی نہیں رہے گی۔"

"وہ ہے تو ہوشیار۔" ناجی نے کہا۔ "مگر رقاصہ کا کیا بھروسہ؟ وہ رقاصہ کی بیٹی ہے اور تجربہ کار پیشہ ور ہے۔ دھوکہ دے سکتی ہے۔"

وہ گہری سوچ میں کھویا ہُوا تھا کہ ذکوئی اس کے خیمے میں داخل ہوئی۔ اس نے ہنس کر کہا۔ "اپنے امیر کے جسم کا وزن کرو اور لاؤ اتنا سونا۔ آپ نے میرا یہی انعام مقرر کیا تھا نا؟"

"پہلے بتاؤ ہُوا کیا؟" ناجی نے بے تابی سے پوچھا۔

"جو آپ چاہتے تھے۔" ذکوئی نے جواب دیا۔ "آپ کو یہ کس نے بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی پتھر ہے، فولاد ہے اور وہ مسلمانوں کے اللہ کا سایہ ہے؟" اس نے زمین پر پاؤں کا ٹھڈ مار کر کہا۔ "وہ اس ریت سے زیادہ بے بس ہے جسے ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے اُڑاتے پھرتے ہیں۔"

"تمہارے حُسن کے جادو اور زبان کے طلسم نے اسے ریت بنایا ہے۔" اوروش نے کہا۔ "ورنہ یہ کمبخت چٹان تھا۔"

"ہاں، چٹان تھا۔" ذکوئی نے کہا۔ "اب ریتلا ٹیلا بھی نہیں۔"

"میرے متعلق کوئی بات ہوئی تھی؟" ناجی نے پوچھا۔

"ہاں۔" ذکوئی نے جواب دیا۔ "پوچھتا تھا ناجی کیسا آدمی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ مصر میں اگر کسی پر آپ کو اعتماد کرنا چاہیئے تو وہ صرف ناجی ہے۔ اس نے پوچھا کہ تم کس طرح اُسے جانتی ہو۔ میں نے کہا کہ وہ میرے باپ کے گہرے دوست ہیں۔ ہمارے گھر گئے تھے اور میرے باپ سے کہتے تھے کہ میں صلاح الدین ایوبی کا غلام ہوں۔ مجھے سمندر میں کودنے کا حکم دیں گے تو کود جاؤں گا.... پھر اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تم باعصمت لڑکی ہو۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی لونڈی ہوں۔ آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر۔ کہنے لگا کچھ دیر میرے پاس بیٹھو۔ میں اس کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر وہ اگر پتھر تھا تو موم ہو گیا اور میں نے موم کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا۔ اُس سے رخصت ہونے لگی تو اس نے مجھ سے معافی مانگی۔ کہنے لگا میں نے زندگی میں پہلا گناہ کیا ہے۔ میں نے

کہا۔ یہ گناہ نہیں۔ آپ نے میرے ساتھ دھوکہ نہیں کیا۔ زبردستی نہیں کی۔ مجھے بادشاہوں کی طرح حکم دے کر نہیں بلایا۔ میں خود آئی تھی۔ پھر بھی آؤں گی۔"

لڑکی نے ہر ایک بات اس طرح کھُل کر سنائی جس طرح اس کا جسم عریاں تھا۔ ناجی نے جوشِ مسرت سے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ اور روش ذکوئی کو خراجِ تحسین اور ناجی کو مبارکباد پیش کر کے خیمے سے نکل گیا۔

☆

صحرا کی اس پُر اسرار رات کی کوکھ سے جس صبح نے جنم لیا وہ کسی بھی صحرائی صبح سے مختلف نہیں تھی مگر اس صبح کے اجالے نے اپنے تاریک سینے میں ایک راز چھپا لیا تھا جس کی قیمت اس سلطنتِ اسلامیہ جتنی تھی جس کے قیام اور استحکام کا خواب صلاح الدین ایوبی نے دیکھا اور اس کی تعبیر کا عزم لے کر جوان ہُوا تھا۔ گزشتہ رات اس صحرا میں جو واقعہ ہُوا اس کے دو پہلو تھے۔ ایک پہلو سے صرف ناجی اور ادروش واقف تھے۔ دوسرے پہلو سے صلاح الدین ایوبی کا محافظ دستہ واقف تھا اور صلاح الدین ایوبی، اُس کا سراغ رساں اور جاسوس علی بن سفیان اور ذکوئی، تین ایسے افراد تھے جو اس واقعہ کے دونوں پہلوؤں سے واقف تھے۔

صلاح الدین ایوبی اور اس کے سٹاف کو ناجی نے نہایت شان و شوکت اور عقیدت مندی سے رخصت کیا۔ سوڈانی فوج دو رویہ کھڑی "صلاح الدین ایوبی زندہ باد" کے نعرے لگا رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی نے نعروں کے جواب میں بازو لہرانے، مسکرانے اور دیگر تکلفات کی پروا نہ کی۔ ناجی سے ہاتھ ملایا۔ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے پیچھے اس کے محافظوں اور دیگر سٹاف کو بھی گھوڑے دوڑانے پڑے۔ اپنے مرکزی دفتر میں پہنچ کر وہ علی بن سفیان اور اپنے ایک نائب کو اندر لے گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہ سارا دن کمرے میں بند رہے۔ سورج غروب ہُوا۔ رات تاریک ہوگئی۔ کمرے کے اندر کھانا تو درکنار پانی بھی نہیں گیا۔ رات خاصی گزر چکی تھی جب تینوں باہر نکلے اور اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

علی بن سفیان اُن سے الگ ہُوا تو محافظوں کے دستے کے کمانڈر نے اسے روک لیا اور کہا ــــ "محترم! ہمارا فرض ہے کہ حکم مانیں اور زبانیں بند رکھیں لیکن میرے دستے میں ایک مایوسی اور بے اطمینانی پیدا ہوگئی ہے۔ خود میں بھی اس کا



شکار ہو رہا ہوں۔"

"کیسی مایوسی؟"

"محافظ کہتے ہیں کہ ایک فوج کو شراب پینے کی اجازت ہے تو ہمیں اس سے کیوں منع کیا گیا ہے؟" کمانڈر نے کہا ــــ "اگر آپ میری شکایت کو گستاخی سمجھیں تو سزا دے دیں لیکن میری شکایت سن لیں۔ ہم اپنے امیر کو خدا کا برگزیدہ انسان سمجھتے تھے اور اس پر دل و جان سے فدا تھے۔ مگر رات . . . . ."

"اس کے خیمے میں ایک رقاصہ گئی تھی۔" علی بن سفیان نے اس کی بات پوری کرتے ہوئے کہا ــــ "تم نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ گناہ امیر کرے یا غلام، سزا میں کوئی فرق نہیں، گناہ بہرحال گناہ ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ رقاصہ اور امیرِ مصر کی خفیہ ملاقات کے ساتھ گناہ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ کیا تھا؟ ابھی نہیں بتاؤں گا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تم سب کو معلوم ہو جائے گا کہ رات کیا ہُوا تھا۔" اس نے کمانڈر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ــــ "میری بات غور سے سنو عامر بن صالح! تم پرانے عسکری ہو۔ اچھی طرح جانتے ہو کہ فوج اور فوج کے سربراہوں کے کچھ راز ہوتے ہیں جن کی حفاظت ہم سب کا فرض ہے۔ رقاصہ کا امیرِ مصر کے خیمے میں جانا بھی ایک راز ہے۔ اپنے جانبازوں کو کسی شک میں نہ پڑنے دو اور کسی سے ذکر تک نہ ہو کہ رات کیا ہُوا تھا۔"

علی بن سفیان کی قابلیت اور کارناموں سے یہ کمانڈر آگاہ تھا۔ مطمئن ہو گیا اور اس نے اپنے دستے کے شکوک رفع کر دیئے۔

اگلے روز صلاح الدین ایوبی دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ ناجی ملنے آیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کھانے سے فارغ ہو کر ناجی سے ملا۔ ناجی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ گھبرایا ہُوا ہے اور غصّے میں بھی ہے۔ اس نے ہکلانے کے لہجے میں کہا ــــ "قابلِ صد احترام امیر! کیا یہ حکم آپ نے جاری کیا ہے کہ سوڈانی محافظ فوج کی پچاس ہزار نفری مصر کی اس فوج میں مدغم کر دی جائے جو حال ہی میں تیار ہوئی ہے؟"

"ہاں ناجی!" صلاح الدین ایوبی نے تحمل سے جواب دیا۔ "میں نے کل سارا دن اور رات کا کچھ حصہ صرف کر کے اور بڑی گہری سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ تحریر کیا ہے کہ جس فوج کے تم سالار ہو اسے مصر کی فوج میں اس طرح مدغم کر دیا جائے کہ ہر دستے میں سوڈانیوں کی نفری صرف دس فی صد ہو اور تمہیں یہ حکم بھی مل چکا

ہوگا کہ تم اب اس فوج کے سالار نہیں ہوگے تم فوج کے مرکزی دفتر میں آجاؤ گے۔"

"عالی مقام!" ناجی نے کہا — "مجھے کس جُرم کی سزا دی جا رہی ہے؟"

"اگر تمہیں یہ فیصلہ پسند نہیں تو فوج سے الگ ہو جاؤ۔" صلاح الدّین ایّوبی نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے میرے خلاف سازش کی گئی ہے" — ناجی نے کہا: "آپ کے بلند دماغ اور گہری نظر کو چھان بین کر لینی چاہیے۔ مرکز میں میرے بہت سے دشمن ہیں۔"

"میرے دوست!" صلاح الدّین ایّوبی نے کہا — "میں نے یہ فیصلہ صرف اس لیے کیا ہے کہ میری انتظامیہ اور فوج سے سازشوں کا خطرہ ہمیشہ کے لیے نکل جائے اور میں نے یہ فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ فوج میں کسی کا عہدہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو اور کوئی کتنا ہی ادنیٰ کیوں نہ ہو وہ شراب نہ پیئے، ہلڑبازی نہ کرے اور فوجی جشنوں میں ناچ گانے نہ ہوں۔"

"لیکن عالی جاہ!" ناجی نے کہا — "میں نے حضور سے اجازت لے لی تھی۔"

"اور میں نے شراب اور ناچ گانے کی اجازت صرف اس لیے دی تھی کہ اس فوج کو اس کی اصل حالت میں دیکھ سکوں جسے تم ملّتِ اسلامیہ کی فوج کہتے ہو۔ میں پچاس ہزار نفری کو برطرف نہیں کر سکتا۔ مصری فوج میں اسے مدغم کر کے اس کے کردار کو سدھار دوں گا اور یہ بھی سُن لو کہ ہم میں کوئی مصری، سوڈانی، شامی اور عجمی نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا جھنڈا ایک اور مذہب ایک ہے۔"

"امیرِ عالی مرتبت نے یہ تو سوچا ہوتا کہ میری حیثیت کیا رہ جائے گی؟"

"جس کے تم اہل ہو۔" صلاح الدین ایّوبی نے کہا: "اپنے ماضی پر خود ہی نگاہ ڈالو۔ ضروری نہیں کہ اپنی کارستانیوں کی داستان مجھ سے سنو ..... فوراً واپس جاؤ۔ اپنی فوج کی نفری، سامان، جانوروں، سامانِ خورد و نوش وغیرہ کے کاغذات تیار کر کے میرے نائب کے حوالے کر دو۔ سات دن کے اندر اندر میرے حکم کی تعمیل مکمل ہو جائے۔"

ناجی نے کچھ کہنا چاہا لیکن صلاح الدّین ایّوبی ملاقات کے کمرے سے نکل گیا۔

☆

یہ بات ناجی کے خفیہ حرم میں بھی پہنچ گئی تھی کہ ذکوئی کو امیرِ مصر نے رات



بھر کا شرفِ باریابی بخشا ہے۔ ذکوئی کے خلاف حسد کی آگ پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ اسے آئے ابھی بہت تھوڑا عرصہ گزرا تھا لیکن ناجی پہلے روز سے ہی اسے اپنے ساتھ رکھنے لگا تھا۔ اسے ذرا سی دیر کے لیے بھی اپنے اس حرم میں نہیں جانے دیا تھا جہاں اس کی دلپسند ناچنے والی جوان لڑکیاں رہتی تھیں۔ ذکوئی کو اس نے الگ کمرہ دیا تھا۔ انہیں یہ تو معلوم نہ تھا کہ ناجی اسے صلاح الدّین ایّوبی کو موم کرنے کی ٹریننگ دے رہا ہے اور وہ کسی بہت بڑے تخریبی منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ یہ رقاصائیں یہ دیکھ کر جل بھن گئی تھیں کہ ذکوئی نے ناجی پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے دل میں اُن کے خلاف نفرت پیدا کر دی ہے۔ حرم کی دو لڑکیاں ذکوئی کو ٹھکانے لگانے کی سوچتی رہتی تھیں۔ اب انہوں نے دیکھا کہ ذکوئی کو امیرِ مصر نے بھی اتنا پسند کیا ہے کہ اسے رات بھر اپنے خیمے میں رکھا ہے تو وہ پاگل سی ہو گئیں۔ اسے ٹھکانے لگانے کا واحد طریقہ قتل تھا۔ قتل کے دو ہی طریقے ہو سکتے تھے، زہر یا کرائے کا قاتل جو اسے سوتے میں قتل کر آئے۔ دونوں طریقے ممکن نہیں تھے کیونکہ ذکوئی باہر نہیں نکلتی تھی اور زہر دینے کے لیے اس تک رسائی نہیں ہو سکتی تھی۔

ان دونوں نے حرم کی سب سے زیادہ چالاک ملازمہ کو اعتماد میں لے رکھا تھا۔ اُسے انعام و اکرام دیتی رہتی تھیں۔ جب حسد کی انتہا نے اُن کی آنکھوں میں خون اتار دیا تو انہوں نے اس ملازمہ کو منہ مانگے انعام کا لالچ دے کر اپنا مدعا بیان کر دیا۔ یہ ملازمہ بڑی خرانٹ اور منجھی ہوئی عورت تھی۔ اس نے کہا کہ سالار کی رہائش گاہ میں جا کر ذکوئی کو زہر دینا ممکن نہیں۔ موقع محل دیکھ کر اسے خنجر سے قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے وقت چاہیے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ وہ ذکوئی کی نقل و حرکت پر نظر رکھے گی۔ ہو سکتا ہے کوئی موقع جلدی نکل آئے۔ اس جرائم پیشہ عورت نے یہ بھی کہا کہ اگر کوئی موقعہ نہ نکلا تو حشیشین کی مدد حاصل کی جائے گی مگر وہ معاوضہ بہت زیادہ لیتے ہیں۔ دونوں لڑکیوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ زیادہ سے زیادہ معاوضہ دینے کو تیار ہیں۔

☆

ناجی بے حد غصّے کے عالم میں اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ذکوئی اُسے ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کر چکی تھی لیکن اس کا غصّہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"آپ مجھے اس کے پاس جانے دیں۔" ذکوئی نے چوتھی بار کہا۔ "میں اُسے شیشے میں اتار لوں گی۔"

"بیکار ہے۔" ناجی نے گرج کر کہا۔ "وہ کمبخت حکم نامہ جاری کر چکا ہے جس پر عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔ مجھے اس نے کہیں کا نہیں رہنے دیا۔ اس پر تمہارا جادو نہیں چل سکا۔ مجھے معلوم ہے کہ میرے خلاف یہ سازش کرنے والے لوگ کون ہیں۔ وہ میری ابھرتی ہوئی حیثیت سے حسد کرتے ہیں۔ میں امیرِ مصر بننے والا تھا۔ میں نے یہاں کے حکمرانوں پر حکومت کی ہے حالانکہ میں معمولی سا سالار تھا۔ اب میں سالار بھی نہیں رہا۔" اس نے دربان کو اندر بلا کر کہا کہ ادروش کو بلا لائے۔

اس کا ہمراز اور نائب ادروش آیا تو ناجی نے اس کے ساتھ بھی اسی موضوع پر بات کی۔ اُسے وہ کوئی نئی خبر نہیں سنا رہا تھا۔ ادروش کے ساتھ وہ صلاح الدین ایوبی کے نئے حکم نامے پر تفصیلی تبادلۂ خیالات کر چکا تھا مگر دونوں اس کے خلاف کوئی کارروائی سوچ نہیں سکے تھے۔ اب اس کے دماغ میں ایک کارروائی آگئی تھی۔ اس نے ادروش سے کہا۔ "میں نے جوابی کارروائی سوچ لی ہے۔"

"کیا؟"

"بغاوت۔" ناجی نے کہا۔ ادروش چپ چاپ اُسے دیکھتا رہا۔ ناجی نے کہا۔ "تم حیران ہو گئے ہو؟ کیا تمہیں شک ہے کہ یہ پچاس ہزار سوڈانی فوج ہماری وفادار نہیں؟ کیا یہ صلاح الدین ایوبی کی نسبت مجھے اور تمہیں اپنا حاکم اور بہی خواہ نہیں سمجھتی؟ کیا تم اپنی فوج کو یہ کہہ کر بغاوت پر آمادہ نہیں کر سکتے کہ تمہیں مصریوں کا غلام بنایا جا رہا ہے اور مصر تمہارا ہے؟"

ادروش نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں نے اس اقدام پر غور نہیں کیا تھا۔ بغاوت کا انتظام ایک اشارے پر ہو سکتا ہے لیکن مصر کی نئی فوج بغاوت کو دبا سکتی ہے اور اس فوج کو کمک بھی مل سکتی ہے۔ حکومت سے ٹکر لینے سے پہلے ہمیں ہر پہلو پر غور کر لینا چاہیے۔"

"میں غور کر چکا ہوں۔" ناجی نے جواب دیا۔ "میں عیسائی بادشاہوں کو مدد کے لیے بلا رہا ہوں۔ تم دو پیامبر تیار کرو۔ انہیں بہت دور جانا ہے۔ آؤ میری باتیں



غور سے سن لو۔ ذکوئی! تم اپنے کمرے میں چلی جاؤ۔"

ذکوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اور وہ دونوں ساری رات اپنے کمرے میں بیٹھے رہے۔

☆

صلاح الدین ایوبی نے دونوں فوجوں کو مدغم کرنے کا وقت سات روز مقرر کیا تھا۔ کاغذی کارروائی ہوتی رہی۔ ناجی پوری طرح تعاون کرتا رہا۔ چار روز گذر چکے تھے۔ اس دوران ناجی ایک بار پھر صلاح الدین ایوبی سے ملا لیکن اس نے کوئی شکایت نہ کی۔ تفصیلی رپورٹ دے کر صلاح الدین ایوبی کو مطمئن کر دیا کہ ساتویں روز دونوں فوجیں ایک ہو جائیں گی۔ صلاح الدین ایوبی کے نائبین نے بھی اسے یقین دلایا کہ ناجی دیانت داری سے تعاون کر رہا ہے، مگر علی بن سفیان کی رپورٹ کسی حد تک پریشان کن تھی۔ اس کی انٹیلی جنس سروس نے رپورٹ دی تھی کہ سوڈانی فوج کے سپاہیوں میں بے اطمینانی اور ابتری سی پائی جاتی ہے۔ وہ مصری فوج میں مدغم ہونے پر خوش نہیں۔ ان کے درمیان یہ افواہیں پھیلائی جا رہی تھیں کہ مصری فوج میں مدغم ہو کر اُن کی حیثیت غلاموں کی سی ہو جائے گی۔ انہیں مالِ غنیمت بھی نہیں ملے گا اور اُن سے باربرداری کا کام لیا جائے گا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہیں شراب نوشی کی اجازت نہیں ہوگی۔ علی بن سفیان نے یہ رپورٹیں صلاح الدین ایوبی تک پہنچا دیں۔ ایوبی نے اسے کہا کہ یہ لوگ طویل مدت سے عیش کر رہے ہیں۔ انہیں نئی تبدیلی یقیناً پسند نہیں آئے گی۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ نئے حالات اور ماحول کے عادی ہو جائیں گے۔

"اس لڑکی سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

"نہیں۔" علی نے جواب دیا۔ "اس سے ملاقات ممکن نظر نہیں آتی۔ میرے آدمی ناکام ہو چکے ہیں۔ ناجی نے اُسے قید کر رکھا ہے۔"

اس سے اگلی رات کا واقعہ ہے۔ رات ابھی ابھی تاریک ہوئی تھی۔ ذکوئی اپنے کمرے میں تھی۔ ناجی ادروش کے ساتھ اپنے کمرے میں تھا۔ اُسے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے پردہ ہٹا کر دیکھا۔ باہر کے چراغوں کی روشنی میں اُسے دو گھوڑ سوار گھوڑوں سے اترتے دکھائی دیئے۔ لباس سے وہ تاجر معلوم ہوتے تھے۔ لیکن وہ گھوڑوں سے اُتر کر ناجی کے کمرے کی طرف چلے تو اُن کی چال بتاتی تھی کہ یہ

تاجر نہیں۔ اتنے میں ادروش باہر نکلا۔ دونوں سوار اُسے دیکھ کر رک گئے اور ادروش کو سپاہیوں کے انداز سے سلام کیا۔ ادروش نے اُن کے گرد گھوم کر اُن کے لباس کا جائزہ لیا۔ پھر انہیں کہا کہ ہتھیار دکھاؤ۔ دونوں نے پُھرتی سے چغے کھولے اور ہتھیار دکھائے۔ اُن کے پاس چھوٹی تلواریں اور ایک ایک خنجر تھا۔ ادروش انہیں اندر لے گیا۔ دربان ایک طرف کھڑا تھا۔

ذکوئی گہری سوچ میں کھو گئی۔ وہ کمرے سے نکلی اور ناجی کے کمرے کا رُخ کیا مگر دربان نے اسے دروازے پر روک لیا اور کہا کہ اُسے حکم ملا ہے کہ کسی کو اندر نہ جانے دوں۔ ذکوئی کو وہاں ایسی حیثیت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ کمانڈروں پر بھی حکم چلانے لگی تھی۔ دربان کے روکنے سے وہ سمجھ گئی کہ کوئی خاص بات ہے۔ اُسے یاد آیا کہ دو راتیں پہلے ناجی نے اس کی موجودگی میں ادروش سے کہا تھا "میں عیسائی بادشاہوں کو مدد کے لیے بلا رہا ہوں۔ تم دو پیامبر تیار کرو۔ انہیں بہت دُور جانا ہے" اور پھر اس نے ذکوئی کو اپنے کمرے میں چلے جانے کو کہا تھا اور اُس نے بغاوت کی باتیں بھی کی تھیں۔

یہ سب کچھ سوچ کر وہ اپنے کمرے میں واپس چلی گئی۔ اس کے اور ناجی کے خاص کمرے کے درمیان ایک دروازہ تھا جو دوسری طرف سے بند تھا۔ اس نے اس دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ اُدھر کی آوازیں دھیمی تھیں۔ اسے کوئی بات سمجھ نہ آئی۔ کچھ دیر بعد اُسے ناجی کی بڑی صاف آواز سنائی دی۔ اس نے کہا "آبادیوں سے دُور رہنا۔ اگر کوئی شک میں پکڑنے کی کوشش کرے تو سب سے پہلے یہ پیغام غائب کرنا۔ جان پر کھیل جانا۔ جو بھی راستے میں حائل ہو اُسے ختم کر دینا۔ تمہارا سفر چار دنوں کا ہے۔ تین دنوں میں پہنچنے کی کوشش کرنا۔ سمت یاد کر لو۔ شمال مشرق۔"

دونوں آدمی باہر نکلے۔ ذکوئی بھی باہر آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ ناجی اور ادروش بھی باہر کھڑے تھے۔ سواروں کو الوداع کہنے نکلے ہوں گے۔ سوار بہت تیزی سے روانہ ہو گئے۔ ناجی نے ذکوئی کو دیکھا تو اسے بلا کر کہا — "میں باہر جا رہا ہوں۔ کام بہت ہے۔ تم آرام کرو۔ اگر اکیلے دل نہ لگے تو حرم میں گھوم پھر آنا۔"

"ہاں!" ذکوئی نے کہا۔ "جب سے آئی ہوں باہر نہیں نکلی۔"

ناجی اور ادروش چلے گئے۔ ذکوئی نے چغہ پہنا۔ کمر بند میں خنجر اُڑسا اور حرم کی طرف چل پڑی۔ وہ جگہ چند سو گز دُور تھی۔ وہ ناجی پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ حرم میں گئی تھی۔ دربان کو بھی اس نے یہی بتایا۔ حرم میں داخل ہوئی تو وہاں کی رہنے والیوں نے اُسے حیران ہو کے دیکھا۔ وہ پہلی دفعہ وہاں گئی تھی۔ سب نے اس کا استقبال احترام اور پیار سے کیا۔ اُن دو لڑکیوں نے بھی اسے خوش آمدید کہا جو اسے قتل کرانا چاہتی تھیں۔ ذکوئی سب سے ملی۔ ہر ایک کے ساتھ باتیں کیں اور واپس چل پڑی۔ وہ خرانٹ ملازمہ بھی وہیں تھی جسے اس کے قتل کے لیے کہا گیا تھا۔ اس نے ذکوئی کو بڑی غور سے دیکھا۔ ذکوئی باہر نکل گئی۔

حرم والے مکان اور ناجی کی رہائش گاہ کا درمیانی علاقہ اونچا نیچا تھا اور ویران۔ ذکوئی حرم سے نکلی تو ناجی کی رہائش گاہ کی طرف جانے کی بجائے بہت تیز تیز دوسری سمت چل پڑی۔ اُدھر ایک پگڈنڈی بھی تھی لیکن ذکوئی اس سے ذرا دُور ہٹ کر جا رہی تھی۔ اس سے پندرہ بیس قدم پیچھے ایک سیاہ سایہ چلا جا رہا تھا۔ وہ کوئی انسان ہی ہو سکتا تھا مگر سر سے پاؤں تک ایک لبادے میں لپٹا ہونے کی وجہ سے سیاہ بھوت لگتا تھا۔ ذکوئی کی رفتار تیز ہوئی تو اس بھوت نے اپنی رفتار اس سے بھی تیز کر دی۔ آگے گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ذکوئی اُن میں روپوش ہو گئی۔ سیاہ بھوت بھی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ وہاں سے کوئی اڑھائی تین سو گز آگے صلاح الدین ایوبی کی رہائش گاہ تھی جس کے ارد گرد فوج کے اعلیٰ رتبوں کے افراد رہتے تھے۔

ذکوئی کا رُخ اُدھر ہی تھا۔ وہ گھنی جھاڑیوں میں سے نکلی ہی تھی کہ بائیں طرف سے سیاہ بھوت اٹھا۔ چاندنی بڑی صاف تھی۔ پھر بھی اس کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کے پاؤں کی آہٹ بھی نہیں تھی۔ بھوت کا ہاتھ اوپر اٹھا۔ چاندنی میں خنجر چمکا اور بجلی کی تیزی سے خنجر ذکوئی کے بائیں کندھے اور گردن کے درمیان اُتر گیا۔ ذکوئی کی چیخ نہیں نکلی۔ خنجر اس کے کندھے سے نکل گیا۔ ذکوئی نے اتنا گہرا زخم کھا کر بھی نہایت تیزی سے اپنے کمر بند سے خنجر نکالا۔ بھوت نے اُس پر دوسرا وار کیا تو ذکوئی نے اس کے خنجر والے بازو کو اپنے بازو سے روک کر اپنا خنجر بھوت کے سینے میں گھونپ دیا۔ اسے چیخ سنائی دی جو کسی عورت کی تھی۔ ذکوئی نے اپنا خنجر کھینچ کر دوسرا وار کیا جو بھوت کے پیٹ میں اُتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے اپنے پہلو میں خنجر لگا لیکن زیادہ گہرا نہیں اُترا۔

بھوت چکرا کر گرا۔

ذکوئی نے یہ نہیں دیکھا کہ اس پر حملہ کرنے والا کون تھا۔ وہ دوڑ پڑی۔ اس کے جسم سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا مکان اسے چاندنی میں نظر آنے لگا۔ آدھا فاصلہ طے کرکے اُسے چکر آنے لگے۔ اس کی رفتار سست ہونے لگی۔ اس نے چلّانا شروع کردیا —— "علی۔ ایوبی۔ علی۔ ایوبی" اس کے کپڑے لال سرخ ہوگئے تھے اور وہ بڑی مشکل سے قدم گھسیٹ رہی تھی۔ اس کی منزل تھوڑی ہی دُور رہ گئی تھی جہاں تک پہنچنا اس کے لیے ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ وہ مسلسل صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان کو پکارے جارہی تھی۔ قریب کہیں ایک گشتی سنتری پھر رہا تھا۔ اُسے اس کی آوازیں سنائی دیں تو وہ دوڑ کر پہنچا۔ ذکوئی اس پر گر پڑی اور کہا "مجھے امیرِ مصر تک پہنچا دو۔ بہت جلدی۔ بہت جلدی" سنتری نے اس کا خون دیکھا تو اُسے پیٹھ پر لاد کر دوڑ پڑا۔

☆

صلاح الدین ایوبی اپنے کمرے میں بیٹھا علی بن سفیان سے رپورٹ لے رہا تھا۔ اس کے دو نائب بھی موجود تھے۔ یہ رپورٹیں کچھ اچھی نہیں تھیں۔ علی بن سفیان نے بغاوت کے خدشے کا اظہار کیا تھا جس پر غور ہو رہا تھا۔ دربان گھبراہٹ کے عالم میں اندر آیا اور بتایا کہ ایک سپاہی ایک زخمی لڑکی کو اٹھائے باہر کھڑا ہے۔ کہتا ہے یہ لڑکی امیرِ مصر سے ملنا چاہتی ہے۔ یہ سنتے ہی علی بن سفیان کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے صلاح الدین ایوبی دوڑا۔ اتنے میں لڑکی کو اندر لے آئے۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا "طبیب اور جرّاح کو فوراً بلاؤ"۔ لڑکی کو صلاح الدین ایوبی نے اپنے پلنگ پر لٹا دیا۔ ذرا سی دیر میں پلنگ پوش خون سے لال ہونے لگا۔

"کسی کو نہ بلاؤ" لڑکی نے نحیف آواز میں کہا "میں اپنا فرض ادا کرچکی ہوں"

"تمہیں زخمی کس نے کیا ہے ذکوئی؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"پہلے ضروری باتیں سُن لو" ذکوئی نے کہا "شمال مشرق کی طرف سوار دوڑا دو۔ دو سوار جاتے نظر آئیں گے۔ دونوں کے چُغے بادامی رنگ کے ہیں۔ ایک کا گھوڑا بادامی اور دوسرے کا سیاہ ہے۔ وہ تاجر لگتے ہیں۔ اُن کے پاس سالار ناجی کا تحریری



پیغام ہے جو عیسائی بادشاہ فرینک کو بھیجا گیا ہے۔ ناجی کی یہ سوڈانی فوج بغاوت کرے گی۔ مجھے اور کچھ بھی معلوم نہیں۔ تمہاری سلطنت سخت خطرے میں ہے۔ اُن دو سواروں کو راستے میں پکڑ لو۔ تفصیل اُن کے پاس ہے" بولتے بولتے ذکوئی کو غشی آنے لگی۔

دو طبیب آگئے۔ انہوں نے ذکوئی کا خون بند کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس کے منہ میں دوائیاں ڈالیں جن کے اثر سے وہ بولنے کے قابل ہوگئی۔ وہ ضروری پیغام دے چکی تھی۔ اس کے بعد اس نے دوسری ساری باتیں سنائیں۔ مثلاً ناجی نے ادروش کے ساتھ کیا باتیں کی تھیں۔ اُسے کس طرح اپنے کمرے میں بھیج دیا گیا تھا۔ ناجی کا غصّہ اور بھاگ دوڑ۔ دو سواروں کا آنا۔ وغیرہ۔ پھر اس نے بتایا کہ اُسے کچھ علم نہیں کہ اس پر حملہ کرنے والا کون تھا۔ وہ موقعہ موزوں دیکھ کر اِدھر ہی رپورٹ دینے کے لیے آرہی تھی کہ پیچھے سے کسی نے اسے خنجر گھونپ دیا۔ اس نے اپنا خنجر نکال کر حملہ آور پر حملہ کیا۔ حملہ آور کی چیخ بتاتی تھی کہ وہ کوئی عورت ہے۔ اس نے حملے کی جگہ بتائی۔ اسی وقت اس جگہ آدمی دوڑا دیئے گئے۔ ذکوئی نے کہا تھا کہ وہ زندہ نہیں ہوسکتی۔ اس کے خنجر اس کے سینے اور پیٹ میں لگے تھے۔

خون رک نہیں رہا تھا۔ زیادہ تر خون تو پہلے ہی بہہ گیا تھا۔ ذکوئی نے صلاح الدین ایوبی کا ہاتھ پکڑا اور چُوم کر کہا "اللہ آپ کو اور آپ کی سلطنت کو سلامت رکھے۔ آپ شکست نہیں کھا سکتے۔ مجھ سے زیادہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ صلاح الدین ایوبی کا ایمان کتنا پختہ ہے" —— پھر اس نے علی بن سفیان سے کہا "میں نے کوتاہی تو نہیں کی؟ آپ نے جو فرض مجھے سونپا تھا وہ میں نے پورا کردیا ہے"

"تم نے اس سے زیادہ پورا کیا ہے" علی بن سفیان نے اسے کہا "میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ناجی اس حد تک خطرناک کارروائی کرے گا اور تمہیں جان کی قربانی دینی پڑے گی۔ میں نے تمہیں صرف مخبری کے لیے وہاں بھیجا تھا"

"کاش! میں مسلمان ہوتی" ذکوئی نے کہا۔ اس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا "میرے اس کام کا جو بھی معاوضہ دینا ہے وہ میرے اندھے باپ اور سدا بیمار ماں کو دے دینا۔ اُن کی معذوریوں نے مجھے بارہ سال کی عمر میں رقاصہ بنا دیا تھا"

ذکوئی کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ آنکھیں آدھی کھلی رہیں اور ہونٹ اس طرح نیم وا جیسے مسکرا رہی ہو۔ طبیب نے نبض پر ہاتھ رکھا اور صلاح الدین ایوبی

کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ ذکوئی کی روح اس کے زخمی جسم سے آزاد ہوگئی تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے کہا۔"یہ کسی بھی مذہب کی تھی، اسے پورے اعزاز کے ساتھ دفن کرو۔ اس نے اسلام کے لیے جان قربان کی ہے۔ یہ ہمیں دھوکہ بھی دے سکتی تھی"۔

دربان نے بتایا کہ باہر ایک عورت کی لاش آئی ہے۔ جاکر دیکھا۔ وہ ایک اُدھیڑ عمر کی عورت کی لاش تھی۔ جائے وقوعہ سے دو خنجر ملے تھے۔ اس عورت کو کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ یہ ناجی کے حرم کی ملازمہ تھی جس نے انعام کے لالچ میں ذکوئی پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ رات کو ہی ذکوئی کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا اور ملازمہ کی لاش گڑھا کھود کر دبا دی گئی۔ دونوں کو خفیہ طریقے سے دفنایا گیا۔ انہیں جب دفنایا جا رہا تھا، صلاح الدین ایوبی نے نہایت اعلیٰ نسل کے آٹھ جوان گھوڑے منگوائے اور آٹھ سوار منتخب کرکے انہیں علی بن سفیان کی کمان میں ناجی کے ان دو آدمیوں کے پیچھے دوڑا دیا جو ناجی کا پیغام لے کے جا رہے تھے۔

ذکوئی کون تھی؟

وہ مراکش کی ایک رقاصہ تھی۔ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس کا مذہب کیا تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھی، عیسائی بھی نہیں تھی۔ جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کی انٹیلی جنس (جاسوسی اور سراغرسانی) کا سربراہ تھا۔ اُسے دوسروں کے راز معلوم کرنے کے لیے کئی ڈھنگ اختیار کرنے پڑتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی اُسے اپنے ساتھ مصر لایا تھا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ سوڈانی فوج کا سالار ناجی، سازشی اور شیطان ہے۔ اس کے اندرونِ خانہ حالات معلوم کرنے کے لیے علی بن سفیان نے جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا۔ اسے راز کی ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ناجی حسن بن صباح کے 'فدائیوں' کی طرح مخالفین کو حسین لڑکیوں اور حشیش سے پھانستا، اپنا گرویدہ بناتا یا مروا دیتا ہے۔ علی بن سفیان نے تلاشِ بسیار کے بعد کسی کی وساطت سے ذکوئی کو مراکش سے حاصل کیا اور خود بردہ فروش کا بہروپ دھار کر اسے ناجی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس لڑکی میں ایسا جادو تھا کہ ناجی اسے صلاح الدین ایوبی کو پھانسنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر خود ہی اس لڑکی کے دام میں پھنس گیا۔ پھنسا بھی ایسا کہ اس کے سامنے وہ اپنے نائب سالار کے ساتھ راز کی باتیں کرتا رہا۔

اس نے ذکوئی کو جشن کی رات صلاح الدین ایوبی کے خیمے میں بھیج دیا اور



اپنی اس فتح پر بے حد مسرور تھا کہ صلاح الدین ایوبی کا اس نے بُت توڑ دیا ہے۔ اب وہ اسی لڑکی کے ہاتھوں اسے شراب بھی پلا سکے گا اور پھر اسے اپنا مرید بنائے گا، مگر اس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ذکوئی صلاح الدین ایوبی کی ہی جاسوسہ تھی۔ وہ اُسے خیمے میں رپورٹیں دیتی رہی اور صلاح الدین ایوبی سے ہدایات لیتی رہی تھی۔ اس کے خیمے سے نکل کر ذکوئی دوسری طرف چلی گئی تھی جہاں اُسے منہ سر لپیٹے ایک آدمی ملا تھا۔ وہ آدمی علی بن سفیان تھا جس نے اسے کچھ اور ہدایات دی تھیں۔ اس کے بعد ذکوئی ناجی کے گھر سے باہر نہ نکل سکی اس لیے وہ علی بن سفیان کو کوئی رپورٹ نہ دے سکی۔ آخر اُسے موقعہ مل گیا اور وہ ایسی خبر لے کر وہاں سے نکلی جو خدا کے سوا کسی اور کو معلوم نہ تھی۔ یہ ذکوئی کی بدنصیبی تھی کہ حرم میں اس کے خلاف اس لیے سازش ہو رہی تھی کہ اس نے ناجی پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ سازش کامیاب ہوگئی اور ذکوئی قتل ہوگئی لیکن وہ اطلاع پہنچانے تک زندہ رہی۔

اس کے مرنے سے کچھ عرصہ بعد وہ معاوضہ جو علی بن سفیان نے اس کے ساتھ طے کیا تھا، صلاح الدین ایوبی کی طرف سے انعام اور وہ رقم جو علی بن سفیان نے ناجی سے بردہ فروش کے بھیس میں ذکوئی کی قیمت کے طور پر وصول کی تھی، مراکش میں ذکوئی کے معذور والدین کو ادا کر دی۔

☆

موت کی اس رات کے ستارے ٹوٹ گئے اور صبح طلوع ہوئی تو علی بن سفیان آٹھ سواروں کے ساتھ انتہائی رفتار سے شمال مشرق کی طرف جا رہا تھا۔ آبادیاں دور پیچھے رہ گئی تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ فرینک کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے۔ رات انہوں نے گھوڑوں کو تھوڑی دیر آرام دیا تھا۔ یہ عربی گھوڑے تھکے ہوئے بھی تازہ دم لگتے تھے ـــــ دُور اُفق پر کھجور کے چند ایک درختوں میں علی کو دو گھوڑے جاتے نظر آئے۔ اس نے اپنی پارٹی کو رستہ بدلنے اور اوٹ میں ہونے کے لیے ٹیلوں کے ساتھ ساتھ ہو جانے کو کہا۔ وہ صحرا کا رازدان تھا۔ بھٹکنے کا اندیشہ نہ تھا۔ اس نے رفتار اور تیز کر دی۔ اگلے دو سواروں اور اس کی پارٹی میں کم و بیش چار میل کا فاصلہ تھا۔ یہ فاصلہ طے ہوگیا مگر گھوڑے تھک گئے۔ وہ جب کھجوروں کے درختوں تک پہنچے تو دو سوار کوئی دو میل دُور ریتی کی ایک پہاڑی

کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے بھی شاید تھک گئے تھے۔ دونوں سوار اُترے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"وہ پہاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گئے ہیں۔" علی بن سفیان نے کہا اور راستہ بدل دیا۔

فاصلہ کم ہوتا گیا اور جب فاصلہ چند سو گز رہ گیا تو دونوں سوار اوٹ سے سامنے آئے۔ انہوں نے گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے کا شور سن لیا تھا۔ وہ دوڑ کر غائب ہو گئے۔ علی بن سفیان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ تھکے ہوئے گھوڑے نے وفاداری کا ثبوت دیا اور رفتار تیز کر دی۔ باقی گھوڑے بھی تیز ہو گئے۔ پہاڑی کے اندر گئے تو دونوں سوار وہاں سے جا چکے تھے مگر دُور نہیں گئے تھے۔ وہ شاید گھبرا بھی گئے تھے۔ آگے ریتلی چٹانیں تھیں۔ انہیں راستہ نہیں مل رہا تھا۔ کبھی دائیں جاتے کبھی بائیں۔ علی بن سفیان نے اپنے گھوڑے ایک صف میں پھیلا دیئے اور بھاگنے والوں سے ایک سو گز دور جا پہنچا۔ ایک تیر انداز نے دوڑتے گھوڑے سے تیر چلایا جو ایک گھوڑے کی اگلی ٹانگ میں لگا۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا۔ تھوڑی سی اور بھاگ دوڑ کے بعد وہ دونوں گھیرے میں آ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ انہوں نے جھوٹ بولا۔ اپنے آپ کو تاجر کہا لیکن تلاشی لی تو پیغام مل گیا جو ناجی نے انہیں دیا تھا۔ دونوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ گھوڑوں کو آرام کا وقت دیا گیا اور یہ پارٹی واپس ہوئی۔

صلاح الدین ایوبی بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ دن گزر گیا۔ رات بھی گزرتی جا رہی تھی۔ آدھی رات گزر گئی۔ ایوبی لیٹ گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی۔ سحر کے وقت دروازے پر ہلکی سی دستک سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ دوڑ کر دروازہ کھولا۔ علی بن سفیان کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے اس کے آٹھ سوار اور دو قیدی کھڑے تھے۔ علی اور قیدیوں کو صلاح الدین ایوبی نے سونے کے کمرے میں ہی بلا لیا اور علی سے ناجی کا پیغام لے کر پڑھنے لگا۔ پہلے تو اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا پھر جیسے یکلخت خون جوش مار کر اس کے چہرے اور آنکھوں میں چڑھ گیا ہو۔

ناجی کا پیغام خاصا طویل تھا۔ اس نے صلیبیوں کے ایک بادشاہ، فرینک کو لکھا تھا کہ وہ فلاں دن اور فلاں وقت یونانیوں، رومیوں اور دیگر صلیبیوں کی بحریہ سے بحیرۂ روم کی طرف سے مصر میں فوجیں اتار کر حملہ کر دے۔ حملے کی



اطلاع ملتے ہی پچاس ہزار سوڈانی فوج امیرِ مصر کے خلاف بغاوت کر دے گی۔ مصر کی نئی فوج حملے اور بغاوت کا بیک وقت مقابلہ کرنے کے قابل نہیں۔۔۔ اس کے عوض ناجی نے تمام تر مصر یا مصر کے بڑے حصے کی حکمرانی کی شرط پیش کی تھی۔

صلاح الدین ایوبی نے پیغام لے جانے والے دونوں سواروں کو تہ خانے کی قید میں ڈال دیا اور اسی وقت اپنی نئی فوج کا دستہ بھیج کر ناجی اور اس کے تین نائبین کو ان کے مکانوں میں نظر بند کر کے پہرہ لگا دیا۔ ناجی کے حرم کی تمام کی تمام عورتیں آزاد کر دی گئیں۔ اس کے ذاتی خزانے کو سرکاری خزانے میں ڈال دیا گیا اور ساری کارروائی خفیہ رکھی گئی۔ صلاح الدین ایوبی نے علی بن سفیان کی مدد سے ناجی کے اس خط میں جو پکڑا گیا تھا، حملے کی تاریخ کو مٹا کر اصلی تاریخ لکھ دی۔ دو ذہین آدمیوں کو یہ پیغام دے کر شاہ فرینک کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ان آدمیوں کو یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ ناجی کے پیامبر ہیں۔ انہیں روانہ کر کے اس سوڈانی فوج کو مصری فوج میں مدغم کرنے کا حکم روک لیا۔

آٹھویں روز پیامبر واپس آ گئے۔ وہ ناجی کا پیغام دے آئے اور فرینک کا جواب (ناجی کے نام) لے آئے تھے۔ فرینک نے لکھا تھا کہ حملے کی تاریخ سے دو دن پہلے سوڈانی فوج بغاوت کر دے تاکہ صلاح الدین ایوبی کو صلیبیوں کا حملہ روکنے کی ہوش ہی نہ رہے۔ علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کی اجازت سے ان دو پیامبروں کو نظر بند کر دیا۔ یہ باعزت نظر بندی تھی جس میں ان دونوں کے آرام اور بہترین خوراک وغیرہ کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ایک احتیاطی تدبیر تھی تاکہ یہ راز فاش نہ ہو جائے۔

صلاح الدین ایوبی نے بحیرہ روم کے ساحل پر ان مقامات پر اپنی فوج کو چھپا دیا جہاں صلیبیوں کی بحریہ کو لنگر انداز ہونا اور فوجیں اتارنی تھیں۔ اس نے ان مقامات سے دُور اپنی بحریہ بھی چھپا دی۔ حملے میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ ایک مورخ سراج الدین نے لکھا ہے کہ سوڈانی فوج نے صلیبیوں کے حملے سے پہلے ہی بغاوت کر دی جو صلاح الدین ایوبی نے طاقت سے نہیں بلکہ ڈپلومیسی اور حسن سلوک سے دبا لی۔ بغاوت کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ باغیوں کو اپنا سالار ناجی کہیں نظر نہیں آیا تھا اور اس کا کوئی نائب بھی سامنے نہ آیا۔ وہ سب

قیدیں تھے۔ مگر ایک اور مورخ ہیتاچی لکھتا ہے کہ سوڈانی فوج نے حملے کے بہت بعد بغاوت کی تھی۔ تاہم یہ دونوں مورخ باقی واقعات پر متفق نظر آتے ہیں۔ دونوں نے لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے ناجی اور اس کے نائبین کو قید میں سزائے موت، دے کر رات کے وقت گمنام قبروں میں دفن کرا دیا تھا۔

ان دونوں مورخوں نے اور تیسرے مورخ لین پول نے بھی صلیبیوں کی بحریہ کے اعداد و شمار ایک ہی جیسے لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ خط میں دی ہوئی تاریخ کے عین مطابق صلیبیوں کی بحریہ جس میں فرینک کی، یونان کی، رومیوں کی اور سسلی کی بحریہ شامل تھی، متحدہ کمان میں بحیرۂ روم میں نمودار ہوئی۔ مورخوں کے اعداد و شمار کے مطابق جنگی جہازوں کی تعداد ایک سو پچاس تھی۔ اس کے علاوہ بارہ جنگی جہاز بہت بڑے تھے۔ ان میں مصر میں اتارنے کے لیے فوج تھی۔ اس فوج کا صلیبی کمانڈر ایملرک تھا۔ جن بادبانی کشتیوں میں رسد تھی، ان کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکا۔ جہاز دو قطاروں میں آ رہے تھے۔

صلاح الدین ایوبی نے دفاع کی کمان اپنے پاس رکھی۔ اس نے صلیبیوں کی بحریہ کو ساحل کے قریب آنے دیا۔ سب سے پہلے بڑے بڑے جہاز لنگر انداز ہوئے۔ اچانک اُن پر آگ برسنے لگی۔ یہ منجنیقوں سے پھینکی ہوئی مشعلیں تھیں اور آگ کے گولے اور ایسے تیر بھی تھے جن کے پچھلے حصے جلتی ہوئی مشعلوں کی مانند تھے۔ مسلمانوں کی برسائی ہوئی اس آگ نے جہازوں اور کشتیوں کے بادبانوں کو آگ لگا دی۔ جہاز لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ فوراً جل اٹھے۔ اُدھر سے مسلمانوں کے چھپے ہوئے جہاز آ گئے۔ انہوں نے بھی آگ ہی برسائی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے بحیرۂ روم جل رہا ہو۔ صلیبیوں کے جہاز رُخ موڑ کر ایک دوسرے سے ٹکرانے اور ایک دوسرے کو جلانے لگے۔ ان میں سے صلیبی فوج سمندر میں کُود گئی۔ ان میں سے جو سپاہی ساحل کی طرف آئے، وہ سلطان ایوبی کے تیر اندازوں کا نشانہ بنے۔

اُدھر نور الدین زنگی نے شاہ فرینک کی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ فرینک نے اپنی فوج کو مصر میں داخل کرنے کے لیے خشکی کے ذریعے روانہ کر دیا تھا۔ فرینک صلیبیوں کی بحریہ کے ساتھ تھا۔ اُسے اپنے ملک پر حملے کی اطلاع ملی تو بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے ملک میں پہنچا۔ مگر وہاں کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔



بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا متحدہ بیڑہ نذرِ آتش ہو گیا اور فوج جل کر اور ڈوب کر ختم ہو گئی۔ صلیبیوں کا ایک کمانڈر ایملرک بچ گیا۔ اس نے ہتھیار ڈال کر صلح کی درخواست کی جو بہت بڑی رقم کے عوض منظور کر لی گئی۔ یونانیوں اور سسلی والوں کے کچھ جہاز بچ گئے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں اپنے جہاز واپس لے جانے کی اجازت دے دی مگر راستے میں ایسا طوفان آیا کہ تمام تر بچے کھچے جہاز غرق ہو گئے۔

۱۹ر دسمبر ۱۱۶۹ کے روز صلیبیوں نے اپنی شکست پر دستخط کیے اور صلاح الدین ایوبی کو تاوان ادا کیا۔

بیشتر مورخین اور ماہرین حرب و ضرب نے صلاح الدین ایوبی کی اس فتح کا سہرا اس کی انٹیلی جنس سروس کے سر باندھا ہے۔ رقاصہ ذکوئی کا ذکر اُس دور کے ایک مراکشی وقائع نگار اسد الاسدی نے کیا ہے اور علی بن سفیان کا تعارف بھی اسی وقائع نگار کی تحریر سے ہوا ہے۔

یہ تو ابتدا تھی۔ صلاح الدین ایوبی کی زندگی پہلے سے زیادہ خطروں میں گھر گئی۔

# ساتویں لڑکی

صلیبیوں کے بحری بیڑے اور افواج کو بحیرۂ روم میں غرق کر کے صلاح الدین ایوبی ابھی مصر کے ساحلی علاقے میں ہی موجود تھا۔ سات دن گزر گئے تھے۔ صلیبیوں سے تاوان وصول کیا جا چکا تھا، مگر بحیرۂ روم ابھی تک بچے کھچے بحری جہازوں کو، کشتیوں کو نگل اور انسانوں کو اُگل رہا تھا۔ صلیبی ملاح اور سپاہ جلتے جہازوں سے سمندر میں کود گئی تھی۔ دور سمندر کے وسط میں سات روز بعد بھی چند ایک جہازوں کے بادبان پھڑپھڑاتے نظر آتے تھے۔ ان میں کوئی انسان نہیں تھا۔ پھٹے ہوئے بادبانوں نے جہازوں کو سمندر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے ان کی تلاشی کے لیے کشتیاں روانہ کر دی تھیں اور ہدایت دی تھی کہ اگر کوئی جہاز یا کشتی کام کی ہو تو وہ رسّوں سے گھسیٹ لائیں اور جو اس قابل نہ ہوں ان میں سے سامان اور کام کی دیگر چیزیں نکال لائیں۔ کشتیاں چلی گئی تھیں اور جہازوں سے سامان لایا جا رہا تھا۔ ان میں زیادہ تر اسلحہ اور کھانے پینے کا سامان تھا یا لاشیں۔

سمندر میں لاشوں کا یہ عالم تھا کہ لہریں انہیں اٹھا اٹھا کر ساحل پر پٹخ رہی تھیں۔ ان میں کچھ تو جلی ہوئی تھیں اور کچھ مچھلیوں کی کھائی ہوئی۔ بہت سی ایسی تھیں جن میں تیر پیوست تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے تیروں، نیزوں، تلواروں اور دیگر اسلحہ کا معائنہ بڑی غور سے کیا تھا اور انہیں اپنے اسلحہ کے ساتھ رکھ کر مضبوطی اور مار کا مقابلہ کیا تھا۔

زندہ لوگ بھی تختوں اور ٹوٹی ہوئی کشتیوں پر تیرتے ابھی تک سمندر سے باہر آ رہے تھے۔ ان بھوکے، پیاسے، تھکے اور ہارے ہوئے لوگوں کو لہریں جہاں کہیں ساحل پر لا پھینکتی تھیں وہ وہیں نڈھال ہو کر گر پڑتے اور مسلمان انہیں پکڑ لاتے تھے۔ ساحل کی میلوں لمبائی میں یہی عالم تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنی سپاہ کو مصر کے سارے ساحل پر پھیلا دیا تھا اور انتظام کیا تھا کہ جہاں بھی کوئی قیدی سمندر سے نکلے،

اسے وہیں خشک کپڑے اور خوراک دی جائے اور جو زخمی ہوں ان کی مرہم پٹی بھی وہیں ہو جائے۔ اس اہتمام کے بعد قیدیوں کو ایک جگہ جمع کیا جا رہا تھا۔

صلاح الدین ایوبی گھوڑے پر سوار ساحلی علاقے میں گھوم پھر رہا تھا۔ وہ اپنے خیمے سے کوئی دو میل دور نکل گیا۔ آگے چٹانی علاقہ آگیا۔ چٹانوں کی ایک سمت سمندر اور عقب میں صحرا تھا۔ یہ سرسبز صحرا تھا جہاں کھجور کے علاوہ دوسری اقسام کے صحرائی درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اترا اور پیدل چٹانوں کے دامن میں چل پڑا۔ محافظ دستے کے چار سوار اس کے ساتھ تھے۔ اس نے اپنا گھوڑا محافظوں کے حوالے کیا اور انہیں وہیں ٹھہرنے کو کہا۔ اس کے ساتھ تین سالار تھے۔ ان میں اس کا رفیقِ خاص بہاؤالدین شداد بھی تھا۔ وہ اس معرکے سے ایک ہی روز پہلے عرب سے اس کے پاس آیا تھا۔ انہوں نے بھی گھوڑے محافظوں کے حوالے کیے اور سلطان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ موسم سرد تھا۔ سمندر میں تلاطم نہیں تھا۔ لہریں آتی تھیں اور چٹانوں سے دور ہی سے واپس چلی جاتی تھیں۔ ایوبی ٹہلتے ٹہلتے دُور نکل گیا اور محافظ دستے کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے آگے، پیچھے اور بائیں طرف اونچی نیچی چٹانیں اور دائیں طرف ساحل کی ریت تھی۔ وہ ایک چٹان پر کھڑا ہو گیا جس کی بلندی دو اڑھائی گز تھی۔ اس نے بحیرۂ روم کی طرف دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر کی نیلاہٹ سلطان ایوبی کی آنکھوں میں اتر آئی ہو۔ اس کے چہرے پر فتح و نصرت کی مسرت تھی اور اس کی گردن کچھ زیادہ ہی تن گئی تھی۔

اس نے ناک سکیڑ کر کپڑا ناک پر رکھ لیا۔ بولا۔ ”کس قدر تعفن ہے۔“ —— اس کی اور سالاروں کی نظریں ساحل پر گھومنے لگیں۔ پھڑپھڑانے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر ہلکی ہلکی چیخیں اور سیٹیاں سی سنائی دیں۔ اوپر سے تین چار گدھ پر پھیلائے اترتے دکھائی دیے اور چٹان کی اوٹ میں جدھر ساحل تھا اتر گئے۔ ایوبی نے کہا۔ ”لاشیں ہیں“ —— اُدھر گیا تو پندرہ بیس گز دور گدھ تین لاشوں کو کھا رہے تھے۔ ایک گدھ ایک انسانی کھوپڑی پنجوں میں دبوچ کر اڑا اور جب فضا میں حلقہ کاٹا تو کھوپڑی اس کے پنجوں سے چھوٹ گئی اور صلاح الدین ایوبی کے سامنے آن گری۔ کھوپڑی کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جیسے صلاح الدین ایوبی کو دیکھ رہی ہوں۔ چہرے اور بالوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ کسی صلیبی کی کھوپڑی ہے۔ ایوبی کچھ دیر کھوپڑی کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا اور کہا —— ”ان لوگوں کی کھوپڑیاں مسلمانوں کی کھوپڑیوں

سے بہتر ہیں۔ یہ ان کھوپڑیوں کا کمال ہے کہ ہماری خلافت عورت اور شراب کی نذر ہوتی جارہی ہے۔"

"صلیبی چوہوں کی طرح سلطنتِ اسلامیہ کو ہڑپ کرتے چلے جارہے ہیں" ___ ایک سالار نے کہا۔

"اور ہمارے بادشاہ انہیں جزیہ دے رہے ہیں" ___ شدّاد نے کہا "فلسطین پر صلیبی قابض ہیں۔ سلطان! کیا ہم اُمید رکھ سکتے ہیں کہ ہم فلسطین سے انہیں نکال سکیں گے؟"

"خدا کی ذات سے مایوس نہ ہو شدّاد" ___ صلاح الدین ایوبی نے کہا۔

"ہم اپنے بھائیوں کی ذات سے مایوس ہو چکے ہیں" ___ ایک اور سالار بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو" ___ سلطان ایوبی نے کہا "حملہ جو باہر سے ہوتا ہے اسے ہم روک سکتے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ کفار کے اتنے بڑے بحری بیڑے کو تم اتنی تھوڑی طاقت سے نذرِ آتش کر کے ڈبو سکو گے؟ تم نے شاید اندازہ نہیں کیا کہ اس بیڑے میں جو لشکر آرہا تھا، وہ سارے مصر پر مکھیوں کی طرح چھا جاتا۔ اللہ نے ہمیں ہمت دی اور ہم نے کھلے میدان میں نہیں بلکہ صرف گھات لگا کر اس لشکر کو سمندر کی تہہ میں گم کر دیا۔ مگر میرے دوستو! حملہ جو اندر سے ہوتا ہے اسے تم اتنی آسانی سے نہیں روک سکتے۔ جب تمہارا اپنا بھائی تم پر وار کرے گا تو تم پہلے یہ سوچو گے کہ کیا تم پر واقعی بھائی نے وار کیا ہے؟ تمہارے بازو میں اس کے خلاف تلوار اُٹھانے کی طاقت نہیں ہوگی۔ اگر تلوار اٹھاؤ گے اور اپنے بھائی سے تیغ آزمائی کرو گے تو دشمن موقع غنیمت جان کر دونوں کو ختم کر دے گا۔"

وہ آہستہ آہستہ ساحل پر چٹان کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ چلتے چلتے رک گیا۔ جھک کر ریت سے کچھ اٹھایا اور ہتھیلی پر رکھ کر سب کو دکھایا۔ یہ ہتھیلی جتنی بڑی صلیب تھی جو سیاہ لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک مضبوط دھاگہ تھا۔ اس نے ان لاشوں کے بکھرے ہوئے اعضاء کو دیکھا جنہیں گدھ کھا رہے تھے۔ پھر کھوپڑی کو دیکھا جو گدھ کے پنجوں سے اس کے سامنے گری تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کھوپڑی تک گیا۔ تین گدھ کھوپڑی کی ملکیت پر لڑ رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی کو دیکھ کر پرے چلے گئے۔ سلطان ایوبی نے صلیب کھوپڑی پر رکھ دی اور دوڑ کر اپنے سالاروں سے جا ملا۔ کہنے لگا "میں نے صلیبیوں کے ایک قیدی افسر سے باتیں کی تھیں۔ اس کے گلے میں بھی صلیب تھی۔ اس نے بتایا کہ صلیبی لشکر میں جو بھرتی

ہوتا ہے اس سے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف لیا جاتا ہے کہ وہ صلیب کے نام پر جان کی بازی لگا کر لڑے گا اور وہ روئے زمین سے آخری مسلمان کو بھی ختم کر کے دم لے گا۔ اس حلف کے بعد ہر لشکری کے گلے میں صلیب لٹکا دی جاتی ہے۔ یہ صلیب مجھے ریت سے ملی ہے۔ معلوم نہیں کس کی تھی۔ میں نے اس کھوپڑی پر رکھ دی ہے تاکہ اس کی روح صلیب کے بغیر نہ رہے۔ اس نے صلیب کی خاطر جان دی ہے۔ سپاہی کو سپاہی کے حلف کا احترام کرنا چاہیے۔"

"سلطان!"— شداد نے کہا — "یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ صلیبی یروشلم کے مسلمان باشندوں کا کتنا کچھ احترام کر رہے ہیں۔ وہاں سے مسلمان بیوی بچوں کو ساتھ لے کر بھاگ رہے ہیں۔ ہماری بیٹیوں کی آبرو لوٹی جا رہی ہے۔ ہمارے قیدیوں کو انہوں نے ابھی تک نہیں چھوڑا۔ مسلمان جانوروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کیا ہم ان عیسائیوں سے انتقام نہیں لیں گے؟"

"انتقام نہیں"— صلاح الدین ایوبی نے کہا — "ہم فلسطین لیں گے مگر فلسطین کے راستے میں ہمارے اپنے حکمران حائل ہیں" — وہ چلتے چلتے رک گیا اور بولا — "کفار نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر سلطنتِ اسلامیہ کے خاتمے کا حلف اٹھایا ہے۔ میں نے اپنے اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اور ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر قسم کھائی ہے کہ فلسطین ضرور لوں گا اور سلطنتِ اسلامیہ کی سرحدیں افق تک لے جاؤں گا مگر میرے رفیقو! مجھے اپنی تاریخ کا مستقبل کچھ روشن نظر نہیں آتا۔ ایک وقت تھا کہ عیسائی بادشاہ تھے اور ہم جنگجو۔ اب ہمارے بزرگ بادشاہ بنتے جا رہے ہیں اور عیسائی جنگجو۔ دونوں قوموں کا رجحان دیکھ کر میں کہہ رہا ہوں کہ ایک وقت آئے گا جب مسلمان بادشاہ بن جائیں گے مگر عیسائی ان پر حکومت کریں گے۔ مسلمان اسی میں بدمست رہیں گے کہ ہم بادشاہ ہیں، آزاد ہیں مگر وہ آزاد نہیں ہوں گے۔ میں فلسطین لے لوں گا مگر مسلمانوں کا رجحان بتا رہا ہے کہ وہ فلسطین گنوا بیٹھیں گے۔ عیسائیوں کی کھوپڑی بڑی تیز ہے.... پچاس ہزار سوڈانی لشکر کو کون پال رہا تھا، ہماری خلافت اپنی آستین میں ناجی نام کا سانپ پالتی رہی ہے۔ میں پہلا امیرِ مصر ہوں جس نے دیکھا ہے کہ یہ لشکر ہمارے لیے نہ صرف بیکار ہے بلکہ خطرناک بھی ہے۔ اگر ناجی کا خط پکڑا نہ جاتا تو آج ہم سب اس لشکر کے ہاتھوں مارے جا چکے ہوتے یا اس کے قیدی ہوتے...."

اچانک ہلکا سا زناٹا سنائی دیا اور ایک تیر صلاح الدین ایوبی کے دونوں پاؤں

کے درمیان ریت میں لگا۔ جدھر سے تیر آیا تھا اس طرف سلطان ایوبی کی پیٹھ تھی.... سالاروں میں سے بھی کوئی اُدھر نہیں دیکھ رہا تھا۔ سب نے بدک کر اس طرف دیکھا جدھر سے تیر آیا تھا۔ اُدھر ٹیلی چٹانیں تھیں۔ تینوں سالار اور صلاح الدین ایوبی دوڑ کر ایک ایسی چٹان کی اوٹ میں ہو گئے جو دیوار کی طرح عمودی تھی۔ انہیں توقع تھی کہ اور بھی تیر آئیں گے۔ تیروں کے سامنے میدان میں کھڑے رہنا کوئی بہادری نہیں تھی۔ شداد نے منہ میں انگلیاں رکھ کر زور سے سیٹی بجائی۔ محافظ دستہ پابرکاب تھا۔ ان کے

گھوڑوں کے سرپٹ ٹاپو سنائی دیئے۔ اس کے ساتھ ہی تینوں سالار اس طرف دوڑ پڑے جس طرف سے تیر آیا تھا۔ وہ بکھر کر چٹانوں پر چڑھ گئے۔ چٹانیں زیادہ اونچی نہیں تھیں۔ صلاح الدین ایوبی بھی ان کے پیچھے گیا۔ ایک سالار نے اسے دیکھ لیا اور کہا ۔۔۔ "سلطان! آپ سامنے نہ آئیں" مگر سلطان ایوبی رکا نہیں۔

محافظ پہنچ گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے انہیں کہا ۔۔۔ "ہمارے گھوڑے یہیں چھوڑ دو اور چٹانوں کے پیچھے جاؤ۔ اُدھر سے ایک تیر آیا ہے۔ جو کوئی نظر آئے اسے پکڑ لاؤ"

سلطان ایوبی چٹان کے اوپر گیا تو اُسے اونچی نیچی چٹانیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی نظر آئیں۔ وہ اپنے سالاروں کو ساتھ لیے پچھلی طرف اُتر گیا اور ہر طرف گھوم پھر کر اور چٹانوں پر چڑھ کر دیکھا۔ کسی انسان کا نشان تک نظر نہ آیا۔ محافظ چٹانی علاقے کے اندر، اوپر اور اِدھر اُدھر گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نیچے اُتر کے وہاں گیا جہاں ریت میں تیر گڑھا ہُوا تھا۔ اس نے اپنے رفیقوں کو بلایا اور تیر پر ہاتھ مارا۔ تیر گر پڑا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "دُور سے آیا ہے۔ اس لیے پاؤں میں لگا ہے، ورنہ گردن یا پیٹھ میں لگتا۔ ریت میں بھی زیادہ نہیں اُترا" ۔۔۔ اس نے تیر اٹھا کر دیکھا اور کہا "صلیبیوں کا ہے، حشیشین کا نہیں"

"سلطان کی جان خطرے میں ہے" ۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔

"اور ہمیشہ خطرے میں رہے گی" ۔۔۔ صلاح الدین ایوبی نے ہنس کر کہا ۔۔۔ "میں بحیرۂ روم میں کفار کی وہ کشتیاں دیکھنے نکلا تھا جو ملاحوں کے بغیر ڈول رہی ہیں مگر میرے عزیز دوستو! کبھی نہ سمجھنا کہ صلیبیوں کی کشتی ڈول رہی ہے۔ وہ پھر آئیں گے۔ گھٹاؤں کی طرح گرجتے آئیں گے اور برسیں گے بھی۔ لیکن وہ زمین کے

نیچے سے اور پیٹھ کے پیچھے سے بھی وار کریں گے۔ ہیں اب صلیبیوں سے ایسی جنگ لڑنی ہے جو صرف فوجیں نہیں لڑیں گی۔ میں جنگی تربیت میں ایک اضافہ کررہا ہوں۔ یہ فنِ حرب وضرب کا نیا باب ہے۔ اسے جاسوسوں کی جنگ کہتے ہیں۔"

سلطان ایوبی تیر ہاتھ میں لیے گھوڑے پر سوار ہوگیا اور اپنے کیمپ کی طرف چل پڑا۔ اس کے سالار بھی گھوڑوں پر سوار ہوگئے۔ ان میں سے ایک نے سلطان کے دائیں طرف اپنا گھوڑا کردیا، ایک نے بائیں کو اور ایک نے اپنا گھوڑا اس کے بالکل پیچھے اور قریب رکھا تاکہ کسی بھی طرف سے تیر آئے تو صلاح الدین ایوبی تک نہ پہنچ سکے۔

☆

صلاح الدین ایوبی نے اس تیر پر ذرا سی بھی پریشانی کا اظہار نہ کیا جو کسی نے اسے قتل کرنے کے لیے چلایا تھا۔ اپنے رفیق سالاروں کو اپنے خیمے میں بٹھائے ہوئے وہ بتا رہا تھا کہ جاسوس اور شب خون مارنے والے دستے کس قدر نقصان کرتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا — "میں علی بن سفیان کو ایک ہدایت دے چکا ہوں لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوسکا کیونکہ فوراً ہی مجھے اس حملے کی خبر ملی اور عمل درآمد دھرا رہ گیا۔ تم سب فوری طور پر یوں کرو کہ اپنے سپاہیوں اور ان کے عہدیداروں میں سے ایسے افراد منتخب کرو جو دماغی اور جسمانی لحاظ سے مضبوط اور صحت مند ہوں۔ باریک بین، دور اندیش، قوتِ فیصلہ رکھنے والے جانباز قسم کے آدمی چنو۔ میں نے علی کو ایسے آدمیوں کی جو صفات بتائی تھیں وہ سب سُن لو۔ اُن میں اونٹ کی مانند زیادہ سے زیادہ دن بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی قوت ہو۔ چیتے کی طرح جھپٹنا جانتے ہوں، عقاب کی طرح ان کی نظریں تیز ہوں، خرگوش اور ہرن کی طرح دوڑ سکتے ہوں۔ مسلح دشمن سے ہتھیار کے بغیر بھی لڑ سکیں۔ ان میں شراب اور کسی دوسری نشہ آور چیز کی عادت نہ ہو۔ کسی لالچ میں نہ آئیں۔ عورت کتنی ہی حسین مل جائے اور زروجواہرات کے انبار ان کے قدموں میں لگا دیئے جائیں، وہ نظر اپنے فرض پر رکھیں....

"اپنے دستوں اور ان کے کمانداروں کو خاص طور پر ذہن نشین کرادیں کہ عیسائی بڑی ہی خوبصورت اور جوان لڑکیوں کو جاسوسی کے لیے اور فوجوں میں بے اطمینانی پھیلانے کے لیے اور عسکریوں کو جذبے کے لحاظ سے بیکار کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ میں نے مسلمانوں میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ عورت کے آگے ہتھیار ڈال دیتے

ہیں۔ میں مسلمان عورت کو ان مقاصد کے لیے دشمن کے علاقے میں کبھی نہیں بھیجوں گا۔ ہم عصمتوں کے محافظ ہیں عصمت کو ہتھیار نہیں بنائیں گے۔ علی بن سفیان نے چند ایک لڑکیاں رکھی ہوئی ہیں لیکن وہ مسلمان نہیں اور وہ عیسائی بھی نہیں، مگر میں عورت کا قائل نہیں۔"

محافظ دستے کا کمانڈر خیمے میں آیا اور اطلاع دی کہ محافظ کچھ لڑکیوں اور آدمیوں کو ساتھ لائے ہیں۔ سلطان ایوبی باہر نکلا۔ اس کے تینوں سالار بھی ساتھ تھے۔ باہر پانچ آدمی کھڑے تھے جن کے لمبے چغے، دستاریں اور ڈیل ڈول بتا رہی تھی کہ تاجر ہیں اور سفر میں ہیں۔ ان کے ساتھ سات لڑکیاں تھیں۔ ساتوں جوان تھیں اور ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت۔ ان محافظوں میں سے ایک نے جو سلطان پر تیر چلانے والے کی تلاش میں گئے تھے بتایا کہ انہوں نے تمام علاقہ چھان مارا، انہیں کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ دور پیچھے گئے تو یہ لوگ تین اونٹوں کے ساتھ ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔

"کیا ان کی تلاشی لی ہے؟" ۔۔۔ ایک سالار نے پوچھا۔

"لی ہے" ۔۔۔ محافظ نے جواب دیا ۔۔۔ "یہ کہتے ہیں کہ تاجر ہیں۔ ان کا سارا سامان کھلوا کر دیکھا ہے، جامہ تلاشی بھی لی ہے۔ ان کے پاس ان خنجروں کے سوا اور کوئی ہتھیار نہیں" ۔۔۔ اس نے پانچ خنجر سلطان ایوبی کے قدموں میں رکھ دیئے۔

"ہم مراکش کے تاجر ہیں" ۔۔۔ ایک تاجر نے کہا ۔۔۔ "سکندریہ تک جائیں گے۔ دو روز گزرے ہمارا قیام یہاں سے دس کوس پیچھے تھا۔ پرسوں شام یہ لڑکیاں ہمارے پاس آئیں۔ ان کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ سسلی کی رہنے والی ہیں۔ انہیں عیسائی فوج کا ایک کماندار گھروں سے پکڑ کر ساتھ لے آیا اور ایک بحری جہاز میں جا سوار کیا۔ ان کے ماں باپ غریب ہیں۔ یہ کہتی ہیں کہ بے شمار جہاز اور کشتیاں چل پڑیں۔ لڑکیوں والے جہاز میں چند اور کماندار قسم کے آدمی تھے اور ان کی فوج بھی تھی۔ وہ سب ان لڑکیوں کے ساتھ شراب پی کر عیش و عشرت کرتے رہے۔ اس ساحل کے قریب آئے تو جہازوں پر آگ کے گولے گرنے لگے۔ تمام لوگ جہازوں سے سمندر میں کودنے لگے۔ ان لڑکیوں کو انہوں نے ایک کشتی میں بٹھا کر جہاز سے سمندر میں اتار دیا۔ یہ بتاتی ہیں کہ انہیں کشتی چلانی نہیں آتی تھی۔ کشتی سمندر میں ڈولتی اور بھٹکتی رہی۔ پھر ایک روز خود ہی ساحل سے آ لگی۔ ہمارا قیام ساحل کے ساتھ تھا۔ یہ ہمارے پاس آ گئیں۔ بہت ہی بری حالت میں تھیں۔ ہم نے

انہیں پناہ میں لے لیا۔ انہیں ہم دھتکار تو نہیں سکتے تھے۔ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ان کا کیا کریں۔ پچھلے پڑاؤ سے یہاں تک انہیں ساتھ لائے ہیں۔ یہ سوار آگئے اور ہمارے سامان کی تلاشی لینے لگے۔ ہم نے ان سے تلاشی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ سلطان صلاح الدّین امیرِ مصر کا حکم ہے۔ ہم نے ان کی منت سماجت کی کہ ہمیں اپنے سلطان کے حضور لے چلو۔ ہم عرض کریں گے کہ ان لڑکیوں کو اپنی پناہ میں لے لے۔ ہم سفر میں ہیں۔ انہیں کہاں کہاں لئے پھریں گے!"

لڑکیوں سے پوچھا تو وہ سسلی کی زبان بول رہی تھیں۔ وہ ڈری ڈری سی لگتی تھیں۔ ان میں سے دو تین اکٹھی ہی بولنے لگیں۔ صلاح الدّین ایوّبی نے تاجروں سے پوچھا کہ ان کی زبان کون سمجھتا ہے؟ ایک نے بتایا کہ مرت میں سمجھتا ہوں۔ یہ التجا کر رہی ہیں کہ سلطان انہیں پناہ میں لے لے۔ کہتی ہیں کہ ہم تاجروں کے قافلے کے ساتھ نہیں جائیں گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے میں ڈاکو ہمیں اٹھا کر لے جائیں۔ اِدھر جنگ بھی ہو رہی ہے۔ ہر طرف عیسائیوں اور مسلمانوں کے سپاہی بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں۔ ہمیں سپاہیوں سے بہت ڈر آتا ہے۔ ہمیں جب گھروں سے اٹھایا گیا تھا تو ہم سب کنواری تھیں۔ ان فوجیوں نے بحری جہاز میں ہمیں طوائفیں بنائے رکھا ہے۔

ایک لڑکی نے کچھ کہا تو اس کی زبان جاننے والے تاجر نے سلطان ایوّبی سے کہا — "یہ کہتی ہے کہ ہمیں مسلمانوں کے بادشاہ تک پہنچا دو۔ ہو سکتا ہے اس کے دل میں رحم آجائے!"

ایک اور لڑکی بول پڑی۔ اس کی آواز رندھیائی ہوئی تھی۔ تاجر نے کہا — "یہ کہتی ہے کہ ہمیں عیسائی سپاہیوں کے حوالے نہ کیا جائے۔ میں مسلمان ہو جاؤں گی بشرطیکہ کوئی اچھی حیثیت والا مسلمان میرے ساتھ شادی کرلے!"

دو تین لڑکیاں پیچھے کھڑی منہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر گھبراہٹ تھی۔ بات کرتے شرماتی یا ڈرتی تھیں۔

صلاح الدین ایوّبی نے تاجر سے کہا — "انہیں کہو کہ یہ عیسائیوں کے پاس نہیں جانا چاہتیں۔ ہم انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ لڑکی جو کہہ رہی ہے کہ مسلمان ہو جائے گی بشرطیکہ کوئی مسلمان اس کے ساتھ شادی کرلے، اسے کہو کہ

میں اس کی پیش کش قبول نہیں کرسکتا کیونکہ یہ خوف اور مجبوری کے عالم میں اسلام قبول کرنا چاہتی ہے۔ انہیں بتاؤ کہ انہیں مجھ پر اعتماد ہے تو میں انہیں اسلام کی بیٹیوں کی طرح پناہ میں لیتا ہوں۔ اپنے دارالحکومت میں جاکر یہ انتظام کردوں گا کہ انہیں عیسائی راہبوں یا کسی پادری کے پاس بھجوا دوں گا۔ پادری یروشلم میں ہوں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب عیسائی قیدیوں کو آزاد کیا جائے گا تو میں کوشش کروں گا کہ ان کی شادیاں قابلِ اعتماد اور اچھی حیثیت کے قیدیوں کے ساتھ کردوں۔ انہیں یہ بھی بتادو کہ کسی مسلمان کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ انہیں اجازت ہوگی کہ کسی مسلمان سے ملیں۔ ان کی ضروریات اور عزت کا خیال رکھا جائے گا۔"

تاجر نے لڑکیوں کو ان کی زبان میں سلطان ایوبی کی ساری باتیں بتائیں تو ان کے چہروں پر رونق آگئی۔ وہ ان شرائط پر رضامند ہوگئیں۔ تاجر شکریہ ادا کرکے چلے گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے لڑکیوں کے لیے الگ خیمہ لگانے اور خیمے کے باہر ہر وقت ایک سنتری موجود رہنے کا حکم دیا۔ وہ خیمے کی جگہ بتانے ہی لگا تھا کہ چھ صلیبی قیدی سلطان ایوبی کے سامنے لائے گئے۔ وہ بہت ہی بُری حالت میں تھے۔ ان کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ کپڑوں پر خون بھی تھا ریت بھی۔ ان کے چہرے لاشوں کی مانند تھے۔ ان کے متعلق بتایا گیا کہ ڈیڑھ دو میل دور ساحل پر بے سُدھ پڑے تھے۔ وہ ٹوٹی ہوئی کشتی پر تیر رہے تھے۔ ایک دن کشتی پانی بھر جانے سے ڈوب گئی۔ یہ سب تیر کر ساحل تک پہنچے۔ کشتی میں بائیس آدمی سوار ہوئے تھے۔ صرف یہ چھ زندہ بچے۔ ان سے چلا نہیں جاتا تھا۔ یہ صلیبی لشکر کے سپاہی تھے۔ یہ سب دھڑام سے بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک چہرے مہرے سے لگتا تھا کہ معمولی سپاہی نہیں ہے۔ وہ کراہ رہا تھا۔ اس کے کپڑوں پر خون کا ایک دھبہ بھی نہ تھا مگر زخمیوں سے زیادہ تکلیف میں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ساتوں لڑکیوں کو غور سے دیکھا اور پھر کراہنے لگا۔

یہ صلاح الدین ایوبی کا حکم تھا کہ ہر ایک قیدی اسے دکھایا جائے۔ چونکہ قیدی ابھی تک سمندر سے بچ بچ کر نکل رہے تھے، اس لیے ہر ایک قیدی سلطان ایوبی کے سامنے لایا جاتا تھا۔ اس نے ان قیدیوں کو بھی دیکھا۔ کسی سے کوئی بات نہ کی۔ البتہ اس قیدی کو جو سب سے زیادہ کراہ رہا تھا اور جس کے جسم پر کوئی زخم

نہ تھا، سلطان نے غور سے دیکھا اور آہستہ سے اپنے سالاروں سے کہا۔" علی بن سفیان ابھی تک نہیں آیا۔ ان تمام قیدیوں سے جو اب تک ہمارے پاس آچکے ہیں، بہت کچھ پوچھنا ہے۔ ان سے معلومات لینی ہیں"۔۔۔ اس نے اس قیدی کی طرف دیکھ کر کہا۔۔۔" یہ آدمی کمانڈار معلوم ہوتا ہے۔ اسے نظر میں رکھنا اور جب علی بن سفیان آئے تو اسے کہنا کہ اس سے تفصیلی پوچھ گچھ کرے۔ معلوم ہوتا ہے اسے اندر کی چوٹیں آئی ہیں۔ شاید پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔۔۔۔ انہیں فوراً زخمی قیدیوں کے خیموں میں پہنچا دو۔ انہیں کھلاؤ پلاؤ اور ان کی مرہم پٹی کرو"۔

قیدیوں کو اس طرف لے جایا گیا جس طرف زخمی قیدیوں کے خیمے تھے۔ لڑکیاں انہیں جاتا دیکھتی رہیں۔ پھر ان لڑکیوں کو بھی لے گئے۔

☆

فوج کے خیموں سے تھوڑی دور لڑکیوں کے لیے خیمہ نصب کیا جا رہا تھا۔ وہاں سے کوئی سو قدم دور زخمی قیدیوں کے خیمے تھے۔ وہاں بھی ایک خیمہ گاڑا جا رہا تھا اور چھ نئے زخمی قیدی زمین پر لیٹے ہوئے تھے۔ لڑکیاں ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ دونوں خیمے کھڑے ہو گئے۔ لڑکیاں اپنے خیمے میں چلی گئیں اور زخمیوں کو ان کے اپنے خیمے میں لے گئے۔ ایک سنتری لڑکیوں کے خیمے کے باہر کھڑا ہو گیا۔ لڑکیوں کے لیے کھانا آگیا جو انہوں نے کھا لیا۔ پھر ایک لڑکی خیمے سے نکل کر اس خیمے کی طرف دیکھنے لگی جس میں نئے چھ زخمی قیدیوں کو لے گئے تھے۔ اس کے چہرے پر اب گھبراہٹ اور خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ سنتری نے اسے دیکھا اور اس نے سنتری کو دیکھا۔ لڑکی نے مسکرا کر اشارہ کیا کہ وہ زخمیوں کے خیمے کی طرف جانا چاہتی ہے۔ سنتری نے سر ہلا کر اسے روک دیا۔ لڑکیوں کو خیمے سے دُور جانے یا کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ لڑکیوں اور چھ زخمیوں کے خیموں کے درمیان بہت سے درخت تھے۔ بائیں طرف مٹی کا ایک ٹیلا تھا جس پر جھاڑیاں تھیں۔

سورج غروب ہو گیا۔ پھر رات تاریک ہونے لگی۔ کیمپ کے غل غپاڑے پر نیند غالب آنے لگی اور پھر زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں رات کے سکوت میں کچھ زیادہ ہی صاف سنائی دینے لگیں۔ دور پرے بحیرۂ روم کا شور دبی دبی مسلسل گونج کی طرح سنائی دے رہا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے اس جنگی کیمپ

ہیں جاگنے والوں میں چند ایک سنتری تھے یا وہ زخمی قیدی جنہیں زخم سونے نہیں دیتے تھے یا صلاح الدین ایوبی کے خیمے کے اندر دن کا سماں تھا۔ وہاں کسی کو نیند نہیں آئی تھی۔ سلطان ایوبی کے تین سالار اس کے پاس بیٹھے تھے اور باہر محافظ دستہ بیدار تھا۔

سلطان ایوبی نے ایک بار پھر کہا ــ "علی بن سفیان ابھی تک نہیں آیا" ــ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔ اس نے کہا ــ "اس کا قاصد بھی نہیں آیا"۔

"اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو اطلاع آچکی ہوتی"۔ ایک سالار نے کہا ــ "معلوم ہوتا ہے وہاں سب ٹھیک ہے"۔

"اُمید تو یہی رکھنی چاہیئے"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا ــ "لیکن پچاس ہزار کے لشکر نے بغاوت کردی تو سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔ وہاں ہماری نفری ڈیڑھ ہزار سوار اور دو ہزار سات سو پیادہ ہے۔ ان کے مقابلے میں سوڈانی بہتر اور تجربہ کار عسکری ہیں اور تعداد میں بہت زیادہ"۔

"ناجی اور اس کے سازشی ٹولے کے خاتمے کے بعد بغاوت ممکن نظر نہیں آتی"۔ ایک اور سالار نے کہا ــ "قیادت کے بغیر سپاہی بغاوت نہیں کریں گے"۔

"پیش بندی ضروری ہے"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا ــ "لیکن علی آجائے تو پتہ چلے گا کہ پیش بندی کس قسم کی کی جائے"۔

صلیبیوں کے روکنے کے لیے تو سلطان ایوبی خود آیا تھا لیکن دارالحکومت میں سوڈانی فوج کی بغاوت کا خطرہ تھا۔ علی بن سفیان کو سلطان ایوبی نے وہیں چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ سوڈانی لشکر پر نظر رکھے اور بغاوت کو اپنے خصوصی فن سے دبانے کی کوشش کرے۔ اسے اب تک صلاح الدین ایوبی کے پاس آکر وہاں کے احوال و کوائف بتانے تھے مگر وہ نہیں آیا تھا جس سے سلطان ایوبی بے چین ہُوا جارہا تھا۔

وہ جب اپنے سالاروں کے ساتھ قاہرہ کی صورتِ حال کے متعلق باتیں کر رہا تھا اس کا تمام کیمپ گہری نیند سو چکا تھا مگر وہ ساتوں لڑکیاں جاگ رہی تھیں، جنہیں سلطان ایوبی نے پناہ میں لے لیا تھا۔ ایک بار سنتری نے خیمے کا پردہ اٹھا کر دیکھا اندر دیا جل رہا تھا۔ پردہ ہٹتے ہی لڑکیاں خراٹے لینے لگیں۔ سنتری نے دیکھا کہ وہ پوری سات ہیں اور سو رہی ہیں تو اس نے پردہ گرا دیا اور خیمے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ خیمے کے پردے کے ساتھ جو لڑکی تھی اس نے نیچے سے پردہ ذرا اوپر اُٹھایا۔

پردہ آہستہ سے چھوڑ کر اس نے ساتھ والی کے کان میں کہا "بیٹھ گیا ہے"۔ ساتھ والی نے اگلی لڑکی کے کان میں کہا "بیٹھ گیا ہے"۔ اور اس طرح کانوں کان یہ اطلاع ساتوں لڑکیوں تک پہنچ گئی کہ سنتری بیٹھ گیا ہے۔ ایک لڑکی جو خیمے کے دوسرے دروازے کے ساتھ تھی آہستہ سے اٹھ بیٹھی اور بستر سے نکل گئی۔ بستر زمین پر بچھے تھے۔ اس نے اوپر لینے والے کمبل اس طرح بستر پر ڈال دیئے جیسے ان کے نیچے لڑکی لیٹی ہوئی ہے۔

وہ پاؤں پر سرکتی خیمے کے دروازے تک گئی۔ پردہ ہٹایا اور باہر نکل گئی۔ باقی چھ لڑکیوں نے آہستہ آہستہ خراٹے لینے شروع کر دیئے۔ سنتری کو معلوم تھا کہ یہ سمندر سے بچ کر نکلی ہوئی پناہ گزین لڑکیاں ہیں، کوئی خطرناک قیدی تو نہیں۔ وہ بیٹھ کر اونگھتا رہا۔ لڑکی دبے پاؤں ایسے رُخ پر ٹیلے کی طرف چلتی گئی جس رُخ سے اس کے اور سنتری کے درمیان خیمہ حائل رہا۔ ٹیلے کے پاس پہنچ کر اس نے اُس خیمے کا رخ کر لیا جس میں چھ نئے قیدی رکھے گئے تھے۔ رات تاریک تھی۔ وہاں کچھ درخت تھے۔ سنتری اب اُدھر دیکھتا بھی تو اسے لڑکی نظر نہ آتی۔ لڑکی بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرک سرک کر آگے بڑھنے لگی۔ آگے ریت کی ڈھیریاں سی تھیں۔ وہ اُن کی اوٹ میں سرکتی ہوئی خیمے کے قریب پہنچ گئی مگر وہاں ایک سنتری ٹہل رہا تھا۔ لڑکی ایک ڈھیری کے پاس لیٹ گئی۔ سنتری اسے سیاہ سائے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ وہ اب دو سنتریوں کے درمیان تھی۔ ایک اس کے اپنے خیمے کا اور دوسرا زخمیوں کے خیمے [illegible] سے ڈر یہ تھا کہ زخمیوں کا سنتری اس کی طرف آ گیا تو وہ پکڑی جائے گی۔

بہت دیر انتظار کے بعد سنتری دوسرے زخمیوں کی طرف چلا گیا۔ لڑکی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل چلتی خیمے تک پہنچ گئی اور پردہ اٹھا کر اندر چلی گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ دو تین زخمی آہستہ آہستہ کراہ رہے تھے۔ شاید ان میں سے کسی نے خیمے کا پردہ اٹھتا دیکھ لیا تھا۔ اس نے نحیف آواز میں پوچھا ــــ "کون ہے؟" ــــ لڑکی نے منہ سے "شی" کی لمبی آواز نکالی اور سرگوشی میں پوچھا "رابن کہاں ہے؟" ــــ اسے جواب ملا ــــ "اُدھر سے تیسرا" ــــ لڑکی نے تیسرے آدمی کے پاؤں ہلائے تو آواز آئی "کون ہے؟" ــــ لڑکی نے جواب دیا "موبی"۔

رابن اُٹھ بیٹھا۔ ہاتھ لمبا کر کے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اسے اپنے بستر میں گھسیٹ لیا۔ اسے اپنے پاس لٹا کر اوپر کمبل ڈال دیا۔ بولا "سنتری نہ آ جائے، میرے ساتھ

لگی رہو"۔۔۔ اس نے لڑکی کو اپنے ساتھ لگا لیا اور کہا۔۔۔ "میں اس اتفاق پر حیران ہو رہا ہوں کہ ہماری ملاقات ہو گئی ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے۔ ہم نے بہت بری شکست کھائی ہے لیکن یہ سب دھوکہ تھا"۔۔۔ یہ وہی زخمی قیدی تھا جو دوسروں سے الگ تھلگ اور چہرے مہرے اور جسم جثے سے معمولی سپاہی نہیں بلکہ اعلیٰ رتبے کا لگتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے بھی کہا تھا کہ یہ کوئی معمولی سپاہی نہیں، اس پر نظر رکھنا، علی بن سفیان اس سے تفتیش اور تحقیقات کرے گا۔

"تم کتنے کچھ زخمی ہو؟"۔۔۔ لڑکی نے اس سے پوچھا۔۔۔ "کوئی ہڈی تو نہیں ٹوٹی؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں"۔۔۔ رابن نے جواب دیا۔۔۔ "خراش تک نہیں آئی۔ انہیں بتایا ہے کہ اندر کی چوٹیں ہیں اور سینے کے اندر شدید درد ہے لیکن میں بالکل تندرست ہوں"۔

"پھر یہاں کیوں آ گئے؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میں نے بہت کوشش کی کہ مصر میں داخل ہو جاؤں اور سوڈانی لشکر تک پہنچ سکوں لیکن ہر طرف اسلامی فوج پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی راستہ نہیں ملا۔ ان پانچ زخمیوں کو اکٹھا کیا اور ان کے ساتھ زخمی بن کر یہاں آ گیا۔ اب فرار کی کوشش کروں گا جو ابھی ممکن نظر نہیں آتی"۔۔۔ اس نے ذرا غصے سے کہا۔۔۔ "مجھے دو سوالوں کا جواب دو۔ ایوبی کو میں نے زندہ دیکھا ہے۔ کیوں؟ کیا تیر ختم ہو گئے تھے یا وہ حرام خود بزدل ہو گئے ہیں؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تم سات کی سات لڑکیاں مسلمانوں کی قید میں کیوں آ گئیں؟ کیا وہ پانچوں مر گئے ہیں یا بھاگ گئے ہیں؟"

"وہ زندہ ہیں رابن!"۔۔۔ موبی نے کہا۔۔۔ "تم کہتے ہو کہ خدائے یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے لیکن میں کہتی ہوں کہ ہمارا خدا ہمیں کسی گناہ کی سزا دے رہا ہے۔ صلاح الدین اس لیے زندہ ہے کہ تیر اس کے پاؤں کے درمیان ریت میں لگا تھا"۔

"کیا تیر کسی لڑکی نے چلایا تھا؟"۔۔۔ رابن نے پوچھا۔۔۔ "کرسٹوفر کہاں تھا؟"

"اسی نے چلایا تھا مگر....."

"کرسٹوفر کا تیر خطا گیا؟"۔۔۔ رابن نے حیرت سے تڑپ کر پوچھا۔۔۔ "وہ کرسٹوفر جس کی تیر اندازی نے شاہ آگسٹس کو حیران کر دیا اور اس کی ذاتی تلوار انعام میں

لی تھی یہاں آکر اس کا نشانہ اتنا چوک گیا کہ چھ فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا صلاح الدین اس کے تیر سے بچ گیا؟ بدبخت کے ہاتھ ڈر سے کانپ گئے ہوں گے"

"فاصلہ زیادہ تھا"۔ موبی نے کہا۔" اور کرسٹوفر کہتا تھا کہ تیر کمان سے نکلتے ہی لگا تھا کہ کھلی ہوئی آنکھ میں مچھر پڑ گیا۔ اسی حالت میں اس کا تیر نکل گیا"

"پھر کیا ہوا؟"

"جو ہونا چاہئے تھا"۔ موبی نے کہا۔" صلاح الدین ساحل پر گیا تھا تو اس کے ساتھ تین کمانڈر تھے اور چار محافظوں کا دستہ تھا۔ وہ ہر طرف پھیل گئے۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی تھی کہ علاقہ چٹانی تھا، کرسٹوفر بچ کے نکل آیا اور پھر ہمیں اتنا وقت مل گیا کہ ترکش اور کمان ریت میں دبا کر اوپر اونٹ بٹھا دیا۔ سپاہی آگئے تو کرسٹوفر نے انہیں بتایا کہ وہ پانچوں مراکش کے تاجر ہیں اور یہ لڑکیاں سمندر سے نکل کر ہماری پناہ میں آئی ہیں۔ مسلمان سپاہیوں نے ہمارے سامان کی تلاشی لی۔ انہیں تجارتی سامان کے سوا کچھ بھی نہ ملا۔ وہ ہم سب کو سلطان ایوبی کے سامنے لے گئے۔ ہم نے یہ ظاہر کیا کہ ہم سسلی کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتیں کرسٹوفر نے ایوبی سے کہا کہ وہ ہماری زبان جانتا ہے۔ ہم ساتوں لڑکیوں نے چہروں پر گھبراہٹ اور خوف پیدا کر لیا"

موبی نے رابن کو وہ ساری باتیں سنائیں جو سلطان ایوبی کے ساتھ ہوئی تھیں۔ یہ سات لڑکیاں اور پانچ آدمی جو مراکشی تاجروں کے بھیس میں تھے حملے سے دو روز پہلے ساحل پر اتارے گئے تھے۔ پانچوں آدمی صلیبیوں کے تجربہ کار جاسوس اور کمانڈو تھے اور لڑکیاں بھی جاسوس تھیں۔ جاسوسی کے علاوہ ان کے ذمے یہ کام بھی تھا کہ مسلمان سالاروں کو اپنے جال میں پھانسیں۔ وہ خوبصورت تو تھیں ہی، انہیں جاسوسی اور ذہنوں کی تخریب کاری کی خاص ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس ٹریننگ میں اداکاری خاص طور پر شامل تھی۔ پانچ مردوں کا یہ مشن تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو ختم کرنا اور ناجی کے ساتھ رابطہ رکھنا۔ یہ لڑکیاں مصر کی زبان روانی سے بول سکتی تھیں لیکن انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ رابن اس شعبے کا سربراہ تھا۔ اسے ناجی تک پہنچنا تھا۔ مگر صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان کی چال نے یہاں کے حالات کا رخ ہی الٹا کر دیا۔

"کیا تم صلاح الدین کو جال میں نہیں پھانس سکتیں؟"۔۔۔ رابن نے پوچھا۔

"ابھی تو یہاں پہلی رات ہے" — موبی نے کہا — "اس نے ہمارے متعلق جو فیصلہ دیا ہے اگر وہ سچے دل سے دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد نہیں پتھر ہے۔ اگر اُسے ہمارے ساتھ کوئی دلچسپی ہوتی تو کسی ایک لڑکی کو اپنے خیمے میں بلا لیتا...... اسے قتل کرنا بھی آسان نہیں۔ وہ ایک ہی بار ساحل پر آیا تھا مگر تیر خطا گیا۔ وہ سالاروں اور محافظوں کے نرغے میں رہتا ہے۔ اِدھر ایک سنتری ہمارے سر پر کھڑا ہے اور محافظوں کے پورے دستے نے صلاح الدین کے خیمے کو گھیر رکھا ہے۔"

"وہ پانچوں کہاں ہیں؟" — رابن نے پوچھا۔

"تھوڑی دور ہیں" — موبی نے جواب دیا — "وہ ابھی یہیں رہیں گے۔"

"سنو موبی!" — رابن نے کہا — "اس شکست نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ میرے ضمیر پر اتنا بوجھ آپڑا ہے جیسے اس شکست کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف تو سب سے لیا گیا ہے لیکن ایک سپاہی کے حلف میں اور میرے حلف میں زمین اور آسمان جتنا فرق ہے۔ میرے رتبے کو سامنے رکھو۔ میرے فرائض کو دیکھو۔ آدھی جنگ مجھے زمین کے نیچے سے اور پیٹھ کے پیچھے سے وار کر کے جیتنی تھی مگر میں اور تم سات اور وہ پانچ اپنا فرض ادا نہیں کر سکے۔ مجھ سے یہ صلیب جواب مانگ رہی ہے" — اس نے گلے میں ڈالی ہوئی صلیب ہاتھ میں لے کر کہا — "میں اسے اپنے سینے سے جدا نہیں کر سکتا" — اس نے موبی کے سینے پر ہاتھ پھیر کر اس کی صلیب ہاتھ میں لے لی اور کہا — "تم اپنے ماں باپ کو دھوکہ دے سکتی ہو، اس صلیب سے آنکھیں نہیں چرا سکتیں۔ اس نے جو فرض تمہیں سونپا ہے وہ پورا کرو۔ خدا نے تمہیں جو حُسن دیا ہے وہ چٹانوں کو چاڑ کر تمہیں راستہ دے دے گا۔ میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ ہماری اچانک اور غیر متوقع ملاقات اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔ ہمارے لشکر بحیرۂ روم کے اُس پار اکٹھے ہو رہے ہیں۔ جو مر گئے، سو مر گئے۔ جو زندہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ شکست نہیں دھوکا تھا۔ تم اپنے خیمے میں واپس جاؤ اور ان لڑکیوں سے کہو کہ خیمے میں نہ پڑی رہیں۔ بار بار صلاح الدین ایوبی سے ملیں۔ اس کے سالاروں سے ملیں۔ بے تکلفی پیدا کریں۔ مسلمان ہو جانے کا جھانسہ دیں۔ آگے وہ جانتی ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔"

"سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ ہُوا کیا؟" — موبی نے کہا — "کیا سوڈانیوں نے ہمیں دھوکہ دیا ہے؟"

"میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا" — رابن نے کہا — "میں نے حملے سے بہت پہلے مصر میں پھیلائے ہوئے اپنے جاسوسوں سے جو معلومات حاصل کی تھیں وہ یہ ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کو سوڈانیوں کے پچاس ہزار محافظ لشکر پر بھروسہ نہیں حالانکہ یہ مسلمانوں کے وائسرائے مصر کی اپنی فوج ہے۔ ایوبی نے آکر مصری فوج تیار کر لی ہے۔ سوڈانی اس میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔ ان کے کمانڈر ناجی نے ہم سے مدد طلب کی تھی۔ میں نے اس کا خط دیکھا تھا اور میں نے تصدیق کی تھی کہ یہ خط ناجی کا ہی ہے اس میں کوئی دھوکہ نہیں مگر ہمارے ساتھ ہماری تاریخ کا سب سے بڑا دھوکہ ہُوا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ کیسے ہُوا؟ کس نے کیا؟ میں یہ چھان بین کیے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔ شاہ آگسٹس نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے گھروں کے اندر کے بھید معلوم کر کے ان کی بنیادیں ہلا دوں گا۔ اب تصور کرو موبی! شہنشاہ کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔ وہ مجھے سزائے موت سے کم کیا سزا دے گا! صلیب کا قہر مجھ پر الگ نازل ہو گا۔"

"میں سب جانتی ہوں" — موبی نے کہا — "جذباتی باتیں نہ کرو۔ عمل کی بات کرو۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

رابن کے اعصاب پر اپنا فرض اور شکست کا احساس اس حد تک غالب تھا کہ اسے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ موبی جیسی دل کش لڑکی جس کے ایک ایک نقش اور جسم کے انگ انگ میں شراب کا طلسم بھرا ہُوا تھا، اس کے سینے سے لگی ہوئی ہے اور اس کے ریشم جیسے ملائم اور لمبے بال اس کے آدھے چہرے کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ رابن نے ان بالوں کے مس کو ذرا سا محسوس کیا اور کہا — "موبی! تمہارے یہ بال ایسی مضبوط زنجیریں ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے گرد لپٹ گئیں تو وہ تمہارا غلام ہو جائے گا لیکن تمہیں سب سے پہلا جو کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ کرسٹوفر اور اس کے ساتھیوں سے کہو کہ وہ تاجروں کے بھیس میں ناجی کے پاس پہنچیں اور معلوم کریں کہ اس کے لشکر نے بغاوت کیوں نہیں کی اور یہ راز فاش کس طرح ہُوا کہ اس سے فائدہ اٹھا کر صلاح الدین ایوبی نے گنتی کے چند ایک دستے گھات میں بٹھا کر ہماری تین افواج کا بیڑہ غرق کر دیا اور انہیں یہ بھی کہو کہ معلوم کریں کہ ناجی صلاح الدین

ایوبی سے ہی تو نہیں مل گیا؟ اور اس نے ہمارا یہی حشر کرانے کے لیے ہی تو خط نہیں لکھا تھا؟ اگر ایسا ہی ہُوا ہے تو ہمیں اپنے جنگی منصوبوں میں ردّ و بدل کرنا ہوگا۔ مجھے یہ یقین ہوگیا ہے کہ اسلامیوں کی تعداد کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو انہیں ہم آسانی سے شکست نہیں دے سکتے۔ ضروری ہوگیا ہے کہ ان کے حکمرانوں کا اور عسکری قیادت کا جذبہ ختم کیا جائے۔ ہم نے تم جیسی لڑکیاں عربوں کے حرموں میں داخل کر دی ہیں"

"تم نے بات پھر لمبی کر دی ہے"—— موبی نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔" ہم اپنے گھر میں ایک بستر پر نہیں لیٹے ہوئے کہ بڑے مزے سے ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے رہیں۔ ہم دشمن کے کیمپ میں قید اور پابند ہیں۔ باہر سنتری پھر رہے ہیں رات گزرتی جا رہی ہے۔ ہمارے پاس لمبی باتوں کا وقت نہیں۔ ہمارا مشن تباہ ہو چکا ہے۔ اب بتاؤ کہ ان حالات میں ہمارا مشن کیا ہونا چاہیے۔ ہم سات لڑکیاں اور چھ مرد ہیں۔ ہم کیا کریں۔ ایک یہ کہ ناجی کے پاس جائیں اور اس کے دھوکے کی چھان بین کریں۔ پھر کسے اطلاع دیں؟ تم کہاں ملو گے؟"

"میں یہاں سے فرار ہو جاؤں گا"—— رابن نے کہا۔" لیکن فرار سے پہلے اس کیمپ، اس کی نفری اور ایوبی کے آئندہ عزائم کے متعلق تفصیل معلوم کر لوں گا۔ اس شخص کے متعلق ہمیں بہت چوکنّا رہنا ہوگا۔ اس وقت اسلامی قوم میں یہ واحد شخص ہے جو صلیب کے لیے خطرہ ہے۔ مدینہ اسلامی خلافت ہمارے جال میں آتی چلی جا رہی ہے۔ شاہ ایملرک کہتا تھا کہ مسلمان اتنے کمزور ہو گئے ہیں کہ اب ان کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاؤں میں بٹھانے کے لیے صرف ایک ہلّے کی ضرورت ہے مگر اس کا یہ عزم محض خوش فہمی ثابت ہُوا۔ مجھے یہاں رہ کر ایوبی کی کمزور رگیں دیکھنی ہیں اور تمہیں پانچ آدمیوں کے ساتھ مل کر سوڈانی لشکر کو بھڑکانا اور بغاوت کرانی ہے۔ نہایت ضروری یہ ہے کہ ایوبی زندہ نہ رہے۔ اگر وہ زندہ رہے تو ہمارے اس قید خانے میں زندہ رہے جہاں وہ عمر کی آخری گھڑی تک سورج نہ دیکھ سکے اور رات کو آسمان کا اسے ایک بھی تارا نظر نہ آئے.... تم پہلے اپنے خیمے میں جاؤ اور اپنی چھ لڑکیوں کو ان کا کام سمجھا دو۔ انہیں خاص طور پہ ذہن نشین کرا دو کہ اُس آدمی کا نام علی بن سفیان ہے جسے ان ریشمی بالوں، شربتی آنکھوں اور اتنے دلکش جسموں سے ایسا بیکار کرنا ہے کہ وہ صلاح الدین کے کام کا نہ رہے اور اگر ہو سکے

تو اس کے اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان ایسی غلط فہمی پیدا کرنی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں۔ تم سب اچھی طرح جانتی ہو کہ دو مردوں میں غلط فہمی اور دشمنی کس طرح پیدا کی جاتی ہے .... جاؤ اور لڑکیوں کو مکمل ہدایت دے کر کرسٹوفر کے پاس پہنچو۔ اسے میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ تیرے تیر کو ایوبی پر آ کر ہی خطا ہونا تھا؟ اب اس گناہ کا کفارہ ادا کرو اور جو کام تمہیں سونپا گیا ہے وہ سو فیصد پورا کرو۔"

رابن نے موبی کے بالوں کو چوم کر کہا۔ "تمہیں صلیب پر اپنی عزت بھی قربان کرنا پڑے گی لیکن خدائے یسوع مسیح کی نظروں میں تم مریم کی طرح کنواری ہو گی۔ اسلام کو جڑ سے اکھاڑنا ہے۔ ہم نے یروشلم لے لیا ہے۔ مصر بھی ہمارا ہو گا۔"

☆

موبی رابن کے بستر سے نکلی اور خیمے کے پردے کے پاس جا کر پردہ اٹھایا، باہر جھانکا۔ اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ باہر نکل گئی اور خیمے کی اوٹ سے دیکھا کہ سنتری کہاں ہے۔ اسے دور کسی کے گنگنانے کی آواز سنائی دی۔ یہ سنتری ہی ہو سکتا تھا۔ موبی چل پڑی۔ درختوں سے گزرتی قدم قدم پر پیچھے دیکھتی وہ ٹیلے تک پہنچ گئی اور اپنے خیمے کا رخ کر لیا۔ نصف راستہ طے کیا ہو گا کہ اسے دو آدمیوں کی دبی دبی باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ آوازیں اس کے خیمے کے قریب معلوم ہوتی تھیں۔ اسے یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ سنتری نے معلوم کر لیا ہے کہ ایک لڑکی غائب ہے اور وہ کسی دوسرے سنتری کو یا اپنے کمانڈر کو بلا لایا ہے۔ اس نے سوچا کہ خیمے میں جانے کی بجائے اپنے ان پانچ ساتھیوں کے پاس چلی جائے جو مراکشی تاجروں کے بھیس میں کوئی ڈیڑھ ایک میل دور خیمہ زن تھے مگر اسے یہ خیال بھی آگیا کہ اس کی گمشدگی سے باقی لڑکیوں پر مصیبت آجائے گی۔ وہ تھیں تو پوری چالاک، پھر بھی ان پر پابندیاں سخت ہونے کا خطرہ تھا اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ موبی ذرا اور آگے چلی گئی تاکہ ان دو آدمیوں کی باتیں سن سکے۔ ان کی زبان وہ سمجھتی تھی۔ یہ تو اس نے دھوکہ دیا تھا کہ وہ سسلی کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں سمجھتی۔

وہ آدمی خاموش ہو گئے۔ موبی دبے پاؤں آگے بڑھی۔ اسے بائیں طرف قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ درختوں کے درمیان اسے ایک سیاہ سایہ جو کسی انسان کا تھا جاتا نظر آیا۔ اس نے رُخ بدل لیا اور ٹیلے کی طرف آنے لگا۔ موبی کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔ وہ ٹیلے پر چڑھنے لگی۔ ٹیلا اونچا نہیں تھا۔ فوراً ہی اوپر چلی گئی۔ وہ تھی تو بہت ہوشیار لیکن ہر انسان ہر قدم پر پوری احتیاط نہیں کر سکتا۔ وہ ٹیلے کی چوٹی پر کھڑی ہو گئی۔ اس کے پس منظر میں ستاروں سے بھرا ہُوا آسمان تھا۔ سمندر اور صحرا کی فضا رات کو آئینے کی طرح شفاف ہوتی ہے۔ درختوں میں جاتے ہوئے آدمی نے ٹیلے کی چوٹی پر ٹنڈ مُنڈ درخت کے تنے کی طرح کا ایک سایہ دیکھا۔ موبی نے پہلو اس آدمی کی طرف کر دیا۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے جنہیں اس نے ہاتھ سے پیچھے کیا۔ اس کی ناک، سینے کا اُبھار اور لمبا لبادہ تاریکی میں بھی راز کو فاش کرنے لگا۔ یہ آدمی رات کے سنتریوں کا کماندار تھا۔ وہ آدھی رات کے وقت کیمپ کی گشت پر نکلا اور سنتریوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ یہ سنتریوں کی تبدیلی کا وقت تھا۔ کماندار اس لیے زیادہ چوکس تھا کہ سلطان ایوبی تین سالاروں کے ساتھ کیمپ میں موجود تھا۔ سلطان ڈسپلن کا بڑا ہی سخت تھا۔ ہر کسی کو ہر لمحہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ سلطان رات کو اٹھ کر گشت پر آ جائے گا۔

کماندار سمجھ گیا کہ ٹیلے پر کوئی لڑکی کھڑی ہے۔ اسی شام کمانداروں کو خبردار کیا گیا تھا کہ صلیبیوں نے جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ لڑکیاں صحرائی خانہ بدوشوں کے بہروپ میں بھی ہو سکتی ہیں اور ایسی غریب لڑکیوں کے بھیس میں بھی جو فوجی کیمپوں میں کھانے کی بھیک مانگنے آتی ہیں اور یہ لڑکیاں اپنے آپ کو مغویہ اور مظلوم ظاہر کر کے پناہ بھی مانگ سکتی ہیں۔ کمانداروں کو بتایا گیا تھا کہ آج سات لڑکیاں سلطان کی پناہ میں آئی ہیں جنہیں بظاہر رحم کر کے مگر انہیں مشتبہ سمجھ کر پناہ میں لے لیا گیا ہے۔ اس کماندار نے یہ احکام سن کر اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا — "اللہ کرے ایسی کوئی لڑکی مجھ سے پناہ مانگے" — اور وہ دونوں ہنس پڑے تھے۔

اب آدھی رات کے وقت جب سارا کیمپ سو رہا تھا اسے ٹیلے پر ایک لڑکی کا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ پہلے تو وہ ڈرا کہ یہ چڑیل یا جن ہو سکتا ہے۔ اس نے نئے سنتری کو لڑکیوں کے خیمے پر کھڑا کر کے اسے بتایا تھا کہ اندر سات لڑکیاں

اس نے پردہ اٹھا کر دیکھا تو دیئے کی ہلکی روشنی میں اسے سات بستر نظر آئے تھے۔ ہر لڑکی نے منہ بھی کمبلوں میں ڈھانپ رکھا تھا۔ سردی زیادہ تھی۔ اس نے اندر جا کر یہ نہیں دیکھا تھا کہ ساتواں بستر خالی ہے اور اس پر کمبل اس طرح رکھے گئے ہیں جیسے ان کے نیچے لڑکی سوئی ہوئی ہو۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ ساتویں لڑکی ٹیلے پر اس کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا کہ اسے آواز دے یا اس تک خود جائے یا اگر وہ جن چڑیل ہے تو اس کے غائب ہونے کا انتظار کرے۔

تھوڑی سی دیر کے انتظار کے بعد بھی لڑکی غائب نہ ہوئی بلکہ وہ دو تین قدم آگے چلی اور پھر پیچھے کو چل پڑی اور پھر رک گئی۔ کمانڈر جس کا نام فخر المصری تھا آہستہ آہستہ ٹیلے تک گیا اور کہا ــــ "کون ہو تم؟ نیچے آؤ۔"

لڑکی نے ہرن کی طرح چوکڑی بھری اور ٹیلے کی دوسری طرف اتر گئی۔ فخر کو یقین آ گیا کہ کوئی انسان ہے جن چڑیل نہیں۔ وہ تنومند مرد تھا۔ ٹیلا اونچا نہیں تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اُدھر بھی اندھیرا تھا۔ رات کی خاموشی میں اسے لڑکی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ ٹیلے سے دوڑتا اُترا اور لڑکی کے پیچھے گیا۔ لڑکی اور تیز دوڑ پڑی۔ فاصلہ بہت تھا لیکن فخر مرد تھا، فوجی تھا، چیتے کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ ٹیلے کے پیچھے اونچی نیچی زمین، خشک جھاڑیاں اور کہیں کہیں کوئی درخت تھا۔ بہت سا دوڑ کر فخر المصری نے محسوس کیا کہ اس کے آگے تو کوئی بھی نہیں۔ اس نے رک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے اپنے پیچھے اور بہت سا بائیں کو لڑکی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ تربیت یافتہ لڑکی تھی۔ جہاں اسے حسن اور شباب کے استعمال کی تربیت دی گئی تھی وہاں اسے فوجی ٹریننگ بھی دی گئی اور خنجر زنی کے داؤ پیچ بھی سکھائے گئے تھے۔ وہ ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گئی تھی۔ فخر آگے گیا تو وہ دوسری طرف دوڑ پڑی۔

یہ تعاقب آنکھ مچولی کی مانند تھا۔ فخر کو اندھیرا پریشان کر رہا تھا۔ موبی کے قدم خاموش ہو جاتے تو وہ رک جاتا۔ قدموں کی آواز سنائی دیتی تو وہ دوڑ پڑتا۔ غصے سے وہ باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے یہ جان لیا کہ یہ کوئی جوان لڑکی ہے اگر بڑی عمر کی ہوتی تو اتنی تیز اور اتنا زیادہ نہ بھاگ سکتی۔ تعاقب میں فخر

دو میل فاصلہ طے کر گیا۔ موبی نے جھاڑیوں اور اونچی نیچی زمین سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اس کے مرد ساتھیوں کا ڈیرہ قریب آگیا تھا۔ وہ دوڑتی ہوئی وہاں تک جا پہنچی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو آوازیں دیں۔ وہ گھبرا کر جاگے اور خیمے سے باہر آئے۔ ایک نے مشعل جلالی۔ یہ ڈنڈے کے سرے پر لپٹے ہوئے کپڑے تھے۔ ان کی آگ کی روشنی بہت زیادہ تھی۔ فخر نے تلوار سونت لی اور ہانپتا کانپتا ان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے دیکھا کہ یہ پانچ آدمی لباس سے سفری تاجر نظر آتے ہیں اور مسلمان لگتے ہیں۔ لڑکی ان میں سے ایک کی ٹانگوں کو دونوں بازوؤں میں مضبوطی سے پکڑے بیٹھی ہوئی تھی۔ مشعل کے ناچتے شعلے میں اس کے چہرے پر گھبراہٹ اور خوف نظر آ رہا تھا۔ اس کا سینہ اُبھر اور بیٹھ رہا تھا۔ اس کی سانسیں بُری طرح اُکھڑی ہوئی تھیں۔

"یہ لڑکی میرے حوالے کر دو" ـــ فخر المصری نے حکم کے لہجے میں کہا۔

"یہ ایک نہیں" ـــ ایک آدمی نے التجا کے لہجے میں جواب دیا ـــ "ہم نے تو سات لڑکیاں آپ کے سلطان کے حوالے کی ہیں۔ آپ اسے لے جا سکتے ہیں"۔

"نہیں" ـــ موبی نے اس کی ٹانگوں کو اور مضبوطی سے پکڑتے ہوئے، روتے ہوئے اور خوف زدہ لہجے میں کہا ـــ "میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ یہ لوگ عیسائیوں سے زیادہ وحشی ہیں۔ ان کا سلطان انسان نہیں سانڈ ہے، درندہ ہے۔ اس نے میری ہڈیاں بھی توڑ دی ہیں۔ میں اس سے بھاگ کر آئی ہوں"۔

"کون سلطان؟" ـــ فخر نے حیران سا ہو کر پوچھا۔

"وہی جسے تم صلاح الدین ایوبی کہتے ہو" ـــ موبی نے جواب دیا۔ وہ اب مصر کی عربی بول رہی تھی۔

"یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے" ـــ فخر نے کہا اور پوچھا ـــ "یہ ہے کون؟ تمہاری کیا لگتی ہے؟"

"اندر آجاؤ دوست! باہر سردی ہے" ـــ ایک آدمی نے فخر سے کہا ـــ "تلوار نیام میں ڈال لو۔ ہم تاجر ہیں۔ ہم سے آپ کو کیا خطرہ ـــ آؤ ـــ اس لڑکی کی بپتا سُن لو" ـــ اس نے آہ بھر کر کہا ـــ "میں آپ کے سلطان کو مردِ مومن سمجھتا تھا مگر ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کر وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ وہ باقی چھ لڑکیوں کا بھی یہی حشر کر رہا ہوگا"۔

"ان کا یہ حشر دوسرے سالاروں نے کیا ہے" ـــ موبی نے کہا ـــ "ہم نے نام کو ان بے چاریوں کو اپنے خیمے میں لے گئے تھے اور انہیں بے سدھ کر کے خیمے میں ڈال دیا۔ وہ خیمے میں بے ہوش پڑی ہیں"

فخر المصری تلوار نیام میں ڈال کر ان کے ساتھ خیمے میں چلا گیا۔ اندر جا کر بیٹھے تو ایک آدمی نے آگ جلا کر قہوے کے لیے پانی رکھا اور اس میں جانے کیا کچھ ڈالتا رہا۔ دوسرے آدمی نے فخر سے پوچھا کہ اس کا رتبہ کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ کماندار اور عہدے دار ہے۔ انہوں نے اس کے ساتھ بہت سی باتیں کیں جن سے انہوں نے اندازہ کر لیا کہ یہ شخص عام قسم کا سپاہی نہیں اور ذمہ دار فرد ہے۔ ذہین اور دلیر بھی ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے (جو کرسٹوفر تھا) فخر کو سات لڑکیوں کی بالکل وہی کہانی سنائی جو انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو سنائی تھی۔ انہوں نے فخر کو یہ بھی بتایا کہ سلطان ایوبی نے ان کے متعلق کیا کہا تھا۔ ان لڑکیوں نے سلطان کو یہ پیش کش بھی کی تھی کہ وہ اپنے گھروں کو تو واپس نہیں جا سکتیں اور عیسائیوں کے پاس بھی نہیں جانا چاہتیں، اس لیے وہ مسلمان ہونے کو تیار ہیں بشرطیکہ کوئی اچھے رتبوں والے عسکری اُن کے ساتھ شادی کریں۔ ہم نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کردار کے لحاظ سے پتھر ہے۔ ہم ہر روز سفر پہ رہنے والے تاجر ہیں، انہیں کہاں ساتھ ... لیے پھرتے۔ انہیں سلطان کے حوالے کر دیا مگر سلطان نے اس لڑکی کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس کی زبانی سن لو۔

فخر المصری نے لڑکی کی طرف دیکھا تو لڑکی نے کہا ـــ "ہم بہت خوش تھیں کہ خدا نے ہمیں ایک فرشتے کی پناہ دی ہے۔ سورج غروب ہونے کے بعد سلطان کا ایک محافظ آیا اور مجھے کہا کہ سلطان بلا رہا ہے۔ میں باقی چھ لڑکیوں کی نسبت ذرا زیادہ خوبصورت ہوں۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ تمہارا ایوبی مجھے بُری نیت سے بلا رہا ہے۔ میں چلی گئی۔ سلطان ایوبی نے شراب کی صراحی کھولی۔ ایک پیالہ اپنے آگے رکھا اور ایک مجھے دیا۔ میں عیسائی ہوں۔ شراب سو بار پی ہے۔ بحری جہاز میں عیسائی کمانداروں نے میرے جسم کو کھلونہ بنائے رکھا ہے۔ صلاح الدین ایوبی بھی میرے جسم کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا۔ شراب اور مرد میرے لیے کوئی نئی چیزیں نہیں تھیں لیکن ایوبی کو میں فرشتہ سمجھتی

تھی۔ میں اس کے جسم کو اپنے ناپاک جسم سے دور رکھنا چاہتی تھی مگر وہ ان عیسائیوں سے بدتر نکلا جو مجھے بحری جہاز میں لائے تھے اور جب اُن کا جہاز ڈوبنے لگا تو انہوں نے ہمیں ایک کشتی میں ڈال کر سمندر میں اتار دیا۔ ان میں سے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ ہمارے جسم جھوڑے ہوئے اور ہڈیاں چٹخی ہوئی تھیں......

"خدا نے ہمیں بچا لیا اور اس آدمی کی پناہ میں پھینک دیا جو فرشتے کے روپ میں درندہ ہے۔ مجھے سلطان نے ہی بتایا تھا کہ میرے ساتھ کی باقی چھ لڑکیاں اس کے سالاروں کے خیموں میں ہیں۔ میں نے سلطان کے پاؤں پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ شادی کرلو۔ اس نے کہا کہ اگر تم مجھے پسند کرتی ہو تو شادی کے بغیر تمہیں اپنے حرم میں رکھ لوں گا.... اس نے میرے ساتھ وحشیوں کا برتاؤ کیا۔ شراب میں بدمست تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ لٹا لیا۔ جوں ہی اس کی آنکھ لگی۔ میں وہاں سے بھاگ آئی۔ اگر میری بات کا اعتبار نہ آئے تو اس کے محافظوں سے پوچھ لو"

اس دوران ایک آدمی نے فخر کو قہوہ پلایا۔ ذرا سی دیر بعد فخر کا مزاج بدلنے لگا۔ اس نے نفرت سے قہقہہ لگایا اور کہا — "ہمیں حکم دیتے ہیں کہ عورت اور شراب سے دور رہو اور خود شراب پی کر راتیں عورتوں کے ساتھ گزارتے ہیں"۔ فخر محسوس ہی نہ کر سکا کہ لڑکی کی کہانی محض بے بنیاد ہے اور نہ ہی وہ یہ محسوس کر سکا کہ اس کا مزاج کیوں بدل گیا ہے۔ اُسے حشیش پلا دی گئی تھی۔ اس پر ایسا نشہ طاری ہو چکا تھا جسے وہ نشہ نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اب اپنے تصوروں میں بادشاہ بن چکا تھا۔ لڑکی کے چہرے پر مشعل کے شعلے کی روشنی ناچ رہی تھی۔ اس کے بکھرے ہوئے سیاہی مائل بھورے بال چمک رہے تھے۔ وہ فخر کو پہلے سے زیادہ حسین نظر آنے لگی۔ اس نے بے تاب ہو کر کہا —
"تم اگر چاہو تو میں تمہیں پناہ میں لیتا ہوں"

"نہیں" — لڑکی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور بولی — "تم بھی میرے ساتھ اپنے سلطان جیسا سلوک کرو گے۔ تم مجھے اپنے خیمے میں لے جاؤ گے اور میں ایک بار پھر تمہارے سلطان کے قبضے میں آجاؤں گی"

"ہم تو اب دوسری چھ لڑکیوں کو بھی بچانے کی سوچ رہے ہیں" — ایک تاجر

نے کہا ۔۔"ہم ان کی عزت بچانا چاہتے تھے مگر ہم سے بھول ہوئی"
فخر المصری کی نگاہیں لڑکی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے اتنی خوبصورت لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ خیمے میں خاموشی طاری ہوگئی جسے کرسٹوفر نے توڑا۔ اس نے کہا۔ "تم عرب سے آئے ہو یا مصری ہو؟"

"مصری"۔۔ فخر نے کہا۔۔"میں دو جنگیں لڑ چکا ہوں۔ اسی لیے مجھے یہ عہدہ دیا گیا ہے"

"سوڈانی فوج کہاں ہے جس کا سالار ناجی ہے؟"۔۔کرسٹوفر نے پوچھا۔

"اس فوج کا ایک سپاہی بھی ہمارے ساتھ نہیں آیا"۔ فخر نے جواب دیا۔

"جانتے ہو ایسا کیوں ہوا ہے؟"۔ کرسٹوفر نے کہا ۔۔" سوڈانیوں نے صلاح الدین ایوبی کی امارت اور کمان کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ فوج اپنے آپ کو آزاد سمجھتی ہے۔ ناجی نے سلطان ایوبی کو بتا دیا تھا کہ وہ مصر سے چلے جائیں کیونکہ وہ غیر ملکی ہیں۔ اسی لیے ایوبی نے مصریوں کی فوج بنائی اور لڑانے کے لیے یہاں لے آیا۔ اس نے تم لوگوں کو شرافت اور نیکی کا جھانسہ دیا اور خود عیش کر رہا ہے۔ کیا تمہیں مالِ غنیمت ملا ہے؟ .... اگر تمہیں ملا بھی تو سونے چاندی کے دو دو ٹکڑے مل جائیں گے۔ صلیبیوں کے جہازوں سے بے بہا خزانہ سلطان ایوبی کے ہاتھ آیا ہے۔ وہ سب رات کے اندھیرے میں سینکڑوں اونٹوں پر لاد کر قاہرہ روانہ کر دیا گیا ہے جہاں سے دمشق اور بغداد چلا جائے گا۔ سوڈانی لشکر کو سلطان نہتہ کر کے غلاموں میں بدل دینا چاہتا ہے۔ پھر عرب سے فوج آجائے گی اور تم مصری بھی غلام ہو جاؤ گے"

☆

اس عیسائی کی ہر ایک بات فخر المصری کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔ اثر باتوں کا نہیں بلکہ موبی کے حسن اور حشیش کا تھا۔ عیسائیوں نے یہ حربہ حسن بن صباح کے حشیشین سے سیکھا تھا۔ موبی کو بالکل توقع نہیں تھی کہ یہ صورتِ حال پیدا ہو جائے گی کہ ایک مصری اس کے تعاقب میں اس کے دام میں آجائے گا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ فخر مصر کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتا۔ موبی نے اپنے پانچوں ساتھیوں کو سنانا شروع کر دیا کہ رابن زخمی ہونے کا بہانہ کر کے زخمیوں کے خیمے میں پڑا ہے اور اس نے کہا ہے کہ ناجی سے مل کر معلوم کرو کہ

اس نے بغاوت کیوں نہیں کی یا اس نے عقب سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کیوں نہیں کیا اور یہ بھی معلوم کرو کہ اس نے ہمیں دھوکہ تو نہیں دیا؟

وہ باتیں کر رہی تھی تو فخر نے پوچھا ـــــ "یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

"یہ کہہ رہی ہے" ـــــ ایک نے جواب دیا ـــــ "اگر یہ شخص یعنی تم صلاح الدین کی فوج میں نہ ہوتے تو یہ تمہارے ساتھ شادی کر لیتی۔ یہ مسلمان ہونے کو بھی تیار ہے لیکن کہتی ہے کہ اسے اب مسلمانوں پر بھروسہ نہیں رہا"

فخر نے بے تابی سے لپک کر لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اپنی طرف گھسیٹ کر کہا ـــــ "اگر میں بادشاہ ہوتا تو خدا کی قسم تمہاری خاطر تخت اور تاج قربان کر دیتا۔ اگر شرط یہی ہے کہ میں صلاح الدین ایوبی کی دی ہوئی تلوار پھینک دوں تو یہ لو" ـــــ اس نے کمر بند سے تلوار کھولی اور نیام سمیت لڑکی کے قدموں میں رکھ دی۔ کہا ـــــ "میں اب سے ایوبی کا سپاہی اور کمانڈر نہیں ہوں"

"مگر ایک شرط اور بھی ہے" ـــــ لڑکی نے کہا ـــــ "میں اپنا مذہب تمہاری خاطر ترک کر دیتی ہوں لیکن صلاح الدین ایوبی سے انتقام ضرور لوں گی"

"کیا اسے میرے ہاتھ سے قتل کرانا چاہتی ہو؟" فخر نے پوچھا۔

لڑکی نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آخر کرسٹوفر نے کہا ـــــ "ایک صلاح الدین ایوبی نہ رہا تو کیا فرق پڑے گا؟ ایک اور سلطان آ جائے گا۔ وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ مصریوں کو آخر غلام ہی ہونا پڑے گا۔ تم ایک کام کرو۔ سوڈانیوں کے سالار ناجی کے پاس پہنچو اور یہ لڑکی اس کے سامنے کر کے اسے بتاؤ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اصل میں کیا ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں؟"

ان لوگوں کو یہ تو علم تھا کہ ناجی کا صلیبیوں کے ساتھ رابطہ ہے اور موبی اس کے ساتھ بات کرے گی لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ ناجی اور اس کے معتمد سالار خفیہ طریقے سے مروائے جا چکے ہیں۔ اس تک لڑکی کو ہی جانا تھا۔ اس کا اکیلے جانا ممکن نہیں تھا۔ اتفاق سے انہیں فخر المصری مل گیا۔ لہٰذا اسی کو استعمال کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ آدمی چونکہ سلطان ایوبی کی نظر میں آ گئے تھے اس لیے ابھی اس کی نظر میں رہنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے موبی سے سن لیا تھا کہ ان کے شعبۂ جاسوسی اور تخریب کاری کا سربراہ رابن اسی

کیمپ میں ہے اور فرار ہوگا اس لیے وہ اسے مدد دینے کے لیے بھی وہاں موجود رہنا چاہتے تھے۔ ان کے ارادے معلوم نہیں کیا تھے۔ صلاح الدین ایوبی پر چلایا ہوا ان کا تیر خطا گیا تو انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا تھا۔ ان کا بہروپ اور ڈرامہ کامیاب رہا لیکن ان کا مشن تباہ ہوگیا تھا لہٰذا اب وہ بدلی ہوئی صورتِ حال اور اتفاقات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ فخر المصری حُسن اور حشیش کے جال میں آگیا تھا۔ اس نے واپس کیمپ میں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسے یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ لڑکی کو لے کر روانہ ہو جائے۔ اُن لوگوں نے اسے اپنا ایک اونٹ دے دیا۔ پانی کا ایک مشکیزہ دیا اور تھیلے میں کھانے کا بہت سارا سامان ڈال دیا۔ ان اشیاء میں کچھ ایسی تھیں جن میں حشیش ملی ہوئی تھی۔ موبی کو ان کا علم تھا۔ فخر کو ایک لمبا چغہ اور تاجروں والی دستار پہنا دی گئی۔ لڑکی اونٹ پر سوار ہوئی۔ اس کے پیچھے فخر سوار ہوگیا اور اونٹ چل پڑا۔ فخر گرد و پیش سے بے خبر تھا اور وہ اپنے ماضی سے بھی بے خبر ہوگیا تھا۔ صرف یہ احساس اس پر غالب تھا کہ روئے زمین کی حسین ترین لڑکی اس کے قبضے میں ہے جس نے سلطان کو ٹھکرا کر اسے پسند کیا ہے۔ فخر نے موبی کو دونوں بازوؤں میں لے کر اس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا لی۔

موبی نے کہا ـــ "تم عیسائی کمانداروں اور اپنے سلطان کی طرح وحشی تو نہیں بنو گے؟ میں تمہاری ملکیت ہوں۔ جو چاہو کرو مگر میں پھر تم سے نفرت کروں گی۔"

"کہو تو میں اونٹ سے اُتر جاتا ہوں۔" فخر نے اسے اپنے بازوؤں سے نکال کر کہا ـــ "مجھے صرف یہ بتا دو کہ تم مجھے دل سے چاہتی ہو یا محض مجبوری کے عالم میں میری پناہ لی ہے؟"

"پناہ تو میں ان تاجروں کی بھی لے سکتی تھی۔" موبی نے جواب دیا ـــ "لیکن تم مجھے اتنے اچھے لگے کہ تمہاری خاطر مذہب تک چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔" اس نے جذباتی باتیں کر کے فخر کے اعصاب پر قبضہ کر لیا اور رات گزرتی چلی گئی۔

سفر کم و بیش پانچ دنوں کا تھا لیکن فخر المصری عام راستوں سے ہٹ کر جا رہا تھا کیونکہ وہ بھگوڑا فوجی تھا۔ موبی کو نیند آنے لگی۔ اس نے سر پیچھے فخر کے سینے پر رکھ دیا اور گہری نیند سو گئی۔ اونٹ چلتا رہا، فخر جاگتا رہا۔

☆

صلاح الدین ایوبی صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہُوا ہی تھا کہ دربان نے اطلاع دی کہ علی بن سفیان آیا ہے۔ سلطان دوڑ کر باہر نکلا۔ اس کے منہ سے علی بن سفیان کے سلام کے جواب سے پہلے یہ الفاظ نکلے — "اُدھر کی کیا خبر ہے؟"

"ابھی تک خیریت ہے" — علی بن سفیان نے جواب دیا — "مگر سوڈانی لشکر میں بے اطمینانی بڑھتی جا رہی ہے۔ میں نے اس لشکر میں اپنے جو مخبر چھوڑے تھے، ان کی اطلاعوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے کسی ایک بھی کمانڈار نے قیادت سنبھال لی تو بغاوت ہو جائے گی"

صلاح الدین ایوبی اسے اپنے خیمے میں لے گیا۔ علی بن سفیان کہہ رہا تھا — "ناجی اور اس کے سرکردہ سالاروں کو تو ہم نے ختم کر دیا ہے، لیکن وہ مصری فوج کے خلاف سوڈانیوں میں نفرت کا جو زہر پھیلا گئے تھے اس کا اثر ذرّہ بھر کم نہیں ہُوا۔ ان کی بے اطمینانی کی دوسری وجہ اُن کے سالاروں کی گمشدگی ہے۔ میں نے اپنے مخبروں کی زبانی یہ خبر مشہور کرا دی ہے کہ اُن کے سالار بحیرۂ روم کے محاذ پر گئے ہوئے ہیں مگر امیرِ محترم! مجھے شک ہوتا ہے کہ سوڈانیوں میں شکوک اور شبہات پائے جاتے ہیں۔ جیسے انہیں علم ہو گیا ہے کہ ان کے سالاروں کو قید کر لیا گیا ہے اور مار بھی دیا گیا ہے"

"اگر بغاوت ہو گئی تو مصر میں ہمارے جو دستے ہیں وہ اسے دبا سکیں گے؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا — "کیا وہ پچاس ہزار تجربہ کار فوج کا مقابلہ کر سکیں گے؟ .... مجھے شک ہے"

"مجھے یقین ہے کہ ہماری قلیل فوج سوڈانیوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گی" علی بن سفیان نے کہا — "میں اس کا بندوبست کر آیا ہوں۔ میں نے عالی مقام نور الدین زنگی کی طرف دو تیز رفتار قاصد بھیج دیئے ہیں۔ میں نے پیغام بھیجا ہے کہ مصر میں بغاوت کی فضا پیدا ہو رہی ہے اور ہم نے جو فوج

تیار کی ہے وہ تھوڑی ہے اور اس میں سے آدھی فوج محاذ پر ہے۔ متوقعہ بغاوت کو دبانے کے لیے ہمیں کمک بھیجی جائے۔"

"مجھے اُدھر سے کمک کی امید کم ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا ۔"پرسوں ایک قاصد یہ خبر لایا تھا کہ زنگی نے فرنگیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ یہ حملہ انہوں نے ہماری مدد کے لیے کیا تھا۔ فرنگیوں کے اُمراء اور فوجی قائدین بحیرۂ روم میں صلیبیوں کے اتحادی بیڑے میں تھے اور فرنگیوں کی کچھ فوج مصر میں داخل ہو کر عقب سے حملہ کرنے اور ہمارے سوڈانی لشکر کی پشت پناہی کے لیے مصر کی سرحد پر آگئی تھی۔ محترم زنگی نے ان کے ملک پر حملہ کر کے اُن کے سارے منصوبے کو ایک ہی وار میں برباد کر دیا ہے اور شاہ فرینک کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا ہے۔ انہوں نے صلیبیوں سے کچھ رقم بھی وصول کی ہے"۔ صلاح الدین ایوبی خیمے کے اندر ٹہلنے لگا۔ جذباتی لہجے میں بولا ۔" سلطان زنگی کے قاصد کی زبانی وہاں کے کچھ ایسے حالات معلوم ہوئے ہیں جنہوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔"

"کیا اب صلیبی اُدھر یلغار کریں گے؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"مجھے صلیبیوں کی یلغار کی ذرّہ بھر پروا نہیں۔" سلطان ایوبی نے جواب دیا۔ "پریشانی یہ ہے کہ کفّار کی یلغار کو روکنے والے شراب کے مٹکوں میں ڈوب گئے ہیں۔ اسلام کے قلعے کے پاسبان حرم میں قید ہو گئے ہیں۔ عورت کی زلفوں نے انہیں پابہ زنجیر کر دیا ہے۔ علی! چچا اسدالدین شیر کوہ کو اسلام کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ کاش وہ آج زندہ ہوتے۔ میدانِ جنگ میں مجھے وہی لائے تھے۔ ہم نے بڑے ہی مشکل وقت دیکھے ہیں علی! میں نے چچا شیر کوہ کی فوج کے ہراول دستے کی کمان کی ہے۔ میں اُن کے ساتھ صلیبیوں کے محاصرے میں تین مہینے رہا ہوں۔ مجھے شیر کوہ ہمیشہ سبق دیا کرتے تھے کہ گھبراہٹ اور خوف سے بچنا۔ تائیدِ ایزدی اور رضائے الٰہی کا قائل رہنا اور اسلام کا علم بلند رکھنا۔ میں شیر کوہ کی کمان میں مصریوں اور صلیبیوں کی مشترک فوج کے خلاف بھی لڑا ہوں۔ سکندریہ میں محاصرے میں رہا ہوں شکست میرے سر پر آگئی تھی۔ میرے مُٹھی بھر عسکری بد دل ہوتے جا رہے

تھے۔ میں نے کس طرح اُن کے حوصلے اور جذبے ترو تازہ رکھے؟ یہ میرا خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تاآنکہ چچا شیرکوہ نے حملہ آور ہو کر محاصرہ توڑا..... تم یہ کہانی اچھی طرح جانتے ہو۔ ایمان فروشوں نے کفّار کے ساتھ مل کر ہمارے لیے کیسے کیسے طوفان کھڑے کیے مگر میں گھبرایا نہیں۔ دل نہیں چھوڑا"

"مجھے سب کچھ یاد ہے سلطان!"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "اس قدر معرکہ آرائیوں اور قتل و غارت کے بعد توقع تھی کہ مصری راہِ راست پر آ جائیں گے مگر ایک غدّار مرتا ہے تو ایک اور اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ غدّار کمزور خلافت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اگر فاطمی خلافت حرم میں گم نہ ہو جاتی تو آج آپ صلیبیوں سے یورپ میں لڑ رہے ہوتے مگر ہمارے غدّار بھائی انہیں سلطنتِ اسلامیہ سے باہر نہیں جانے دے رہے۔ جب بادشاہ عیش و عشرت میں پڑ جائیں تو رعایا میں سے بھی کچھ لوگ بادشاہی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔ وہ کفّار سے طاقت اور مدد حاصل کرتے ہیں۔ ایمان فروشی میں وہ اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ کفّار کے عزائم اور اپنی بیٹیوں کی عصمتوں تک کو بھلا دیتے ہیں"

"مجھے ہمیشہ انہی لوگوں سے ڈر آتا ہے"۔ صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "اللہ نہ کرے، اسلام کا نام جب بھی ڈوبا مسلمانوں کے ہاتھوں سے ڈوبے گا۔ ہماری تاریخ غدّاروں کی تاریخ بنتی جا رہی ہے۔ یہ رجحان بتا رہا ہے کہ ایک روز مسلمان جو برائے نام مسلمان ہوں گے اپنی سرزمین کفّار کے حوالے کر دیں گے۔ اگر اسلام کہیں زندہ رہا تو وہاں مسجدیں کم اور قحبہ خانے زیادہ ہوں گے۔ ہماری بیٹیاں صلیبیوں کی طرح بال کھلے چھوڑ کر بے حیا ہو جائیں گی۔ کفّار انہیں اسی راستے پر ڈال رہے ہیں بلکہ ڈال چکے ہیں..... اب مصر سے پھر یہی طوفان اٹھ رہا ہے علی! تم اپنے محکمے کو اور مضبوط اور وسیع کر لو۔ میں نے اپنے رفیقوں سے کہہ دیا ہے کہ دشمن کے علاقوں میں جا کر شبخون مارنے اور خبریں لانے کے لیے ہنرمند اور ذہین جوانوں کا انتخاب کرو۔ صلیبی اس محاذ کو مضبوط اور پُر اثر بنا رہے ہیں۔ تم فوری طور پر جاسوسی جنگ کی تیاری کرو..... فوری طور پر کرنے والا کام یہ ہے کہ سمندر سے کئی

سے ایک صلیبی بچ کر نکلے ہیں۔ ان میں زیادہ تر زخمی ہیں اور جو زخمی نہیں وہ کئی کئی دن سمندر میں ڈوبنے اور تیرنے کی وجہ سے زخمیوں سے بدتر ہیں۔ ان سب کا علاج معالجہ ہو رہا ہے۔ میں نے سب کو دیکھا ہے۔ تم بھی انہیں دیکھ لو اور اپنی ضرورت کے مطابق ان سے معلومات حاصل کرو۔"

سلطان ایوبی نے دربان کو بلا کر ناشتے کے لیے کہا اور علی بن سفیان سے کہا ۔۔۔"کل کچھ زخمی اور اچھی بھلی لڑکیاں میرے سامنے لائی گئی تھیں۔ چھ تو سمندر سے نکلے ہوئے قیدی ہیں۔ ان میں ایک پر مجھے شک ہے کہ وہ سپاہی نہیں۔ رتبے اور عہدے والا آدمی ہے۔ سب سے پہلے اسے ملو۔ پانچ تاجر سات عیسائی لڑکیوں کو ساتھ لائے تھے" ۔۔۔ اس نے علی بن سفیان کو لڑکیوں کے متعلق وہی کچھ بتایا جو تاجروں نے بتایا تھا۔ سلطان ایوبی نے کہا ۔۔۔"میں نے لڑکیوں کو دراصل حراست میں لیا ہے لیکن انہیں بتایا ہے کہ میں انہیں پناہ میں لے رہا ہوں۔ لڑکیوں کا یہ کہنا کہ وہ غریب گھرانوں کی لڑکیاں ہیں اور پھر ان کا یہ بیان کہ انہیں ایک جلتے ہوئے جہاز میں سے کشتی میں بٹھا کر سمندر میں اتارا گیا اور کشتی انہیں ساحل پر لے آئی مجھے شکوک میں ڈال رہا ہے۔ میں نے انہیں الگ خیمے میں رکھا ہے اور سنتری کھڑا کر دیا ہے۔ تم ناشتے کے فوراً بعد اس قیدی اور ان لڑکیوں کو دیکھو۔"

آخر میں صلاح الدین ایوبی نے مسکرا کر کہا ۔۔۔"کل دن کے وقت ساحل پر ٹہلتے ہوئے مجھ پر ایک تیر چلایا گیا ہے جو میرے پاؤں کے درمیان ریت میں لگا" ۔۔۔ اس نے تیر علی بن سفیان کو دے کر کہا ۔۔۔"علاقہ چٹانی تھا۔ محافظ تلاش اور تعاقب کے لیے بہت دوڑے مگر انہیں کوئی تیر انداز نظر نہیں آیا۔ اس علاقے سے انہیں یہ پانچ تاجر ملے جنہیں محافظ میرے پاس لے آئے۔ انہوں نے یہ سات لڑکیاں بھی میرے حوالے کیں اور چلے گئے۔"

"اور وہ چلے گئے؟" علی بن سفیان نے حیرت سے کہا۔ "آپ نے انہیں جانے کی اجازت دے دی؟"

"محافظوں نے ان کے سامان کی تلاشی لی تھی" ۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "ان سے ایسی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی جس سے اُن پر شک ہوتا۔"

علی بن سفیان تیر کو غور سے دیکھتا رہا اور بولا ۔۔۔"سلطان اور سراغرسانی

کی نظر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ میں سب سے پہلے ان تاجروں کو پکڑنے کی کوشش کروں گا۔"

علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کے خیمے سے باہر نکلا تو دربان نے اسے کہا۔" یہ کماندار اطلاع لایا ہے کہ کل سات عیسائی لڑکیاں قید میں آئی تھیں۔ اِن میں سے ایک لاپتہ ہے۔ کیا سلطان کو یہ اطلاع دینا ضروری ہے؟ یہ کوئی اہم واقعہ تو نہیں کہ سلطان کو پریشان کیا جائے۔"

علی بن سفیان گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کماندار جو اطلاع دینے آیا تھا اس نے علی بن سفیان کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔" ایک عیسائی لڑکی کا لاپتہ ہو جانا تو اتنا اہم واقعہ نہیں مگر اہم یہ ہے کہ فخرالمصری نام کا کماندار بھی رات سے لاپتہ ہے۔ رات کے سنتریوں نے بتایا ہے کہ وہ لڑکیوں کے خیمے تک گیا تھا۔ وہاں سے زخمیوں کے خیموں کی طرف گیا اور پھر کہیں نظر نہیں آیا۔ رات وہ گشت پر نکلا تھا۔"

علی بن سفیان نے ذرا سوچ کر کہا۔" یہ اطلاع سلطان تک ابھی نہ جائے۔ رات کے اُس وقت کے تمام سنتریوں کو اکٹھا کرو جب فخر گشت پر نکلا تھا۔" اس نے سلطان ایوبی کے محافظ دستے کے کماندار سے کہا کہ کل سلطان کے ساتھ جو محافظ ساحل تک گئے تھے انہیں لاؤ۔ وہ وہیں تھے، چاروں سامنے آ گئے تو علی بن سفیان نے انہیں کہا۔" کل جہاں تم نے تاجروں اور لڑکیوں کو دیکھا تھا وہاں فوراً پہنچو۔ اگر وہ تاجر ابھی تک وہیں ہیں تو انہیں حراست میں لے لو اور وہیں میرا انتظار کرو اور اگر جا چکے ہوں تو فوراً واپس آؤ۔"

محافظ روانہ ہو گئے تو علی بن سفیان لڑکیوں کے خیمے تک گیا۔ چھ لڑکیاں باہر بیٹھی تھیں اور سنتری کھڑا تھا۔ علی نے لڑکیوں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے عربی زبان میں پوچھا۔ "ساتویں لڑکی کہاں ہے؟"

لڑکیوں نے ایک دوسری کے منہ کی طرف دیکھا اور سر ہلائے۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "تم سب ہماری زبان سمجھتی ہو۔"

لڑکیاں اسے حیران سا ہو کے دیکھتی رہیں۔ علی اُن کے چہروں اور ڈیل ڈول سے شک میں پڑ گیا تھا۔ وہ لڑکیوں کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور عربی

زبان میں کہا — "ان لڑکیوں کے کپڑے اتار کر ننگا کردو اور بارہ وحشی قسم کے سپاہی بلا لاؤ"

تمام لڑکیاں بدک کر پیچھے کو مڑیں۔ دو تین نے بیک وقت بولنا شروع کردیا۔ وہ عربی زبان بول رہی تھیں — "لڑکیوں کے ساتھ تم ایسا سلوک نہیں کرسکتے" — ایک نے کہا" ہم تمہارے خلاف نہیں لڑیں"

علی بن سفیان کی ہنسی نکل گئی۔ اس نے کہا— "میں تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کروں گا۔ تم نے جس طرح ایک ہی دھمکی سے عربی بولنی شروع کردی ہے اب بغیر کسی دھمکی کے یہ بتا دو کہ ساتویں لڑکی کہاں ہے"—

سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ علی نے کہا—"میں اس سوال کا جواب لے کر رہوں گا۔ تم نے سلطان پر ظاہر کیا ہے کہ تم ہماری زبان نہیں جانتیں، اب تم ہماری زبان ہماری طرح بول رہی ہو۔ کیا میں تمہیں چھوڑدوں گا؟"— اس نے سنتری سے کہا—" انہیں خیمے کے اندر بٹھا دو"

رات کے سنتری آ گئے تھے۔ فخر المصری کی گشت کے وقت کے سنتریوں سے علی بن سفیان نے پوچھ گچھ کی۔ آخر لڑکیوں کے خیمے والے سنتری نے بتایا کہ فخر رات اُسے یہاں کھڑا کر کے زخمیوں کے خیموں کی طرف گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اسے اس کی آواز سنائی دی — "کون ہو تم؟ نیچے آؤ"— سنتری نے اُدھر دیکھا تو اندھیرے میں اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ سامنے مٹی کے ٹیلے پر اُسے ایک آدمی کا سایہ سا نظر آیا اور وہ سایہ وہیں غائب ہوگیا۔

علی بن سفیان فوراً وہاں گیا۔ یہ ٹیلہ ساحل کے قریب تھا۔ اس کی مٹی ریتیلی تھی۔ ایک جگہ سے صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہاں کوئی اوپر گیا ہے۔ وہاں زمین پر دو قسم کے پاؤں کے نشان تھے۔ ایک نشان تو مرد کا تھا جس نے فوجیوں والا جوتا پہن رکھا تھا۔ دوسرا نشان چھوٹے جوتے کا تھا اور زنانہ لگتا تھا۔ زمین کچی اور ریتیلی تھی۔ زنانہ نشان جدھر سے آیا تھا علی بن سفیان اُدھر کو چل پڑا۔ یہ نشان اُسے اس خیمے تک لے گئے جہاں موبی رابن سے ملی تھی۔ اس نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور اندر چلا گیا۔

اس کی چہرہ شناس نگاہوں نے زخمی قیدیوں کو دیکھا۔ سب کے چہرے بنا نپے۔ رابن بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے علی بن سفیان کو دیکھا اور فوراً ہی کراہنے

لگا جیسے اسے درد کا اچانک دورہ پڑا ہو۔ علی نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھا لیا اور خیمے سے باہر لے گیا۔ اس سے پوچھا ــــ "رات کو ایک قیدی لڑکی اس خیمے میں آئی تھی۔ کیوں آئی تھی؟" ــــ رابن اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جن میں حیرت تھی اور ایسا تاثر بھی جیسے وہ کچھ سمجھا ہی نہ ہو۔ علی بن سفیان نے اُسے آہستہ سے کہا ــــ "تم میری زبان سمجھتے ہو دوست! میں تمہاری زبان سمجھتا ہوں۔ بول سکتا ہوں لیکن تمہیں میری زبان میں جواب دینا ہوگا" ــــ رابن اس کا منہ دیکھتا رہا۔ علی نے سنتری سے کہا۔ "اسے خیمے سے باہر رکھو"۔

علی بن سفیان خیمے کے اندر چلا گیا اور قیدیوں سے اُن کی زبان میں پوچھا "رات کو لڑکی اس خیمے میں کتنی دیر رہی تھی؟ اپنے آپ کو اذیت میں نہ ڈالو"۔

سب چپ رہے مگر ایک اور دھکی سے ایک زخمی نے بتا دیا کہ لڑکی خیمے میں آئی تھی اور رابن کے پاس بیٹھی یا لیٹی رہی تھی۔ یہ زخمی سمندر میں جلتے جہاز سے کودا تھا۔ اس نے آگ کا بھی اور پانی کا بھی قہر دیکھا تھا۔ وہ اتنا زخمی نہیں تھا جتنا خوفزدہ تھا۔ وہ کسی اور مصیبت میں پڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ اسے یہ معلوم نہیں کہ رابن اور لڑکی کے درمیان کیا باتیں ہوئیں اور لڑکی کون تھی۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رابن کا عہدہ کیا ہے۔ وہ اس کے صرف نام سے واقف تھا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ رابن اس کیمپ میں آنے تک بالکل تندرست تھا۔ یہاں آکر وہ اس طرح کراہنے لگا جیسے اُسے اچانک کسی بیماری کا دورہ پڑ گیا ہو۔

علی بن سفیان ایک محافظ کی راہنمائی میں اُن پانچ آدمیوں کو دیکھنے چلا گیا جو تاجروں کے بہروپ میں کچھ دُور خیمہ زن تھے۔ محافظوں نے انہیں الگ بٹھا رکھا تھا۔ علی کو انہوں نے پہلی اطلاع یہ دی کہ اُن کے پاس کل دو اونٹ تھے مگر آج ایک ہی ہے۔ یہی اشارہ کافی تھا۔ وہ اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے کہ دوسرا اونٹ کہاں ہے۔ دوسرے اونٹ کے پاؤں کے نشان مل گئے۔ علی بن سفیان نے انہیں کہا ــــ "تمہارا جرم معمولی چوری چکاری نہیں ہے۔ تم ایک پوری سلطنت اور اس کی تمام تر آبادی کے لیے خطرہ ہو۔ اس لیے میں تم پر ذرہ بھر رحم نہیں کروں گا۔ کیا

تم تاجر ہو؟"

"ہاں"__ سب نے سر ہلا کر کہا__ "ہم تاجر ہیں جناب! ہم بے گناہ ہیں"
علی بن سفیان نے کہا__ "اپنے ہاتھوں کی اُلٹی طرف میرے سامنے کرو"
پانچوں نے ہاتھ اُلٹے کر کے آگے کر دیئے۔ علی نے سب کے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی درمیانی جگہ کو دیکھا اور ایک آدمی کو کلائی سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ اسے کہا__ "کمان اور ترکش کہاں چھپا رکھی ہے؟"

اس آدمی نے معصوم بننے کی بہت کوشش کی۔ علی نے سلطان ایوبی کے ایک محافظ کو اپنے پاس بلا کر اس کے بائیں ہاتھ کی اُلٹی طرف اسے دکھائی۔ اس کے انگوٹھے کے الٹی طرف اُس جگہ جہاں انگوٹھا ہتھیلی کے ساتھ ملتا ہے یعنی جہاں جوڑ ہوتا ہے وہاں ایک نشان تھا۔ ایسا نشان اس آدمی کے انگوٹھے کے جوڑ پر بھی تھا۔ علی نے اسے اپنے محافظ کے متعلق بتایا__ "یہ سلطان کا بہترین تیر انداز ہے اور یہ نشان اس کا ثبوت ہے کہ یہ تیر انداز ہے"

اس کے انگوٹھے کی الٹی طرف ایک مدھم سا نشان تھا جیسے وہاں بار بار کوئی چیز رگڑی جاتی رہی ہو۔ یہ تیروں کی رگڑ کے نشان تھے۔ تیر دائیں ہاتھ سے پکڑا جاتا ہے، کمان بائیں ہاتھ سے پکڑی جاتی ہے، تیر کا اگلا حصہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ہوتا ہے اور جب تیر کمان سے نکلتا ہے تو انگوٹھے پر رگڑ کھا جاتا ہے۔ ایسا نشان ہر ایک تیر انداز کے ہاتھ پر ہوتا تھا۔ علی بن سفیان نے اسے کہا__ "اِن پانچ میں تم اکیلے تیر انداز ہو۔ کمان اور ترکش کہاں ہے؟"__ پانچوں چپ رہے۔ علی نے ان پانچ میں سے ایک کو پکڑ کر محافظوں سے کہا__ "اِس کو اُس درخت کے ساتھ باندھ دو"

اُسے کھجور کے درخت کے ساتھ کھڑا کر کے باندھ دیا گیا۔ علی نے اپنے تیر انداز کے کان میں کچھ کہا۔ تیر انداز نے کندھے سے کمان اتار کر اس میں تیر رکھا اور درخت سے بندھے ہوئے آدمی کا نشانہ لے کر تیر چھوڑا۔ تیر اس آدمی کی دائیں آنکھ میں اُتر گیا۔ وہ تڑپنے لگا۔ علی نے باقی چار سے کہا__ "تم میں کتنے ہیں جو صلیب کی خاطر اس طرح تڑپ تڑپ کر جان دینے کو تیار ہیں؟ اس کی طرف دیکھو"__ انہوں نے دیکھا۔ وہ آدمی چیخ رہا تھا، تڑپ رہا تھا۔ اس کی آنکھ سے خون بُری طرح بہہ رہا تھا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں" — علی بن سفیان نے کہا — "کہ باعزت طریقے سے تم سب کو سمندر پار بھیج دوں گا.... دوسرے اونٹ پر کون گیا ہے؛ کہاں گیا ہے؟"

"تمہارا اپنا ایک کماندار ہمارا ایک اونٹ ہم سے چھین کر لے گیا ہے" — ایک آدمی نے کہا۔

"اور ایک لڑکی بھی" — علی بن سفیان نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد علی بن سفیان کے فن نے اُن سے اعتراف کروا لیا کہ وہ کون ہیں اور کیا ہیں، مگر انہوں نے یہ جھوٹ بولا کہ لڑکی رات خیمے سے بھاگ آئی تھی اور اس نے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے رات اسے اپنے خیمے میں رکھا تھا، اس نے شراب پی رکھی تھی اور لڑکی کو بھی پلائی تھی اور لڑکی گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں آئی تھی۔ اس کے تعاقب میں فخر المصری نام کا ایک کماندار آیا اور اس نے جب لڑکی کی باتیں سنیں تو اسے ہمارے اونٹ پر بٹھا کر زبردستی لے گیا۔ انہوں نے وہ تمام بہتان علی بن سفیان کو سنائے جو لڑکی نے سلطان ایوبی پر لگائے تھے۔

علی نے مسکرا کر کہا — "تم پانچ تربیت یافتہ عسکری اور تیر انداز اور ایک آدمی تم سے لڑکی بھی لے گیا اور اونٹ بھی" — اس نے انہی کی نشاندہی پر زمین میں دبائی ہوئی کمان اور ترکش بھی نکلوالی۔ ان چاروں کو خیمہ گاہ میں بھجوا دیا گیا۔ پانچواں آدمی تڑپ تڑپ کر مر چکا تھا۔

اونٹ کے پاؤں کے نشان صاف نظر آرہے تھے۔ علی بن سفیان نے نہایت سرعت سے دس سوار بلائے اور انہیں اپنی کمان میں لے کر اس طرف روانہ ہوگیا جدھر اونٹ گیا تھا، مگر اونٹ کی روانگی اور اس کے تعاقب میں علی بن سفیان کی روانگی میں چودہ پندرہ گھنٹوں کا فرق تھا۔ اونٹ تیز تھا اور اسے آرام کی بھی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ اونٹ، پانی اور خوراک کے بغیر چھ سات دن تر و تازہ رہ سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں گھوڑوں کو راستے میں کئی بار آرام، پانی اور خوراک کی ضرورت تھی۔ ان عناصر نے تعاقب ناکام بنا دیا۔ اونٹ نے چودہ پندرہ گھنٹوں کا فرق پورا نہ ہونے دیا۔ فخر المصری نے تعاقب کے پیش نظر قیام بہت کم کیا تھا۔

علی بن سفیان کو راستے میں صرف ایک چیز ملی۔ یہ ایک تھیلا تھا۔ اس نے رک کر تھیلا اٹھایا۔ کھول کر دیکھا۔ اس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ اسی تھیلے میں ایک اور تھیلا تھا۔ اس میں بھی وہی چیزیں تھیں۔ علی بن سفیان کے سونگھنے کی تیز حس نے اسے بتا دیا کہ ان اشیاء میں حشیش ملی ہوئی ہے۔ راستے میں اُسے دو جگہ ایسے آثار ملے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ یہاں اونٹ رکا ہے اور سوار یہاں بیٹھے ہیں۔ کھجوروں کی گٹھلیاں، پھلوں کے بیج اور چھلکے بھی بکھرے ہوئے تھے۔ تھیلے نے اسے شک میں ڈال دیا۔ اس کے ذہن میں یہ شک آیا کہ فخر المصری کو حشیش کے نشے میں لڑکی اپنے محافظ کے طور پر ساتھ لے جا رہی ہے۔ تاہم اس نے تھیلا اپنے پاس رکھا مگر تھیلے کی تلاشی اور قیام نے وقت ضائع کر دیا تھا۔

☆

فخر المصری اور موبی منزل پر نہ بھی پہنچتے اور راستے میں پکڑے بھی جاتے تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ سوڈانی لشکر میں ناجی، اور روش اور ان کے ساتھی جو زہر پھیلا چکے تھے وہ اثر کر گیا تھا۔ فاطمی خلافت کے وہ فوجی سربراہ جو برائے نام جرنیل اور دراصل حاکم بنے ہوئے تھے، سلطان صلاح الدّین ایوّبی کو ایک ناکام امیر اور بے کار حاکم ثابت کرنا چاہتے تھے۔ مسلمان حکمران حرم میں اُن لڑکیوں کے اسیر ہو گئے تھے جن میں بیشتر عیسائی اور یہودی تھیں۔ ان کے نام اسلامی تھے۔ حکومت کا کاروبار خود ساختہ افسر چلا رہے تھے، من مانی اور عیش و عشرت کر رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ صلاح الدّین ایوّبی جیسا کوئی مذہب پسند اور قوم پرست قائد قوم کو جگا دے اور حکمرانوں اور سلطانوں کو حرم کی جنت سے باہر لا کر حقائق کی دنیا میں لے آئے۔ سلطان ایوّبی کے پہلے معرکوں سے جو اس نے اپنے چچا شیرکوہ کی قیادت میں لڑے تھے، یہ لوگ جان چکے تھے کہ اگر یہ شخص اقتدار میں آگیا تو اِسلامی سلطنت کو مذہب اور اخلاقیات کی پابندیوں میں جکڑ لے گا لہٰذا انہوں نے ہر وہ داؤ کھیلا جو سلطان ایوّبی کو چاروں شانے چت گرا سکتا تھا۔ انہوں نے درپردہ صلیبیوں سے تعاون کیا اور ان کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کے لیے زمین ہموار کی اور اس کے راستے میں چٹانیں کھڑی کیں۔ اگر نورالدین زنگی نہ ہوتا تو آج

نہ صلاح الدین ایوبی کا تاریخ میں نام ہوتا نہ آج نقشے پر اتنے زیادہ اسلامی ممالک نظر آتے۔

نورالدین زنگی نے ذرا سے اشارے پر بھی سلطان ایوبی کو کمک اور مدد بھیجی۔ صلیبیوں نے مصری فوج کے سوڈانیوں کے بلاوے پر بحیرۂ روم سے حملہ کیا تو نورالدین زنگی نے اطلاع ملتے ہی خشکی پر صلیبیوں کی ایک مملکت پر حملہ کرکے اُن کے اس لشکر کو مفلوج کر دیا جو مصر پر حملہ کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ یہ تو سلطان ایوبی کا نظامِ جاسوسی ایسا تھا کہ اس نے صلیبیوں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ اب علی بن سفیان نے زنگی کی طرف برق رفتار قاصد یہ خبر دینے کے لئے دوڑا دیئے تھے کہ سوڈانیوں کی بغاوت کا خطرہ ہے اور ہماری فوج کم بھی ہے، دو حصوں میں بٹ بھی گئی ہے۔ قاصد پہنچ گئے تھے اور نورالدین زنگی نے خاصی فوج کو مصر کی طرف کوچ کا حکم دے دیا تھا۔ بعض مورخین نے اس فوج کی تعداد دو ہزار سوار اور پیادہ لکھی ہے اور کچھ اس سے زیادہ بتاتے ہیں۔ بہرحال زنگی نے اپنی مشکلات اور ضروریات کی پروا نہ کرتے ہوئے سلطان ایوبی کی مشکلات اور ضروریات کو اہمیت اور اولیت دی مگر اس کی فوج کو پہنچنے کے لیے بہت دن درکار تھے۔

مسلمان نام نہاد فوجی اور دیگر سرکردہ شخصیتوں نے دیکھا کہ مصر میں سلطان ایوبی کے خلاف بے اطمینانی اور بغاوت پھوٹ رہی ہے تو انہوں نے اسے ہوا دی۔ درپردہ سوڈانیوں کو اکسایا اور اپنے مخبروں کے ذریعے یہ بھی معلوم کر لیا کہ سوڈانیوں کے سالاروں کو مروا کر خفیہ طریقے سے دفن کر دیا گیا ہے۔ سوڈانی لشکر کے کم رتبے والے کمانڈر سالار بن گئے اور صلاح الدین ایوبی کی اس قلیل فوج پر حملہ کرنے کے منصوبے بنانے لگے جو مصر میں مقیم تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی آدھی فوج اور سلطان کی دارالحکومت سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ منصوبہ ایسا تھا جس کے تحت پچاس ہزار سوڈانی فوج سیاہ گھٹا کی طرح مصر کے آسمان سے اسلام کے چاند کو روپوش کرنے والی تھی۔

علی بن سفیان قاہرہ پہنچ گیا۔ وہ جن کے تعاقب میں گیا تھا، ان کا اُس سے آگے کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ اس نے اپنے اُن جاسوسوں کو بلایا جو اس نے سوڈانی ہیڈ کوارٹر اور فوج میں چھوڑ رکھے تھے۔ ان میں سے ایک نے بتایا کہ

گزشتہ رات ایک اونٹ آیا تھا۔ اندھیرے میں جو کچھ نظر آسکا وہ دو سوار تھے، ایک عورت اور ایک مرد۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ وہ کون سی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ علی بن سفیان کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہاں چھاپہ مارتا۔ سوڈانی فوج سلطنتِ اسلامیہ کی فوج تھی، کوئی آزاد فوج نہیں تھی مگر علی نے اس خدشے کے پیشِ نظر چھاپہ نہ مارا کہ یہ جلتی پر تیل کا کام کرے گا۔ اس کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ موبی اور فخر المصری کو گرفتار کرنا ہے بلکہ اصل مقصد یہ تھا کہ سوڈانی قیادت کے عزائم اور آئندہ منصوبے معلوم کیے جائیں تاکہ پیش بندی کی جا سکے۔ اس نے اپنے جاسوسوں کو نئی ہدایات جاری کیں۔ جاسوسوں میں غیر مسلم لڑکیاں بھی تھیں جو عیسائی یا یہودی نہیں تھیں۔ یہ قحبہ خانوں کی بڑی ذہین اور تیز طرار لڑکیاں تھیں مگر علی بن سفیان نے ان پر کبھی سو فیصد بھروسہ نہیں کیا تھا کیونکہ وہ دوغلا کھیل بھی کھیل سکتی تھیں۔ ان لڑکیوں سے بھی اُس لڑکی (موبی) کا سراغ نہ مل سکا جس کے تعاقب میں علی آیا تھا۔

☆

چار روز علی بن سفیان دار الحکومت سے باہر مارا مارا پھرتا رہا۔ اس کا دائرہ کار سوڈانی فوجی قیادت کے ارد گرد کا علاقہ تھا۔ پانچویں رات وہ باہر کھلے آسمان تلے بیٹھا اپنے دو جاسوسوں سے رپورٹ لے رہا تھا۔ اس کے تمام آدمیوں کو معلوم ہوتا تھا کہ کس وقت وہ کہاں ہوتا ہے۔ اُس کے گروہ کا ایک آدمی ایک آدمی کو ساتھ لیے اُس کے پاس آیا اور کہا —— "یہ اپنا نام فخر المصری بتاتا ہے۔ جھاڑیوں میں ڈگمگاتا، گرتا اور اُٹھتا تھا۔ میں نے اس سے بات کی تو کہنے لگا کہ مجھے میری فوج تک پہنچا دو۔ اس سے ابھی طرح بولا بھی نہیں جاتا" —— اس دوران فخر المصری بیٹھ گیا تھا۔

"تم وہی کمانڈر ہو جو محاذ سے ایک لڑکی کے ساتھ بھاگے ہو؟" علی بن سفیان نے اُس سے پوچھا۔

"میں سلطان کی فوج کا بھگوڑا ہوں" —— فخر نے ہکلاتی لڑکھڑاتی زبان میں کہا —— "سزائے موت کا حقدار ہوں لیکن میری پوری بات سُن لیں ورنہ تم سب کو سزائے موت ملے گی"۔

علی بن سفیان اُس کے لب و لہجے سے سمجھ گیا کہ یہ شخص نشے میں ہے یا نشے کی طلب نے اس کا یہ حال کر رکھا ہے۔ وہ اسے اپنے دفتر میں لے گیا اور اسے وہ تھیلا دکھایا جو اُسے راستے میں پڑا ملا تھا۔ پوچھا — "یہ تھیلا تمہارا ہے؟ اور تم اس سے یہ چیزیں کھاتے رہے ہو؟"

"ہاں" — فخر المصری نے جواب دیا — "وہ مجھے اسی سے کھلاتی تھی" — اس کے سامنے وہ تھیلا بھی پڑا تھا جو تھیلے کے اندر سے نکلا تھا۔ علی نے اس میں سے چیزیں نکال کر سامنے رکھ لی تھیں۔ فخر نے یہ چیزیں دیکھیں تو جھپٹ کر مٹھائی کی قسم کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ علی نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ فخر نے بے تابی سے کہا — "خدا کے لیے مجھے یہ کھانے دو۔ میری جان اور روح اسی میں ہے" — مگر علی نے اُس سے وہ ٹکڑا چھین لیا اور اسے کہا — "مجھے ساری واردات سناؤ پھر یہ ساری چیزیں اُٹھا لینا"۔

فخر المصری نڈھال اور بے جان ہُوا جا رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اُسے ایک سفوف کھلا دیا جو حشیش کا توڑ تھا۔ فخر نے اسے تمام تر واقعہ سنا دیا کہ وہ کیمپ سے لڑکی کے تعاقب میں کس طرح گیا تھا۔ تاجروں نے اُسے قہوہ پلایا تھا جس کے اثر سے وہ کسی اور ہی دنیا میں جا پہنچا تھا۔ تاجروں (صلیبی جاسوسوں) نے اُس سے جو باتیں کی تھیں وہ بھی اس نے بتائیں اور پھر لڑکی کے ساتھ اس نے اونٹ پر جو سفر کیا تھا وہ اس طرح سنایا کہ وہ مسلسل چلتے رہے۔ اونٹ نے بڑی اچھی طرح ساتھ دیا۔ رات کو وہ تھوڑی دیر قیام کرتے تھے۔ لڑکی اسے کھانے کو دوسرے تھیلے میں سے چیزیں دیتی تھی۔ وہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا۔ لڑکی نے اسے اپنی محبت کا یقین دلایا اور شادی کا وعدہ کیا تھا اور شرط یہ رکھی تھی کہ وہ اسے سوڈانی کمانداروں کے پاس پہنچا دے۔ وہ راستے میں ہی لڑکی کو شادی کے بغیر بیوی بنانے کی کوشش کرتا رہا لیکن لڑکی اُسے اپنی باہوں میں لے کر پیار اور محبت سے ایسے ارادے اور خواہش کو مار دیتی۔ فخری نے محسوس تک نہ کیا کہ لڑکی اسے حشیش اور اپنے حسن و شباب کے قبضے میں لیے ہوئے ہے۔ تیسرے پڑاؤ میں جب انہوں نے کھانے پینے کے لیے اونٹ روکا تو تھیلا غائب پایا جو اونٹ کے دوڑنے سے کہیں گر پڑا تھا۔ لڑکی نے اسے کہا کہ واپس

چل کر تھیلا ڈھونڈ لیتے ہیں لیکن فخرالمصری نے کہا کہ وہ بھگوڑا فوجی ہے، خدشہ ہے کہ اس کا تعاقب ہو رہا ہوگا۔ لڑکی ضد کرنے لگی کہ تھیلا ضرور ڈھونڈیں گے۔ فخر نے اسے یقین دلایا کہ بھوکا مرنے کا کوئی خطرہ نہیں راستے میں کسی آبادی سے کچھ لے لیں گے مگر لڑکی آبادی کے قریب جانا نہ چاہتی تھی اور کہتی تھی کہ واپس چلو۔

فخرالمصری نے اُسے زبردستی اونٹ پر بٹھا لیا اور اس کے پیچھے بیٹھ کر اونٹ کو اٹھایا اور دوڑا دیا۔ وہ سفر کی تیسری رات تھی۔ اگلی شام وہ شہر سے باہر سوڈانیوں کے ایک کماندار کے ہاں پہنچ گئے مگر فخرالمصری اپنے سر کے اندر ایسی بے چینی محسوس کرنے لگا جیسے کھوپڑی میں کیڑے رینگ رہے ہوں۔ آہستہ آہستہ وہ حقیقی دنیا میں آگیا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ یہ حشیش نہ ملنے کا اثر ہے۔ اُس کی تصوراتی بادشاہی اور ذہن میں بسائی ہوئی جنت تھیلے میں کہیں ریگزار میں گر گئی تھی۔ لڑکی نے اُن کے سامنے کماندار کو صلیبیوں کا پیغام دیا اور اسے بغاوت پر اُکسایا۔ فخر پاس بیٹھا سنتا رہا اور اُس کے ذہن میں کیڑے بڑے ہو کر تیزی سے رینگنے لگے۔ نشہ اُتر چکا تھا۔ اُسے یاد آنے لگا کہ وہ محاذ سے بھاگ آیا ہے۔ لڑکی (موبی) کو یہی خوش فہمی ہوگی کہ فخر پر نشہ طاری ہے۔ چنانچہ اُس نے بے خوف وخطر کماندار سے یہ بھی کہہ دیا کہ سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کے درمیان یہ غلط فہمی پیدا کرنی ہے کہ وہ ظاہری طور پر نیک بنے پھرتے ہیں مگر عورت اور شراب کے دلدادہ ہیں۔

اُن کی اس طویل گفتگو میں بغاوت کی باتیں بھی ہوئیں۔ اس وقت تک فخرالمصری پوری طرح بیدار ہو چکا تھا لیکن سر کے اندر کی بے چینی اسے بہت پریشان کر رہی تھی۔ لڑکی نے کماندار سے کہا کہ اگر بغاوت کرنی ہے تو وقت ضائع نہ کریں۔ سلطان ایوبی محاذ پر ہے اور اُلجھا ہوا ہے۔ لڑکی نے یہ جھوٹ بولا کہ صلیبی تین چار دنوں بعد دوسرا حملہ کرنے والے ہیں۔ سلطان ایوبی کو یہاں سے بھی فوج محاذ پر بلانی پڑے گی۔ کماندار نے لڑکی کو بتایا کہ چھ سات دنوں تک سوڈانی لشکر یہاں کی فوج پر حملہ کر دے گا۔

فخر یہ ساری گفتگو سنتا رہا۔ آدھی رات کے بعد اُسے الگ کرے ہیں

بھیج دیا گیا جہاں اُس کے سونے کا انتظام تھا۔ لڑکی اور کماندار دوسرے کمرے میں رہے۔ درمیان میں دروازہ تھا جو بند کر دیا گیا۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے دروازے کے ساتھ کان لگائے تو اُسے ہنسی کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر لڑکی کے یہ الفاظ سنائی دیئے — "اسے حشیش کے زور پر یہاں تک لائی ہوں اور اس کی محبوبہ بنی رہی ہوں۔ مجھے ایک محافظ کی ضرورت تھی۔ حشیش کا تھیلا راستے میں گر پڑا ہے۔ اگر صبح اسے ایک خوراک نہ ملی تو یہ پریشان کرے گا" — اس کے بعد فخر نے دوسرے کمرے سے جو آوازیں سنیں وہ اسے صاف بتا رہی تھیں کہ شراب پی جا رہی ہے اور بدکاری ہو رہی ہے۔ بہت دیر بعد اُسے کماندار کی آواز سنائی دی — "یہ آدمی اب ہمارے لیے بیکار ہے۔ اسے قید میں ڈال دیتے ہیں یا ختم کرا دیتے ہیں" — لڑکی نے اس کی تائید کی۔

فخرالمصری پوری طرح بیدار ہو گیا اور وہاں سے نکل بھاگنے کی سوچنے لگا رات کا پچھلا پہر تھا۔ وہ اس کمرے سے نکلا۔ اس کا دماغ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ کبھی تو دماغ صاف ہو جاتا مگر زیادہ دیر ماؤف رہتا۔ صبح کی روشنی پھیلنے تک وہ خطرے سے دُور نکل گیا تھا۔ اسے اب دوہرے تعاقب کا خطرہ تھا۔ دونوں طرف اسے موت نظر آ رہی تھی۔ اپنی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا تو بھی مجرم تھا اور اگر سوڈانی پکڑ لیتے تو فوراً قتل کر دیتے۔ وہ دن بھر فرعونوں کے کھنڈروں میں چھپا رہا۔ حشیش کی طلب، خوف اور غصّہ اُس کے جسم اور دماغ کو بیکار کر رہا تھا۔ رات تک وہ چلنے سے بھی معذور ہُوا جا رہا تھا۔ پھر اُسے یہ بھی احساس نہ رہا کہ دن ہے یا رات اور وہ کہاں ہے۔ اس کے دماغ میں یہ ارادہ بھی آیا کہ اس عیسائی لڑکی کو جا کر قتل کر دے۔ یہ سوچ بھی آئی کہ اونٹ یا گھوڑا مل جائے اور وہ محاذ پر سلطان ایوبی کے قدموں میں جا گرے مگر جو بھی سوچ آتی تھی اس پر اندھیرا چھا جاتا تھا جو اُس کی آنکھوں کے سامنے آ کر ہر چیز تاریک کر دیتا تھا۔ اسی حالت میں اسے یہ آدمی ملا۔ وہ چونکہ جاسوس تھا اس لیے تربیت کے مطابق اُس نے فخرالمصری کے ساتھ دوستی اور ہمدردی کی باتیں کیں اور اسے علی بن سفیان کے پاس لے آیا۔

تصدیق ہو گئی کہ سوڈانی لشکر حملہ اور بغاوت کرے گا اور یہ کسی بھی لمحے ہو سکتا ہے۔ علی بن سفیان سوچ رہا تھا کہ مقامی کمانڈروں کو فوراً چوکنا کرے اور سلطان ایوبی کو اطلاع دے مگر وقت ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔ اتنے میں اسے پیغام ملا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی بلا رہے ہیں۔ وہ حیران ہو کر چل پڑا کہ سلطان کو تو وہ محاذ پر چھوڑ آیا تھا۔

وہ سلطان ایوبی سے ملا تو سلطان نے بتایا ــــ "مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ ساحل پر صلیبی جاسوسوں کا ایک گروہ موجود ہے اور اُن میں سے کچھ ادھر بھی آ گئے ہوں گے۔ محاذ پر میرا کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ میں کمان اپنے رفیقوں کو دے کر یہاں آ گیا۔ دل اس قدر بے چین تھا کہ میں یہاں بہت بڑا خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ یہاں کی کیا خبر ہے؟"

علی بن سفیان نے اُسے ساری خبر سنا دی اور کہا ــــ "اگر آپ چاہیں تو میں زبان کا ہتھیار استعمال کر کے بغاوت کو روکنے کی کوشش کروں یا سلطان زنگی کی مدد آنے تک ملتوی کرا دوں۔ میں جاسوسوں کو ہی استعمال کر سکتا ہوں۔ ہماری فوج بہت کم ہے۔ حملے کو نہیں روک سکے گی۔"

سلطان ایوبی ٹہلنے لگا۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا تھا اور علی بن سفیان اسے دیکھ رہا تھا۔ سلطان نے رُک کر کہا ــــ

"ہاں علی! تم اپنی زبان اور اپنے جاسوس استعمال کرو لیکن حملے کو روکنے کے لیے نہیں بلکہ حملے کے حق میں۔ سوڈانیوں کو حملہ کرنا چاہیے مگر رات کے وقت جب ہماری فوج خیموں میں سوئی ہوئی ہو گی" ــــ

علی بن سفیان نے حیرت سے سلطان کو دیکھا۔ سلطان نے کہا "یہاں کے تمام کمانداروں کو بلوا لو اور تم بھی آ جاؤ" ــــ سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو یہ ہدایت بڑی سختی سے دی ــــ "سب کو یہ بتا دینا کہ میرے متعلق اُن کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ میں محاذ سے یہاں آ گیا ہوں۔ سوڈانیوں سے میری یہاں موجودگی کو پوشیدہ رکھنا بے حد ضروری ہے، میں بڑی احتیاط سے خفیہ طریقے سے آیا ہوں۔"

تین راتیں بعد ــــ

قاہرہ تاریک رات کی آغوش میں گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ ایک روز پہلے قاہرہ کے لوگوں نے دیکھا تھا کہ اُن کی فوج جو مصر سے تیار کی گئی تھی شہر سے باہر جا رہی ہے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ فوج جنگی مشق کے لیے شہر سے باہر گئی ہے۔ نیل کے کنارے جہاں ریتلی چٹانیں اور ٹیلے ہیں وہاں، دریا اور ٹیلوں کے درمیان فوج نے جا کر خیمے گاڑ دیے تھے۔ فوج پیادہ بھی تھی، سوار بھی .... رات کا پہلا نصف گزر رہا تھا کہ قاہرہ کے سوئے ہوئے باشندوں کو دُور قیامت کا شور سنائی دیا۔ گھوڑوں کے سرپٹ بھاگنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ سوئے ہوئے لوگ جاگ اُٹھے، وہ سمجھے کہ فوج جنگی مشق کر رہی ہے مگر شور قریب آتا اور بلند ہوتا گیا۔ لوگوں نے چھتوں پر چڑھ کر دیکھا۔ آسمان لال سرخ ہو رہا تھا۔ بعض نے دیکھا کہ دور دریائے نیل سے آگ کے شعلے اُٹھتے اور تاریک رات کا سینہ چاک کرتے خشکی پر کہیں گرتے تھے۔ پھر شہر میں سینکڑوں سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے۔ شہر والوں کو ابھی معلوم نہیں تھا کہ یہ جنگی مشق نہیں، باقاعدہ جنگ ہے اور جو آگ لگی ہوئی ہے اس میں سوڈانی لشکر کا خاصا بڑا حصّہ زندہ جل رہا ہے۔

یہ سلطان صلاح الدین ایّوبی کی ایک بے مثال چال تھی۔ اس نے دارالحکومت میں مقیم قلیل فوج کو دریائے نیل اور ریتلے ٹیلوں کے درمیان وسیع میدان میں خیمہ زن کر دیا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے سوڈانی لشکر میں اپنے آدمی بھیج کر بغاوت کی آگ بھڑکا دی تھی اور اس کے کمانداروں سے یہ فیصلہ کروا لیا تھا کہ رات کو جب سلطان کی فوج گہری نیند سوئی ہوئی ہوگی، اس پر سوڈانی فوج حملہ کر دے گی اور صبح تک ایک ایک سپاہی کا صفایا کر کے دارالحکومت پر بے خوف و خطر قابض ہو جائے گی اور سوڈانی فوج کا دوسرا حصہ بحیرۂ روم کے ساحل پر مقیم فوج پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا جائے گا ــــ اس

فیصلے اور منصوبے کے مطابق سوڈانی فوج کا ایک حصّہ نہایت خفیہ طریقے سے رات کو بحیرۂ روم کے محاذ کی طرف روانہ کر دیا گیا اور دوسرا حصہ دریائے نیل کے کنارے خیمہ زن فوج پر ٹوٹ پڑا۔

اس فوج نے سیلاب کی طرح ایک میل وسعت میں پھیلی ہوئی خیمہ گاہ پر ہلّہ بول دیا اور بہت ہی تیزی سے اس علاقے میں پھیل گئی۔ اچانک خیموں پر آگ کے تیر اور تیل میں بھیگے ہوئے کپڑوں کے جلتے گولے برسنے لگے۔ نیل بھی آگ برسانے لگا۔ خیموں کو آگ لگ گئی اور شعلے آسمان تک پہنچنے لگے۔ سوڈانی فوج کو خیموں میں سلطان ایوبی کی فوج کا نہ کوئی سپاہی ملا نہ گھوڑا نہ کوئی سوار۔ اس فوج کو وہاں تمام خالی خیمے ملے۔ کوئی مقابلے کے لئے نہ اٹھا اور اچانک آگ ہی آگ پھیل گئی۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ سلطان ایوبی نے رات کے پہلے پہر خیموں سے اپنی فوج کو نکال کر ریتیلے ٹیلوں کے پیچھے چھپا دیا تھا اور خیموں میں خشک گھاس کے ڈھیر لگوا دیئے تھے۔ خیموں پر اور اندر بھی تیل چھڑک دیا تھا۔ اس نے کشتیوں میں چھوٹی منجنیقیں رکھوا کر شام کے بعد ضرورت کی جگہ بھجوا دی تھیں۔

جونہی سوڈانی فوج خیمہ گاہ میں آئی سلطان کی چھپی ہوئی فوج نے آگ والے تیر اور نیل سے کشتیوں میں رکھی ہوئی منجنیقوں نے آگ کے گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ خیموں کو آگ لگی تو گھاس اور تیل نے وہاں دوزخ کا منظر بنا دیا۔ سوڈانیوں کے گھوڑے اپنے پیادہ سپاہیوں کو روندنے لگے۔ سپاہیوں کے لیے آگ سے نکلنا ناممکن ہوگیا۔ چیخوں نے آسمان کا جگر چاک کر دیا۔ اس قدر آگ نے رات کو دن بنا دیا۔ سلطان ایوبی کی مٹھی بھر فوج نے آگ میں جلتی سوڈانیوں کی فوج کو گھیرے میں لے لیا۔ جو آگ سے بچ کر نکلتا تھا وہ تیروں کا نشانہ بن جاتا تھا۔ جو فوج بچ گئی وہ بھاگ نکلی۔

اُدھر سوڈانیوں کی جو فوج محاذ کی طرف سلطان کی فوج پر حملہ کرنے جا رہی تھی اُس کا بھی صلاح الدین ایوبی نے انتظام کر رکھا تھا۔ چند ایک دستے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ اِن دستوں نے اُس فوج کے پچھلے

حصے پر حملہ کرکے ساری فوج میں بھگدڑ مچا دی ۔ یہ دستے ایک حملے میں جو نقصان کر سکتے تھے کرکے اندھیرے میں غائب ہوگئے ۔ سوڈانی فوج سنبھل کر چلی تو پچھلے حصے پر ایک اور حملہ ہوا ۔ یہ برق رفتار سوار تھے جو حملہ کرکے غائب ہوگئے ۔ صبح تک اس فوج کے پچھلے حصے پر تین حملے ہوئے ۔ سوڈانی سپاہی اسی سے بد دل ہوگئے ۔ انہیں مقابلہ کرنے کا تو موقع ہی نہیں ملتا تھا ۔ دن کے وقت کمانداروں نے بڑی مشکل سے فوج کا حوصلہ بحال کیا مگر رات کو کوچ کے دوران اُن کا پھر وہی حشر ہوا ۔ دوسری رات تاریکی میں اُن پر تیر بھی برسے ۔ انہیں اندھیرے میں گھوڑے دوڑنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جو اُن کی فوج کے عقب میں کشت و خون کرتی دور چلی جاتی تھیں ۔

تین چار یورپی مورخوں نے جن میں لین پول اور ولیم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں لکھا ہے کہ دشمن کی کثیر نفری پر رات کے وقت چند ایک سواروں سے عقبی حصے پر شبخون مارنا اور غائب ہو جانا سلطان ایوبی کی ایسی جنگی چال تھی جس نے آگے چل کر صلیبیوں کو بہت نقصان پہنچایا ۔ اس طرح سلطان ایوبی دشمن کی پیش قدمی کی رفتار کو بہت سست کر دیتا تھا اور دشمن کو مجبور کر دیتا تھا کہ وہ اُس کی پسند کے میدان میں لڑے جہاں سلطان ایوبی نے جنگ کا پانسہ پلٹنے کا انتظام کر رکھا ہوتا تھا ۔ ان مورخین نے سلطان ایوبی کے اِن جانباز سواروں کی جرأت اور برق رفتاری کی بہت تعریف کی ہے ۔ آج کے جنگی مبصر جن کی نظر جنگوں کی تاریخ پر ہے رائے دیتے ہیں کہ آج کے کمانڈو اور گوریلا آپریشن کا موجد صلاح الدین ایوبی ہے ۔ وہ اس طریقۂ جنگ سے دشمن کے منصوبے درہم برہم کر دیا کرتا تھا ۔

سوڈانیوں پر اس نے یہی طریقہ آزمایا اور صرف دو راتوں کے بار بار کے شبخون سے اس نے سوڈانی سپاہیوں کا لڑنے کا جذبہ ختم کر دیا ۔ ان کی قیادت میں کوئی دماغ نہ تھا ۔ یہ قیادت فوج کو سنبھال نہ سکی ۔ اس فوج میں علی بن سفیان کے بھی آدمی سوڈانی سپاہیوں کے بھیس میں موجود تھے ۔ انہوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ عرب سے ایک لشکر آرہا ہے جو

انہیں کاٹ کر رکھ دے گا۔ انہوں نے بد دلی اور فرار کا رجحان پیدا کرنے میں پوری کامیابی حاصل کی۔ فوج غیر منظم ہو کر بکھر گئی۔ نیل کے کنارے اس فوج کا جو حشر ہوا وہ عبرت ناک تھا ..... یہ افواہ غلط ثابت نہ ہوئی کہ عرب سے فوج آرہی ہے۔ نورالدین زنگی کی فوج آگئی جس کی نفری بہت زیادہ نہیں تھی۔ بعض مؤرخین نے دو ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ لکھی ہے۔ بعض کے اعداد و شمار اس سے کچھ زیادہ ہیں۔ تاہم یہ صلاح الدین ایوبی کو سہارا مل گیا اور اُس نے فوراً اس کمک کی قیادت سنبھال لی۔ اس کیفیت میں جب کہ سوڈانیوں کا پچاس ہزار لشکر سلطان ایوبی کے آگ کے پھندے میں اور اُدھر صحرا میں شب خونوں کی وجہ سے بدنظمی کا شکار ہوگیا تھا یہ تھوڑی سی کمک بھی کافی تھی۔

سلطان ایوبی اس کمک سے اور اپنی فوج سے سوڈانیوں کا قتلِ عام کر سکتا تھا لیکن اُس نے ڈپلومیسی سے کام لیا۔ سوڈانی کمان کے کمانداروں کو پکڑا اور انہیں ذہن نشین کرایا کہ اُن کے لیے تباہی کے سوا کچھ نہیں رہا، لیکن وہ انہیں تباہ نہیں کرے گا۔ کمانداروں نے اپنا حشر دیکھ لیا تھا۔ وہ اب سلطان کے عتاب اور سزا سے خائف تھے لیکن سلطان نے انہیں بخش دیا اور سزا دینے کی بجائے سوڈانیوں کی بچی کھچی فوج کو سپاہیوں سے کاشتکاروں میں بدل دیا۔ انہیں زمینیں دیں اور کھیتی باڑی میں انہیں سرکاری طور پر مدد دی اور پھر انہیں یہ اجازت بھی دے دی کہ ان میں سے جو لوگ فوج میں بھرتی ہونا چاہتے ہیں ہو سکتے ہیں۔

سوڈانیوں کو یوں دانشمندی سے ٹھکانے لگا کر صلاح الدین ایوبی نے نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی فوج اور اپنی فوج کو یکجا کر کے اس میں وفادار سوڈانیوں کو بھی شامل کر کے ایک فوج منظم کی اور صلیبیوں پر حملے کے منصوبے بنانے لگا۔ اُس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ اپنے جاسوسوں اور شب خون مارنے والے جانبازوں کے دستے فوراً تیار کرے۔ اُدھر صلیبیوں نے بھی جاسوسی اور تخریب کاری کا انتظام مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

# ساتویں لڑکی

# جب صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے آئی

صلاح الدین ایوبی کے دور کے وقائع نگاروں کی تحریروں میں ایک شخص سیف اللہ کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے کہ اگر کسی انسان نے سلطان ایوبی کی عبادت کی ہے تو وہ سیف اللہ تھا۔ سلطان ایوبی کے گہرے دوست اور دستِ راست بہاؤالدین شداد کی اس ڈائری میں جو آج بھی عربی زبان میں محفوظ ہے، سیف اللہ کا ذکر ذرا تفصیل سے ملتا ہے۔ یہ شخص جس کا نام کسی باقاعدہ تاریخ میں نہیں ملتا، صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد سترہ سال زندہ رہا۔ وقائع نگار لکھتے ہیں کہ اس نے عمر کے یہ آخری سترہ سال سلطان ایوبی کی قبر کی مجاوری میں گزارے تھے۔ اس نے وصیت کی تھی کہ وہ مر جائے تو اسے سلطان کے ساتھ دفن کیا جائے مگر سیف اللہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ ایک گمنام انسان تھا جسے عام قبرستان میں دفن کیا گیا اور وہ وقت جلدی ہی آگیا کہ اس قبرستان پر انسانوں نے بستی آباد کر لی اور قبرستان کا نام و نشان مٹا ڈالا۔

تاریخی لحاظ سے سیف اللہ کی اہمیت یہ تھی کہ وہ سمندر پار سے صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے آیا تھا۔ اُس وقت اس کا نام میگنا ماریوس تھا۔ اُس نے اسلام کا صرف نام سُنا تھا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ اسلام کیسا مذہب ہے۔ صلیبیوں کے پروپیگنڈے کے مطابق اسے یقین تھا کہ اسلام ایک قابلِ نفرت مذہب اور مسلمان ایک قابلِ نفرت فرقہ ہے جو عورتوں کا شیدائی اور انسانی گوشت کھانے کا عادی ہے۔ لہٰذا میگنا ماریوس جب کبھی مسلمان کا لفظ سنتا تھا تو وہ نفرت سے تھوک دیا کرتا تھا۔ وہ بے مثال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب صلاح الدین

ایوبی تک پہنچا تو میگنا ماریوس قتل ہو گیا اور اس کے مُردہ وجود سے سیف اللہ نے جنم لیا۔

تاریخ میں ایسے حکمرانوں کی کمی نہیں جنہیں قتل کیا گیا یا جن پر قاتلانہ حملے ہوئے لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی تاریخ کی اُن معدودے چند شخصیتوں میں سے ہے جسے قتل کرنے کی کوششیں دشمنوں نے بھی کیں اور اپنوں نے بھی، بلکہ اپنوں نے اسے قتل کرنے کی غیروں سے زیادہ سازشیں کیں۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ سلطان ایوبی کی داستانِ ایمان افروز کے ساتھ ساتھ ایمان فروشوں کی کہانی بھی چلتی ہے۔ اسی لیے صلاح الدین ایوبی نے بارہا کہا تھا۔ "تاریخِ اسلام وہ وقت جلدی دیکھے گی، جب مسلمان رہیں گے تو مسلمان ہی لیکن اپنا ایمان بیچ ڈالیں گے اور صلیبی ان پر حکومت کریں گے"۔

آج ہم وہ وقت دیکھ رہے ہیں۔

سیف اللہ کی کہانی اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب سلطان ایوبی نے صلیبیوں کا متحدہ بیڑہ بحیرۂ روم میں نذرِ آب و آتش کیا تھا۔ ان کے کچھ بحری جہاز بچ کر نکل گئے تھے۔ سلطان ایوبی بحیرۂ روم کے ساحل پر اپنی فوج کے ساتھ موجود رہا اور سمندر میں سے زندہ نکلنے والے صلیبیوں کو گرفتار کرتا رہا۔ ان میں سات لڑکیاں بھی تھیں جن کا تفصیلی ذکر آپ پڑھ چکے ہیں۔ مصر میں سلطان کی سوڈانی سپاہ نے بغاوت کر دی جسے سلطان نے دبا لیا۔ اُسے سلطان زنگی کی بھیجی ہوئی کمک بھی مل گئی۔ وہ اب صلیبیوں کے عزائم کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔

بحیرۂ روم کے پار روم شہر کے مضافات میں صلیبی سربراہوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ ان میں شاہ آگسٹس تھا، شاہ ریمانڈ اور شہنشاہ لوئی ہفتم کا بھائی رابرٹ بھی۔ اس کانفرنس میں سب سے زیادہ قہر و غضب میں آیا ہوا ایک شخص تھا جس کا نام ایملرک تھا۔ وہ صلیبیوں کے اس متحدہ بیڑے کا کمانڈر تھا جو مصر پر فوج کشی کے لیے گیا تھا مگر صلاح الدین ایوبی ان پر ناگہانی آفت کی طرح ٹوٹ پڑا اور اس بیڑے کے ایک بھی سپاہی کو مصر کے ساحل پر قدم نہ رکھنے دیا۔ مصر کے ساحل پر جو صلیبی پہنچے وہ سلطان ایوبی کے ہاتھ میں جنگی قیدی تھے۔ صلیبیوں کی کانفرنس میں ایملرک کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کا بیڑہ غرق ہوئے

پندرہ دن گزر گئے تھے۔ وہ پندرھویں دن اٹلی کے ساحل پر پہنچا تھا۔ سلطان ایوبی کے آتشیں تیر اندازوں نے اس کے جہاز کے بادبان اور مستول جلا ڈالے تھے۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے ملاحوں اور سپاہیوں نے آگ پر قابو پا لیا تھا اور وہ جہاز کو بچا لے گئے تھے مگر بادبانوں کے بغیر جہاز سمندر پر ڈولتا رہا۔ پھر طوفان آگیا۔ اس کے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہی تھی۔ بہت سے بچے کھچے جہاز اور کشتیاں اس طوفان میں غرق ہو گئی تھیں۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ ایمارک کا جہاز ڈولتا، بھٹکتا، ڈوب ڈوب کر ابھرتا اٹلی کے ساحل سے جا لگا تھا۔ اس میں اس کے ملاحوں کا بھی کمال شامل تھا۔ انہوں نے چپوؤں کے زور پر جہاز کو قابو میں رکھا تھا۔

ساحل پر پہنچتے ہی اس نے ان تمام ملاحوں اور سپاہیوں کو بے دریغ انعام دیا۔ صلیبی سربراہ وہیں اس کے منتظر تھے۔ وہ اس پر غور کرنا چاہتے تھے کہ انہیں دھوکہ کس نے دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شک سوڈانی سالار ناجی پر ہی ہو سکتا تھا۔ اسی کے خط کے مطابق انہوں نے حملے کے لیے بیڑہ روانہ کیا تھا مگر ان کے ساتھ ناجی کا تحریری رابطہ پہلے بھی موجود تھا۔ انہوں نے ناجی کے اس خط کی تحریر پہلے دو خطوں سے ملائی تو انہیں شک ہوا کہ یہ کوئی گڑ بڑ ہے۔ انہوں نے قاہرہ میں جاسوس بھیج رکھے تھے مگر ان کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ انہیں یہ بتانے والا کوئی نہ تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ناجی اور اس کے سازشی سالاروں کو خفیہ طریقے سے مروا دیا اور رات کی تاریکی میں گمنام قبروں میں دفن کر دیا تھا اور صلیبی سربراہوں اور بادشاہوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ جس خط پر انہوں نے بیڑہ روانہ کیا تھا، وہ خط ناجی کا ہی تھا مگر حملے کی تاریخ سلطان ایوبی نے تبدیل کر کے لکھی تھی۔ جاسوسوں کو ایسی معلومات کہیں سے بھی نہیں مل سکتی تھیں۔

یہ کانفرنس کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ ایمارک کے منہ سے بات تک نہیں نکلتی تھی۔ وہ شکست خوردہ تھا۔ غصے میں بھی تھا اور تھکا ہوا بھی تھا۔ کانفرنس اگلے روز کے لیے ملتوی کر دی گئی...... رات کے وقت یہ تمام سربراہ شکست کا غم شراب میں ڈبو رہے تھے۔ ایک آدمی اس محفل

ہیں آیا۔ اسے صرف ریمانڈ جانتا تھا۔ وہ ریمانڈ کا قابلِ اعتماد جاسوس تھا۔ وہ حملے کی شام مصر کے ساحل پر اُترا تھا۔ اس سے تھوڑی ہی دیر بعد صلیبیوں کا بیڑہ آیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے یہ بیڑہ سلطان ایوّبی کی قلیل فوج کے ہاتھوں تباہ ہوا تھا۔

یہ جاسوس مصر کے ساحل پر رہا اور اس نے بہت سی معلومات مہیا کرلی تھیں۔ ریمانڈ نے اس کا تعارف کرایا تو سب اس کے گرد جمع ہوگئے۔ اس جاسوس کو معلوم تھا کہ صلیبی سربراہوں نے سلطان ایوّبی کو قتل کرانے کے لیے رابن نام کا ایک ماہر جاسوس سمندر پار بھیجا تھا اور اس کی مدد کے لیے پانچ آدمی اور سات جوان اور خوبصورت لڑکیاں بھیجی گئی تھیں۔

اس جاسوس نے بتایا کہ رابن زخمیوں کے ساتھ زخمی ہونے کا بہانہ کرکے صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں پہنچ گیا تھا۔ اس کے پانچ آدمی تاجروں کے بھیس میں تھے۔ ان میں کرسٹوفر نام کے ایک آدمی نے ایوبی پر تیر چلایا مگر تیر خطا گیا۔ پانچوں آدمی پکڑے گئے اور ساتوں لڑکیاں بھی پکڑی گئیں۔ انہوں نے کہانی تو اچھی گھڑلی تھی۔ سلطان ایوبی نے لڑکیوں کو پناہ میں لے لیا اور پانچوں آدمیوں کو چھوڑ دیا تھا مگر ایوبی کا ایک ماہر سراغرساں جس کا نام علی بن سفیان ہے۔ اچانک آگیا۔ اس نے سب کو گرفتار کرلیا اور پانچ میں سے ایک آدمی کو سب کے سامنے قتل کرا کے دوسروں سے اقبال جرم کروالیا۔ جاسوس نے کہا — میں نے اپنے متعلق بتایا تھا کہ میں ڈاکٹر ہوں اس لیے سلطان نے مجھے زخمیوں کی مرہم پٹی کی ڈیوٹی دے دی۔ وہیں مجھے یہ اطلاع ملی کہ سوڈانیوں نے بغاوت کی تھی جو دبالی گئی ہے اور سوڈانی افسروں اور لیڈروں کو ایوبی نے گرفتار کرلیا ہے۔ رابن، چار آدمی اور چھ لڑکیاں ایوّبی کی قید میں ہیں لیکن ابھی تک ساحل پر ہیں۔ ساتویں لڑکی جو سب سے زیادہ ہوشیار ہے لاپتہ ہے۔ اس کا نام موبینا ارنلاس ہے، موبی کہلاتی ہے۔ ایوّبی بھی کیمپ میں نہیں ہے اور اس کا سراغرساں علی بن سفیان بھی وہاں نہیں ہے۔ میں بڑی مشکل سے نکل کر آیا ہوں۔ بڑی زیادہ اُجرت پر تیز رفتار کشتی مل گئی تھی۔ میں یہ خبر دینے آیا ہوں کہ رابن، اس کے آدمی اور لڑکیاں موت کے خطرے میں ہیں۔ مردوں کا میں

فکر نہیں کرنا چاہئے، لڑکیوں کو بچانا لازمی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سب جوان ہیں اور چنی ہوئی خوبصورت ہیں۔ مسلمان ان کا جو حال کر رہے ہوں گے اس کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔"

"ہمیں یہ قربانی دینی پڑے گی۔"___ شاہ آگسٹس نے کہا۔

"اگر مجھے یقین دلا دیا جائے کہ لڑکیوں کو جان سے ماردیا جائے گا تو میں یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہوں"___ ریمانڈ نے کہا۔ "مگر ایسا نہیں ہوگا مسلمان ان کے ساتھ وحشیوں کا سلوک کر رہے ہوں گے۔ لڑکیاں ہم پر لعنت بھیج رہی ہوں گی۔ میں انہیں بچانے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے"___ رابرٹ نے کہا___ "کہ مسلمان ان لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کر کے ہمارے خلاف جاسوسی کے لیے استعمال کرنے لگیں۔ بہرحال ہمارا یہ فرض ہے کہ انہیں قید سے آزاد کرائیں۔ میں اس کے لیے اپنا آدھا خزانہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ لڑکیاں صرف اس لیے قیمتی نہیں کہ یہ لڑکیاں ہیں"___ جاسوس نے کہا۔ "وہ دراصل تربیت یافتہ ہیں۔ اتنے خطرناک کام کے لیے ایسی لڑکیاں ملتی ہی کہاں ہیں۔ آپ کسی جوان لڑکی کو ایسے کام کے لیے تیار نہیں کر سکتے کہ وہ دشمن کے پاس جاکر اپنا آپ دشمن کے حوالے کر دے۔ دشمن کی عیاشی کا ذریعہ بنے اور جاسوسی اور تخریب کاری کرے۔ اس کام میں عزت تو سب سے پہلے دینی پڑتی ہے اور یہ خطرہ تو ہر وقت لگا رہتا ہے کہ جوں ہی دشمن کو پتہ چلے گا کہ یہ لڑکی جاسوس ہے تو اسے اذیتیں دی جائیں گی پھر اسے جان سے مار دیا جائے گا...... ان لڑکیوں کو ہم نے زر کثیر صرف کر کے حاصل کیا پھر ٹریننگ دی تھی اور انہیں بڑی محنت سے مصر اور عرب کی زبان سکھائی تھی۔ ایک ہی بار سات تجربہ کار لڑکیوں کو ضائع کرنا عقل مندی نہیں۔"

"کیا تم اعتماد سے کہہ سکتے ہو کہ لڑکیوں کو ایوبی کے کیمپ سے نکالا جا سکتا ہے؟"___ آگسٹس نے پوچھا۔

"جی ہاں!"___ جاسوس نے کہا___ "نکالا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے غیر معمولی طور پر دلیر اور پختہ کار آدمیوں کی ضرورت ہے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دو دنوں تک راہبن، اس کے چاروں آدمیوں اور لڑکیوں کو قاہرہ لے جائیں۔

وہاں سے نکالنا بہت ہی مشکل ہو گا۔ اگر ہم وقت ضائع نہ کریں تو ہم انہیں کیمپ میں ہی جالیں گے۔ آپ مجھے بیس آدمی دے دیں۔ میں ان کی راہنمائی کروں گا لیکن آدمی ایسے ہوں جو جان پر کھیلنا جانتے ہوں"

"ہمیں ہر قیمت پر ان لڑکیوں کو واپس لانا ہے" ۔۔۔ ایلرک نے گرج کر کہا۔ اس پر بحیرۂ روم میں جو بیتی تھی اس کا وہ انتقام لینے کو پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ صلیبیوں کے متحدہ بیڑے اور اس بیڑے میں سوار لشکر کا سپریم کمانڈر بن کر اس امید پر گیا تھا کہ مصر کی فتح کا سہرا اس کے سر بندھے گا مگر صلاح الدین ایوبی نے اسے مصر کے ساحل کے قریب بھی نہ جانے دیا۔ وہ جلتے ہوئے جہاز میں زندہ جل جانے سے بچا تو طوفان نے گھیر لیا۔ اب بات کرتے اس کے ہونٹ کانپتے تھے اور وہ زیادہ تر باتیں میز پر مکے مار کر یا اپنی ران پر زور زور سے ہاتھ مار کر اپنے جذبات کا اظہار کرتا تھا۔ اس نے کہا ۔۔۔ "میں لڑکیوں کو بھی لاؤں گا اور صلاح الدین کو قتل بھی کرواؤں گا۔ میں انہی لڑکیوں کو مسلمانوں کی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے استعمال کروں گا"

"میں سچے دل سے آپ کی تائید کرتا ہوں شاہ ایلرک!" ۔۔۔ ریمانڈ نے کہا۔ "ہمیں تربیت یافتہ لڑکیوں کو اتنی آسانی سے ضائع نہیں کرنا چاہیے نہ ہم کریں گے۔ آپ سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ شام کے حرموں میں ہم کتنی لڑکیاں داخل کر چکے ہیں۔ کئی مسلمان گورنر اور امیر ان لڑکیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ بغداد میں یہ لڑکیاں اُمراء کے ہاتھوں ایسے متعدد افراد کو قتل کرا چکی ہیں جو صلیب کے خلاف نعرہ بن کر اٹھے تھے۔ مسلمانوں کی خلافت کو ہم نے عورت اور شراب سے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں اتحاد نہیں رہا۔ وہ عیش و عشرت میں غرق ہوتے جا رہے ہیں۔ صرف دو آدمی ہیں جو اگر زندہ رہے تو ہمارے لیے مستقل خطرہ بنے رہیں گے۔ ایک نور الدین زنگی اور دوسرا صلاح الدین ایوبی۔ اگر ان دونوں میں سے ایک بھی زیادہ دیر تک زندہ رہا تو ہمارے لیے اسلام کو ختم کرنا آسان نہیں ہو گا۔ اگر صلاح الدین نے سوڈانیوں کی بغاوت دبالی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اُس حد سے زیادہ خطرناک ہے جس حد تک ہم اسے سمجھتے رہے ہیں۔ ہمیں میدان جنگ سے ہٹ کر تخریب کاری کا محاذ بھی کھولنا پڑے گا۔ مسلمانوں میں تفرقہ اور بے اطمینانی پھیلانے کے

یہ ہمیں ان لڑکیوں کی ضرورت ہے"

"ہمیں اپنے کامیاب تجربوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے"۔۔۔ لوئی ہفتم کے کے بھائی رابرٹ نے کہا۔ "عرب میں ہم مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ مسلمان عورت، شراب اور دولت سے اندھا ہوجاتا ہے۔ مسلمان کو مارنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے مسلمان کے ہاتھوں مرواؤ۔ مسلمان کو ذہنی عیاشی کا سامان مہیا کردو تو وہ اپنے دین اور ایمان سے دستبردار ہوجاتا ہے۔ تم مسلمان کا ایمان آسانی سے خرید سکتے ہو"۔۔۔ اس نے عرب کے کئی امراء اور وزراء کی مثالیں دیں جنہیں صلیبیوں نے عورت، شراب اور دولت سے خرید لیا تھا اور انہیں اپنا درپردہ دوست بنا لیا تھا۔

کچھ دیر مسلمانوں کی کمزوریوں کے متعلق باتیں ہوئیں پھر لڑکیوں کو آزاد کرانے کے عملی پہلوؤں پر غور ہُوا۔ آخر یہ طے پایا کہ بیس نہایت دلیر آدمی اس کام کے لیے روانہ کئے جائیں اور وہ اگلی شام تک روانہ ہوجائیں۔ اسی وقت چار پانچ کمانڈروں کو بلایا گیا۔ انہیں اصل مقصد اور مہم بتا کر کہا گیا کہ بیس آدمی منتخب کریں۔ کمانڈروں نے تھوڑی دیر اس مہم کے خطروں کے متعلق بحث مباحثہ کیا۔ ایک کمانڈر نے کہا۔۔۔ "ہم پہلے ہی ایک ایسی فورس تیار کر رہے ہیں جو مسلمانوں کے کیمپوں پر شب خون مارا کرے گی اور ان کی متحرک فوج پر بھی رات کو حملے کر کے پریشان کرتی رہے گی۔ اس فورس کے لیے ہم نے چند ایک آدمی منتخب کیے ہیں"

"لیکن یہ آدمی سو فیصد قابلِ اعتماد ہونے چاہئیں"۔۔۔ آگسٹس نے کہا۔ "وہ ہماری تمہاری نظروں سے اوجھل ہو کر یہ کام کریں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کریں اور واپس آکر کہیں کہ وہ بہت کچھ کر کے آئے ہیں"

"آپ یہ سن کر حیران ہوں گے"۔۔۔ ایک کمانڈر نے کہا۔۔۔ "کہ ہماری فوج میں ایسے سپاہی بھی ہیں جنہیں ہم نے جیل خانوں سے حاصل کیا ہے، یہ ڈاکو، چور اور رہزن تھے۔ انہیں بڑی بڑی لمبی سزائیں دی گئی تھیں۔ انہیں جیل خانوں میں مرنا ہی تھا۔ ہم نے ان سے بات کی تو وہ جوش و خروش سے فوج میں آگئے۔ آپ کو شاید یہ معلوم کر کے بھی حیرت ہو کہ ناکام حملے میں ان سزا یافتہ مجرموں نے بڑی بہادری سے کئی جہاز بچائے ہیں۔۔۔

میں لڑکیوں کو مسلمانوں سے آزاد کرانے کی مہم میں ایسے تین آدمی بھیجوں گا۔"

مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں عیش و عشرت کا رجحان بڑھ گیا اور اتحاد ختم ہو رہا تھا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو اخلاقی تباہی تک پہنچانے میں ذہنی عیاشی کا ہر سامان مہیا کیا.... اب انہیں یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کو ایک ہی حملے میں ختم کر دیں گے۔ چنانچہ ان کے خلاف عیسائی دنیا میں نفرت کی طوفانی مہم چلائی گئی اور ہر کسی کو اسلام کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کی دعوت دی گئی۔ اس کے جواب میں معاشرے کے ہر شعبے کے لوگ صلیبی لشکر میں شامل ہونے لگے۔ ان میں پادری بھی شامل ہوئے اور عادی مجرم بھی گناہوں سے توبہ کر کے مسلمانوں کے خلاف مسلح ہو گئے۔ بعض ملکوں کے جیل خانوں میں جو مجرم لمبی قید کی سزائیں بھگت رہے تھے، وہ بھی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ان مجرموں کے متعلق عیسائیوں کا تجربہ غالباً اچھا تھا جس کے پیش نظر ایک کمانڈر نے لڑکیوں کو آزاد کرانے اور صلاح الدین کو قتل کرنے کے لیے قیدی مجرموں کا انتخاب کیا تھا۔

صبح تک بیس انتہائی دلیر اور ذہین آدمی چن لیے گئے۔ ان میں میگناناماریوس بھی تھا جسے روم کے جیل خانے سے لایا گیا تھا۔ اُس جاسوس کو جو ڈاکٹر کے بہروپ میں سلطان ایوبی کے کیمپ میں رہا اور فرار ہو آیا تھا اس کمانڈو پارٹی کا کمانڈر اور گائیڈ مقرر کیا گیا۔ اس پارٹی کو یہ مشن دیا گیا کہ لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے نکالنا ہے۔ اگر رابن اور اس کے چار ساتھیوں کو بھی آزاد کرایا جا سکے تو کرا لینا ورنہ ان کے لیے کوئی خطرہ مول لینے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا مشن تھا، صلاح الدین کا قتل۔ اس پارٹی کو کوئی عملی ٹریننگ نہ دی گئی۔ صرف زبانی ہدایات اور ضروری ہتھیار دے کر اسی روز ایک بادبانی کشتی میں ماہی گیروں کے بھیس میں روانہ کر دیا گیا۔

☆

جس وقت یہ کشتی اٹلی کے ساحل سے روانہ ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی سوڈانیوں کی بغاوت کو مکمل طور پر دبا چکا تھا۔ سوڈانیوں کے بہت سے کمانڈر مارے گئے یا زخمی ہو گئے تھے اور بہت سے سلطان ایوبی کے دفتر کے

سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال کر شکست اور سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ وہ سلطان کے حکم کے منتظر تھے۔ سلطان اندر بیٹھا اپنے سالاروں وغیرہ کو احکام دے رہا تھا۔ علی بن سفیان بھی موجود تھا۔ اس فتح میں اس کا بہت عمل دخل تھا۔ صلیبیوں کو شکست دینے میں بھی اس کے نظامِ جاسوسی نے بہت کام کیا تھا بلکہ یہ دونوں کامیابیاں جاسوسی کے نظام کی ہی کامیابیاں تھیں۔ سلطان ایوبی کو جیسے اچانک کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا ——"علی! ہمیں ان جاسوس لڑکیوں اور اُن کے ساتھیوں کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ وہ ابھی تک ساحل پر قیدی کیمپ میں ہیں۔ ان سب کو فوراً یہاں لانے کا بندوبست کرو اور تہ خانے میں ڈال دو۔"

"میں ابھی پیغام بھجوا دیتا ہوں"—— علی بن سفیان نے کہا ——"ان سب کو یہاں پہرے میں بلوا لیتا ہوں .... سلطان! آپ شاید ساتویں لڑکی کو بھول گئے ہیں۔ وہ سوڈانیوں کے ایک کمانڈر بالیان کے پاس تھی۔ اسی لڑکی سے جاسوسوں اور بغاوت کا انکشاف ہُوا تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بالیان ان کمانداروں میں نہیں ہے جو باہر موجود ہیں اور وہ زخمیوں میں بھی نہیں ہے اور وہ مرے ہوؤں میں بھی نہیں ہے۔ مجھے شک ہے کہ ساتویں لڑکی جس کا نام فخر المصری نے موبی بتایا تھا، بالیان کے ساتھ کہیں روپوش ہو گئی ہے۔"

"اپنا شک رفع کر و علی"—— سلطان ایوبی نے کہا ——"یہاں مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ بالیان لاپتہ ہے تو وہ بحیرۂ روم کی طرف نکل گیا ہوگا۔ صلیبیوں کے سوا اسے اور کون پناہ دے سکتا ہے۔ بہر حال ان جاسوسوں کو تہہ خانوں میں ڈالو اور اپنے جاسوس فوراً تیار کر کے سمندر پار بھیج دو۔"

"زیادہ ضروری تو یہ ہے کہ اپنے جاسوس اپنے ہی ملک میں پھیلا دیئے جائیں" یہ مشورہ دینے والا سلطان نور الدین زنگی کی بھیجی ہوئی فوج کا سالار تھا۔ اس نے کہا "ہمیں صلیبیوں کی طرف سے اتنا خطرہ نہیں جتنا اپنے مسلمان اُمراء سے ہے۔ اپنے جاسوس ان کے حرموں میں داخل کر دیئے جائیں تو بہت سی سازشیں بے نقاب ہوں گی"—— اُس نے تفصیل سے بتایا کہ یہ خود ساختہ حکمران کس طرح صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ سلطان زنگی اکثر پریشان رہتے

ہیں کہ باہر کے حملوں کو روکیں یا اپنے گھر کو اپنے ہی چراغ سے جلنے سے بچائیں۔
صلاح الدین ایوبی نے یہ روئیداد غور سے سنی اور کہا ۔۔۔ "اگر تم لوگ جن کے پاس ہتھیار ہیں دیانت دار اور اپنے مذہب سے مخلص رہے تو باہر حملے اور اندر کی سازشیں قوم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ تم اپنی نظر سرحدوں سے دور آگے لے جاؤ۔ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ تم نے جس روز اپنے آپ کو اور خدا کے اس عظیم مذہب اسلام کو سرحدوں میں پابند کر لیا اس روز سے یوں سمجھو کہ تم اپنے ہی قید خانے میں قید ہو جاؤ گے۔ پھر تمہاری سرحدیں سکڑنے لگیں گی۔ اپنی نظریں بحیرۂ روم سے آگے لے جاؤ۔ سمندر تمہارا راستہ نہیں روک سکتے۔ گھر کے چراغوں سے نہ ڈرو۔ یہ تو ایک پھونک سے گل ہو جائیں گے۔ ان کی جگہ ہم ایمان کے چراغ روشن کریں گے۔"

"ہمیں امید ہے کہ ہم ایمان فروشی کو روک لیں گے سلطانِ محترم!" ۔۔۔ سالار نے کہا ۔۔۔ "ہم مایوس نہیں۔"

"صرف دو لعنتوں سے بچو میرے عزیز رفیقو!" ۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا ۔۔۔ "مایوسی اور ذہنی عیاشی۔ انسان پہلے مایوس ہوتا ہے، پھر ذہنی عیاشی کے ذریعے راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔"

اس دوران علی بن سفیان جا چکا تھا۔ اس نے فوراً ایک قاصد بحیرۂ روم کے کیمپ کی طرف اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ رابن، اس کے چار ساتھیوں اور لڑکیوں کو گھوڑوں یا اونٹوں پر سوار کر کے بیس محافظوں کے پہرے میں دارالحکومت کو بھیج دو۔ . . . قاصد کو روانہ کر کے اس نے اپنے ساتھ چھ سات سپاہی لیے اور کماندار بالیان کی تلاش میں نکل گیا۔ اس نے ان سوڈانی کمانداروں سے جو باہر بیٹھے تھے بالیان کے متعلق پوچھ لیا تھا۔ سب نے کہا تھا کہ اسے لڑائی میں کہیں بھی نہیں دیکھا گیا تھا اور نہ ہی وہ اس فوج کے ساتھ گیا تھا جو بحیرۂ روم کی طرف سلطان کی فوج پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ علی بن سفیان بالیان کے گھر گیا تو وہاں اس کی دو بوڑھی خادماؤں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ بالیان کے گھر میں پانچ لڑکیاں تھیں۔ ان میں جس کی عمر ذرا زیادہ ہو جاتی تھی اسے وہ غائب کر دیتا اور اس کی جگہ جوان لڑکی لے آتا تھا۔ ان خادماؤں نے بتایا کہ بغاوت سے پہلے اس کے پاس ایک فرنگی لڑکی آئی تھی جو غیر معمولی

طور پر خوبصورت اور ہوشیار تھی۔ بالیان اس کا غلام ہو گیا تھا۔ بغاوت کے ایک روز بعد جب سوڈانیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو بالیان رات کے وقت گھوڑے پر سوار ہوا، دوسرے گھوڑے پر اس فرنگی لڑکی کو سوار کیا اور معلوم نہیں دونوں کہاں روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ سات گھوڑ سوار تھے۔ حرم کی لڑکیوں کے متعلق بوڑھیوں نے بتایا کہ وہ گھر میں جو ہاتھ لگا اٹھا کر چلی گئی ہیں۔

علی بن سفیان وہاں سے واپس ہوا تو ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا اور علی بن سفیان کے سامنے رکا۔ اس پر فخر المصری سوار تھا۔ کود کر گھوڑے سے اترا اور ہانپتی کانپتی آواز میں بولا — "میں آپ کے پیچھے آیا ہوں۔ میں بھی اسی بدبخت بالیان اور اس کا فر لڑکی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ میں ان سے انتقام لوں گا۔ جب تک ان دونوں کو اپنے ہاتھوں قتل نہیں کروں گا، مجھے چین نہیں آئے گا۔ میں جانتا ہوں وہ کدھر گئے ہیں۔ میں نے ان کا پیچھا کیا ہے لیکن ان کے ساتھ سات مسلح محافظ ہیں۔ میں اکیلا تھا۔ وہ بحیرۂ روم کی طرف جا رہے ہیں مگر عام راستے سے ہٹ کر جا رہے ہیں" — اس نے علی بن سفیان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ "خدا کے لیے مجھے صرف چار سپاہی دے دیں۔ میں ان کے تعاقب میں جاؤں گا اور انہیں ختم کر کے آؤں گا۔"

علی بن سفیان نے اسے اس وعدے سے ٹھنڈا کیا کہ وہ اسے چار کی بجائے بیس سوار دے گا۔ وہ ساحل سے آگے اتنی جلدی نہیں جا سکتے۔ میرے ساتھ رہو۔ علی بن سفیان مطمئن ہو گیا کہ یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔

☆

اُس وقت بالیان اس صلیبی لڑکی کے ساتھ جس کا نام موبی تھا، ساحل کی طرف جانے والے عام راستے سے ہٹ کر دور جا چکا تھا۔ ان علاقوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سوڈانی فوج اور اس کے کمانداروں کو صلاح الدین ایوبی نے معافی دے دی ہے۔ ایک تو وہ سلطان کے عتاب سے بھاگ رہا تھا اور دوسرے یہ کہ وہ موبی جیسی حسین لڑکی کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دنیا کی حسین لڑکیاں صرف مصر اور سوڈان میں ہی ہیں مگر اٹلی کی اس لڑکی کے حسن اور دل کشی نے اسے اندھا

کر دیا تھا۔ اس کی خاطر وہ اپنا رتبہ، اپنا مذہب اور اپنا ملک ہی چھوڑ رہا تھا لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ موبی اس سے جان چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ جس مقصد کے لیے آئی تھی وہ ختم ہو چکا تھا گو مقصد تباہ ہو گیا تھا تاہم موبی اپنا کام کر چکی تھی۔ اس کے لیے اس نے اپنے جسم اور اپنی عزت کی قربانی دی تھی۔ وہ ابھی تک اپنی عمر سے دُگنی عمر کے آدمی کی عیاشی کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔

بالیان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ موبی اسے بُری طرح چاہتی ہے مگر موبی اس سے نفرت کرتی تھی۔ وہ چونکہ مجبور تھی اس لیے اکیلی بھاگ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس مقصد کے لئے بالیان کو ساتھ لیے ہوئے تھی کہ اسے اپنی حفاظت کی ضرورت تھی۔ اُسے بحیرۂ روم پار کرنا تھا یا رابن تک پہنچنا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ رابن اور اس کے ساتھی جو تاجروں کے بھیس میں تھے پکڑے جا چکے ہیں اس مجبوری کے تحت وہ بالیان کے ہاتھ میں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ وہ کئی بار اسے کہہ چکی تھی کہ تیز چلو اور پڑاؤ کم کرو ورنہ پکڑے جائیں گے لیکن بالیان جہاں اچھی سایہ دار جگہ دیکھتا رک جاتا۔ اس نے شراب کا ذخیرہ اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

ایک رات موبی نے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے بالیان کو اتنی زیادہ پلا دی کہ وہ بے سدھ ہو گیا۔ ان کے ساتھ جو سات محافظ تھے وہ کچھ پرے سو گئے تھے۔ موبی نے دیکھا تھا کہ ان میں ایک ایسا ہے جو جوان ہے اور سب پر چھایا رہتا ہے۔ بالیان زیادہ تر اسی کے ساتھ ہر بات کیا کرتا تھا۔ موبی نے اسے جگایا اور تھوڑی دور لے گئی۔ اسے کہا — ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کون ہوں، کہاں سے آئی ہوں اور یہاں کیوں آئی تھی۔ میں تم لوگوں کے لیے مدد لائی تھی تاکہ تم صلاح الدین ایوبی جیسے غیر ملکیوں سے آزاد ہو سکو مگر تمہارا یہ کماندار بالیان اس قدر عیاش آدمی ہے کہ اس نے شراب پی کر بدمست ہو کر میرے جسم کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ عقل مندی سے بغاوت کا منصوبہ بناتا اور فتح حاصل کرتا اس نے مجھے اپنے حرم کی لونڈی بنا لیا اور اندھا دھند فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایسی لاپروائی سے حملہ کروایا کہ ایک ہی رات میں تمہاری اتنی بڑی فوج ختم ہو گئی ......

"تمہاری شکست کا ذمہ دار یہ شخص ہے۔ اب یہ میرے ساتھ صرف عیاشی کے لیے جا رہا ہے اور مجھے کہتا ہے کہ میں اسے سمندر پار لے جاؤں، اسے اپنی فوج میں رتبہ دلاؤں اور اس کے ساتھ شادی کر لوں مگر مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اگر مجھے شادی ہی کرنی ہے اور اپنے ملک میں لے جا کر اسے فوج میں رتبہ دلانا ہے تو مجھے ایسے آدمی کا انتخاب کرنا چاہیئے جو میرے دل کو اچھا لگے۔ وہ آدمی تم ہو، تم جوان ہو، دلیر ہو، عقلمند ہو، میں نے جب سے تمہیں دیکھا ہے تمہیں چاہ رہی ہوں۔ مجھے اس بوڑھے سے بچاؤ۔ میں تمہاری ہوں۔ سمندر پار چلو۔ فوج کا رتبہ اور مال و دولت تمہارے قدموں میں ہو گا مگر اس آدمی کو یہیں ختم کرو۔ وہ سویا ہوا ہے اسے قتل کر دو اور آؤ نکل چلیں۔"

اس نے محافظ کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ محافظ اس کے حسن میں گرفتار ہو گیا اس نے دیوانہ وار لڑکی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ موبی اس جادوگری کی ماہر تھی، وہ ذرا پرے ہٹ گئی۔ محافظ اس کی طرف بڑھا تو عقب سے ایک برچھی اس کی پیٹھ میں اُتر گئی۔ اس کے منہ سے ہائے نکلی اور وہ پہلو کے بل لڑھک گیا۔ برچھی اس کی پیٹھ سے نکلی اور اسے آواز سنائی دی "نمک حرام کو زندہ رہنے کا حق نہیں"۔ لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ وہ اٹھی اور اتنا ہی کہنے پائی تھی کہ تم نے اسے قتل کر دیا ہے کہ پیچھے سے ایک ہاتھ نے اس کے بازو کو جکڑ لیا اور جھٹکا دے کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اسے بالیان کے پاس پھینک کر کہا "ہم اس شخص کے پالے ہوئے دوست ہیں۔ ہماری زندگی اسی کے ساتھ ہے۔ تم ہم میں سے کسی کو اس کے خلاف گمراہ نہیں کر سکتیں۔ جو گمراہ ہوا اس نے سزا پالی ہے" بالیان شراب کے نشے میں بیہوش پڑا تھا۔

"تم لوگوں نے یہ بھی سوچا ہے کہ تم کہاں جا رہے ہو؟" — موبی نے پوچھا۔

"سمندر میں ڈوبنے" — ایک نے جواب دیا — "تمہارے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک بالیان جائے گا ہم وہیں تک جائیں گے" — اور وہ دونوں جا کر بیٹھ گئے۔

دوسرے دن بالیان جاگا تو اسے رات کا واقعہ بتایا گیا۔ موبی نے کہا کہ وہ مجھے جان کی دھمکی دے کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ بالیان نے اپنے محافظوں کو شاباش دی مگر ان کی یہ بات سُنی اَن سنی کر دی کہ یہ لڑکی اسے گمراہ کر کے لے

گئی تھی اور انہوں نے اس کی باتیں سنی تھیں۔ وہ موبی کے حسن اور شراب میں مدہوش ہو کر سب کچھ بھول گیا۔ موبی نے اسے ایک بار پھر کہا کہ تیز چلنا چاہیے مگر بالیان نے پروا نہ کی۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔ موبی اب آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ لوگ اپنے دوستوں کو قتل کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

علی بن سفیان نے نہ جانے کیا سوچ کر ان کا تعاقب نہ کیا۔ بغاوت کے بعد کے حالات کو معمول پر لانے کے لیے وہ سلطان ایوبی کے ساتھ بہت مصروف ہو گیا تھا۔

☆

ساحل کے کیمپ سے رابن، اس کے چاروں ساتھیوں اور چھ لڑکیوں کو پندرہ محافظوں کی گارد میں قاہرہ کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ قاصد ان سے پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ قیدی اونٹوں پر تھے اور گارد گھوڑوں پر۔ وہ معمول کی رفتار پر جا رہے تھے اور معمول کے مطابق پڑاؤ کر رہے تھے۔ وہ بے خوف و خطر جا رہے تھے۔ وہاں کسی دشمن کے حملے کا ڈر نہیں تھا۔ قیدی نہتے تھے اور ان میں چھ لڑکیاں تھیں۔ کسی کے بھاگنے کا بھی ڈر نہیں تھا، مگر وہ یہ بھول رہے تھے کہ یہ قیدی تربیت یافتہ جاسوس ہیں بلکہ یہ لڑاکے جاسوس تھے۔ ان میں جو تاجروں کے بھیس میں پکڑے گئے تھے، وہ چنے ہوئے تیر انداز اور تیغ زن تھے اور لڑکیاں محض لڑکیاں نہیں تھیں جنہیں وہ کمزور عورت ذات سمجھ رہے تھے۔ ان لڑکیوں کی جسمانی مل کشی، یورپی رنگت کی جاذبیت، جوانی اور ان کی بے حیائی ایسے ہتھیار تھے جو اچھے اچھے جابر حکمرانوں سے ہتھیار ڈلوا لیتے تھے۔

محافظوں کا کمانڈر مصری تھا۔ اس نے دیکھا کہ ان چھ میں سے ایک لڑکی اس کی طرف دیکھتی رہتی ہے اور وہ جب اسے دیکھتا ہے تو لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی ہے۔ یہ مسکراہٹ اس مصری کو موم کر رہی تھی۔ شام کے وقت انہوں نے پہلا پڑاؤ کیا تو سب کو کھانا دیا گیا۔ اس لڑکی نے کھانا نہ کھایا۔ کمانڈر کو بتایا گیا، تو اس نے لڑکی کے ساتھ بات کی۔ لڑکی اس کی زبان بولتی اور سمجھتی تھی۔ لڑکی کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا کہ وہ اس کے ساتھ علیحدگی میں بات کرنا چاہتی ہے۔

رات کو جب سب سو گئے تو کمانڈر اٹھا۔ اس نے لڑکی کو جگایا اور الگ لے گیا۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ وہ ایک مظلوم لڑکی ہے، اسے فوجیوں نے ایک گھر سے اغوا کیا اور اپنے ساتھ رکھا۔ پھر اسے جہاز میں اپنے ساتھ لائے جہاں وہ ایک افسر کی داشتہ بنی رہی۔ دوسری لڑکیوں کے متعلق اس نے بتایا کہ ان کے ساتھ اس کی ملاقات جہاز میں ہوئی تھی۔ انہیں بھی اغوا کر کے لایا گیا تھا۔ اچانک جہازوں پر آگ برسنے لگی اور جہاز جلنے لگا۔ ان لڑکیوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر سمندر میں ڈال دیا گیا۔ کشتی انہیں اس ساحل پر لے آئی جہاں انہیں جاسوس سمجھ کر قید میں ڈال دیا گیا۔

یہ وہی کہانی تھی جو تاجروں کے بھیس میں جاسوسوں نے ان لڑکیوں کے متعلق صلاح الدین ایوبی کو سنائی تھی۔ مصری گارڈ کمانڈر کو معلوم نہیں تھا۔ وہ یہ کہانی پہلی بار سن رہا تھا۔ اسے تو حکم ملا تھا کہ یہ خطرناک جاسوس ہیں۔ انہیں قاہرہ لے جا کر سلطان کے ایک خفیہ محکمے کے حوالے کرنا ہے۔ اس حکم کے پیش نظر وہ ان لڑکیوں کی یا اس لڑکی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اس لڑکی کو اپنی مجبوری بتا دی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ لڑکی کی ترکش میں ابھی بہت سے تیر باقی ہیں۔ لڑکی نے کہا "میں تم سے کوئی مدد نہیں مانگتی۔ تم اگر میری مدد کرو گے تو میں تمہیں روک دوں گی کیونکہ تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ میں اپنی خاطر تمہیں کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ میرا کوئی غمخوار نہیں۔ میں ان لڑکیوں کو بالکل نہیں جانتی اور ان آدمیوں کو بھی نہیں جانتی۔ تم مجھے رحمدل بھی لگتے ہو اور میرے دل کو بھی اچھے لگتے ہو اس لیے تمہیں یہ باتیں بتا رہی ہوں۔"

اتنی خوبصورت لڑکی کے منہ سے اس قسم کی باتیں سن کر کون سا مرد اپنے آپ میں رہ سکتا ہے۔ یہ لڑکی مجبور بھی تھی۔ رات کی تنہائی بھی تھی۔ مصری کی مردانگی پگھلنے لگی۔ اس نے لڑکی کے ساتھ دوستانہ باتیں شروع کر دیں۔ لڑکی نے ایک اور تیر چلایا اور صلاح الدین ایوبی کے کردار پر زہر اگلنے لگی۔ اس نے کہا "میں نے تمہارے گورنر صلاح الدین ایوبی کو اپنی مظلومیت کی یہ کہانی سنائی تھی۔ مجھے امید تھی کہ وہ میرے حال پر رحم کرے گا مگر اس نے مجھے اپنے خیمے میں رکھ لیا اور شراب پی کر میرے ساتھ بدکاری کرتا رہا۔ اس وحشی نے میرا جسم توڑ دیا ہے۔ شراب پی کر وہ اتنا وحشی بن جاتا ہے کہ اس میں انسانیت رہتی ہی نہیں۔"

مصری کا خون کھولنے لگا۔ اس نے بدک کر کہا — ”ہمیں کہا گیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی مومن ہے، فرشتہ ہے، شراب اور عورت سے نفرت کرتا ہے۔“

”مجھے اب اسی کے پاس لے جایا جا رہا ہے“۔ لڑکی نے کہا۔ ”اگر تمہیں یقین نہ آئے تو رات کو دیکھ لینا کہ میں کہاں ہوں گی۔ وہ مجھے قید خانے میں نہیں ڈالے گا، اپنے حرم میں رکھ لے گا۔ مجھے اس آدمی سے ڈر آتا ہے“ — اس قسم کی بہت سی باتوں سے لڑکی نے اس مصری کے دل میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت پیدا کر دی اور وہ پوری طرح مصری پر چھا گئی۔ اس کے دل اور دماغ پر قبضہ کر لیا۔ مصری کو معلوم نہیں تھا کہ یہی ان لڑکیوں کا ہتھیار ہے۔ لڑکی نے آخر میں اسے کہا — ”اگر تم مجھے اس ذلیل زندگی سے نجات دلا دو تو میں ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو جاؤں گی اور میرا باپ تمہیں سونے کی اشرفیوں سے مالا مال کر دے گا۔“ اس نے اس کا طریقہ یہ بتایا — ”میرے ساتھ سمندر پار بھاگ چلو۔ کشتیوں کی کمی نہیں۔ میرا باپ بہت امیر آدمی ہے۔ میں تمہارے ساتھ شادی کروں گی اور میرا باپ تمہیں نہایت اچھا مکان اور بہت سی دولت دے گا۔ تم تجارت کر سکتے ہو۔“

مصری کو یہ یاد رہ گیا تھا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اپنا مذہب ترک نہیں کر سکتا۔ لڑکی نے ذرا سوچ کر کہا۔ ”میں تمہارے لیے اپنا مذہب چھوڑ دوں گی“ — اس کے بعد وہ فرار اور شادی کا پروگرام بنانے لگے۔ لڑکی نے کہا۔ ”میں تم پر زور نہیں دیتی۔ اچھی طرح سوچ لو۔ میں صرف جاننا چاہتی ہوں کہ میرے دل میں تمہاری جو محبت پیدا ہو گئی ہے اتنی تمہارے دل میں پیدا ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر تم مجھے قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہو تو سوچ لو اور کوشش کرو کہ قاہرہ تک ہمارا سفر لمبا ہو جائے۔ ہم ایک بار وہاں پہنچ گئے تو پھر تم میری بُو بھی نہیں سُونگھ سکو گے۔“

لڑکی کا مقصد صرف اتنا سا تھا کہ سفر لمبا ہو جائے اور تین دنوں کی بجائے چھ دن راستے میں ہی گزر جائیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رابن اور اس کے ساتھی فرار کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ وہ اس کوشش میں تھے کہ رات کو سوتے ہوئے محافظوں کے ہتھیار اٹھا کر انہیں قتل کیا جائے جو ناممکن سا کام تھا یا اُن کے گھوڑے چُرا کر بھاگا جائے۔ ابھی تو پہلا ہی پڑاؤ تھا۔ اُن کی ضرورت یہ تھی کہ

سفر لمبا ہو جائے تاکہ وہ اطمینان سے سوچ سکیں اور عمل کر سکیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اس لڑکی کو استعمال کیا وہ محافظوں کے کمانڈر کو قبضے میں لے لے۔ لڑکی نے پہلی ملاقات میں ہی یہ مقصد حاصل کر لیا اور مصری کو منہ مانگی قیمت دے دی۔ مصری کوئی ایسا بڑا رتبے والا آدمی نہیں تھا۔ معمولی سا عہدیدار تھا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ کہاں ایک جیتی جاگتی لڑکی جو اس کے تصوروں سے بھی زیادہ خوبصورت تھی اس کی لونڈی بن گئی تھی۔ وہ اپنا آپ، اپنا فرض اور اپنا مذہب ہی بھول گیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی لڑکی سے الگ نہیں ہونا چاہتا تھا۔

اس پاگل پن میں اُس نے صبح کے وقت پہلا حکم یہ دیا کہ جانور بہت تھکے ہوئے ہیں، لہٰذا آج سفر نہیں ہوگا۔ محافظوں اور شتربانوں کو اس حکم سے بہت خوشی ہوئی۔ وہ محاذ کی سختیوں سے اکتائے ہوئے تھے۔ انہیں منزل تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ وہ دن بھر آرام کرتے رہے۔ گپ شپ لگاتے رہے اور ان کا کمانڈر اس لڑکی کے پاس بیٹھا بدمست ہوتا رہا۔ دن گزر گیا۔ رات آئی اور جب سب سو گئے تو مصری لڑکی کو ساتھ لیے دُور چلا گیا۔ لڑکی نے اُسے آسمان پر پہنچا دیا۔

صبح جب یہ قافلہ چلنے لگا تو مصری کمانڈر نے راستہ بدل دیا۔ اپنے دستے سے اس نے کہا کہ اس طرف اگلے پڑاؤ کے لیے بہت خوبصورت جگہ ہے۔ قریب ایک گاؤں بھی ہے جہاں مرغیاں اور انڈے مل جائیں گے۔ اس کا دستہ اس پر بھی خوش ہُوا کہ کمانڈر انہیں عیش کرا رہا ہے۔ البتہ اس دستے میں دو عسکری ایسے تھے جو کمانڈر کی ان حرکتوں سے خوش نہیں تھے۔ انہوں نے اسے کہا کہ ہمارے پاس خطرناک قیدی ہیں۔ یہ سب جاسوس ہیں۔ انہیں بہت جلدی حکومت کے حوالے کر دینا چاہیئے۔ بلاوجہ سفر لمبا کرنا ٹھیک نہیں۔ مصری نے انہیں یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ یہ میری ذمہ داری ہے کہ جلدی پہنچوں یا دیر سے۔ جواب طلبی ہوئی تو مجھ سے ہوگی۔ دونوں خاموش تو ہو گئے لیکن وہ الگ جا کر آپس میں کھُسر پھُسر کرتے رہے۔

☆

تھا۔ صحرائی درخت بھی تھے۔ چلتے چلتے وہ ان ٹیلوں میں داخل ہو گئے۔ راستہ اوپر ہوتا گیا اور ایک بلند جگہ سے انہیں ایک میدان نظر آیا جہاں گِدھوں کے غول اترتے ہوئے شور بپا کر رہے تھے۔ ذرا اور آگے گئے تو نظر آیا کہ یہ لاشیں ہیں۔ بدبو بھی تھی۔ یہ اُن سوڈانیوں کی لاشیں تھیں جو بحیرۂ روم کے ساحل پر مقیم سلطان ایوبی کی فوج پر حملہ کرنے چلے تھے۔ سلطان ایوبی کے جانباز سواروں نے راتوں کو ان کے عقبی حصے پر حملے کرکے یہ کشت و خون کیا اور سوڈانی فوج کو تتر بتر کر دیا تھا۔ یہاں سے آگے میلوں وسعت میں لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ سوڈانیوں کو اپنی لاشیں اٹھانے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ قیدیوں اور محافظوں کا قافلہ چلتا رہا اور ذرا سا رُخ بدل کر لاشوں اور گِدھوں سے ہٹ گیا۔

قافلہ جب وہاں سے گزر رہا تھا تو انہوں نے دیکھا کہ لاشوں کے ارد گرد اُن کے ہتھیار بھی بکھرے ہوئے تھے۔ ان میں کمانیں اور ترکش تھے۔ برچھیاں تلواریں اور ڈھالیں بھی تھیں۔ قیدیوں نے یہ ہتھیار دیکھ لیے۔ انہوں نے آپس میں باتیں کیں اور رابن نے اس لڑکی سے کچھ کہا جس نے مصری کمانڈر پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لاشیں اور ہتھیار دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ دائیں طرف ٹیلوں کے قریب سرسبز جگہ تھی۔ پانی بھی نظر آ رہا تھا۔ سبزہ ٹیلوں کے اوپر تک گیا ہوا تھا۔ لڑکی نے کمانڈر کو اشارہ کیا تو وہ اس کے قریب چلا گیا۔ لڑکی نے کہا ——— "یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ یہیں رُک جاتے ہیں" ——— مصری نے قافلے کا رُخ پھیر دیا اور سرسبز ٹیلے کے قریب پانی کے چشمے پر جا رکا۔ رات یہیں بسر کرنی تھی۔ سب گھوڑوں اور اونٹوں سے اترے، جانور پانی پر ٹوٹ پڑے۔ رات گزارنے کے لیے اچھی جگہ دیکھی جانے لگی۔ دو ٹیلوں کے درمیان جگہ کشادہ بھی تھی اور وہاں سبزہ بھی تھا۔ یہی جگہ منتخب کر لی گئی۔

جب رات کا اندھیرا گہرا ہوا تو سب سو گئے۔ مصری جاگ رہا تھا اور لڑکی بھی جاگ رہی تھی۔ اس رات اسے خاص طور پر جاگنا اور مصری کمانڈر کو پوری طرح مدہوش کرنا تھا۔ اُسے جب خراٹوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو وہ مصری کے پاس چلی گئی۔ اسی لڑکی کی خاطر وہ سب سے الگ اور دُور ہٹ کر لیٹا تھا۔ لڑکی اسے ٹیلے کی اوٹ میں لے گئی اور وہاں سے اور زیادہ دُور جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مصری اس کی خواہشوں کا غلام ہو گیا تھا۔ اسے احساس

تک نہ تھا کہ آج رات لڑکی اُسے ایک خاص مقصد کے لیے دور لے جا رہی ہے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور لڑکی اسے تین ٹیلوں سے بھی پرے لے گئی۔ وہ رکی اور مصری کو باہوں میں لے لیا۔ مصری بے خود ہو گیا۔

اُدھر رابن نے جب دیکھا کہ کمانڈر جا چکا ہے اور دوسرے محافظ گہری نیند سوئے ہوئے ہیں تو اس نے لیٹے لیٹے اپنے ایک ساتھی کو جگایا۔ اس نے ساتھ والے کو جگایا۔ اس طرح رابن کے چاروں ساتھی جاگ اٹھے...... محافظ اُن سے ذرا دُور سوئے ہوئے تھے۔ مصری کمانڈر کو لڑکی نے اتنا بے پروا کر دیا تھا کہ رات کو وہ سنتری کھڑا نہیں کرتا تھا۔ پہلے رابن پیٹ کے بل رینگتا محافظوں سے دُور چلا گیا۔ اس کے بعد اس کے چاروں ساتھی بھی چلے گئے۔ ٹیلے کی اوٹ میں ہو کر وہ تیز تیز چلنے لگے اور لاشوں تک پہنچ گئے۔ ٹٹول ٹٹول کر انہوں نے تین کمانیں اور ترکش اٹھائے اور ایک ایک برچھی اٹھالی۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے لڑکی سے کہا تھا کہ وہ کمانڈر سے کہے کہ یہاں پڑاؤ کیا جائے۔ وہ ہتھیار لے کر واپس ہوئے۔ اب وہ اکٹھے تھے۔

وہ سوئے ہوئے محافظوں کے قریب جا کھڑے ہوئے۔ رابن نے ایک محافظ کے سینے میں برچھی مارنے کے لیے برچھی ذرا اوپر اٹھائی۔ باقی چار بھی ایک ایک محافظ کے سر پر کھڑے تھے۔ یہ نہایت کامیاب چال تھی۔ وہ بیک وقت چار محافظوں کو ختم کر سکتے تھے اور باقی گیارہ کے سنبھلنے تک انہیں بھی ختم کرنا مشکل نہیں تھا۔ پیچھے تین شتربان تھے اور مصری کمانڈر۔ وہ آسان شکار تھے۔ رابن نے جونہی برچھی اوپر اٹھائی، زناٹہ سا سنائی دیا اور ایک تیر رابن کے سینے میں اتر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک تیر رابن کے ایک ساتھی کے سینے میں لگا۔ وہ ڈولے۔ ان کے تین ساتھی ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ یہ کیا ہوا ہے کہ دو اور تیر آئے اور دو اور قیدی اوندھے ہو گئے۔ آخری قیدی بھاگنے کے لیے پیچھے کو مڑا تو ایک تیر اس کے پہلو میں اُتر گیا۔ یہ کام اتنی خاموشی سے ہو گیا کہ ان محافظوں میں سے کسی کی آنکھ ہی نہ کھلی جن کے سروں پر موت آن کھڑی ہوئی تھی۔

تیر انداز آگے آئے۔ انہوں نے مشعلیں روشن کیں۔ یہ وہ دو محافظ تھے جنہوں نے اپنے کمانڈر سے کہا تھا کہ انہیں منزل پر جلدی پہنچنا چاہیے۔ وہ

دیانت دار تھے۔ وہ سوئے ہوئے تھے جب چاروں قیدی ان کے قریب سے گزرے تو اُن میں سے ایک کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے اپنے ساتھی کو جگایا اور قیدیوں کا تعاقب دبے پاؤں کیا۔ انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اگر قیدیوں نے بھاگنے کی کوشش کی تو انہیں تیروں سے ختم کر دیں گے، مگر اس سے پہلے وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ اندھیرے میں انہیں جو کچھ نظر آتا رہا وہ دیکھتے رہے۔ قیدی ہتھیار اٹھا کر واپس آئے تو دونوں محافظ آ کر ٹیلے کے ساتھ چھپ کر بیٹھ گئے۔ جونہی قیدیوں نے محافظوں کو برچھیاں مارنے کے لیے برچھیاں اٹھائیں انہوں نے تیر چلا دیئے۔ پھر چاروں کو ختم کر دیا۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو آواز دی تو اسے لاپتہ پایا۔ اس آواز سے لڑکیاں جاگ اٹھیں اور باقی محافظ بھی جاگے۔ لڑکیوں نے اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھیں۔ ہر ایک لاش میں ایک تیر اُترا ہوا تھا۔ لڑکیاں خاموشی سے لاشوں کو دیکھتی رہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ آدمی آج رات کیا کریں گے۔

مصری کمانڈر وہاں نہیں تھا اور ایک لڑکی بھی غائب تھی۔

محافظوں کو معلوم نہیں تھا کہ جب ان قیدی جاسوسوں کے سینوں میں تیر داخل ہوئے تھے بالکل اسی وقت اُن کے مصری کمانڈر کی پیٹھ میں ایک خنجر اتر گیا تھا۔ اس کی لاش تیسرے ٹیلے کے ساتھ پڑی تھی۔ اس رات صحرا کی ریت خون کی پیاسی معلوم ہوتی تھی۔ مصری کمانڈر اپنے محافظ دستے اور قیدیوں سے بے خبر اس لڑکی کے ساتھ چلا گیا اور لڑکی اسے خاصا دور لے گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے ساتھی ایک خونی ڈرامہ کھیلیں گے۔ لڑکی مصری کو ایک ٹیلے کے ساتھ لے کے بیٹھ گئی۔

اسی ٹیلے سے ذرا پرے بالیان اور اس کے چھ محافظوں نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ اُن کے گھوڑے کچھ دور بندھے ہوئے تھے۔ بالیان موبی کو ساتھ لیے ٹیلے کی طرف آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شراب کی بوتل تھی۔ موبی نے نیچے بچھانے کے لیے دری اٹھا رکھی تھی۔ بالیان محافظوں سے دُور جا کر عیش و عشرت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دری بچھا دی اور موبی کو اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ وہ بیٹھے ہی تھے کہ رات کے سکوت میں انہیں قریب سے کسی کی باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔

وہ چونکے اور دم سادھ کر سننے لگے۔ آواز کسی لڑکی کی تھی۔ بالیان اور موبی دبے پاؤں اس طرف آئے اور ٹیلے کی اوٹ سے دیکھا۔ انہیں دو سائے بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ ایک عورت ہے اور ایک مرد۔ موبی اور زیادہ قریب ہو گئی اور غور سے باتیں سننے لگی۔ مصری کمانڈر کے ساتھ اس لڑکی نے ایسی واضح باتیں کیں کہ موبی کو یقین ہو گیا کہ یہ اس کی ساتھی لڑکی ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسے قاہرہ لے جایا جا رہا ہے۔

مصری نے جو حرکتیں اور باتیں کیں وہ تو بالکل ہی صاف تھیں۔ کسی شک کی گنجائش نہیں تھی۔ موبی جان گئی کہ یہ مصری اس لڑکی کو اس کی مجبوری کے عالم میں عیاشی کا ذریعہ بنا رہا ہے۔ موبی نے یہ بالکل نہ سوچا کہ ارد گرد کوئی اور بھی ہوگا اور اس نے جو ارادہ کیا ہے اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر بالیان کے کان میں کہا ــ "یہ مصری ہے اور یہ میرے ساتھ کی ایک لڑکی کے ساتھ عیش کر رہا ہے۔ اس لڑکی کو بچا لو۔ یہ مصری تمہارا دشمن ہے اور لڑکی تمہاری دوست"ــــ اس نے بالیان کو اور زیادہ بھڑکانے کے لئے کہا "یہ بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔ اسے بچا لو اور اپنے سفری حرم میں اضافہ کر لو۔"

بالیان شراب پیے ہوئے تھا۔ اس نے کمربند سے خنجر نکالا اور بہت تیزی سے آگے بڑھ کر خنجر مصری کمانڈر کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ خنجر نکال کر اسی تیزی سے ایک اور وار کیا۔ لڑکی مصری سے آزاد ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ موبی دوڑی اور اُسے آواز دی۔ وہ دوڑ کر موبی سے لپٹ گئی۔ موبی نے اس سے پوچھا کہ دوسری کہاں ہیں۔ اس نے راہن اور دوسرے ساتھیوں کے متعلق بھی بتایا اور یہ بھی کہ وہ پندرہ محافظوں کے پہرے میں ہیں۔ بالیان دوڑتا گیا اور اپنے چند ساتھیوں کو بلا لیا۔ اُن کے پاس کمانیں اور دوسرے ہتھیار تھے۔ اتنے میں قیدیوں کے محافظوں میں سے ایک اپنے مصری کمانڈر کو آوازیں دیتا اِدھر آیا۔ بالیان کے ایک ساتھی نے تیر چلایا اور اس محافظ کو ختم کر دیا۔ وہ لڑکی انہیں اپنی جگہ لے جانے کے لیے آگے آگے چل پڑی۔

بالیان کو آخری ٹیلے کے پیچھے روشنی نظر آئی۔ اس نے ٹیلے کی اوٹ میں جا کر دیکھا۔ وہاں بڑی بڑی دو مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کے ڈنڈے زمین میں گڑھے ہوئے تھے۔ ان کے اوپر والے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپٹے ہوئے تھے

جو جل رہے تھے۔ بالیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندھیرے میں تھا۔ اسے روشنی میں پانچ لڑکیاں الگ کھڑی نظر آرہی تھیں اور محافظ بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے درمیان پانچ لاشیں پڑی تھیں جن میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ موبی اور دوسری لڑکی کی سسکیاں نکلنے لگیں۔ موبی کے اکسانے پر بالیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ تمہارا شکار ہے، تیروں سے ختم کردو۔ ان کی تعداد اب چودہ تھی۔ یہ اُن کی بدقسمتی تھی کہ وہ روشنی میں تھے۔

بالیان کے ساتھیوں نے کمانوں میں تیر ڈالے۔ تمام تیر ایک ہی بار کمانوں سے نکلے۔ دوسرے ہی لمحے کمانوں میں چھ اور تیر آچکے تھے۔ ایک ہی بار قیدیلیل کے چھ محافظ ختم ہو گئے۔ باقی ابھی سمجھ ہی نہ سکے تھے کہ یہ تیر کہاں سے آئے ہیں۔ چھ اور تیروں نے چھ اور محافظوں کو گرا دیا۔ باقی دو رہ گئے تھے۔ اُن میں سے ایک اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ دوسرا ذرا سست نکلا اور وہ بھی سوڈانیوں کے بیک وقت تین تیروں کا شکار ہو گیا۔ تین شتربان رہ گئے تھے جو سامنے نہیں تھے۔ وہ اندھیرے میں کہیں اِدھر اُدھر ہو گئے۔ مشعلوں کی روشنی میں اب لاشیں ہی لاشیں نظر آرہی تھیں۔ ہر لاش ایک ایک تیر لیے ہوئے تھی اور ایک میں تین تیر پیوست تھے۔ موبی دوڑ کر لڑکیوں سے ملی۔ اتنے میں انہیں ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں جو دور نکل گئیں۔ بالیان نے کہا ”یہاں رکنا ٹھیک نہیں۔ ان میں ایک بچ کر نکل گیا ہے۔ وہ قاہرہ کی سمت گیا ہے۔ فوراً یہاں سے نکلو“

انہوں نے محافظوں کے گھوڑے کھولے اور اپنی جگہ گئے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ایک گھوڑا بمع زین غائب تھا۔ اسے بچ کر نکل جانے والا محافظ لے گیا تھا۔ وہ اپنے گھوڑوں تک نہیں جا سکا تھا۔ چھپ کر اُدھر چلا گیا جہاں اسے آٹھ گھوڑے بندھے نظر آئے۔ زینیں پاس ہی پڑی تھیں۔ اُس نے ایک گھوڑے پر زین کسی اور بھاگ نکلا۔ بالیان نے چودہ گھوڑوں پر زینیں کسوائیں۔ سامان دو گھوڑوں پر لادا۔ باقی گھوڑے ساتھ لیے اور روانہ ہو گئے۔ لڑکیوں نے موبی کو سنایا کہ اُن پر کیا بیتی ہے اور انہیں کہاں لے جایا جا رہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ رابن اور اس کے ساتھی لاشوں کے ہتھیار اٹھانے گئے تھے مگر معلوم نہیں کہ وہ کس طرح مارے گئے۔

موبی نے کہا۔" ایوبی کے کیمپ میں میری اور رابن کی ملاقات اچانک ہوگئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ مجھے یوں نظر آرہا ہے کہ یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے ورنہ ہم اس طرح خلافِ توقع نہ ملتے۔ آج ہماری ملاقات بالکل خلافِ توقع ہوگئی ہے لیکن میں یہ نہیں کہوں گی کہ یسوع مسیح کو ہماری کامیابی منظور ہے۔ خدائے یسوع مسیح ہم سے ناراض معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے جس کام میں ہاتھ ڈالا وہ چوپٹ ہُوا۔ بحیرۂ روم میں ہماری فوج کو شکست ہوئی اور مصر میں ہماری دوست سوڈانی فوج کو شکست ہوئی۔ اِدھر رابن اور کرسٹوفر جیسے دلیر اور قابل آدمی اور ان کے اتنے اچھے ساتھی مارے گئے۔ معلوم نہیں ہمارا انجام کیا ہوگا؟"

" ہمارے جیتے جی تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا"۔ بالیان نے کہا۔" میرے شیروں کا کمال تم نے دیکھ لیا ہے"۔

☆

جس وقت قیدیوں کا قافلہ لاشوں کے پاس ٹیلوں میں رکا تھا۔ اُس وقت ساحل پر سلطان ایوبی کی فوج کے کیمپ میں تین آدمی داخل ہوئے۔ وہ اٹلی کی زبان بولتے تھے۔ ان کا لباس اٹلی کے دیہاتیوں جیسا تھا۔ ان کی زبان کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ اٹلی کے جنگی قیدیوں سے معلوم کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ یہ اٹلی سے آئے ہیں اور اپنی لڑکیوں کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ یہ یہاں کے سالار سے ملنا چاہتے ہیں۔ انہیں بہاؤالدین شدّاد کے پاس پہنچا دیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی کی غیر حاضری میں شدّاد کیمپ کمانڈر تھا۔ اٹلی کا ایک جنگی قیدی بلایا گیا۔ وہ مصر کی زبان بھی جانتا تھا۔ اس کی وساطت سے ان آدمیوں کے ساتھ باتیں ہوئیں۔ ان تین آدمیوں میں ایک ادھیڑ عمر تھا اور دو جوان تھے۔ تینوں نے ایک ہی جیسی بات سنائی۔ تینوں کی ایک ایک جوان بہن کو صلیبی فوجی اُن کے گھروں سے اٹھا لائے تھے۔ انہیں کسی نے بتایا تھا کہ وہ لڑکیاں مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچ گئی ہیں۔ یہ اپنی بہنوں کی تلاش میں آئے تھے۔

انہیں بتایا گیا کہ یہاں سات لڑکیاں آئی تھیں۔ انہوں نے یہی کہانی سنائی تھی مگر ساتوں جاسوس نکلیں۔ ان تینوں نے کہا کہ ہماری بہنوں کا جاسوسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم تو غریب اور مظلوم لوگ ہیں۔ کسی سے کشتی مانگ کر اتنی دور آئے ہیں۔

ہم غریبوں کی بہنیں جاسوسی کی جرأت کیسے کر سکتی ہیں۔ ہمیں اِن سات لڑکیوں کا کچھ پتہ نہیں۔ معلوم نہیں وہ کون ہوں گی، ہم تو اپنی بہنوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

"ہمارے پاس اور کوئی لڑکی نہیں" شدّاد نے بتایا۔" یہی سات لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک لاپتہ ہو گئی تھی اور باقی چھ کو پرسوں صبح یہاں سے روانہ کر دیا گیا ہے۔ اگر انہیں دیکھنا چاہتے ہو تو قاہرہ چلے جاؤ۔ ہمارا سلطان رحمدل انسان ہے تمہیں لڑکیاں دکھا دے گا"

"نہیں" ایک نے کہا "ہماری بہنیں جاسوس نہیں۔ وہ سات کوئی اور ہوں گی۔ ہماری بہنیں سمندر میں ڈوب گئی ہوں گی یا ہمارے ہی فوجیوں نے انہیں اپنے پاس رکھا ہُوا ہوگا"

بہاؤالدین شدّاد نیک خصلت انسان تھا۔ اُس نے ان دیہاتیوں کی مظلومیت سے متاثر ہو کر اُن کی خاطر تواضع کی اور انہیں عزت سے رخصت کیا۔ اگر وہاں علی بن سفیان ہوتا تو ان تینوں کو اتنی آسانی سے نہ جانے دیتا۔ اس کی سراغرساں نظریں بھانپ لیتیں کہ یہ تینوں جھوٹ بول رہے ہیں۔۔۔۔ تینوں چلے گئے۔ کسی نے بھی نہ دیکھا کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ وہ چلتے ہی چلے گئے اور شام تک چلتے ہی رہے۔ کیمپ سے دُور جہاں کوئی خطرہ نہ تھا وہ چٹانوں کے اندر چلے گئے۔ وہاں ان جیسے اٹھارہ آدمی بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان تینوں میں جو ادھیڑ عمر تھا، وہ میگناناماریوس تھا۔ یہ صلیبیوں کی وہ کمانڈو پارٹی تھی جسے لڑکیوں کو آزاد کرانے اور اگر ممکن ہو سکے تو سلطان ایوبی کو قتل کرنے کا مشن دیا گیا تھا۔ ان تینوں نے کیمپ سے کچھ اور ضروری معلومات بھی حاصل کر لی تھیں۔ یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ صلاح الدّین ایوبی یہاں نہیں قاہرہ میں ہے۔ شدّاد کے ساتھ باتیں کرتے جہاں انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ لڑکیاں قاہرہ کو روانہ کر دی گئی ہیں، وہاں انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ ان کے ساتھ پانچ مرد قیدی بھی ہیں۔

یہ پارٹی ایک بڑی کشتی میں آئی تھی۔ انہوں نے کشتی ساحل پر ایک ایسی جگہ باندھ دی تھی جہاں سمندر چٹان کو کاٹ کر اندر تک گیا ہُوا تھا۔ ان لوگوں کو اب قاہرہ کے لیے روانہ ہونا تھا مگر سواری نہیں تھی۔ یہ تین آدمی جو کیمپ میں گئے تھے، یہ بھی دیکھ آئے تھے کہ اس فوج کے گھوڑے اور اونٹ کہاں بندھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ کیمپ سے جانور چوری کرنا آسان نہیں۔ اکیس گھوڑے یا

اونٹ چوری نہیں کیے جا سکتے تھے۔ ابھی سورج طلوع ہونے میں بہت دیر تھی۔ وہ پیدل ہی چل پڑے۔ اگر انہیں سواری مل جاتی تو وہ قیدیوں کو راستے میں ہی چھڑانے کی کوشش کرتے۔ اب وہ یہ سوچ کر پیدل چلے کہ قاہرہ میں جا کر قیدیوں کو چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ سب جانتے تھے کہ یہ زندگی اور موت کی مہم ہے۔ صلیبی فوج کے سربراہوں اور شاہوں نے انہیں کامیابی کی صورت میں جو انعام دینے کا وعدہ کیا تھا وہ اتنا زیادہ تھا کہ کوئی کام کیے بغیر اپنے کنبوں سمیت ساری عمر آرام اور بے فکری کی زندگی بسر کر سکتے تھے۔

میگنا ماریوس کو جیل خانے سے لایا گیا تھا۔ اُسے ڈاکہ زنی کے جرم میں تیس سال سزائے قید دی گئی تھی۔ اس کے ساتھ دو اور قیدی تھے جن میں ایک کی سزا چوبیس سال اور دوسرے کی ستائیس سال تھی۔ اُس زمانے میں قید خانے عقاب خانے ہوتے تھے۔ مجرم کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بڑی ظالمانہ مشقت لی جاتی اور مویشیوں کی طرح کھانے کو بیکار خوراک دی جاتی تھی۔ قیدی رات کو بھی آرام نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی قید سے موت بہتر تھی۔ ان تینوں کو انعام کے علاوہ سزا معاف کرنے کا وعدہ دیا گیا تھا۔ صلیب پر حلف لے کر انہیں اس پارٹی میں شامل کیا گیا تھا۔ جس پادری نے اُن سے حلف لیا تھا اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ جتنے مسلمانوں کو قتل کریں گے، اس سے دس گنا ان کے گناہ بخشے جائیں گے اور اگر انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو قتل کیا تو اُن کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اگلے جہان خدائے یسوع مسیح انہیں جنت میں جگہ دیں گے۔

یہ معلوم نہیں کہ یہ تینوں قید خانے کے جہنم سے آزاد ہونے کے لیے موت کی اس مہم میں شامل ہوئے تھے یا اگلے جہان جنت میں داخل ہونے کے لیے یا انعام کا لالچ انہیں لے آیا تھا یا وہ نفرت جو اُن کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف ڈالی گئی تھی۔ بہرحال وہ عزم کے پختہ معلوم ہوتے تھے اور اُن کا جوش و خروش بتا رہا تھا کہ وہ کچھ کر کے ہی مصر سے نکلیں گے یا جانیں قربان کر دیں گے۔ باقی اٹھارہ فوج کے منتخب آدمی تھے۔ انہوں نے جلتے ہوئے جہازوں سے جانیں بچائی تھیں اور بڑی مشکل سے واپس گئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے اس ذلت آمیز شکست کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ انعام کا لالچ تو تھا ہی۔ یہی جذبہ تھا جس کے جوش سے وہ اَن دیکھی منزل کی سمت پیدل ہی چل پڑے۔

دوپہر کے وقت ایک گھوڑ سوار صلاح الدین ایوبی کے ہیڈ کوارٹر کے سامنے جا رکا۔ گھوڑے کا پسینہ پھوٹ رہا تھا اور سوار کے منہ سے تھکن کے مارے بات نہیں نکل رہی تھی۔ وہ گھوڑے سے اترا تو گھوڑے کا سارا جسم بڑی زور سے کانپا۔ گھوڑا گر پڑا اور مر گیا۔ سوار نے اسے آرام دیئے بغیر اور پانی پلائے بغیر ساری رات اور آدھا دن مسلسل دوڑایا تھا۔ سلطان ایوبی کے محافظوں نے سوار کو گھیرے میں لے لیا۔ اُسے پانی پلایا اور جب وہ بات کرنے کے قابل ہُوا تو اس نے کہا کہ کسی سالار یا کمانڈر سے ملا دو ـــــ سلطان ایوبی خود ہی باہر آ گیا تھا۔ سوار اُسے دیکھ کر اٹھا اور سلام کر کے کہا "سلطان کا اقبال بلند ہو۔ بُری خبر لایا ہوں" ـــــ سلطان ایوبی اسے اندر لے گیا اور کہا "خبر جلدی سناؤ"

"قیدی لڑکیاں بھاگ گئی ہیں۔ ہمارا پورا دستہ مارا گیا ہے"۔ اس نے کہا ـــ "مرد قیدیوں کو ہم نے جان سے مار دیا ہے۔ میں اکیلا بچ کے نکلا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ حملہ آور کون تھے۔ ہم مشعلوں کی روشنی میں اور وہ اندھیرے میں۔ اندھیرے سے نبرآئے اور میرے تمام ساتھی ختم ہو گئے"

یہ قیدیوں کے محافظوں کے دستے کا وہ آدمی تھا جو اندھیرے میں غائب ہو گیا تھا اور سوڈانیوں کا گھوڑا کھول کر بھاگ آیا تھا۔ اس نے گھوڑے کو بلا رو کے سرپٹ دوڑایا تھا اور اتنا طویل سفر آدھے سے بھی تھوڑے وقت میں طے کر لیا تھا۔

سلطان صلاح الدین نے علی بن سفیان اور فوج کے ایک نائب سالار کو بلا لیا۔ وہ آئے تو اس آدمی سے کہا کہ وہ اب ساری بات سنائے۔ اُس نے کیمپ سے روانگی کے وقت سے بات شروع کی اور اپنے کمانڈر کے متعلق بتایا کہ وہ ایک قیدی لڑکی کے ساتھ دل بہلاتا رہا اور قیدیوں سے لاپروا ہو گیا۔ پھر راستے میں جو کچھ ہوتا رہا اور آخر میں جو کچھ ہُوا اس نے سنا دیا، مگر وہ یہ نہ بتا سکا کہ حملہ آور کون تھے۔

سلطان ایوبی نے علی بن سفیان اور نائب سالار سے کہا "اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیبی چھاپہ مار مصر کے اندر موجود ہیں"

"ہو سکتا ہے"۔ علی بن سفیان نے کہا ـــ "یہ صحرائی ڈاکو بھی ہو سکتے ہیں۔ اتنی خوبصورت چھ لڑکیاں ڈاکوؤں کے لیے بہت بڑی کشش تھی"

"تم نے اس کی بات غور سے نہیں سنی" سلطان ایوبی نے کہا۔" اس نے کہا ہے کہ مرد قیدی لاشوں کے ہتھیار اٹھا لائے تھے اور محافظوں کو قتل کرنے لگے تھے۔ محافظوں میں سے دو نے انہیں تیروں سے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد اُن پر حملہ ہُوا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ صلیبی چھاپہ مار اُن کے تعاقب میں تھے"۔

"وہ کوئی بھی تھے سلطان محترم!" نائب سالار نے کہا۔" فوری طور پر کرنے والا کام یہ ہے کہ اس عسکری کو راہنمائی کے لیے ساتھ بھیجا جائے اور کم از کم بیس گھوڑسوار جو تیز رفتار ہوں تعاقب کے لیے بھیجے جائیں۔ یہ بعد کی بات ہے کہ وہ کون تھے"۔

"میں اپنے ایک نائب کو ساتھ بھیجوں گا"۔ علی بن سفیان نے کہا۔

"اس عسکری کو کھانا کھلاؤ"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔" اسے تھوڑی دیر آرام کر لینے دو۔ اتنی دیر میں بیس سوار تیار کرو اور تعاقب میں روانہ کر دو۔ اگر ضرورت سمجھو تو زیادہ سوار بھیج دو"۔

"میں نے جہاں سے گھوڑا کھولا تھا وہاں آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے"۔ محافظ نے کہا۔" وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ حملہ آور وہی ہو سکتے ہیں۔ اگر گھوڑے آٹھ تھے تو وہ بھی آٹھ ہی ہوں گے"۔

"چھاپہ ماروں کی تعداد زیادہ نہیں ہو سکتی"۔ نائب سالار نے کہا۔" ہم انشاء اللہ انہیں پکڑ لیں گے"۔

"یہ یاد رکھو کہ وہ چھاپہ مار ہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔" اور لڑکیاں جاسوس ہیں۔ اگر تم ایک جاسوس یا چھاپہ مار کو پکڑ لو تو سمجھ لو کہ تم نے دشمن کے دو سو عسکری پکڑ لیے ہیں۔ میں ایک جاسوس کو ہلاک کرنے کے لیے دشمن کے دو سو عسکریوں کو چھوڑ سکتا ہوں۔ ایک عورت کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی مگر ایک جاسوس اور تخریب کار عورت اکیلی پورے ملک کا بیڑہ غرق کر سکتی ہے۔ یہ لڑکیاں بے حد خطرناک ہیں۔ اگر وہ مصر کے اندر رہ گئیں تو تمہارا پورے کا پورا لشکر بیکار ہو جائے گا۔ ایک جاسوس یا جاسوسہ کو پکڑنے یا جان سے مارنے کے لیے اپنے ایک سو سپاہی قربان کر دو۔ یہ سودا پھر بھی سستا ہے۔ چھاپہ مار اگر نہ پکڑے جائیں تو مجھے پروا نہیں ان لڑکیوں کو ہر قیمت پر پکڑنا ہے۔ ضرورت سمجھو تو تیروں سے انہیں ہلاک کر دو۔ زندہ نکل کر نہ جائیں"۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر بیس تیز رفتار سوار روانہ کر دیئے گئے۔ ان کا راہنما یہ

محافظ تھا اور کمانڈر علی بن سفیان کا ایک نائب زاہدین تھا۔ ان سواروں میں فخرالمصری کو علی بن سفیان نے خاص طور پر شامل کیا تھا۔ یہ فخر کی خواہش تھی کہ اسے بالیان اور موبی کے تعاقب کے لیے بھیجا جائے۔ یہ تو نہ علی بن سفیان کو علم تھا نہ فخرالمصری کو کہ جن کے تعاقب میں سوار جا رہے ہیں وہ بالیان، موبی اور ان کے چھ وفادار ساتھی ہیں۔

ادھر سے یہ بیس سوار روانہ ہوئے جن میں اکیسواں ان کا کمانڈر تھا۔ ان کا ہدف لڑکیاں تھیں اور انہیں چھڑا کر لے جانے والے۔ اُدھر سے صلیبیوں کے بیس کمانڈو آرہے تھے جن میں اکیسواں اُن کا کمانڈر تھا۔ ان کا بھی ہدف یہی لڑکیاں تھیں، مگر ان کی کمزوری یہ تھی کہ وہ پیدل آرہے تھے۔ دونوں پارٹیوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ جن کے تعاقب میں وہ جارہے ہیں، وہ کہاں ہیں۔

☆

صلیبیوں کی کمانڈو پارٹی اگلے روز سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے خاصا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ راستہ اوپر چڑھ رہا تھا۔ وہ علاقہ نشیب و فراز کا تھا۔ یہ لوگ بلندی پر گئے تو انہیں دور ایک میدان میں جہاں کھجور کے بہت سے درختوں کے ساتھ دوسری قسم کے درخت بھی تھے، بے شمار اونٹ کھڑے نظر آئے۔ انہیں بٹھا بٹھا کر اُن سے سامان اتارا جارہا تھا۔ بارہ چودہ گھوڑے بھی تھے۔ ان کے سوار فوجی معلوم ہوتے تھے، باقی تمام شتربان تھے۔ یہ اکیس صلیبی رک گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے انہیں یقین نہ آرہا ہو کہ وہ اونٹ اور گھوڑے ہیں۔ یہی ان کی ضرورت تھی۔ اُن کے کمانڈر نے پارٹی کو روک لیا اور کہا — "ہم سچے دل سے صلیب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھا کر آئے ہیں۔ وہ دیکھو صلیب کا کرشمہ — یہ معجزہ ہے۔ خدا نے آسمان سے تمہارے لیے سواری بھیجی ہے۔ تم میں سے جس کے دل میں کسی بھی گناہ کا یا فرض سے کوتاہی کا، جان بچا کر بھاگنے کا خیال ہے وہ فوراً نکال دو۔ خدا کا بیٹا جو مظلوموں کا دوست اور ظالموں کا دشمن ہے تمہاری مدد کے لیے آسمان سے اُتر آیا ہے۔"

سب کے چہروں پر تھکن کے جو آثار تھے وہ غائب ہوگئے اور چہروں پر رونق آگئی۔ انہوں نے ابھی اس پہلو پر غور ہی نہیں کیا تھا کہ اتنے بے شمار اونٹوں اور گھوڑوں میں سے جن کے ساتھ اتنے زیادہ شتربان اور فوجی ہیں وہ اپنی ضرورت

کے مطابق جاؤ کس طرح حاصل کریں گے۔

یہ ایک سو کے لگ بھگ اونٹوں کا قافلہ تھا جو محاذ پر فوج کے لیے راشن لے جا رہا تھا۔ چونکہ ملک کے اندر دشمن کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے قافلے کی حفاظت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ صرف دس گھوڑ سوار ساتھ بھیج دیئے گئے تھے۔

مگر بالیان بے فکرے بادشاہوں کی طرح قہقہہ لگا کر اس کی بات سنی ان سنی کر دیتا تھا۔ لڑکیوں کو جس رات آزاد کرایا گیا تھا اس سے اگلی رات وہ ایک جگہ رُکے ہوئے تھے۔ بالیان نے موبی سے کہا کہ ہم سات مرد ہیں اور تم سات لڑکیاں ہو۔ میرے ان چھ دوستوں نے میرا ساتھ بڑی دیانت داری سے دیا ہے۔ میں اُن کی موجودگی میں تمہارے ساتھ رنگ رلیاں مناتا رہا پھر بھی وہ نہیں بولے۔ اب میں انہیں انعام دینا چاہتا ہوں۔ تم ایک ایک لڑکی میرے ایک ایک دوست کے حوالے کر دو اور انہیں کہو کہ یہ تمہاری وفاداری کا تحفہ ہے۔

"یہ نہیں ہو سکتا" موبی نے غصے سے کہا ——— "ہم فاحشہ نہیں ہیں۔ میری مجبوری تھی کہ میں تمہارے ہاتھ میں کھلونا بنی رہی۔ یہ لڑکیاں تمہاری خریدی ہوئی لونڈیاں نہیں ہیں"

"میں نے تمہیں کسی وقت بھی شریف لڑکی نہیں سمجھا" بالیان نے شاہانہ جلال سے کہا ——— "تم سب ہمارے لیے اپنے جسموں کا تحفہ لائی ہو۔ یہ لڑکیاں معلوم نہیں کتنے مردوں کے ساتھ کھیل چکی ہیں۔ ان میں ایک بھی مریم نہیں"

"ہم اپنا فرض پورا کرنے کے لیے جسموں کا تحفہ دیتی ہیں" موبی نے کہا ——— "ہم عیاشی کے لیے مردوں کے پاس نہیں جاتیں۔ ہمیں ہماری قوم اور ہمارے مذہب نے ایک فرض سونپا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیے ہم اپنا جسم، اپنا حسن اور اپنی عصمت کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ ہمارا فرض پورا ہو چکا ہے۔ اب تم جو کچھ کہہ رہے ہو، یہ عیاشی ہے جو ہمیں منظور نہیں۔ جس روز ہم عیاشی میں اُلجھ گئیں اس روز سے صلیب کا زوال شروع ہو جائے گا۔ صلیب ٹوٹ جائے گی۔ ہم اپنی عصمت کے شیشے کو توڑ دیتی ہیں تاکہ صلیب نہ ٹوٹے۔ ہمیں ٹریننگ دی گئی ہے کہ ایک مسلمان سربراہ کو تباہ کرنے کے لیے دس مسلمانوں کے ساتھ راتیں بسر کرنا جائز ہے اور کارِ ثواب ہے۔ مسلمانوں کے ایک مذہبی پیشوا کو اپنے جسم سے ناپاک کرنے کو ہم ایک عظیم کارِ خیر سمجھتی ہیں"

شتربان نہتے تھے۔ ابھی چھاپہ مار اور شبخون مارنے والے میدان میں نہیں آئے تھے۔ صلیبیوں کے یہ اکیس آدمی پہلے چھاپہ مار تھے یا اس سے پہلے صلاح الدین ایوبی نے شبخون کا وہ طریقہ آزمایا تھا جس میں تھوڑے سے سواروں نے سوڈانیوں کی فوج کے عقبی حصے پر حملہ کیا اور غائب ہوگئے تھے۔

اس " وار کرو اور بھاگو " کے طریقۂ جنگ کی کامیابی کو دیکھتے ہوئے سلطان ایوبی نے تیز رفتار، ذہین اور جسمانی لحاظ سے غیر معمولی طور پر صحت مند عسکریوں کے دستے تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا اور دشمن کے ملک میں لڑاکا جاسوس بھیجنے کی سکیم بھی تیار کرلی تھی۔ لیکن صلیبیوں کو ابھی شبخون اور چھاپوں کی نہیں سوجھی تھی۔ کسی نجی قافلے کو ڈاکو بعض اوقات لوٹ لیا کرتے تھے، سرکاری قافلے ہمیشہ محفوظ رہتے تھے۔ اسی لیے فوجوں کے رسد کے قافلے بے خوف و خطر رواں دواں رہتے تھے۔ اس سے پہلے بھی اسی محاذ کے لیے دوبارہ رسد کے قافلے جا چکے تھے اور اسی علاقے سے گزرے تھے۔ لہٰذا حفاظتی اقدامات کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

یہ قافلہ بھی خطروں سے بے پروا محاذ کو جا رہا تھا اور رات کے لیے یہاں پڑاؤ کر رہا تھا۔ اس سے تھوڑی ہی دور قافلے کے لیے بہت بڑا خطرہ آ رہا تھا۔ صلیبی کمانڈر نے اپنی پارٹی کو ایک نشیب میں بٹھا لیا اور دو آدمیوں سے کہا کہ وہ جا کر یہ دیکھیں کہ قافلے میں کتنے اونٹ، کتنے گھوڑے، کتنے مسلح آدمی اور خطرے کیا کیا ہیں۔ پھر وہ رات کو حملہ کرنے کی سکیم بنانے لگا۔ اُن کے پاس ہتھیاروں کی کمی نہیں تھی۔ جذبے کی بھی کمی نہیں تھی۔ ہر ایک آدمی جان پر کھیلنے کو تیار تھا۔

نصف شب سے بہت پہلے وہ دو آدمی واپس آئے جو قافلے کو قریب سے دیکھنے گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ قافلے کے ساتھ دس مسلح سوار ہیں جو ایک ہی جگہ سوئے ہوئے ہیں۔ گھوڑے الگ بندھے ہیں۔ شتربان ٹولیوں میں بٹ کر سوئے ہوئے ہیں۔ سامان میں زیادہ تر بوریاں ہیں۔ شتربانوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔

یہ بڑی اچھی معلومات تھیں۔ کام مشکل نہیں تھا۔

قافلے والے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ دس عسکریوں کی آنکھ بھی نہ کھلی کہ تلواروں اور خنجروں نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔ صلیبی چھاپہ ماروں نے یہ کام اتنی خاموشی اور آسانی سے کر لیا کہ بیشتر شتربانوں کی آنکھ ہی نہ کھلی اور جن کی آنکھ کھلی وہ سمجھ ہی نہ پائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جس کے منہ سے آواز نکلی وہ اس کی زندگی کی

آخری آواز ثابت ہوئی۔ چھاپہ ماروں نے شتربانوں کو ہراساں کرنے کے لیے چیخنا شروع کر دیا۔ سوئے ہوئے شتربان گھبرا اور ہڑبڑا کر اٹھے۔ اونٹ بھی بدک کر اٹھنے لگے۔ صلیبیوں نے شتربانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ بہت تھوڑے بھاگ سکے۔ صلیبی کمانڈر نے چلّا کر کہا ـــ" یہ مسلمانوں کا راشن ہے، تباہ کر دو۔ اونٹوں کو بھی ہلاک کر دو"۔ انہوں نے اونٹوں کے پیٹوں میں تلواریں گھونپنی شروع کر دیں۔ اونٹوں کے واویلے سے رات کانپنے لگی۔ کمانڈر نے گھوڑے دیکھے۔ بارہ تھے۔ بی سواروں کے لیے اور دو فالتو۔ اُس نے نو اونٹ الگ کر لیے۔

سورج طلوع ہُوا تو پڑاؤ کا منظر بڑا بھیانک تھا۔ بے شمار لاشیں بکھری ہوئی تھیں بہت سے اونٹ مر چکے تھے۔ کئی تڑپ رہے تھے۔ کچھ اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔ ہر طرف خون ہی خون تھا۔ جدھر نگاہ جاتی تھی اونٹ مرے ہوئے یا تڑپتے نظر آتے تھے۔ راشن کی بوریاں پھٹی ہوئی تھیں۔ آٹا اور کھانے کا دیگر سامان خون میں بکھرا ہُوا تھا۔ بارہ کے بارہ گھوڑے غائب تھے اور وہاں کوئی زندہ انسان موجود نہیں تھا۔ چھاپہ مار دُور نکل گئے تھے۔ ان کی سواری کی ضرورت پوری ہو گئی تھی۔ اب وہ تیز رفتاری سے اپنے شکار کو ڈھونڈ سکتے تھے۔

☆

شکار دُور نہیں تھا۔ بالیان کا دماغ پہلے ہی موبی کے حسن و جوانی اور شراب نے ماؤف کر رکھا تھا، اب اُس کے پاس سات حسین اور جوان لڑکیاں تھیں۔ وہ خطروں کو بھول ہی گیا تھا۔ موبی اُسے بار بار کہتی تھی کہ اتنا زیادہ [illegible]یں رُکنا ٹھیک نہیں، جتنی جلدی ہو سکے سمندر تک پہنچنے کی کوشش کرو، ہمارا تعاقب [illegible]ہا ہو گا

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ تم صلیب کی بقا کے لیے مجھے استعمال کر رہی ہو"۔ بالیان کے احساسات آہستہ آہستہ جاگنے لگے "کیا تم مجھے صلیب کا محافظ بنانا چاہتی ہو؟"

"کیا تم ابھی تک شک میں ہو؟" موبی نے کہا ـــ "تم نے صلیب کے ساتھ کیوں دوستی کی ہے؟"

"صلاح الدین ایوّبی کی حکمرانی سے آزاد ہونے کے لیے" بالیان نے کہا ـــ "صلیب کی حفاظت کے لیے نہیں۔ میں مسلمان ہوں لیکن اس سے پہلے میں سوڈانی ہوں"۔

"میں سب سے پہلے صلیبی ہوں" موبی نے کہا ۔ "عیسائی ہوں اور اس کے بعد اُس ملک کی بیٹی ہوں جہاں میں پیدا ہوئی تھی" موبی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ۔ "اسلام کوئی مذہب نہیں۔ اسی لیے تم اپنے ملک کو اس پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہ تمہاری نہیں تمہارے مذہب کی کمزوری ہے۔ تم میرے ساتھ سمندر پار چلو تو میں تمہیں اپنا مذہب دکھاؤں گی۔ تم اپنے مذہب کو بھول جاؤ گے"

"میں اس مذہب پر لعنت بھیجوں گا جو اپنی بیٹیوں کو غیر مردوں کے ساتھ راتیں بسر کرنے اور شراب پینے پلانے کو ثواب کا کام سمجھتا ہے" بالیان اچانک بیدار ہو گیا۔ اس نے کہا ۔ "تم نے اپنی عصمت مجھ سے نہیں لٹائی بلکہ میری عصمت لوٹی ہے۔ میں نے تمہیں نہیں بلکہ تم نے مجھے کھلونا بنائے رکھا ہے"

"ایک مسلمان کا ایمان خریدنے کے لیے عصمت کوئی زیادہ قیمت نہیں" لڑکی نے کہا ۔ "میں نے تمہاری عصمت نہیں لوٹی، تمہارا ایمان خریدا ہے مگر تمہیں راستے میں بھٹکتا ہوا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ تمہیں ایک عظیم روشنی کی طرف لے جا رہی ہوں جہاں تمہیں اپنا مستقبل اور اپنی عاقبت ہیروں کی طرح چمکتی نظر آئے گی"

"میں اس روشنی میں نہیں جاؤں گا" بالیان نے کہا۔

"دیکھو بالیان!" موبی نے کہا ۔ "مرد، جنگجو مرد وعدے اور سودے سے پھرا نہیں کرتے۔ تم میرا سودا قبول کر چکے ہو۔ میں نے تمہارا ایمان خرید کر شراب میں ڈبو دیا ہے اور تمہیں منہ مانگی قیمت دی ہے۔ اتنے دنوں سے تمہاری لونڈی اور بے نکاحی بیوی بنی ہوئی ہوں۔ اس سودے سے پھرو نہیں۔ ایک کمزور لڑکی کو دھوکہ نہ دو"

"تم نے مجھے وہ عظیم روشنی یہیں دکھا دی ہے جو تم مجھے سمندر پار لے جا کر دکھانا چاہتی ہو" بالیان نے کہا ۔ "مجھے اپنا مستقبل اور اپنی عاقبت ہیروں کی طرح چمکتی نظر آنے لگی ہے"..... موبی نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو بالیان گرج کر بولا "خاموش رہو لڑکی! صلاح الدین ایوبی میرا دشمن ہو سکتا ہے لیکن میں اس رسولؐ کا دشمن نہیں ہو سکتا جس کا صلاح الدین ایوبی بھی نام لیوا ہے۔ میں اس رسولؐ کے نام پر مصر اور سوڈان قربان کر سکتا ہوں۔ اس کے عظیم اور مقدس نام پر میں صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال سکتا ہوں"

"میں تم کو کئی بار کہہ چکی ہوں کہ شراب کم پیا کرو" موبی نے کہا۔ "ایک شراب دوسرے رات بھر جاگنا اور میرے جسم کے ساتھ کھیلتے رہنا۔ دیکھو تمہارا دماغ بالکل بیکار ہوگیا ہے۔ تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ میں تمہاری بیوی ہوں"

"میں کسی فاحشہ صلیبی کا خاوند نہیں ہو سکتا" اس کی نظر شراب کی بوتل پر پڑی اس نے بوتل اٹھا کر پرے پھینک دی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے دوستوں کو بلایا۔ وہ دوڑتے آئے۔ اُس نے کہا۔ "یہ لڑکیاں اور یہ لڑکی بھی تمہاری قیدی ہیں۔ انہیں واپس قاہرہ لے چلو"

"قاہرہ؟" ایک نے حیران ہو کے کہا۔ "آپ قاہرہ جانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔ "قاہرہ! حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس ریگزار میں کب تک بھٹکتے رہو گے؟ کہاں جاؤ گے؟ چلو۔ گھوڑوں پر زینیں کسو اور ہر لڑکی کو ایک ایک گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ کر لے چلو"

☆

صحرا میں اونٹ کا سفر بے آواز ہوتا ہے۔ گھوڑوں کے ٹاپوؤں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن اونٹ کے پاؤں خدا نے ایسے بنائے ہیں کہ ہلکی سی آواز بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بالیان جس وقت موبی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا اسے محسوس تک نہ ہوا کہ ایک اونٹ ایک چھوٹے سے ریتلے ٹیلے کی اوٹ میں کھڑا ان دونوں کو اور چھ لڑکیوں کو اور چھ آدمیوں کو دیکھ رہا ہے۔ وہ صلیبی کمانڈو پارٹی کا ایک آدمی تھا۔ اس پارٹی کا کمانڈر عقل مند آدمی تھا۔ بالیان کے ڈیرے سے تقریباً نصف میل دور اس نے پڑاؤ کیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا شکار اس سے نصف میل دور ہے۔ اس نے فوجی دانشمندی سے کام لیتے ہوئے رات کو تین آدمیوں کو یہ ڈیوٹی دی تھی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر دُور دُور تک گھوم آئیں اور جہاں انہیں کوئی خطرہ یا کام کی کوئی چیز نظر آئے آکر اطلاع دیں۔ اس کام کے لیے اونٹ ہی موزوں سواری تھی کیونکہ اس کے پاؤں کی آواز نہیں ہوتی۔ تینوں سوار مختلف سمتوں کو چلے گئے تھے۔ یہ سارا علاقہ ایسا تھا کہ پڑاؤ کے لیے نہایت اچھا تھا، اس لیے کمانڈر نے سوچا تھا کہ یہاں کسی اور نے بھی ڈیرے ڈال رکھے ہوں گے۔

ایک شتر سوار کو روشنی سی نظر آئی تو وہ اس طرف چل پڑا۔ یہ ایک چھوٹی

مشعل تھی جو بالیان کے عارضی کیمپ میں جل رہی تھی۔ شتر سوار آگے گیا تو ایک ٹیلے کے پیچھے ہو گیا۔ یہ اتنا ہی اونچا تھا کہ اونٹ پر سوار ہو کر آگے دیکھا جا سکتا تھا۔ اونٹ اور سوار اس کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ اسے ہلکی ہلکی روشنی میں لڑکیاں نظر آئیں جو بالیان کے فوجی دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگا رہی تھیں۔ اُن سے کچھ دُور ایک اور لڑکی ایک آدمی کے ساتھ باتیں کرتی نظر آئی۔ ذرا پرے بہت سے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں وہ گھوڑے بھی تھے جو ان لوگوں نے تبدیلوں کے محافظوں کو قتل کر کے حاصل کیے تھے۔

صلیبی شتر سوار نے اونٹ کو موڑا۔ کچھ دُور تک آہستہ آہستہ چلا اور پھر اونٹ دوڑا دیا۔ اونٹ کے لیے نصف میل کا فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا۔ سوار نے اپنی پارٹی کو خوشخبری سنائی کہ شکار ہمارے قدموں میں ہے۔ کمانڈر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ شتر سوار سے ہدف کی تفصیل پوچھی اور پارٹی کو پیدل چلا دیا۔ گھوڑوں کے قدموں کی آواز سے شکار کے چوکنا ہو جانے کا خطرہ تھا..... جس وقت یہ پارٹی بالیان کے ڈیرے تک پہنچی، بالیان حکم دے چکا تھا کہ ایک ایک لڑکی کو گھوڑے کی پیٹھ پر باندھ دو۔ اس کے دوست حیرت زدہ ہو کر بالیان کو دیکھ رہے تھے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس کے ساتھ بحث شروع کر دی اور وقت ضائع ہوتا رہا۔ بالیان نے انہیں بڑی مشکل سے قائل کیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ہوش ٹھکانے رکھ کر کہہ رہا ہے اور قاہرہ چلے جانے میں ہی سلامت اور عافیت ہے۔

لڑکیاں پریشانی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ بالیان کے آدمیوں نے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور لڑکیوں کو پکڑ لیا۔ اچانک اُن پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بالیان نے بلند آواز سے بار بار کہا —— "ہم ہتھیار ڈالنا چاہتے ہیں۔ لڑکیوں کو قاہرہ لے جا رہے ہیں" —— وہ حملہ آوروں کو سلطان ایوبی کے فوجی سمجھ رہا تھا لیکن ایک خنجر نے اس کے دل میں اُتر کر اُسے خاموش کر دیا۔ اس کے دوست اتنے زیادہ آدمیوں کے ایسے اچانک حملے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ سنبھلنے سے پہلے ہی ختم ہو گئے۔ صلیبیوں کا چھاپہ کامیاب تھا۔ لڑکیاں آزاد ہو چکی تھیں۔ چھاپہ مار انہیں فوراً اپنی جگہ لے گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو پہچان لیا۔ وہ بھی ان کی پارٹی کا جاسوس تھا۔ انہوں نے رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا اور پہرے کے لیے دو

سنتری کھڑے کر دیئے جو ڈیرے کے ارد گرد گھومنے لگے۔

☆

سلطان ایوبی کے بھیجے ہوئے سوار اس جگہ سے ابھی دُور تھے جہاں سے قیدی لڑکیاں بالیان کے آدمیوں نے رہا کرائی تھیں۔ رات کو بھی چلے جا رہے تھے۔ وہ تعاقب میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ راہنما اُن کے ساتھ تھا۔ وہ راستہ اور جگہ بھولا نہیں تھا۔ وہ انہیں اس جگہ لے گیا جہاں اُن پر حملہ ہُوا تھا ایک مشعل جلا کر دیکھا گیا۔ وہاں رابن اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں اور اُن کے محافظوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ یہ چیری پھاڑی اور کھائی ہوئی تھیں۔ اُس وقت بھی صحرائی لومڑیاں اور گیدڑ انہیں کھا رہے تھے۔ سواروں کو دیکھ کر یہ درندے بھاگ گئے۔ دن کے وقت انہیں گدھ کھاتے رہے تھے۔ محافظ اپنے کمانڈر کو اُس جگہ لے گیا جہاں سے اس نے گھوڑا کھولا تھا۔ وہاں سے مشعل کی روشنی میں زمین دیکھی گئی۔ گھوڑوں کے قدموں کے نشان نظر آ رہے تھے اور سمت کی نشان دہی کر رہے تھے جدھر یہ گئے تھے مگر رات کے وقت ان نشانوں کو دیکھ دیکھ کر چلنا بہت مشکل تھا۔ وقت ضائع ہونے کا اور بھٹک جانے کا ڈر تھا۔ رات کو وہیں قیام کیا گیا۔

صلیبی پارٹی کے کیمپ میں سب جاگ رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھے۔ کمانڈر نے فیصلہ کیا تھا کہ سحر کی تاریکی میں بحیرۂ روم کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ اس وقت میگنا ماریوس نے کہا کہ مقصد ابھی پورا نہیں ہُوا۔ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنا باقی ہے۔ کمانڈر نے کہا کہ یہ اُس صورت میں ممکن تھا کہ وہ لڑکیوں کے پیچھے قاہرہ چلے جاتے۔ اب وہ قاہرہ سے بہت دور ہیں اس لیے قتل کی مہم ختم کی جاتی ہے۔

"یہ میری مہم ہے جسے موت کے سوا کوئی ختم نہیں کر سکتا۔" میگنا ماریوس نے کہا۔ "میں نے صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کا حلف اٹھایا تھا۔ مجھے ایک ساتھی اور ایک لڑکی کی ضرورت ہے۔"

"یہ فیصلہ مجھے کرنا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "سب پر فرض ہے کہ میرا حکم مانیں۔"

"میں کسی کے حکم کا پابند نہیں۔" میگنا ماریوس نے کہا۔ "تم سب خدا کے حکم کے

پابند ہو"

کمانڈر نے اُسے ڈانٹ دیا۔ میگنا ماریوس کے پاس تلوار تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور کمانڈر پر تلوار سونت لی۔ اُن کے ساتھی درمیان میں آ گئے۔ میگنا ماریوس نے کہا ۔" میں خدا کا دھتکارا ہُوا انسان ہوں۔ میں گناہ اور بے انصافی کے درمیان بھٹک رہا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو مجھے تیس سالوں کے لیے قید خانے میں کیوں کیا گیا تھا؟ پانچ سال گزرے میری ایک بہن جس کی عمر سولہ سال تھی اغوا کرلی گئی تھی۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میرا باپ مرچکا ہے۔ ماں اندھی ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ محنت مشقت کر کے میں ان سب کا پیٹ پالتا تھا۔ میں نے گرجے میں صلیب پر لٹکے ہوئے یسوع مسیح کے بُت سے بہت دفعہ پوچھا تھا کہ میں غریب کیوں ہوں؟ میں نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ میں دیانتداری سے اتنی محنت کرتا ہوں مگر میرے کنبے کے پیٹ پھر بھی خالی رہتے ہیں۔ میری ماں کو خدا نے کیوں اندھا کیا ہے؟ یسوع مسیح نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور جب کنواری بہن اغوا ہوگئی تو میں نے گرجے میں جا کر کنواری مریم کی تصویر سے پوچھا تھا کہ میری کنواری بہن کے کنوارپنے پر تجھے ترس کیوں نہیں آیا؟ وہ معصوم تھی۔ اس پر خدا نے یہ ظلم کیا تھا کہ اسے خوبصورتی دے دی تھی۔ مجھے یسوع مسیح نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے کنواری مریم نے بھی کوئی جواب نہیں دیا....

"ایک روز مجھے ایک بہت ہی امیر آدمی کے نوکر نے بتایا کہ تمہاری بہن اس امیر آدمی کے گھر میں ہے۔ وہ عیاش آدمی ہے۔ کنواریوں کو اغوا کراتا ہے، تھوڑے دن اُن کے ساتھ کھیلتا ہے اور انہیں کہیں غائب کر دیتا ہے لیکن وہ آدمی بادشاہ کے دربار میں بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اسے رتبے کی تلوار دی ہے۔ گناہ گار ہوتے ہوئے خدا اس پر خوش ہے۔ دُنیا کا قانون اُس کے ہاتھ میں کھلونا ہے.... میں اس کے گھر گیا اور اپنی بہن واپس مانگی۔ اس نے مجھے دھکے دے کر اپنے محل سے نکال دیا۔ میں پھر گرجے میں گیا۔ یسوع مسیح کے بُت اور کنواری مریم کی تصویر کے آگے رویا۔ خدا کو پکارا۔ مجھے کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں گرجے میں اکیلا تھا۔ پادری آ گیا۔ اس نے مجھے ڈانٹ کر گرجے سے نکال دیا۔ کہنے لگا ـــ 'یہاں سے دو تصویریں چوری ہو چکی ہیں۔ نکل جاؤ ورنہ پولیس کے حوالے کر دوں گا'ـــ میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا ـــ

'کیا یہ خدا کا گھر نہیں ہے ؟' — اس نے جواب دیا — 'تم مجھ سے پوچھے بغیر خدا کے گھر میں کیسے آئے۔ اگر گناہوں کی معافی مانگنی ہے تو میرے پاس آؤ۔ اپنا گناہ بیان کرو۔ میں خدا سے کہوں گا کہ تمہیں بخش دے۔ تم خدا سے براہِ راست کوئی بات نہیں کر سکتے۔ جاؤ نکلو یہاں سے' — اور میرے دوستو! مجھے خدا کے گھر سے نکال دیا گیا۔"

وہ ایسے لہجے میں بول رہا تھا کہ سب پر سناٹا طاری ہو گیا۔ لڑکیوں کے آنسو نکل آئے۔ صحرا کی رات کے سکوت میں اس کی باتوں کا تاثر سب پر طلسم بن کر طاری ہو گیا۔

وہ کہہ رہا تھا — "میں پادری کو، یسوع مسیح کے بُت کو، کنواری مریم کی تصویر کو اور اُس خدا کو جو مجھے گرجے میں نظر نہیں آیا شک کی نظروں سے دیکھتا نکل آیا۔ گھر گیا تو اندھی ماں نے پوچھا ـ میری بچی آئی یا نہیں ؟' میری بیوی نے پوچھا۔ میرے بچّوں نے پوچھا۔ میں بھی بُت اور تصویر کی طرح چپ رہا مگر میرے اندر سے ایک طوفان اٹھا اور میں باہر نکل گیا۔ میں سارا دن گھومتا پھرتا رہا۔ شام کے وقت میں نے ایک خنجر خریدا اور دریا کے کنارے ٹہلتا رہا۔ رات اندھیری ہو گئی اور بہت دیر بعد میں ایک طرف چل پڑا۔ مجھے اس محل کی بتیاں نظر آئیں جہاں میری بہن قید تھی۔ میں بہت تیز چل پڑا اور اس محل کے پچھواڑے چلا گیا۔ میں اتنا چالاک اور ہوشیار آدمی نہیں تھا لیکن مجھ میں چالاکی آ گئی۔ میں پچھلے دروازے سے اندر چلا گیا۔ محل کے کسی کمرے میں شور شرابا تھا۔ شاید کچھ لوگ شراب پی رہے تھے۔ میں ایک کمرے میں داخل ہُوا تو ایک نوکر نے مجھے روکا۔ میں نے خنجر اس کے سینے پر رکھ دیا اور اپنی بہن کا نام بتا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ نوکر مجھے اندر کی سیڑھیوں سے اوپر لے گیا اور ایک کمرے میں داخل کر کے کہا کہ یہاں ہے۔ میں اندر گیا تو میرے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ کمرہ خالی تھا . . . . . .

"دروازہ کھلا اور بہت سے لوگ اندر آ گئے۔ اُن کے پاس تلواریں اور ڈنڈے تھے۔ میں نے کمرے کی چیزیں اٹھا کر اُن پر پھینکنی شروع کر دیں۔ بہت توڑ پھوڑ کی۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے مارا پیٹا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آیا تو میں ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا ہُوا تھا۔ میرے خلاف الزام

یہ تھے کہ میں نے ڈاکہ ڈالا، بادشاہ کے درباری کا گھر برباد کیا اور تین آدمیوں کو قتل کی نیت سے زخمی کیا۔ میری فریاد کسی نے نہ سُنی اور مجھے تیس سال سزائے قید دے کر قید خانے کے جہنم میں پھینک دیا۔ ابھی پانچ سال پورے ہوئے ہیں۔ میں انسان نہیں رہا۔ تم قید خانے کی سختیاں نہیں جانتے۔ دن کے وقت مویشیوں جیسا کام لیتے ہیں اور رات کو کتوں کی طرح زنجیر ڈال کر کوٹھڑیوں میں بند کر دیتے ہیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میری اندھی ماں زندہ ہے یا مر چکی ہے۔ بیوی، بچوں کا بھی کچھ پتہ نہ تھا۔ مجھے خطرناک ڈاکو سمجھ کر کسی سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا.....

"میں ہر وقت سوچتا رہتا تھا کہ خدا سچا ہے یا میں سچا ہوں۔ سنا تھا کہ خدا بے گناہوں کو سزا نہیں دیتا۔ مگر مجھے خدا نے کس گناہ کی سزا دی تھی؟ میرے بچوں کو کس گناہ کی سزا دی تھی؟..... میں پانچ سال اسی اُلجھن میں مبتلا رہا۔ کچھ دن گزرے فوج کے دو افسر قید خانے میں آئے۔ وہ اس کام کے لیے جس پر ہم آئے ہوئے ہیں آدمی تلاش کر رہے تھے۔ میں اپنے آپ کو پیش نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ یہ بادشاہوں کے لڑائی جھگڑے تھے۔ مجھے کسی بادشاہ کے ساتھ دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن میں نے جب سنا کہ چند ایک عیسائی لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کرانا ہے تو میرے دل میں اپنی بہن کا خیال آ گیا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان قابلِ نفرت قوم ہے۔ میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں عیسائی لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کراؤں گا تو خدا اگر سچا ہے تو میری بہن کو اُس ظالم عیسائی کے پنجے سے چھڑا دے گا۔ پھر فوجی افسروں نے کہا کہ ایک مسلمان بادشاہ کو قتل کرنا ہے تو میں نے اسے جزا کا کام سمجھا اور اپنے آپ کو پیش کر دیا مگر شرط یہ رکھی کہ مجھے اتنی رقم دی جائے جو میں اپنے کنبے کو دے سکوں۔ انہوں نے رقم دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر تم سمندر پار مارے گئے تو تمہارے کنبے کو اتنی زیادہ رقم دی جائے گی کہ ساری عمر کے لیے وہ کسی کے محتاج نہیں رہیں گے۔"

اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا — "یہ دو میرے ساتھ قید خانے میں تھے۔ انہوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ ہم سے سینکڑوں باتیں پوچھی گئیں۔ ہم تینوں نے انہیں یقین دلا دیا کہ ہم اپنی قوم اور اپنے مذہب کو

دھوکہ نہیں دیں گے۔ میں نے دراصل اپنے کنبے کے لیئے اپنی جان فروخت کر دی ہے۔ قید خانے سے نکالنے سے پہلے ایک پادری نے ہمیں بتایا کہ مسلمانوں کا قتل تمام گناہ بخشوا دیتا ہے اور عیسائی لڑکیوں کو مسلمانوں کی قید سے آزاد کراؤ گے تو سیدھے جنت میں جاؤ گے۔ میں نے پادری سے پوچھا کہ خدا کہاں ہے؟ اس نے جو جواب دیا اس سے میری تسلّی نہ ہوئی۔ میں نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف اُٹھایا۔ ہمیں باہر نکالا گیا مجھے میرے گھر لے گئے۔ میرے گھر والوں کو انہوں نے بہت سی رقم دی۔ میں مطمئن ہو گیا۔ اب میرے دوستو! مجھے اپنا حلف پورا کرنا ہے میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا خدا کہاں ہے۔ کیا ایک مسلمان بادشاہ کو قتل کر کے خدا نظر آجائے گا؟"

"تم پاگل ہو۔" کمانڈر نے کہا۔ "تم نے جتنی باتیں کی ہیں ان میں مجھے عقل کی ذرا سی بُو بھی نہیں آئی۔"

"اس نے بڑی اچھی باتیں کی ہیں۔" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "میں اس کا ساتھ دوں گا۔"

"مجھے ایک لڑکی کی ضرورت ہے۔" میگناناماریوس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں لڑکی کی جان اور عزت کا ذمہ دار ہوں۔ لڑکی کے بغیر میں صلاح الدّین ایوّبی تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ میں جب سے آیا ہوں سوچ رہا ہوں کہ صلاح الدّین ایوّبی کے ساتھ تنہائی میں کس طرح مل سکتا ہوں۔"

موبی اُٹھ کر اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی اور بولی۔ "میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔"

"ہم تمہیں بڑی مشکل سے آزاد کرا کے لائے ہیں موبی!" کمانڈر نے کہا۔ "میں تمہیں ایسی خطرناک مہم پر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"مجھے اپنی عصمت کا انتقام لینا ہے۔" موبی نے کہا۔ "میں صلاح الدّین ایوّبی کی خواب گاہ میں آسانی سے داخل ہو سکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ مسلمان کا رتبہ جتنا اونچا ہوتا ہے وہ خوبصورت لڑکیوں کا اتنا ہی زیادہ شیدائی ہو جاتا ہے۔ صلاح الدّین ایوّبی کو محسوس تک نہ ہو گا کہ وہ اپنی زندگی میں آخری لڑکی دیکھ رہا ہے۔"

بہت دیر کی بحث اور تکرار کے بعد میگناناماریوس اپنے ایک ساتھی اور موبی کے ساتھ اپنی پارٹی سے رخصت ہُوا۔ سب نے انہیں دعاؤں کے ساتھ الوداع کہا۔

انہوں نے دو اونٹ لیے۔ ایک پر موبی سوار ہوئی اور دوسرے پر دونوں مرد۔ اُن کے پاس مصر کے سکے تھے اور سونے کی اشرفیاں بھی۔ دونوں مردوں نے چغے اوڑھ لیے تھے۔ میگناناماریوس کی داڑھی خاصی لمبی ہو گئی تھی۔ قید خانے میں دھوپ میں مشقت کر کر کے اس کا رنگ اٹلی کے باشندوں کی طرح گورا نہیں رہا تھا۔ سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ اس سے اس پر یہ شک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ یورپی ہے۔ بھیس بدلنے کے لیے انہیں کپڑے دے کر بھیجا گیا تھا۔ مگر ایک رکاوٹ تھی جس کا بظاہر کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ یہ کہ میگناناماریوس اٹلی کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا۔ موبی مصر کی زبان بول سکتی تھی۔ دوسرا جو آدمی ان کے ساتھ گیا تھا وہ بھی مصر کی زبان نہیں جانتا تھا۔ انہیں اس کا کوئی علاج کرنا تھا۔

وہ رات کو ہی چل پڑے۔ موبی راستے سے واقف ہو چکی تھی۔ وہ قاہرہ سے ہی آئی تھی۔ میگناناماریوس نے اس پر بھی ایک چغہ ڈال دیا اور اس کے سر پر دوپٹے کی طرح چادر اوڑھا دی۔

☆

صبح کی روشنی میں سلطان ایوبی کے اُن سواروں کا دستہ جو اُن کے تعاقب میں گیا تھا گھوڑوں کے کُھرے دیکھ کر روانہ ہو گیا۔ یہ بہت سے گھوڑوں کے نشان تھے جو چھپ ہی نہیں سکتے تھے۔ صبح سے پہلے صلیبیوں کی پارٹی لڑکیوں کو ساتھ لے کر چل پڑی۔ اُن کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ان کے تعاقب میں جانے والوں کا سفر رک گیا کیونکہ رات کے وقت وہ زمین کو نہیں دیکھ سکتے تھے مگر صلیبیوں نے سفر جاری رکھا۔ وہ آدھی رات کے وقت پڑاؤ کرنا چاہتے تھے، وہ بہت جلدی میں تھے۔

صبح کے دھندلکے میں صلیبی جو آدھی رات کے وقت رُکے تھے چل پڑے۔ اُن کے تعاقب میں جانے والوں کی پارٹی صبح کی روشنی میں روانہ ہوئی۔ میگناناماریوس نے عقل مندی کی تھی کہ وہ اونٹوں پر گیا تھا۔ اونٹ بھوک اور پیاس کی پروا نہیں کرتا۔ رُکے بغیر گھوڑے کی نسبت بہت زیادہ سفر کر لیتا ہے۔ اس سے میگناناماریوس کا سفر تیزی سے طے ہو رہا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر تھی جب انہیں لاشیں نظر آئیں۔ علی

بن سفیان کے نائب نے بالیان کی لاش پہچان لی۔ اُس کا چہرہ سلامت تھا۔ اُس کے قریب اس کے چھ دوستوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ گِدھوں اور درندوں نے زیادہ تر گوشت کھا لیا تھا۔ سوار حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ خون بتاتا تھا کہ انہیں مرے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے۔ اگر یہ بغاوت کی رات مرے ہوتے تو خون کا نشان نہ ہوتا اور اُن کی صرف ہڈیاں رہ جاتیں۔ یہ ایک معمہ تھا جسے کوئی نہ سمجھ سکا۔ وہاں سے پھر گھوڑوں کے نشان چلے۔ سواروں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ نصف میل تک گئے تو اونٹوں کے پاؤں کے نشان بھی نظر آئے۔ وہ بڑھتے ہی چلے گئے۔ سورج غروب ہُوا تو بھی نہیں رُکے کیونکہ اب مٹی کے اونچے نیچے ٹیلوں کا علاقہ شروع ہو گیا تھا جس میں ایک راستہ بل کھاتا ہُوا گزرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں سے گزرنے کا اور کوئی راستہ نہیں تھا۔

صلیبی اسی راستے سے گزرے تھے اور بحیرۂ روم کی طرف چلے جا رہے تھے۔ ٹیلوں کا علاقہ دُور تک پھیلا ہُوا تھا۔ وہاں سے تعاقب کرنے والے نکلے تو رک گئے کیونکہ آگے ریتیلا میدان آگیا تھا۔

صبح کے وقت چلے تو کسی نے کہا کہ سمندر کی ہوا آنے لگی ہے۔ سمندر دُور نہیں تھا مگر صلیبی ابھی تک نظر نہیں آئے تھے۔ راستے میں ایک جگہ کھانے کے بچے کھچے ٹکڑوں سے پتہ چلا کہ رات یہاں کچھ لوگ رُکے تھے۔ گھوڑے بھی یہاں باندھے گئے تھے۔ پھر یہ گھوڑے وہاں سے چلے۔ زمین کو دیکھ کر تعاقب کرنے والوں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگا دیں۔ سورج اپنا سفر طے کرتا گیا اور آگے نکل گیا۔ گھوڑوں کو ایک جگہ آرام دیا گیا۔ پانی پلایا اور یہ دستہ روانہ ہو گیا۔ سمندر کی ہوائیں تیز ہو گئی تھیں اور ان میں سمندر کی بُو صاف محسوس ہوتی تھی۔ پھر ساحل کی چٹانیں نظر آنے لگیں۔ زمین بتا رہی تھی کہ گھوڑے آگے آگے جا رہے ہیں اور یہ بے شمار گھوڑے ہیں۔

ساحل کی چٹانیں گھوڑوں کی رفتار سے قریب آ رہی تھیں۔ تعاقب کرنے والوں کو ایک چٹان پر دو آدمی نظر آئے، وہ اس طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ تیزی سے سمندر کی طرف اتر گئے۔ گھوڑے اور تیز ہو گئے۔ چٹانوں کے قریب گئے تو انہیں گھوڑے روکنے پڑے کیونکہ کئی جگہوں سے چٹانوں کے پیچھے جایا جا سکتا تھا۔ ایک آدمی کو چٹان پر چڑھ کر آگے دیکھنے کو بھیجا گیا۔ وہ آدمی گھوڑے سے اُتر کر دوڑتا گیا اور ایک چٹان پر چڑھنے لگا۔ اوپر جا کر اس نے لیٹ

کر دوسری طرف دیکھا اور پیچھے ہٹ آیا۔ وہیں سے اس نے سواروں کو اشارہ کیا کہ پیدل آؤ۔ سوار گھوڑوں سے اترے اور دوڑتے ہوئے چٹان تک گئے۔ سب سے پہلے علی بن سفیان کا نائب اوپر گیا۔ اس نے آگے دیکھا اور دوڑ کر نیچے اترا۔ اس نے اپنے دستے کو بکھیر دیا اور انہیں مختلف جگہوں پر جانے کو کہا۔

دوسری طرف سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ صلیبی وہاں موجود تھے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سمندر چٹانوں کو کاٹ کر اندر آجاتا تھا۔ اس پارٹی نے اپنی کشتی وہاں باندھی تھی۔ وہ گھوڑوں سے اتر کر کشتی میں سوار ہورہے تھے۔ کشتی بہت بڑی تھی۔ لڑکیاں کشتی میں سوار ہو چکی تھیں۔ گھوڑے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اچانک اُن پر تیر برسنے لگے۔ تمام کو ہلاک نہیں کرنا تھا۔ انہیں زندہ پکڑنا تھا۔ بہت سے کشتی میں کود گئے اور کشتی کے چپو مارنے لگے۔ پیچھے جو رہ گئے وہ تیروں کا نشانہ بن گئے تھے۔ کشتی میں جانے والوں کو للکارا گیا مگر وہ نہ رُکے۔ وہاں سمندر گہرا تھا۔ کشتی آہستہ آہستہ جارہی تھی۔ اِدھر سے اشارے پر تیر اندازوں نے کشتی پر تیر برسا دیئے۔ چپوؤں کی حرکت بند ہوگئی۔ تیروں کی دوسری باڑ گئی پھر تیسری اور چوتھی باڑ لاشوں میں پیوست ہوگئی۔ اُن میں اب کوئی بھی زندہ نہ تھا۔ کشتی وہیں ڈولنے لگی۔ سمندر کی موجیں ساحل کی طرف آتیں اور چٹانوں سے ٹکرا کر واپس چلی جاتی تھیں۔ ذرا سی دیر میں کشتی ساحل پر واپس آگئی۔ سواروں نے نیچے جا کر کشتی پکڑ لی۔ وہاں صرف لاشیں تھیں۔ لڑکیاں بھی مرچکی تھیں۔ بعض کو دو دو تیر لگے تھے۔

کشتی کو باندھ دیا گیا اور سواروں کا دستہ محاذ کی طرف روانہ ہوگیا۔ کیمپ دُور نہیں تھا۔

✡

میگناناماریوس قاہرہ کی ایک سرائے میں قیام پذیر تھا۔ اس سرائے کا ایک حصہ عام اور کمتر مسافروں کے لیے تھا اور دوسرا حصہ امراء اور اونچی حیثیت کے مسافروں کے لیے۔ اس حصے میں دولت مند تاجر بھی قیام کیا کرتے تھے۔ اُن کے لیے شراب اور ناچنے گانے والیاں بھی مہیا کی جاتی تھیں۔ میگناناماریوس اسی خاص حصے میں ٹھہرا۔ موبی کو اُس نے اپنی بیوی بتایا اور اپنے ساتھی کو معتمد ملازم۔ موبی کی خوبصورتی اور جوانی نے سرائے والوں پر میگناناماریوس کا رعب طاری کر دیا۔

ایسی حسین اور جوان بیوی کسی بڑے دولت مند ہی کی ہو سکتی تھی۔ سرائے والوں نے اس کی طرف خصوصی توجہ دی۔ موبی نے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے صلاح الدین ایوبی کے گھر اور دفتر کے متعلق معلومات حاصل کر لیں۔ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ سلطان ایوبی نے سوڈانیوں کو معافی دے دی ہے اور سوڈانی فوج توڑ دی ہے۔ اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ سوڈانی سالاروں اور کمانداروں وغیرہ کے دم خالی کر دیئے گئے ہیں اور یہ بھی کہ انہیں زرعی زمینیں دی جا رہی ہیں۔

یہ میگنا ماریوس کی غیر معمولی دلیری تھی یا غیر معمولی حماقت کہ وہ اس ملک کی زبان تک نہیں جانتا تھا۔ پھر بھی اتنے خطرناک مشن پر آ گیا تھا۔ اُسے اس قسم کے قتل کی اور اتنے بڑے رتبے کے انسان تک رسائی حاصل کرنے کی کوئی ٹریننگ نہیں دی گئی تھی۔ وہ ذہنی لحاظ سے انتشار اور خلفشار کا مریض تھا۔ پھر بھی وہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے آیا جس کے ارد گرد محافظوں کا پورا دستہ موجود رہتا تھا۔ اس کے دستے کے کمانڈر نے اسے کہا تھا کہ تم پاگل ہو، تم نے جتنی باتیں کی ہیں ان میں مجھے ذرا سی بھی عقل کی بُو نہیں آئی۔ بظاہر میگنا ماریوس پاگل ہی تھا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بڑے آدمیوں کو قتل کرنے والے عموماً پاگل ہوتے ہیں۔ اگر پاگل نہیں تو اُن کے ذہنی توازن میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ یہی کیفیت اٹلی کے اس سزا یافتہ آدمی کی تھی۔ اس کے پاس ایک ہتھیار ایسا تھا جو ڈھال کا کام بھی دے سکتا تھا۔ یہ تھی موبی۔ موبی مصر کی صرف زبان ہی نہیں جانتی تھی بلکہ اُسے اور اس کی مری ہوئی چھ ساتھی لڑکیوں کو مصری اور عربی مسلمانوں کے رہن سہن، تہذیب و تمدّن اور دیگر معاشرتی اونچ نیچ کے متعلق لمبے عرصے کے لیے ٹریننگ دی گئی تھی۔ وہ مسلمان مردوں کی نفسیات سے بھی واقف تھی۔ اداکاری کی ماہر تھی اور سب سے بڑی خوبی یہ کہ وہ مردوں کو انگلیوں پر نچانا اور بوقتِ ضرورت اپنا پورا جسم ننگا کر کے کسی مرد کو پیش کرنا بھی جانتی تھی۔

یہ تو کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ بند کمرے میں میگنا ماریوس، موبی اور ان کے ساتھی نے کیا باتیں کیں اور کیا منصوبہ بنایا۔ البتہ ایسا ثبوت پرانی تحریروں میں ملتا ہے کہ تین چار روز سرائے میں قیام کے بعد میگنا ماریوس باہر نکلا، تو

اس کی داڑھی ڈھلی دھلائی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ سوڈانیوں کی طرح گہرا بادامی تھا جو مصنوعی ہو سکتا تھا لیکن مصنوعی لگتا نہیں تھا۔ اس نے معمولی قسم کا چغہ اور سر پر معمولی قسم کا رومال اور عمامہ باندھ رکھا تھا۔ موبی سر سے پاؤں تک سیاہ برقعہ نما لبادے میں تھی اور اس کے چہرے پر باریک نقاب اس طرح پڑا تھا کہ ہونٹ اور ٹھوڑی ڈھکی ہوئی تھی۔ پیشانی تک چہرہ ننگا تھا۔ پیشانی پر اس کے بھورے ریشمی بال پڑے ہوئے تھے اور اس کا حسن ایسا نکھرا ہوا تھا کہ راہ جاتے لوگ رک کر دیکھتے تھے۔ ان کا ساتھی معمولی سے لباس میں تھا جس سے پتہ چلتا تھا کہ نوکر ہے۔ سرائے کے باہر دو نہایت اعلیٰ نسل کے گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ سرائے والوں نے میگناناماریوس کے لیے اُجرت پر منگوائے تھے کیونکہ اُس نے کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ سیر کے لیے جانا چاہتا ہے۔ میگناناماریوس اور موبی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور جب گھوڑے چلے تو ان کا ساتھی نوکروں کی طرح پیچھے پیچھے چل پڑا۔

صلاح الدین ایوبی اپنے نائبین کو سامنے بٹھائے سوڈانیوں کے متعلق احکامات دے رہا تھا۔ وہ یہ کام بہت جلدی ختم کرنا چاہتا تھا کیونکہ اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سلطان زنگی کی بھیجی ہوئی فوج، مصر کی نئی فوج اور وفادار سوڈانیوں کو ساتھ ملا کر ایک فوج بنائے گا اور فوری طور پر یروشلم پر چڑھائی کرے گا۔ بحیرۂ روم کی شکست کے بعد جب کہ سلطان زنگی نے فرینکوں کو بھی شکست دے دی تھی، ایک لمبے عرصے تک صلیبیوں کے سنبھلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ان کے سنبھلنے سے پہلے ہی سلطان ایوبی ان سے یروشلم چھین لینے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ سوڈانیوں کو زمینوں پر آباد کر دینا چاہتا تھا تاکہ کھیتی باڑی میں اُلجھ جائیں اور ان کی بغاوت کا امکان نہ رہے۔

نئی فوج کی تنظیم نو اور ہزارہا سوڈانیوں کو زمینوں پر آباد کرنے کا کام آسان نہیں تھا۔ ان دونوں کاموں میں خطرہ یہ تھا کہ سلطان ایوبی کی فوج اور اپنی انتظامیہ میں ایسے اعلیٰ افسر موجود تھے جو اُسے مصر کی امارت کے سربراہ کی حیثیت سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ سوڈانیوں کی فوج کو توڑ کر بھی سلطان ایوبی نے اپنے خلاف خطرہ پیدا کر لیا تھا۔ اس فوج کے چند ایک اعلیٰ حکام زندہ تھے۔ انہوں نے سلطان کی

اطاعت قبول کر لی تھی مگر علی بن سفیان کی انٹیلی جنس بتا رہی تھی کہ بغاوت کی راکھ میں ابھی کچھ چنگاریاں موجود ہیں۔

انٹیلی جنس کی رپورٹ یہ بھی تھی کہ ان باغی سربراہوں کو اپنی شکست کا اتنا افسوس نہیں جتنا صلیبیوں کی شکست کا غم ہے کیونکہ وہ بغاوت دب جانے کے بعد بھی صلیبیوں سے مدد لینا چاہتے تھے اور مصر کی انتظامیہ اور فوج کے دو تین اعلیٰ حکام کو سوڈانیوں کی شکست کا افسوس تھا کیونکہ وہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ صلاح الدین ایوبی مارا جائے گا یا بھاگ جائے گا۔ یہ ایمان فروشوں کا ٹولہ تھا، لیکن سلطان ایوبی کا ایمان مضبوط تھا۔ اس نے مخالفین سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ اُن کے ساتھ نرمی سے اور خلوص سے پیش آتا رہا۔ کسی محفل میں اُس نے ان کے خلاف کوئی بات نہ کی اور جب کبھی اس نے ماتحتوں سے اور فوج سے خطاب کیا تو ایسے الفاظ کبھی نہ کہے، کہ میں اپنے مخالفین کو مزہ چکھا دوں گا۔ کبھی دھمکی آمیز یا طنزیہ الفاظ استعمال نہیں کیے۔ البتہ ایسے الفاظ اکثر اس کے منہ سے نکلتے تھے — "اگر کسی ساتھی کو ایمان بیچتا دیکھو تو اُسے روکو۔ اسے یاد دلاؤ کہ وہ مسلمان ہے اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرو تاکہ وہ دشمن کے اثر سے آزاد ہو جائے۔" لیکن درپردہ وہ مخالفین کی سرگرمیوں سے باخبر رہتا تھا۔ علی بن سفیان کا محکمہ بہت ہی زیادہ مصروف ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو زیرِ زمین سیاست کی اطلاعیں باقاعدگی سے دی جا رہی تھیں۔

اب اس محکمے کی ذمہ داری اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ محافظوں اور شتربانوں کے قتل کی اطلاع بھی قاہرہ آ چکی تھی۔ اس سے پہلے جاسوسوں کا گروہ جس میں لڑکیاں بھی تھیں، محافظوں سے نامعلوم افراد نے آزاد کرا لیا تھا۔ ان دو واقعات نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ملک میں صلیبی جاسوس اور چھاپہ مار موجود ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں یہاں کے باشندوں کی پشت پناہی اور پناہ حاصل ہے۔ ابھی یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ چھاپہ ماروں اور لڑکیوں کو عین اس وقت ختم کر دیا گیا ہے جب وہ کشتی میں سوار ہو رہے تھے۔ چھاپہ ماروں کی سرگرمیوں کو روکنے کے لیے فوج کے دو دستے سارے علاقے میں گشت کے لیے گزشتہ شام روانہ کر دیئے گئے اور انٹیلی جنس کے نظام کو اور زیادہ وسیع کر دیا گیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی قدرے پریشان بھی تھا۔ وہ کیا عزم لے کے مصر میں آیا تھا اور اب سلطنتِ اسلامیہ کے استحکام اور وسعت کے لیے اس نے کیا کیا منصوبے بنائے تھے مگر اُس کے خلاف زمین کے اوپر سے بھی اور زمین کے نیچے سے بھی ایسا طوفان اٹھا تھا کہ اس کے منصوبے لرزنے لگے تھے۔ اُسے پریشانی یہ تھی کہ مسلمان کی تلوار مسلمان کی گردن پر لٹک رہی تھی۔ ایمان کا نیلام ہونے لگا تھا۔ سلطنتِ اسلامیہ کی خلافت بھی سازشوں کے جال میں اُلجھ کر سازشوں کا حصہ اور آلۂ کار بن گئی تھی۔ زن اور زر نے عرب کی سرزمین کو ہلا ڈالا تھا۔ سلطان ایوبی اس سے بھی بے خبر نہیں تھا کہ اسے قتل کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں لیکن اس پر وہ کبھی پریشان نہیں ہُوا تھا۔ کہا کرتا تھا کہ میری جان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی ذاتِ باری کو جب زمین پر میرا وجود بیکار لگے گا تو مجھے اٹھالے گا۔ لہٰذا اس نے اپنے طور پر اپنی حفاظت کا کبھی فکر نہیں کیا تھا۔ یہ تو اُس کی فوجی انتظامیہ کا بندوبست تھا کہ اس کے گرد محافظوں کے دستے اور انٹیلی جنس کے آدمی موجود رہتے تھے اور علی بن سفیان تو اس معاملے میں بہت چوکس تھا۔ ایک تو یہ اُس کی ڈیوٹی تھی، دوسرے یہ کہ وہ سلطان ایوبی کو اگر پیغمبر نہیں تو اپنا پیر و مُرشد ضرور سمجھتا تھا۔

اس روز سلطان ایوبی نائبین کو احکامات اور ہدایات دے رہا تھا جب دو گھوڑے اس کے محافظ دستے کی بنائی ہوئی حد پر رُکے۔ انہیں محافظوں کے کمانڈر نے روک لیا تھا۔ سوار میگنا ماریوس اور موبی تھے۔ وہ گھوڑوں سے اُترے تو گھوڑوں کی باگیں ان کے ساتھی نے تھام لیں۔ موبی نے کمانڈر سے کہا کہ وہ اپنے باپ کو ساتھ لائی ہے۔ سلطان ایوبی سے ملنا ہے۔ کمانڈر نے میگنا ماریوس سے بات کی اور ملاقات کی وجہ پوچھی۔ میگنا ماریوس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ وہ یہ زبان سمجھتا ہی نہیں تھا۔ موبی نے اپنا نام اسلامی بتایا تھا۔ اس نے کمانڈر سے کہا ___ "اس سے بات کرنا بیکار ہے۔ یہ گونگا اور بہرہ ہے ..... ملاقات کا مقصد ہم سلطان کو یا اس کے کسی بڑے افسر کو بتائیں گے"۔

علی بن سفیان باہر ٹہل رہا تھا۔ اس نے میگنا ماریوس اور موبی کو دیکھا تو ان کے پاس آ گیا۔ اس نے اسلام وعلیکم کہا تو موبی نے وعلیکم السلام

کیا۔ کمانڈر نے اسے بتایا کہ یہ سلطان سے ملنا چاہتے ہیں۔ علی بن سفیان نے میگنا ماریوس سے ملاقات کی وجہ پوچھی تو موبی نے اسے بھی کہا کہ یہ میرا باپ ہے، گونگا اور بہرہ ہے۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا کہ سلطان ابھی بہت مصروف ہیں۔ فارغ ہو جائیں گے تو اُن سے ملاقات کا وقت لیا جائے گا۔ اس نے کہا۔ "آپ ملاقات کا مقصد بتائیں۔ ہو سکتا ہے آپ کا کام سلطان سے ملے بغیر ہو جائے۔ سلطان چھوٹی چھوٹی شکائتوں کے لیے ملاقات کا وقت نہیں نکال سکتے۔ متعلقہ محکمہ از خود ہی شکایت رفع کر دیا کرتا ہے۔"

"کیا سلطان ایوبی اسلام کی ایک مظلوم بیٹی کی فریاد سننے کے لیے وقت نہیں نکال سکیں گے؟" موبی نے کہا۔ "مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ میں انہی سے کہوں گی۔"

"مجھے بتائے بغیر آپ سلطان سے نہیں مل سکیں گی۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں سلطان تک آپ کی فریاد پہنچاؤں گا۔ وہ ضروری سمجھیں گے تو آپ کو اندر بلائیں گے۔" علی بن سفیان انہیں اپنے کمرے میں لے گیا۔

موبی نے شمال علاقے کے کسی قصبے کا نام لے کر کہا۔ "دو سال گزرے سوڈانی فوج وہاں سے گزری۔ میں بھی لڑکیوں کے ساتھ فوج دیکھنے کے لیے باہر آگئی۔ ایک کماندار نے اپنا گھوڑا موڑا اور میرے پاس آکر میرا نام پوچھا۔ میں نے بتایا تو اس نے میرے باپ کو بلایا۔ اسے پرے لے جاکر کوئی بات کی۔ کسی نے کماندار سے کہا کہ یہ گونگا اور بہرہ ہے۔ کماندار چلا گیا۔ شام کے بعد چار سوڈانی فوجی ہمارے گھر آئے اور مجھے زبردستی اٹھا کر لے گئے اور کماندار کے حوالے کر دیا۔ اس کا نام بالیان ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے آیا اور حرم میں رکھ لیا۔ اُس کے پاس چار اور لڑکیاں تھیں۔ میں نے اسے کہا کہ میرے ساتھ باقاعدہ شادی کرلے لیکن اس نے مجھے شادی کے بغیر ہی بیوی بنائے رکھا۔ دو سال اس نے مجھے اپنے پاس رکھا۔ سوڈانی فوج نے بغاوت کی تو بالیان چلا گیا۔ معلوم نہیں مارا گیا ہے یا قید میں ہے۔ آپ کی فوج اس کے گھر میں آئی اور ہم سب لڑکیوں کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ تم سب آزاد ہو......

میں اپنے گھر چلی گئی۔ میرے باپ نے شادی کرنی چاہی تو سب نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ حرم کی چھوڑی ہوئی ہڈی ہے۔ وہاں لوگوں

نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ ہم سرائے میں ٹھہرے ہیں۔ سنا تھا کہ سلطان سوڈانیوں کو زمینیں اور مکان دے رہے ہیں۔ مجھے آپ بالیان کی داشتہ یا اس کی بیوی سمجھ کر یہاں زمین اور مکان دے دیں تاکہ میں اُس قبیلے سے نکل آؤں۔ ورنہ میں خودکشی کروں گی یا گھر سے بھاگ کر کہیں طوائف بن جاؤں گی"۔

"اگر آپ کو زمین سلطان سے ملے بغیر مل جائے تو سلطان سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا۔

"ہاں!"۔۔۔ موبی نے کہا۔۔۔ "پھر بھی ملنے کی ضرورت ہے۔ اُسے آپ عقیدت بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں سلطان کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اس کی سلطنت میں عورت کھلونا بنی ہوئی ہے۔ دولت مندوں اور حاکموں کے ہاں شادی کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ خدا کے لیے عورت کی عصمت کو بچاؤ اور عورت کی عظمت بحال کرو۔ سلطان سے یہ کہہ کر شاید میرے دل کو سکون آجائے گا"۔

میگنا ماریوس اس طرح خاموش بیٹھا رہا جیسے اس کے کان میں کوئی بات نہیں پڑ رہی۔ علی بن سفیان نے موبی سے کہا کہ سلطان کو اجلاس سے فارغ ہونے دیں پھر ان سے ملاقات کی اجازت لی جائے گی۔ یہ کہہ کر علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ وہ بہت دیر بعد آیا اور کہا کہ وہ سلطان سے اجازت لینے جا رہا ہے۔ وہ سلطان ایوبی کے کمرے میں چلا گیا اور خاصی دیر بعد آیا۔ اس نے موبی سے کہا کہ اپنے باپ کو سلطان کے پاس لے جاؤ۔ اس نے انہیں سلطان ایوبی کا کمرہ دکھا دیا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے دونوں نے باہر کی طرف دیکھا۔ وہ غالباً قتل کے بعد وہاں سے نکلنے کا راستہ دیکھ رہے تھے۔

☆

سلطان کمرے میں اکیلا تھا۔ اس نے دونوں کو بٹھایا اور موبی سے پوچھا۔ "کیا تمہارا باپ پیدائشی گونگا اور بہرہ ہے؟"

"ہاں سلطانِ محترم!"۔۔۔ موبی نے جواب دیا۔۔۔ "یہ اس کا پیدائشی نقص ہے"۔

سلطان ایوبی بیٹھا نہیں، کمرے میں ٹہلتا رہا اور بولا۔۔۔ "میں نے تمہاری شکایت اور مطالبہ سن لیا ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ میں تمہیں یہاں زمین بھی دوں گا اور مکان بھی بنوا دوں گا۔ سنا ہے تم کچھ اور بھی مجھ سے کہنا چاہتی ہو"۔

"اللہ آپ کا اقبال بلند کرے!" — موبی نے کہا — "آپ کو بتا دیا گیا ہوگا کہ میرے ساتھ کوئی آدمی شادی نہیں کرتا۔ لوگ مجھے حرم کی چھوڑی ہوئی بیٹی، فاحشہ اور بدکار کہتے ہیں اور میرے باپ کو کہتے ہیں کہ اس نے بیٹی بیچ ڈالی تھی۔ آپ مجھے زمین اور مکان تو دے دیں گے لیکن مجھے ایک خاوند کی ضرورت ہے جو میری عزت کی رکھوالی کرے ....." اس نے جھجک کر کہا — "میں ایسی بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتی لیکن اپنی ماں کی عرضداشت آپ تک پہنچانا چاہتی ہوں کہ آپ اگر میری شادی نہیں کرا سکتے تو مجھے اپنے حرم میں رکھ لیں۔ آپ میری عمر، میری شکل و صورت اور میرا جسم دیکھیں۔ کیا میں آپ کے قابل نہیں ہوں؟" یہ کہہ کر اس نے میگنا ماریوس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوسرا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا اور سلطان ایوبی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ اشارہ شاید پہلے سے طے شدہ تھا۔ میگنا ماریوس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی کی طرف کیے اور پھر موبی کے ہاتھ پکڑ کر سلطان ایوبی کی طرف بڑھائے جیسے وہ یہ کہہ رہا تھا کہ میری بیٹی کو قبول کر لو۔

"میرا کوئی حرم نہیں لڑکی!" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں ملک سے حرم قحبہ خانے اور شراب ختم کر رہا ہوں" — بات کرتے کرتے اس نے اپنی جیب سے ایک سکہ نکالا اور ہاتھ میں اچھالنے لگا۔ اس نے کہا — "میں عورت کی عزت کا محافظ بننا چاہتا ہوں" — یہ کہتے کہتے وہ دونوں کی پیٹھ پیچھے چلا گیا اور سکہ ہاتھ سے گرا دیا۔ ٹن کی آواز آئی تو میگنا ماریوس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور پھر فوراً ہی سامنے دیکھنے لگا۔

صلاح الدین ایوبی نے تیزی سے اپنے کمر بند سے ایک فٹ لمبا خنجر نکال کر اس کی نوک میگنا ماریوس کی گردن پر رکھ دی اور موبی سے کہا۔

"یہ شخص میری زبان نہیں سمجھتا۔ اُسے کہو کہ اپنے ہاتھ سے اپنا ہتھیار پھینک دے۔ اس نے ذرا سی پس و پیش کی تو یہاں سے تم دونوں کی لاشیں اٹھائی جائیں گی۔"

موبی کی آنکھیں حیرت اور خوف سے کھل گئیں۔ اس نے اداکاری کا کمال دکھانے کی کوشش کی اور کہا — "میرے باپ کو ڈرا دھمکا کر آپ مجھ پر کیوں قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں تو خود ہی اپنے آپ کو پیش کر رہی ہوں۔"

"تم جب محاذ پر میرے سامنے آئی تھیں تو تم میری زبان نہیں بولتی تھیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا اور خنجر کی نوک میگناناماریوس کی گردن پر رکھے رکھی۔ مس نے کہا۔ "کیا تم اتنی جلدی یہاں کی زبان بولنے لگی ہو؟ .... اسے کہو ہتھیار فوراً باہر نکال دے"۔

موبی نے اپنی زبان میں میگناناماریوس سے کچھ کہا تو اس نے چغے کے اندر ہاتھ ڈال کر خنجر باہر نکالا جو اتنا ہی لمبا تھا جتنا سلطان ایوبی کا تھا۔ سلطان نے اس کے ہاتھ سے خنجر لے لیا اور اپنا خنجر اس کی گردن سے ہٹا کر کہا ــــ "باقی چھ لڑکیاں کہاں ہیں؟"

"آپ نے مجھے پہچاننے میں غلطی کی ہے"۔ موبی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے ساتھ اور کوئی لڑکی نہیں ہے۔ آپ کون سی چھ لڑکیوں کی بات کر رہے ہیں؟"

"مجھے خدا نے آنکھیں دی ہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "اور خدا نے مجھے ذہن بھی دیا ہے جس میں وہ چہرے نقش ہو جاتے ہیں جنہیں ایک بار آنکھ دیکھ لیتی ہے۔ تمہارا چہرہ جو آدھا نقاب میں ہے میں نے پہلے بھی دیکھا ہے... تمہیں اور تمہارے اس ساتھی کو خدا نے اتنا ناقص ذہن دیا ہے کہ جس کام کے لیے تم آئے تھے تم اس قابل نہیں۔ سرائے میں تم دونوں خاوند اور بیوی تھے۔ یہاں آ کر تم باپ اور بیٹی بن گئے مگر تم ہو کچھ بھی نہیں اور تمہارا ایک ساتھی باہر گھوڑوں کے پاس کھڑا ہے وہ تمہارا نوکر نہیں۔ اسے گرفتار کر لیا گیا ہے"۔

یہ کمال علی بن سفیان کا تھا۔ اسے موبی نے بتایا تھا کہ وہ سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ ان دونوں کو اپنے کمرے میں بٹھا کر باہر نکل گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر سرائے میں چلا گیا تھا۔ سرائے والوں سے اس نے ان کے حلیے بتا کر پوچھا تو اسے بتایا گیا تھا کہ وہ میاں بیوی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا نوکر ہے۔ اسے یہ بھی بتایا گیا کہ انہوں نے بازار سے کچھ کپڑے بھی خریدے تھے جن میں لڑکی کا برقعہ نما چغہ اور جوتے بھی تھے۔ انہوں نے علی بن سفیان سے کہا تھا کہ وہ میاں بیوی ہیں۔ اس نے اور کوئی تفتیش نہیں کی۔ ان کے کمرے کا تالا توڑ کر ان کے سامان کی تلاشی لی۔ اس سے چند ایسی اشیاء برآمد ہوئیں جنہوں نے شک کو یقین میں بدل دیا۔ علی بن سفیان سمجھ گیا کہ سلطان ایوبی سے ان کا تنہائی میں ملنے کا مطلب کیا ہو سکتا

ہے۔ اس نے ان کے گھوڑے دیکھے تھے۔ اعلیٰ نسل کے تیز رفتار گھوڑے تھے سرائے والے سے ان کے گھوڑوں کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ یہ تینوں مسافر اونٹوں پر آئے تھے اور یہ گھوڑے لڑکی نے یہ کہہ کر منگوائے تھے کہ نہایت اچھے ہوں اور تیز رفتار ہوں۔ سرائے والے نے یہ بھی بتایا تھا کہ لڑکی کا خاوند گونگا ہے اور نوکر بھی گونگا معلوم ہوتا ہے۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتا۔ دراصل وہ بھی یہاں کی زبان نہیں جانتا تھا۔

علی بن سفیان نے واپس آ کر دیکھا کہ اجلاس ختم ہو گیا ہے تو وہ سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔ اسے ان کے متعلق بتایا اور وہ کہانی بھی سنائی جو لڑکی نے اسے سنائی تھی۔ پھر سرائے سے جو معلومات اس نے حاصل کی تھیں اور ان کے سامان سے جو مشکوک چیزیں برآمد کی تھیں وہ دکھائیں اور اپنی رائے یہ دی کہ آپ کو قتل کرنے آئے ہیں۔ آپ سے تنہائی میں ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے یہ منصوبہ بنایا ہوگا کہ آپ کو قتل کر کے نکل جائیں گے۔ جتنی دیر میں کسی کو پتہ چلے گا اتنی دیر میں وہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے دُور جا چکے ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ آپ کو اتنی خوبصورت لڑکی کے چکر میں ڈال کر خواب گاہ میں قتل کرنا چاہتے ہوں۔

سلطان ایوبی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کہا ——— "انہیں ابھی گرفتار نہ کرو۔ میرے پاس بھیج دو"۔

علی بن سفیان نے انہیں اندر بھیج دیا اور خود سلطان کے کمرے کے دروازے کے ساتھ لگا کھڑا رہا۔ اس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلا کر کہا "ان دونوں گھوڑوں کو اپنے گھوڑوں کے ساتھ باندھ دو اور زینیں اتار دو اور ان کے ساتھ جو آدمی ہے اسے اپنی حراست میں بٹھا لو۔ اس کی تلاشی لو۔ اس کے کپڑوں کے اندر خنجر ہوگا۔ وہ اس سے لے لو"۔

ان احکام پر عمل ہو گیا۔ میگنا ناماریوس کا ساتھی گرفتار ہو گیا۔ اس سے ایک خنجر برآمد ہوا۔ گھوڑوں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔

اور جب انہیں سلطان ایوبی کے کمرے میں داخل کیا گیا تو باتوں باتوں میں سلطان نے ایک سکہ فرش پر پھینک کر یقین کر لیا کہ یہ شخص بہرہ نہیں۔ سکے کی آواز پر اس نے فوراً پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے لڑکی سے کہا۔" اسے کہو کہ میری جان صلیبیوں کے خدا کے ہاتھ میں نہیں میرے اپنے خدا کے ہاتھ میں ہے"۔

موبی نے اپنی زبان میں میگنا ماریوس سے بات کی تو اس نے چونک کر کچھ کہا۔ موبی نے سلطان ایوبی سے کہا۔" یہ کہتا ہے، کیا آپ کا خدا کوئی اور ہے اور کیا مسلمان بھی خدا کو مانتے ہیں؟"

" اسے کہو کہ مسلمان اس خدا کو مانتے ہیں جو سچا ہے اور سچے عقیدے والوں کو عزیز رکھتا ہے"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔" مجھے کس نے بتایا ہے کہ تم دونوں مجھے قتل کرنے آئے ہو؟ ..... میرے خدا نے۔ اگر تمہارا خدا سچا ہوتا تو تمہارا خنجر مجھے ہلاک کر چکا ہوتا۔ میرے خدا نے تمہارا خنجر میرے ہاتھ میں دے دیا ہے"۔ اس نے ایک تلوار کہیں سے نکالی اور چند اور اشیا انہیں دکھا کر کہا۔" یہ تلوار اور یہ چیزیں تمہاری ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ سمندر پار سے آئی ہیں۔ تم سے پہلے یہ مجھ تک پہنچ گئی ہیں"۔

میگنا ماریوس حیرت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں جتنی باتیں ہوئیں وہ موبی کی وساطت سے ہوئیں۔ میگنا ماریوس نے بولنا شروع کر دیا اور وہ صرف اپنی زبان بولتا سمجھتا تھا۔ خدا کے متعلق یہ باتیں سُن کر اس نے کہا۔" یہ شخص سچے عقیدے کا معلوم ہوتا ہے۔ میں اس کی جان لینے آیا تھا لیکن اب میری جان اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے کہو کہ تمہارے سینے میں ایک خدا ہے۔ وہ مجھے دکھائے۔ میں اس خدا کو دیکھنا چاہتا ہوں جس نے اسے اشارہ دیا ہے کہ ہم اسے قتل کرنے آئے ہیں"۔

سلطان ایوبی کے پاس اتنی لمبی چوڑی باتوں کا وقت نہیں تھا۔ اُسے چاہئے تھا کہ ان دونوں کو جلاد کے حوالے کر دیتا لیکن اس نے دیکھا کہ یہ شخص بھٹکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ پاگل نہیں تو یہ ذہنی طور پر گمراہ ضرور ہے چنانچہ اس نے اس کے ساتھ دوستانہ انداز سے باتیں شروع کر دیں۔ اس دوران علی بن سفیان اندر آ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سلطان خیریت سے تو ہے، سلطان ایوبی نے مسکرا کر کہا " سب ٹھیک ہے علی! میں نے ان سے خنجر لے لیا ہے"۔ علی بن سفیان سکون کی آہ بھر کر باہر چلا گیا۔

میگنا ماریوس نے کہا۔" پیشتر اس کے کہ سلطان میری گردن تن سے جدا کر دے، میں اپنی زندگی کی کہانی سنانے کی مہلت چاہتا ہوں"۔

سلطان نے اجازت دے دی۔ میگنا ماریوس نے بالکل وہ کہانی جو رات صحرا میں اس نے اپنے پارٹی کمانڈر اور اپنے ساتھیوں کو سنائی تھی، من وعن سلطان ایوبی کو سنا دی۔ اب کے اس نے صلیب پر لٹکتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کے بت، کنواری مریم کی تصویر اور پادریوں کے اُس خدا سے جس سے وہ پادری کی اجازت کے بغیر بات بھی نہیں کر سکتا تھا، بیزاری کا اظہار اور زیادہ شدت سے کیا اور کہا۔" مرنے سے پہلے مجھے خدا کی ایک جھلک دکھا دو۔ میرے خدا نے بچوں کو بھوکا مار دیا ہے۔ میری ماں کو اندھا کر دیا ہے۔ میری بہن کو شرابی وحشیوں کا قیدی بنا دیا ہے اور مجھے تیس سالوں کے لیے قید خانے میں بند کر دیا ہے۔ میں وہاں سے نکلا تو موت کے منہ میں آ پڑا۔ سلطان! میری جان تیرے ہاتھ میں ہے، مجھے سچا خدا دکھا دے، میں اس سے فریاد کروں گا۔ اس سے انصاف مانگوں گا۔"

"تیری جان میرے ہاتھ میں نہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔" میرے خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں ہوتی تو اس وقت تک تم میرے جلاد کے پاس ہوتے میں تمہیں وہ سچا خدا دکھا دوں گا جو تیری گردن مارنے سے مجھے روک رہا ہے، لیکن تجھے اس خدا کا سچا عقیدہ قبول کرنا ہوگا ورنہ خدا تمہاری فریاد نہیں سنے گا اور انصاف بھی نہیں ملے گا۔"۔۔۔ سلطان ایوبی نے اس کا خنجر اس کی گود میں پھینک دیا اور خود اس کے پاس جا کر اس کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا۔ موبی سے کہا۔" اسے کہو میں اپنی جان اس کے حوالے کرتا ہوں۔ یہ خنجر میری پیٹھ میں گھونپ دے۔"

میگنا ماریوس نے خنجر ہاتھ میں لے لیا۔ اسے غور سے دیکھا۔ سلطان ایوبی کی پیٹھ پر نگاہ دوڑائی۔ اٹھا اور سلطان کے سامنے چلا گیا۔ اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی جلالی شخصیت کا اثر تھا یا سلطان کی آنکھوں کی چمک میں اسے سچا خدا نظر آ گیا کہ اس کے ہاتھ کانپے۔ اس نے خنجر سلطان ایوبی کے قدموں میں رکھ دیا۔ وہ دو زانو بیٹھ گیا اور سلطان کا ہاتھ چوم کر زار و قطار رونے لگا۔۔۔ موبی سے کہا۔" اسے کہو کہ یا تو یہ خود خدا ہے یا اس نے خدا کو اپنے سینے میں قید کر رکھا ہے۔ اسے کہو مجھے اپنا خدا دکھا دو۔"

سلطان ایوبی نے اسے اٹھایا اور سینے سے لگا کر اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔

وہ تو بھٹکا ہوا انسان تھا۔ اس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھر دی گئی تھی اور اسلام کے خلاف زہر ڈالا گیا تھا۔ پھر حالات نے اُسے اپنے مذہب سے بیزار کیا۔ یہ ایک قسم کا پاگل پن تھا اور ایک تشنگی تھی جو اسے ایسی خطرناک مہم پر لے آئی تھی۔ سلطان ایوبی اُسے بے گناہ سمجھتا تھا لیکن اسے آزاد بھی نہ کیا بلکہ اپنے پاس رکھ لیا۔ موبی باقاعدہ ٹریننگ لے کر آئی تھی اور مفرور جاسوسہ تھی۔ یہ وہ ساتویں لڑکی تھی جس نے صلیبیوں کا پیغام سوڈانیوں تک پہنچایا اور بغاوت کرائی تھی۔ وہ ملک کی دشمن تھی۔ اسے اسلامی قانون نہیں بخش سکتا تھا۔ سلطان نے اُسے اور اس کے ساتھی کو علی بن سفیان کے حوالے کر دیا۔ تفتیش میں دونوں نے اقبالِ جرم کر لیا اور یہ بھی بتا دیا کہ رسد کے قافلے کو انہوں نے ہی لوٹا تھا اور لڑکیوں کو بھی انہوں نے آزاد کرایا اور محافظ دستے کو ہلاک کیا تھا اور بالیان اور اس کے ساتھیوں کو بھی انہوں نے ہلاک کیا تھا۔

یہ تفتیش تین دن جاری رہی۔ اس دوران میگنا ناماریوس کا دماغ روشن ہو چکا تھا۔ ایک بار اس نے سلطان ایوبی سے پوچھا ۔۔۔ ”کیا آپ نے اس لڑکی کو مسلمان کر کے حرم میں داخل کر لیا ہے؟“

”آج شام کو اس سوال کا جواب دوں گا“ ۔۔۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا۔

شام کے وقت سلطان ایوبی نے میگنا ناماریوس کو ساتھ لیا اور کچھ دُور لے جا کر ایک احاطے میں لے گیا۔ لکڑی کے دو تختے پڑے تھے۔ ان پر سفید چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ سلطان ایوبی نے چادروں کو ایک طرف سے اٹھا دیا اور میگنا ناماریوس کو دکھایا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس کے سامنے موبی کی لاش پڑی تھی اور دوسرے تختے پر اس کے ساتھی کی لاش تھی۔ سلطان ایوبی نے موبی کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیچھے کھینچا۔ گردن کندھے سے جدا تھی۔ اس نے میگنا ناماریوس سے کہا ”میں اسے بخش نہیں سکتا تھا۔ تم اسے اپنے ساتھ لائے تھے کہ میں اس کے حُسن اور جسم پر فدا ہو جاؤں گا مگر اس کا جسم مجھے ذرہ بھر اچھا نہیں لگا تھا۔ یہ ناپاک جسم تھا۔ یہ اب مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ اب جب کہ اس جسم سے اتنی حسین شکل و صورت جدا ہو چکی ہے مجھے یہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔ اللہ اس کے گناہ معاف کرے۔“

”سلطان!“ ۔۔۔ میگنا ناماریوس نے پوچھا ۔۔۔ ”آپ نے مجھے کیوں بخش دیا ہے“

"اس لیے کہ تم مجھے قتل کرنے آئے تھے"۔۔۔۔ سلطان ایوبیؒ نے جواب دیا۔" مگر یہ میری قوم کے کردار کو قتل کرنے آئی تھی اور تمہارا یہ ساتھی بھی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بہت سے لوگوں کا قاتل بنا اور تم نے میرا خون بہا کر خدا کو دیکھنا چاہا تھا"

چند ہی دنوں بعد میگنا ماریوس سیف اللہ بن گیا جو بعد میں سلطان ایوبیؒ کے محافظ دستے میں شامل ہوا اور جب سلطان ایوبیؒ خالقِ حقیقی سے جا ملا، تو سیف اللہ نے زندگی کے آخری سترہ برس سلطان صلاح الدینؒ ایوبیؒ کی قبر پہ گزار دیئے۔ آج کسی کو بھی معلوم نہیں کہ سیف اللہ کی قبر کہاں ہے۔

# دُوسری بیوی

قاہرہ سے ڈیڑھ دو میل دُور جہاں ایک طرف ریت کے ٹیلے اور باقی ہر طرف صحرا ریت کے سمندر کی مانند افق تک پھیلا ہُوا تھا، انسانوں کے سمندر تلے دب گیا تھا۔ یہ لاکھوں انسانوں کا ہجوم تھا۔ ان میں شتر سوار بھی تھے اور گھوڑ سوار بھی۔ بہت سے لوگ گدھوں پر بھی سوار تھے۔ تعداد ان کی زیادہ تھی جن کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ لاتعداد ہجوم چار پانچ دنوں سے صحرا کی اس وسعت میں جمع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ قاہرہ کے بازاروں میں بھیڑ اور رونق زیادہ ہو گئی تھی۔ سرائے بھر گئی تھی۔ یہ لوگ دُور دُور سے اس سرکاری منادی پر آئے تھے کہ چھ سات روز بعد قاہرہ کے مضافاتی ریگستان میں مصر کی فوج گھوڑ سواری، شتر سواری، دوڑتے گھوڑوں اور اونٹوں سے تیر اندازی اور بہت سے جنگی کمالات کا مظاہرہ کرے گی۔ منادی میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ غیر فوجی لوگ بھی ان مظاہروں میں جس کسی کو چاہیں تیغ زنی، کشتی، دوڑتے گھوڑوں کی لڑائی اور تیر اندازی وغیرہ کے لیے للکار کر مقابلہ کر سکتے ہیں۔

یہ منادی صلاح الدین ایوبی نے کرائی تھی۔ اس کے دو مقاصد تھے۔ ایک یہ کہ لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب ملے گی اور دوسرے یہ کہ جو لوگ ابھی تک سلطان کو فوجی لحاظ سے کمزور سمجھتے ہیں ان کے شکوک رفع ہو جائیں۔ سلطان ایوبی کو جب یہ اطلاعیں ملنے لگیں کہ لوگ چھ روز پہلے ہی تماشہ گاہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں تو وہ بہت خوش ہُوا مگر علی بن سفیان پریشان سا نظر آتا تھا۔ اُس نے سلطان کے آگے اس پریشانی کا اظہار کر بھی دیا تھا۔ سلطان ایوبی نے مسرت سے اُسے کہا تھا۔ ”اگر تماشائیوں کی تعداد ایک لاکھ ہو جائے تو ہمیں پانچ ہزار

سپاہی تو مل ہی جائیں گے۔"

"محترم امیر!" علی بن سفیان نے کہا۔"میں تماشائیوں کے ہجوم کو کسی اور زاویے سے دیکھ رہا ہوں۔ میرے اندازے کے مطابق اگر تماشائیوں کی تعداد ایک لاکھ ہوئی تو اس میں ایک ہزار جاسوس ہوں گے۔ دیہات سے عورتیں بھی آ رہی ہیں۔ ان میں زیادہ تر سوڈانی ہیں۔ ان میں اکثر کا رنگ اتنا گورا ہے کہ عیسائی عورت ان میں چھپ سکتی ہے۔"

"میں تمہاری اس مشکل کو اچھی طرح سمجھتا ہوں علی!" سلطان نے کہا۔"لیکن تم جانتے ہو کہ میں نے جس میلے کا انتظام کیا ہے وہ کیوں ضروری ہے۔ تم اپنے محکمے کو اور زیادہ ہوشیار کر دو۔"

"میں اس کے حق میں ہوں!" علی بن سفیان نے کہا۔"یہ میلہ بہت ہی ضروری ہے۔ میں نے اپنی پریشانی آپ کو پریشان کرنے کے لیے نہیں بتائی، صرف یہ اطلاع پیش کی ہے کہ یہ میلہ اپنے ساتھ کیا خطرہ لا رہا ہے۔ قاہرہ میں عارضی قحبہ خانے کھل گئے ہیں جو ساری رات شائقین سے بھرے رہتے ہیں۔ تماشائیوں میں سے بعض نے شہر کے باہر خیمے نصب کر لیے ہیں۔ میرے گروہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ان میں بھی قمار بازوں اور عصمت فروشوں کے خیمے موجود ہیں۔ کل میلے کا دن ہے۔ ناچنے گانے والیوں نے تماشائیوں سے دولت کے ڈھیر اکٹھے کر لیے ہیں۔"

"میلہ ختم ہو جائے گا تو یہ غلاظت بھی ہجوم کے ساتھ ہی صاف ہو جائے گی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔"میں اس پر پابندی عائد نہیں کرنا چاہتا۔ مصر کی اخلاقی حالت اچھی نہیں۔ رقص اور عصمت فروشی ایک دو دنوں میں ختم نہیں کی جا سکتی۔ ابھی مجھے زیادہ سے زیادہ تماشائیوں کی ضرورت ہے۔ مجھے فوج تیار کرنی ہے اور تم جانتے ہو علی! ہمیں بہت زیادہ فوج کی ضرورت ہے۔ میں نے فوج اور انتظامیہ کے سربراہوں کے اجلاس میں یہ ضرورت وضاحت سے بیان کر دی تھی۔"

"میں آپ کو اس وضاحت سے روک نہیں سکا تھا۔ امیر محترم!" علی بن سفیان نے کہا۔"میری سراغرساں نگاہوں میں ان سربراہوں میں نصف ایسے ہیں جو ہمارے وفادار نہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان میں کچھ ایسے ہیں جو آپ کو اس گدی پر نہیں دیکھنا چاہتے اور باقی جو ہیں اُن کی دل چسپیاں سوڈانیوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کے پیچھے ایک ایک



آدمی چھوڑ رکھا ہے۔ میرے آدمی مجھے ان کی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔"

"کسی کی کوئی خطرناک سرگرمی سامنے آئی ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"نہیں۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔"سوائے اس کے کہ یہ لوگ اپنی حیثیت اور ذہنوں کو فراموش کر کے راتوں کو مشکوک خیموں میں اور اُن مکانوں میں جاتے ہیں جو عارضی قحبہ خانے اور رقص گاہیں بن گئے ہیں۔ دو نے تو ناچنے والی لڑکیوں کو گھروں میں بھی بلایا ہے..... ان سے زیادہ میرا دماغ اُن دو بادبانی کشتیوں پر گھوم رہا ہے جو دس روز گزرے، بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ دیکھی گئی تھیں۔"

"اُن میں کیا خاص بات تھی؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

اس وقت تک بحیرۂ روم کے ساحل سے فوج کو واپس بلایا گیا تھا۔ وہاں ڈھکی چھپی جگہوں پر دو دو فوجی سمندر پر نظر رکھنے کے لیے بٹھا دیئے گئے تھے۔ علی بن سفیان نے ماہی گیروں اور صحرائی خانہ بدوشوں کے بہروپ میں ساحل پر انٹیلی جنس کے چند آدمی مقرر کر دیئے تھے۔ یہ اہتمام ایک تو اس لیے کیا گیا تھا کہ صلیبی اچانک حملہ نہ کر دیں اور دوسرے اس لیے کہ اِدھر سے صلیبیوں کے جاسوس نہ آ سکیں، مگر ساحل بہت لمبا تھا۔ کہیں کہیں چٹانیں بھی تھیں جہاں سمندر اندر آ جاتا تھا۔ سارے ساحل پر نظر نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ دس روز گزرے ایسی ہی ایک جگہ سے جہاں سمندر چٹانوں کے اندر آیا ہوا تھا، دو بادبانی کشتیاں نکلتی دیکھی تھیں۔ وہ شاید رات کو آئی تھیں۔

انہیں جاتا دیکھ کر سلطان کے دو سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے اس جگہ پہنچے جہاں سے کشتیاں نکل کر گئی تھیں۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ کوئی انسان نہیں تھا اور کشتیاں سمندر میں دور چلی گئی تھیں۔ کشتیوں اور بادبانوں کی ساخت بتاتی تھی کہ یہ مصر کے ماہی گیروں کی نہیں۔ سمندر پار کی معلوم ہوتی تھیں۔ سوار تھوڑی دُور تک صحرا میں گئے۔ انہیں کسی انسان کا سراغ نہیں ملا۔ انہوں نے قاہرہ اطلاع بھجوا دی تھی کہ ساحل کے ساتھ دو مشکوک کشتیاں دیکھی گئی ہیں۔ علی بن سفیان کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ ریگزار میں انہیں ڈھونڈ لیتا جو کشتیوں میں سے اترے تھے۔ اطلاع پہنچتے پہنچتے تین دن گزر گئے

تھے۔ یہ بھی یقین نہیں تھا کہ کشتیوں سے کون اُترا ہے۔

علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے اس سوال کے جواب میں کہ ان کشتیوں میں کیا خاص بات تھی، یہ وضاحت کردی اور کہا ——— "ہم میلے کی منادی ڈیڑھ مہینے سے کرا رہے ہیں۔ ڈیڑھ مہینے میں خبر یورپ کے وسط تک پہنچ سکتی ہے اور وہاں سے جاسوس آسکتے ہیں۔ مجھے یقین کی حد تک شک ہے کہ تماشائیوں کے ساتھ صلیبیوں کے جاسوس بھی میلے میں آگئے ہیں۔ قاہرہ میں اس وقت لڑکیاں عارضی طور پر نہیں مستقل طور پر فروخت ہو رہی ہیں۔ سلطان سمجھ سکتے ہیں کہ ان کے خریدار معمولی حیثیت کے لوگ نہیں ہو سکتے۔ ان خریداروں میں قاہرہ کے تاجر، ہماری انتظامیہ اور فوج کے سربراہ اور نامی گرامی بردہ فروش شامل ہیں۔ بکنے والی لڑکیوں میں صلیبیوں کی جاسوس لڑکیاں ہوسکتی ہیں اور یقیناً ہوں گی۔"

سلطان ایوبی ان اطلاعوں سے پریشان نہ ہُوا۔ بحیرۂ روم میں صلیبیوں کو شکست دیئے تقریباً ایک سال گزر گیا تھا۔ علی بن سفیان نے سمندر پار جاسوسی کا انتظام کر رکھا تھا جو مضبوط اور سو فیصد قابلِ اعتماد نہیں تھا۔ تاہم یہ اطلاع مل گئی تھی کہ صلیبیوں نے مصر میں جاسوس اور تخریب کار بھیج رکھے ہیں۔ ابھی یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ مصر کے متعلق اُن کے منصوبے کیا ہیں۔ بغداد اور دمشق سے آنے والی اطلاعوں سے پتہ چلا تھا کہ صلیبیوں نے زیادہ تر دباؤ اُدھر ہی رکھا ہُوا ہے۔ وہاں، خصوصاً شام میں، وہ مسلمان اُمرا کو عیاشی اور شراب میں ڈبوتے چلے جا رہے تھے۔ سلطان نورالدین زنگی کی موجودگی میں صلیبی ابھی براہ راست ٹکر لینے کی جرأت نہیں کر رہے تھے۔ بحیرۂ روم میں جب صلاح الدین ایوبی نے اُن کا بیڑہ بمع لشکر غرق کر دیا تھا، اُدھر عرب میں سلطان زنگی نے صلیبیوں کی مملکت پر حملہ کر کے انہیں صلح پر مجبور کیا اور جزیہ وصول کر لیا تھا۔ اس معرکے میں بہت سے صلیبی سلطان زنگی کی قید میں آئے تھے جن میں ریناٹ نام کا ایک صلیبی سالار بھی تھا۔ سلطان زنگی نے ان قیدیوں کو رہا نہیں کیا تھا، کیونکہ صلیبیوں نے مسلمان جنگی قیدیوں کو شہید کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ صلیبی عہد شکنی بھی کرتے تھے۔

سلطان ایوبی کو اطمینان تھا کہ اُدھر سلطان زنگی سلطنتِ اسلامیہ کی



پاسبانی کر رہا ہے پھر بھی وہ فوج تیار کر رہا تھا تاکہ صلیبیوں سے فلسطین لیا جائے اور عرب کی سرزمین کو کفار سے پاک کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مصر کا دفاع مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ بیک وقت حملے اور دفاع کے لیے بے شمار فوج کی ضرورت تھی۔ مصر میں بھرتی کی رفتار سلطان ایوبی کے عزائم کے مطابق سست تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ سوڈانیوں کی جو فوج توڑ دی گئی تھی اس کے کمانڈار اور عہدیدار دیہات میں سلطان ایوبی کے خلاف پروپیگنڈا کرتے پھر رہے تھے۔ اس فوج میں سے تھوڑی سی تعداد سلطان کی فوج میں وفاداری کا حلف اٹھا کر شامل ہوگئی تھی۔ کچھ فوج مصر سے تیار کرلی گئی تھی اور کچھ سلطان زنگی نے بھیج دی تھی۔ مصر کے لوگوں نے ابھی یہ فوج نہیں دیکھی تھی۔ نہ ہی انہوں نے سلطان ایوبی کو دیکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس میلے کا اعلان کر کے اپنے فوجی سربراہوں اور اُن کے ماتحت کمانداروں وغیرہ کو ہدایت دی تھی کہ وہ باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے ملیں اور پیار و محبت سے ان کا اعتماد حاصل کریں۔ انہیں باور کرائیں کہ وہ انہی میں سے ہیں اور ہم سب کا مقصد یہ ہے کہ خدا اور رسول صلعم کی سلطنت کو دُور دُور تک پھیلانا اور اسے صلیبی فتنے سے پاک کرنا ہے۔

میلے سے ایک روز پہلے علی بن سفیان، سلطان کو جاسوسوں کے خطرے سے آگاہ کر رہا تھا۔ اس نے کہا ——— "امیرِ محترم! مجھے جاسوسوں کا کوئی ڈر نہیں، دراصل خطرہ اپنے ان کلمہ گو بھائیوں سے ہے، جو کفار کے اس زمین دوز حملے کو کامیاب بناتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان مضبوط ہو تو جاسوسوں کا پورا لشکر بھی کامیاب نہیں ہوسکتا میلے کے تماشائیوں میں جو ناچنے والی لڑکیاں نظر آرہی ہیں وہ صلیبیوں کا جال ہیں، تاہم میرا گروہ دن رات مصروف ہے۔"

"اپنے آدمیوں سے یہ کہہ دو کہ کسی جاسوس کو جان سے نہ ماریں۔" سلطان ایوبی نے کہا ——— "زندہ پکڑو۔ جاسوس دشمن کے لیے آنکھ اور کان ہوتا ہے لیکن ہمارے لیے وہ زبان ہے۔ وہ تمہیں اُن کی خبریں دے گا جنہوں نے اُسے بھیجا ہے۔"

☆

میلے کی صبح طلوع ہوئی۔ وہ میدان بہت ہی وسیع تھا جس کے تین اطراف تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ جس طرف ریت کے ٹیلے تھے ادھر کسی کو نہیں جانے دیا

گیا تھا۔ جنگی دف بجنے لگے۔ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں اس طرح سنائی دیں جیسے سیلابی دریا آ رہا ہو۔ گرد آسمان کی طرف اٹھ رہی تھی۔ یہ دو ہزار سے زیادہ گھوڑے تھے۔ پہلا گھوڑ سوار میدان میں داخل ہوا۔ یہ صلاح الدّین ایوبی تھا۔ اس کے دونوں طرف علمبردار تھے اور پیچھے سواروں کا دستہ تھا۔ گھوڑوں پر پھولدار چادریں ڈالی گئی تھیں۔ ہر سوار کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ برچھی کے چمکتے ہوئے پھل کے ساتھ رنگین کپڑے کی چھوٹی سی جھنڈی تھی۔ ہر سوار کی کمر سے تلوار لٹک رہی تھی گھوڑے دُلکی چال آ رہے تھے۔ سوار گردنیں تانے اور سینے پھیلائے بیٹھے تھے۔ اُن کے چہروں پر جلالی تاثر تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یہ تماشائیوں کے دم بخود ہجوم سے اعلیٰ و برتر ہوں۔ اُن کی آن بان دیکھ کر تماشائیوں پر خاموشی طاری ہوگئی تھی ان پر رعب چھا گیا تھا۔

تماشائی نیم دائرے میں کھڑے تھے۔ ان کے پیچھے تماشائی گھوڑوں پر بیٹھے تھے اور ان کے پیچھے کے تماشائی اونٹوں پر بیٹھے تھے۔ ایک ایک گھوڑے اور ایک ایک اونٹ پر دو دو تین تین آدمی بیٹھے تھے۔ ان کے آگے ایک جگہ شامیانہ لگایا گیا تھا جس کے نیچے کرسیاں رکھی تھیں۔ یہاں اونچی حیثیت والے تماشائی بیٹھے تھے۔ ان میں تاجر بھی تھے۔ سلطان کی حکومت کے افسر اور شہر کے معززین بھی۔ ان میں قاہرہ کی مسجدوں کے امام بھی بیٹھے تھے۔ انہیں سب سے آگے بٹھایا گیا تھا کیونکہ سلطان ایوّبی مذہبی پیشواؤں اور علماء کا اس قدر احترام کرتا تھا کہ ان کی موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر بیٹھتا نہیں تھا۔ ان میں سلطان کے وہ افسر بھی بیٹھے تھے جو انتظامیہ کے تھے لیکن ان کا تعلق فوج سے تھا۔ سلطان نے انہیں خاص طور پر کہا تھا کہ ان زعماء میں بیٹھ کر ان کے ساتھ دوستی پیدا کریں۔ ان میں خادم الدّین البرق بھی تھا۔ علی بن سفیان کے بعد یہ دوسرا آدمی تھا جو سلطان ایوّبی کے خفیہ منصوبوں، مملکت اور فوج کے ہر راز سے واقف تھا۔ اس کا کام ہی ایسا تھا اور اس کا عہدہ سالار جتنا تھا۔ جنگ کے منصوبے اور نقشے اسی کے پاس ہوتے تھے۔ اس کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔ وہ عرب کے مردانہ حُسن اور جلال کا پیکر تھا۔ جسم توانا اور چہرہ ہشاش بشاش تھا۔

البرق کے ساتھ ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ



نوجوان تھی۔ لڑکی کے ساتھ ایک آدمی بیٹھا تھا جس کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ وہ کوئی امیر کبیر تاجر لگتا تھا۔ البرق کئی بار اس لڑکی کی طرف دیکھ چکا تھا۔ ایک بار لڑکی نے بھی اسے دیکھا تو مسکرا دی۔ پھر اُس نے بوڑھے کی طرف دیکھا تو اس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔

گھوڑے تماشائیوں کے سامنے سے گزر گئے تو شتر سوار آگئے۔ اونٹوں کو گھوڑوں کی طرح رنگ دار چادروں سے سجایا گیا تھا۔ ہر سوار کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ اور اس کے پھل سے ذرا نیچے تین تین انچ چوڑے اور ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ لمبے دو رنگے کپڑے جھنڈیوں کی طرح بندھے ہوئے تھے۔ ہوا میں وہ پھڑپھڑاتے بہت ہی خوبصورت لگتے تھے۔ ہر سوار کے کندھوں سے ایک کمان آویزاں اور اونٹ کی زین کے ساتھ رنگین ترکش بندھی تھی۔ اونٹوں کی گردنیں خم کھا کر اوپر کو اٹھی ہوئیں اور سر جیسے فخر سے اونچے ہوگئے تھے۔ سواروں کی شان نرالی تھی۔ گھوڑ سواروں کی طرح ہر شتر سوار سامنے دیکھ رہا تھا۔ اُن کی آنکھیں بھی دائیں بائیں نہیں دیکھتی تھیں۔ یہ اونٹ انہی اونٹوں جیسے تھے جن پر تماشائی بیٹھے ہوئے تھے لیکن فوجی ترتیب، فوجی چال اور فوجی سواروں کے نیچے وہ کسی اور جہان کے لگتے تھے۔

البرق نے اپنے پاس بیٹھی ہوئی لڑکی کو ایک بار پھر دیکھا۔ اب کے لڑکی نے اسے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا جادو تھا کہ البرق نے اپنے آپ میں بجلی کا جھٹکا سا محسوس کیا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر شرم و حیا کا تبسم آگیا اور اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے بوڑھے کو دیکھا تو اس کا تبسم نفرت میں بدل گیا۔ البرق کی ایک بیوی تھی جس میں سے اُس کے چار بچے تھے۔ وہ شاید اس بیوی کو بھول گیا تھا۔ وہ لڑکی کے اس قدر قریب بیٹھا تھا کہ لڑکی کا اٹھا ہوا ریشمی نقاب ہوا سے اُڑ کر کئی بار البرق کے سینے سے لگا۔ ایک بار اس نے نقاب ہاتھ سے پرے کیا تو لڑکی نے شرما کر معذرت کی۔ البرق مسکرایا، منہ سے کچھ نہ کہا۔

شتر سواروں کے پیچھے پیادہ فوج آ رہی تھی۔ ان میں تیر اندازوں اور تیغ زنوں کے دستے تھے۔ اُن کی ایک ہی جیسی چال، ایک ہی جیسے ہتھیار اور ایک ہی جیسا لباس تماشائیوں پر وہی تاثر طاری کر رہا تھا جو سلطان ایوّبی کرنا چاہتا تھا۔ سپاہیوں کے چہروں پر تندرستی اور توانائی کی رونق تھی اور وہ

خوش وخرم اور مطمئن نظر آتے تھے۔ یہ ساری فوج نہیں، صرف منتخب دستے تھے۔ ان کے پیچھے منجنیقیں آرہی تھیں جنہیں گھوڑے گھسیٹ رہے تھے۔ ہر منجنیق دستے کے پیچھے ایک ایک گھوڑا گاڑی تھی جس میں بڑے بڑے پتھر اور ہانڈیوں کی قسم کے برتن رکھے تھے۔ ان میں تیل جیسی کوئی چیز بھری ہوئی تھی جو منجنیقوں سے پھینکی جاتی تھی۔ جہاں یہ برتن گرتا تھا وہ کئی ٹکڑوں میں ٹوٹ کر سیال مادے کو بہت سی جگہ پر بکھیر دیتا تھا۔ اس پر آتشیں تیر چلائے جاتے تو سیال مادہ شعلے بن جاتا تھا۔

سلطان ایوبی کی قیادت میں یہ سوار اور پیادہ دستے، نیم دائرے میں کھڑے اور بیٹھے ہوئے تماشائیوں کے آگے سے دور آگے نکل گئے۔ صلاح الدین ایوبی راستے میں سے واپس آگیا۔ اس کے گھوڑے کے آگے علمبرداروں کے گھوڑے، دائیں، بائیں اور پیچھے محافظوں کے گھوڑے اور ان کے پیچھے نائب سالاروں کے گھوڑے تھے۔ سلطان نے گھوڑا روک لیا، کود کر اترا اور تماشائیوں کو ہاتھ ہوا میں لہرا لہرا کر سلام کرتا شامیانے کے نیچے چلا گیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلطان ایوبی نے سب کو سلام کیا اور اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

سوار اور پیادہ دستے دور آگے جاکر ٹیلوں کے عقب میں چلے گئے۔ میدان خالی ہوگیا۔ ایک گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام اور دوسرے میں اونٹ کی رسی تھی۔ اونٹ گھوڑے کی رفتار کے ساتھ دوڑتا آرہا تھا۔ میدان کے وسط میں آکر گھوڑ سوار گھوڑے پر کھڑا ہوگیا۔ اس نے باگیں چھوڑ دیں۔ وہ اچھل کر اونٹ کی پیٹھ پر کھڑا ہوگیا۔ وہاں سے کود کر گھوڑے کی پیٹھ پر آگیا اور وہاں سے زمین پر کود گیا۔ چند قدم گھوڑے اور اونٹ کے ساتھ بھاگا پھر کود کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ گھوڑے اور اونٹ کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ گھوڑے کی پیٹھ سے وہ اونٹ کی پیٹھ پر چلا گیا اور دور آگے جاکر غائب ہوگیا۔

خادم الدین البرق دائیں کو ذرا سا جھکا۔ اس کے منہ اور لڑکی کے سر کے درمیان دو تین انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ لڑکی نے اسے دیکھا۔ البرق مسکرایا۔ لڑکی شرما گئی۔ بوڑھے نے دونوں کو دیکھا۔ اس کے بوڑھے ماتھے کے شکن



گھرے ہوگئے۔

اچانک ٹیلوں کے نیچے سے ہانڈیوں کی طرح کے مٹی کے وہ برتن جو گھوڑا گاڑیوں پر لدے ہوئے تھے، اوپر کو جاتے، آگے آتے اور میدان میں گرتے نظر آئے۔ برتن ٹوٹتے تھے تو تیل اچھل کر بکھر جاتا تھا۔ کم وبیش ایک سو برتن گرے اور اُن سے نکلا ہوا مادہ تقریباً ایک سو گز لمبائی اور اسی قدر چوڑائی میں بکھر گیا۔ ایک ٹیلے پر چھ تیر انداز نمودار ہوئے۔ انہوں نے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے جو سیال مادے والی جگہ گرے۔ فوراً وہ تمام جگہ ایک ایسا شعلہ بن گئی جو گھوڑے کی پیٹھ تک بلند اور کوئی ایک سو گز تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف سے چار گھوڑ سوار گھوڑے پوری رفتار سے دوڑتے آئے۔ شعلے کے قریب آکر وہ رکے نہیں۔ رفتار کم بھی نہ کی۔ چاروں شعلے میں چلے گئے۔ تماشائی دم بخود تھے کہ وہ جل جائیں گے مگر وہ اتنے وسیع شعلے میں دوڑتے نظر آرہے تھے۔ آخر وہ چاروں شعلے میں سے نکل گئے۔ تماشائیوں نے داد وتحسین کا وہ شور بلند کیا کہ آسمان پھٹنے لگا۔ دو سواروں کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ دونوں بھاگتے گھوڑوں سے ریت پر گرے اور تھوڑی دور لڑھکنیاں کھاتے گئے۔ ان کے کپڑوں کی آگ بجھ گئی۔

البرق اس شور وغل اور سواروں کے کمالات سے نظریں پھیرے ہوئے لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی اس کی طرف دیکھتی اور ذرا سا مسکرا کر بوڑھے کو دیکھنے لگتی تھی۔ بوڑھا اٹھ کر جانے کیوں چلا گیا۔ لڑکی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ البرق کو معلوم تھا کہ لڑکی بوڑھے کے ساتھ آئی ہے۔ اس نے لڑکی سے پوچھا۔

"تمہارے والد صاحب کہاں چلے گئے ہیں؟"

"یہ میرا باپ نہیں" — لڑکی نے جواب دیا — "میرا خاوند ہے"

"خاوند ہے" — البرق نے حیرت سے پوچھا — "کیا یہ شادی تمہارے والدین نے کرائی ہے؟"

"اس نے مجھے خریدا ہے" — لڑکی نے اداس لہجے میں کہا۔

"وہ کہاں گیا ہے؟" — البرق نے پوچھا۔

"ناراض ہوکر چلا گیا ہے" — لڑکی نے جواب دیا — "اسے شک ہوگیا ہے کہ میں آپ کو دل چسپی سے دیکھتی ہوں"

"کیا تم واقعی مجھے دل چسپی سے دیکھتی ہو؟" — البرق نے رومانی انداز سے پوچھا۔

لڑکی کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ آگئی۔ دھیمی سی آواز میں بولی۔ "میں اس بوڑھے سے تنگ آگئی ہوں۔ اگر کسی نے مجھے اس سے نجات نہ دلائی تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

میدان میں سوار اور پیادہ فوجی حیران کن کرتب دکھا رہے تھے اور حرب وضرب کے مظاہرے کر رہے تھے۔ تماشائیوں نے جنگی مظاہرے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ انہوں نے صرف سوڈانی فوج دیکھی تھی جو خزانے کے لیے سفید ہاتھی بنی ہوئی تھی۔ اس کے کمانڈر بادشاہوں کی طرح باہر نکلتے تھے۔ ان کے ساتھ اگر فوج کا دستہ ہوتو وہ دیہات کے لیے مصیبت بن جاتے تھے۔ مویشی تک کھول کر لے جاتے تھے۔ کسی کے پاس اچھی نسل کا اونٹ، گھوڑا دیکھتے تو زبردستی لے جاتے تھے۔ لوگوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ فوج رعایا پر ظلم و تشدد کرنے کے لیے رکھی جاتی ہے لیکن سلطان کی فوج بہت مختلف تھی۔ ایک تو وہ دستے تھے جو مظاہرے میں شریک تھے۔ باقی فوج کو سلطان کی ہدایات کے مطابق تماشائیوں میں پھیلا دیا گیا تاکہ وہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر ان پر یہ تاثر پیدا کریں کہ فوجی ان کے بھائی ہیں اور انہی میں سے ہیں۔ بدتمیزی یا بداخلاقی کرنے والے فوجی کے لیے بڑی سخت سزا مقرر کی گئی تھی۔

خادم الدین البرق جو سلطان ایوبی کی جنگی مشاورتی مجلس کا سربراہ اور رازداں تھا، سلطان کی ہدایات اور میلے کے شور و غل سے بالکل ہی لاتعلق ہوگیا تھا۔ لڑکی ایک جادو بن کر اس کی عقل پر غالب آگئی تھی۔ اس نے لڑکی میں دل چسپی کا اظہار کیا، اسے لڑکی نے قبول کر لیا تھا۔ اس سے دونوں کے لیے سہولت پیدا ہوگئی۔ البرق نے کہیں ملنے کو کہا تو لڑکی نے جواب دیا کہ وہ خریدی ہوئی لونڈی ہے اور اس بوڑھے نے اسے قید میں رکھا ہوا ہے۔ وہ اس پر ہر وقت نظر رکھتا ہے۔ لڑکی نے یہ بھی بتایا کہ بوڑھے کے گھر چار بیویاں ہیں..... البرق نے اپنے رتبے کو فراموش کر دیا۔ عشق باز نوجوان کی طرح اس نے ملاقات کی وہ جگہیں بتانی شروع کر دیں جہاں آوارہ آدمیوں کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا۔ ان جگہوں میں ایک جگہ لڑکی کو پسند آگئی۔ یہ شہر سے باہر قدیم زمانے کا کوئی کھنڈر تھا۔ البرق نے لڑکی سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اسے بوڑھے سے آزاد کرانے کی کوشش کرے گا۔

☆

تیسری رات البرق گھر سے نکلا۔ وہ حاکموں کی شان سے گھر سے نکلا کرتا تھا مگر اس رات وہ چوروں کی طرح باہر نکلا۔ ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف چل پڑا۔ قاہرہ پر سکوت طاری تھا۔ فوجی میلہ ختم ہوئے دو دن گزر گئے تھے باہر سے آئے ہوئے تماشائی جا چکے تھے۔ سرکاری حکم کے تحت عارضی قحبہ خانے اٹھا دیئے گئے تھے۔ علی بن سفیان کا محکمہ اب یہ سراغ لگاتا پھر رہا تھا کہ باہر سے آئی ہوئی کتنی لڑکیاں اور کتنے مشکوک رنگ شہر یا مضافاتی دیہات میں رہ گئے ہیں۔ میلے کا مقصد پورا ہوگیا تھا۔ دو ہی دنوں میں چار ہزار جوان فوج میں بھرتی ہوگئے تھے اور مزید بھرتی کی توقع تھی۔

البرق شہر سے نکل گیا اور اس نے اس کھنڈر کا رخ کیا جہاں لڑکی کو آنا تھا۔ صحرائی گیدڑوں کے سوا زمین و آسمان گہری نیند سو گئے تھے۔ لڑکی نے البرق سے کہا تھا کہ وہ بوڑھے کی قیدی ہے اور وہ اس پر ہر وقت نظر رکھتا ہے۔ پھر بھی البرق اس امید پر جا رہا تھا کہ لڑکی ضرور آئے گی۔ ممکنہ خطروں سے نمٹنے کے لیے اس کے پاس ایک خنجر تھا۔ عورت ایسا جادو ہے کہ جس پر طاری ہوجائے وہ کسی کی پروا نہیں کیا کرتا۔ عقل و دانش اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ البرق پختہ عمر کا آدمی تھا مگر وہ نادان نوجوان بن گیا تھا۔ اسے اندھیرے میں کھنڈر کے قریب ایک تاریک سایہ، سر سے پاؤں تک لبادے میں لپٹا ہوا نظر آیا اور کھنڈر کے کھڑے سیاہ بھوت میں جذب ہوگیا تو وہ تیز تیز چلتا کھنڈر میں پہنچا۔ گری ہوئی دیوار کے شگاف سے وہ اندر آگیا۔ آگے اندھیرا کمرہ تھا۔ چھت میں بڑی زور سے کوئی بہت بڑا پرندہ پھڑپھڑایا۔ البرق نے ہوا کے تیز جھونکے محسوس کیے اور اچانک اس کے منہ پر تھپیڑ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی اسے "چی چی" کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ جان گیا کہ یہ بڑے چمگادڑ ہیں جن کے پنجے اس کا منہ نوچ ڈالیں گے۔ وہ بیٹھ گیا اور پاؤں پر سرکتا کمرے سے نکل گیا۔ کمرہ اڑتے چمگادڑوں سے بھر گیا تھا۔

آگے صحن تھا جس کے ارد گرد گول برآمدہ تھا۔ البرق نے یہ بھی نہ سوچا

کہ ایک خریدی ہوئی قیدی لڑکی جس پر ہر وقت نظر رکھی جاتی ہے، اس ہیبت ناک کھنڈر میں کیسے آ ئے گی، مگر برآمدے میں کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ نے اسے بتا دیا کہ یہاں کوئی موجود ہے۔ اس نے کمر سے خنجر نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے سر پر چمگادڑ اڑ رہے تھے۔ پھڑ پھڑانے کی آوازیں ڈراؤنی تھیں۔ البرق نے آہستہ سے پکارا۔ "آصفہ!" ــــ لڑکی نے اُسے اپنا نام بتا دیا تھا اور میلے میں یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ کس طرح فروخت ہوئی ہے۔

"آپ آگئے؟" ــــ اسے آصفہ کی آواز سنائی دی۔ وہ برآمدے میں سے دوڑتی آئی اور البرق کے ساتھ چپک گئی۔ کہنے لگی ــــ "آپ کی خاطر جان کو خطرے میں ڈال کر آئی ہوں۔ مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ بڑھے کو شراب میں نیند کا سفوف پلا آئی ہوں۔ وہ جاگ نہ اٹھے۔"

"کیا تم اُسے شراب میں زہر نہیں پلا سکتی؟" ــــ البرق نے پوچھا۔

"میں نے کبھی قتل نہیں کیا" ــــ آصفہ نے کہا ــــ "میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح کسی غیر مرد سے ملنے اس ڈراؤنے کھنڈر میں آؤں گی۔"

البرق نے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا ــــ اچانک ان کے پیچھے برآمدہ روشن ہو گیا۔ جس کمرے میں سے البرق گزر کر آیا تھا اس میں سے دو شعلیں نکلیں۔ یہ لکڑیوں کے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپیٹ کر بنائی گئی تھیں۔ اُن کے شعلے تماشے بڑے تھے۔ البرق نے آصفہ کو اپنے پیچھے کر لیا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ کیا یہ کھنڈر میں رہنے والی بدروحیں تھیں؟ یا لڑکی کے تعاقب میں اس کا خاوند آگیا تھا؟ ــــ البرق ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک آواز گرجی ــــ "دونوں کو قتل کر دو۔"

شعلیں قریب آئیں تو اُن کے ناچتے شعلوں میں البرق اور آصفہ کو چار آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں برچھی اور تین کے پاس تلواریں تھیں۔ انہوں نے شعلیں زمین میں گاڑ دیں۔ کھنڈر کا صحن روشن ہو گیا۔ چاروں آدمی البرق کے گرد بھوکے بھیڑیوں کی طرح آہستہ آہستہ چکر میں چلنے لگے۔ آصفہ اس کے پیچھے تھی۔ برآمدے میں سے ایک اور آواز آئی "مل گئے؟ زندہ نہ چھوڑنا" ــــ یہ لڑکی کے بڑھے خاوند کی آواز تھی۔



آصفہ البرق کے عقب سے آگے آگئی۔ اس نے حقارت اور غصے سے بڑھے سے کہا ــــ "آگے آؤ اور مجھے قتل کر دو۔ میں تم پر لعنت بھیجتی ہوں۔ میں اپنی مرضی سے یہاں آئی ہوں۔"

چاروں مسلح آدمی اِن کے گرد کھڑے تھے۔ برچھی والے نے برچھی آہستہ آہستہ آصفہ کی طرف کی اور اس کی نوک اس کے پہلو سے لگا کر کہا ــــ "مرنے سے پہلے برچھی کی نوک دیکھ لو لیکن تم سے پہلے یہ شخص تڑپ تڑپ کر تمہارے سامنے مرے گا جس کی خاطر تم یہاں آئی ہو۔"

آصفہ نے جھپٹا مار کر برچھی پکڑ لی اور جھٹکا دے کر برچھی چھین لی۔ آصفہ البرق سے الگ ہو گئی اور للکار کر کہا ــــ "آؤ۔ آگے آؤ۔ میں دیکھتی ہوں کہ تم مجھ سے پہلے اس آدمی کو کس طرح قتل کرتے ہو۔"

البرق خنجر آگے کیے اس کے سامنے آگیا۔ لڑکی نے برچھی سے اس پر وار کیا جس سے اس نے برچھی چھینی تھی۔ وہ آدمی پیچھے کو بھاگا۔ اس کے ساتھیوں نے البرق پر حملہ کرنے کی بجائے صرف پینترے بدلے۔ وہ البرق کو آسانی سے قتل کر سکتے تھے مگر وہ بڑھ کر حملہ نہیں کر رہے تھے۔ آصفہ کی للکار گرج رہی تھی۔ وہ بڑھ کر وار کرتی تھی مگر وار خالی جاتا تھا۔ البرق نے ایک آدمی پر خنجر سے حملہ کیا تو وہ آدمی اس کے پیچھے آئے۔ آصفہ ایک ہی جست میں اس کے پیچھے ہو گئی۔ اُس کے ہاتھ میں لمبی برچھی تھی جو تلوار کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ خنجر تلوار کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ بوڑھا ایک طرف کھڑا اپنے آدمیوں کو للکار رہا تھا۔ تھوڑی سی دیر انہوں نے البرق اور آصفہ پر حملے کیے۔ آصفہ اُن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھی۔ البرق وار بچاتا تھا اور خنجر سے وار کرنے کی کوشش کرتا تھا مگر عجیب امر یہ تھا کہ لڑکی کے حملوں کے باوجود کوئی زخمی نہیں ہُوا۔ بڑھے کے آدمیوں نے بھی تیغ زنی کے جوہر دکھائے مگر البرق اور آصفہ کو خراش تک نہ آئی۔ اتنے میں بڑھے نے کہا ــــ "رک جاؤ" ــــ اور لڑائی بند ہو گئی۔

"میں ایسی بے وفا لڑکی کو گھر میں نہیں رکھنا چاہتا" ــــ بڑھے نے کہا ــــ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ اتنی دلیر اور بہادر ہے۔ اگر اسے میں زبردستی لے بھی گیا تو یہ مجھے قتل کر دے گی۔"

"میں تمہیں اس کی پوری قیمت دوں گا" ــــ البرق نے کہا ــــ "کہو، تم نے اسے

کتنے میں خریدا تھا؟"

بڈھا ہاتھ بڑھا کر آگے بڑھا اور البرق سے ہاتھ ملا کر بولا ــــ "میرے پاس دولت کی کمی نہیں۔ میں یہ لڑکی تمہیں بخش دیتا ہوں۔ اسے تمہارے ساتھ اتنی محبت ہے کہ تمہاری خاطر اتنے سارے آدمیوں کے مقابلے میں آگئی ہے۔ میں اسے اس لیے بھی تمہارے حوالے کرتا ہوں کہ یہ جنگجو نسل کی لڑکی ہے۔ میں تاجر اور سوداگر ہوں۔ یہ کسی تم جیسے جنگجو کے گھر میں اچھی لگے گی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ تم سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومت کے حاکم ہو۔ میں سلطان کا وفادار اور مرید ہوں۔ میں تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ۔ میں نے اسے طلاق دی اور اسے تم پر حلال کردیا..... چلو، دوستو! انہیں اکیلا چھوڑ دو"۔ وہ مشعلیں اٹھا کر چلے گئے۔

البرق کی حیرت کی انتہا یہ تھی کہ اس کے پاؤں تلے زمین ہلنے لگی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اسے بڈھے کا فریب سمجھ رہا تھا۔ اسے یہ خطرہ نظر آرہا تھا کہ یہ لوگ راستے میں گھات لگا کر ان دونوں کو قتل کریں گے۔ آصفہ کے ہاتھ میں برچھی تھی، وہ البرق نے لے لی اور کچھ دیر بعد کھنڈر سے نکلے۔ وہ دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتے تیز تیز چلنے لگے۔ ذرا سی آہٹ سنائی دیتی تو وہ چونک کر رک جاتے۔ ہر طرف اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرتے اور آہستہ آہستہ چل پڑتے۔ شہر میں داخل ہوئے تو ان کی جان میں جان آئی۔ آصفہ نے رک کر بازو البرق کے گلے میں ڈال دیئے اور پوچھا۔ "آپ کو مجھ پر اعتماد ہے یا نہیں؟" ــــ البرق نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس پر جذبات کا اتنا غلبہ تھا کہ کچھ بول نہ سکا۔ لڑکی نے اسے بے دام خرید لیا تھا۔ اسے یہ تو اب پتہ چلا تھا کہ لڑکی اسے کیسی دیوانگی سے چاہتی ہے اور کتنی بہادر ہے۔ دراصل وہ لڑکی کے حُسن پر مرمٹا تھا۔ اُس کی بیوی اس کی ہم عمر تھی۔ آصفہ کو دیکھ کر اس نے محسوس کیا کہ وہ بیوی اس کے کام کی نہیں رہی۔

اُس دور میں جب عورت فروخت ہوتی تھی، گھر میں بیوی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بیک وقت چار بیویاں تو خاوند اپنا حق سمجھتا تھا، لیکن جو پیسے والے تھے وہ دو چار خوبصورت لڑکیاں بغیر نکاح کے رکھ لیتے تھے۔ مسلمان اُمرا کو عورت نے ہی تباہ کیا تھا۔ ان کے ہاں یہ بھی رواج تھا کہ ایک آدمی کی بیویاں خاوند کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ڈھونڈ ڈھونڈ کر خوبصورت لڑکیاں خاوند کو بطور تحفہ پیش کرتی تھیں۔



البرق جب آصفہ کو ساتھ لیے گھر میں داخل ہوا تو سب سوئے ہوئے تھے۔ صبح اس کی بیوی نے اپنے خاوند کے پلنگ پر اتنی حسین لڑکی دیکھی تو اسے ذرہ بھر محسوس نہ ہوا کہ اس کا سہاگ اجڑ گیا ہے، بلکہ وہ خوش ہوئی کہ اس کے اتنے اچھے خاوند کو اتنی خوبصورت لڑکی مل گئی ہے۔ اس کے آجانے سے وہ کچھ فرائض سے سبکدوش ہوگئی تھی۔ البرق کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ ایسی ایک اور بیوی یا داشتہ رکھ سکتا تھا۔

صلاح الدین ایوبی مسلمانوں کو عورت سے اور عورت کو مسلمانوں سے آزاد کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک خاوند ایک بیوی، کا حکم نافذ کرنا چاہتا تھا مگر ابھی وہ ہر اُس امیر اور وزیر کو دشمن بنانے سے ڈرتا تھا جس نے کئی کئی لڑکیاں گھروں میں رکھا ہوا تھا۔ عورت کے خریدار یہی لوگ تھے۔ انہی کی دولت سے عورت کھلی منڈی میں نیلام ہوتی تھی۔ اغوا کی وارداتیں ہوتی تھیں۔ قتل اور خون خرابے ہوتے تھے اور اُمراء اور حاکموں کی زن پرستی کا ہی نتیجہ تھا کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے لڑکیوں کی وساطت سے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑوں میں زہر بھر دیا تھا۔ اس کے علاوہ سلطان ایوبی کو یہ احساس بھی پریشان کیے رکھتا تھا کہ یہی عورت مردوں کے دوش بدوش کفار کے خلاف لڑا کرتی تھی، مگر اب یہ عورت جو جہاد میں مرد کے لیے آدھی قوت تھی، مرد کی تفریح اور عیاشی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ اس سے صرف یہ نہیں ہوا کہ قوم کی آدھی جنگی قوت ختم ہوگئی ہے بلکہ عورت ایک ایسا نشہ بن گئی ہے جس نے قوم کی مردانگی کو بیکار کر دیا ہے۔

سلطان ایوبی عورت کی عظمت بحال کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک منصوبہ تیار کر رکھا تھا جس کے تحت وہ غیر شادی شدہ لڑکیوں کو باقاعدہ فوج میں بھرتی کرنا چاہتا تھا۔ اسی کے تحت حرم بھی خالی کرنے تھے، مگر ایسے احکام وہ اسی صورت نافذ کر سکتا تھا کہ سلطنت کی خلافت یا امارت اس کے ہاتھ آجائے۔ یہ مہم بڑی دشوار تھی۔ اس کے دشمنوں میں اپنوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جانتا تھا کہ قوم میں ایمان فروشوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ اس کا ایک معتمدِ خاص اور حکومت کے رازوں کا رکھوالا، خادم الدین البرق بھی ایک نوجوان حسینہ کو گھر لے آیا ہے اور یہ لڑکی اس کے اعصاب پر بُری طرح چھا گئی ہے کہ وہ اب فرائضِ سلطنت سے بے پرواہ ہو سکتا ہے۔

فوجی میلے میں مصر کے لوگ سلطان ایوبی کی فوجی طاقت سے مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اسے اسلامی اور مصری فوج سمجھ کر اس سے متاثر ہوئے تھے۔

سلطان ایوبی تقریریں کرنے والا حاکم نہیں تھا لیکن اس دن اتنے بڑے اجتماع سے اس نے خطاب کرنا ضروری سمجھا۔ اس نے کہا کہ یہ فوج قوم کی عصمت کی محافظ اور اسلام کی پاسبان ہے۔ اس نے صلیبیوں کے عزائم تفصیل سے بیان کیے اور مصریوں کو بتایا کہ عرب میں مسلمان اُمراء اور حاکموں کی تعیش پرستی کی وجہ سے صلیبیوں نے وہاں مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ وہ قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں، مسلمان لڑکیوں کو اغوا کر کے بے آبرو کرتے پھر انہیں بیچ ڈالتے ہیں.... سلطان ایوبی نے لوگوں کو قومی جذبے سے آگاہ کر کے انہیں کہا کہ وہ فوج میں بھرتی ہو کر اپنی بیٹیوں کی عصمت اور اسلام کی عظمت کی پاسبانی کریں۔

سلطان کی تقریر میں جوش تھا اور ایسا تاثر کہ تماشائیوں کے دلوں میں ہلچل بپا ہو گئی اور اسی روز جوان آدمی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔

دس روز تک بھرتی ہونے والوں کی تعداد چھ ہزار ہو گئی۔ اس میں کم و بیش ڈیڑھ ہزار جوان اپنے اونٹ ساتھ لائے اور ایک ہزار کے قریب گھوڑوں اور خچروں سمیت آئے۔ سلطان نے انہیں جانوروں کا معاوضہ فوری طور پر ادا کر دیا اور فوج نے ان کی ٹریننگ شروع کر دی۔

میلے کے تین ماہ بعد—

سلطان کی فوج میں تین جرائم کی رفتار بڑھنے لگی —— چوری، جوا بازی اور رات کی غیر حاضری —— یہ جرائم اس سے پہلے بھی ہوتے تھے لیکن نہ ہونے کے برابر تھے۔ فوجی میلے کے بعد یہ وبا کی صورت اختیار کرنے لگے۔ ان تینوں کی بنیاد جوا بازی تھی۔ چوری کی وارداتیں ابھی تک محدود تھیں کہ سپاہی سپاہی کی کوئی ذاتی چیز چرا کر بازار میں بیچ ڈالتا تھا، مگر ایک رات فوج کے تین گھوڑے غائب ہو گئے۔ سواروں اور سپاہیوں کی تعداد پوری تھی۔ کوئی بھی غیر حاضر نہیں تھا۔ اگر اس نقصان کو نظر انداز کر دیا جاتا تو اگلی بار دس گھوڑے چوری ہو جاتے۔ اعلیٰ حکام تک رپورٹ پہنچی۔ انہوں نے فوجوں کو تنبیہہ کی، سزا سے ڈرایا، خدا سے ڈرایا مگر یہ تینوں جرائم بڑھتے گئے۔

ایک رات ایک سپاہی پکڑا گیا۔ وہ کہیں سے کیمپ میں آرہا تھا۔ اس سے پہلے رات کو غیر حاضر ہونے والے سپاہی چوری چھپے سنتریوں سے بچ کر نکل جاتے اور بچتے بچاتے آجاتے تھے لیکن یہ سپاہی لڑکھڑاتا آرہا تھا۔ سنتری نے اسے دیکھ لیا اور اُسے پکارا۔ سپاہی رک گیا اور گر پڑا۔ سنتری نے دیکھا کہ یہ خون میں نہایا ہوا تھا۔ اسے اٹھا کر اپنے عہدیدار کے پاس لے گیا۔ اس کی مرہم پٹی کی گئی مگر وہ زندہ نہ رہ سکا۔ مرنے سے پہلے اس نے بتایا کہ وہ اپنے ایک ساتھی سپاہی کو قتل کر آیا ہے اور اس کی لاش کیمپ سے نصف کوس دور ایک خیمے میں پڑی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق وہاں تین خیمے تھے۔ وہ لوگ خانہ بدوش تھے۔ ان کے پاس خوبصورت عورتیں تھیں۔ وہ ان عورتوں کی نمائش فوجیوں میں کرتے تھے۔ رات کو سپاہی وہاں تک پہنچ جاتے تھے۔ وہ دوسروں کو بتاتے تو وہ بھی چلے جاتے۔

وہ خانہ بدوش صرف عصمت فروش نہیں تھے۔ ان کی ہر عورت اپنے ہر فوجی گاہک کو یہ تاثر دیتی تھی کہ وہ اس پر فدا ہے اور اس کے ساتھ شادی کرے گی۔ بعد کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ انہوں نے سپاہیوں میں رقابت پیدا کر دی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ یہ دو سپاہی خانہ بدوشوں کے خیمے میں لڑ پڑے۔ ایک مارا گیا اور دوسرا زخمی ہو کر آیا اور جان دے کر مر گیا۔

دوسرے سپاہی کی لاش لانے کے لیے آدمی روانہ کر دیے گئے۔ ان کے ساتھ ایک کمانڈر بھی تھا۔ مرنے والے سپاہی نے راستہ اور جگہ بتا دی تھی۔ وہاں گئے تو دیکھا کہ سپاہی کی لاش پڑی ہے۔ خیمے نہیں ہیں۔ وہاں کے نشان بتا رہے تھے کہ یہاں سے خیمے اکھاڑے گئے ہیں۔ رات کے وقت ان کی تلاش ممکن نہیں تھی۔ سپاہی کی لاش اٹھا لائے۔ اس حادثے کی رپورٹ سلطان ایوبی کو دی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ فوج میں جرائم بڑھ گئے ہیں، اور تین گھوڑے بھی چوری ہو چکے ہیں۔ سلطان نے علی بن سفیان کو بلا کر کہا کہ وہ سپاہیوں کے بھیس میں اپنے سراغرساں فوج میں شامل کر کے معلوم کرے کہ یہ جرائم کیوں بڑھ گئے ہیں۔ سلطان نے اس سلسلے میں البرق کو بھی حکم دیا۔

اس 'کیوں' کا جواب شہر کے اندر موجود تھا جہاں تک علی بن سفیان کے سراغرسانوں کی رسائی محال تھی۔ یہ ایک بہت بڑا قلعہ نما مکان تھا۔ مصریوں کا ایک کنبہ نہیں بلکہ پورا خاندان اس میں رہتا تھا۔ اس مکان اور مکینوں کو

شہر میں عزت حاصل تھی کیونکہ یہاں خیرات بہت تقسیم ہوتی تھی۔ ناداروں کو یہاں سے مالی مدد ملتی تھی۔ فوجی میلے میں اس خاندان نے سلطان ایوبی کو اشرفیوں کی دو تھیلیاں فوج کے لیے پیش کی تھیں۔ یہ سوداگر خاندان تھا۔ مصر میں سلطان ایوبی کے آنے سے پہلے یہ مکان سوڈانی فوج کے بڑے رتبے والوں اور انتظامیہ کے حاکموں کی مہمان گاہ بنا رہا تھا۔ سوڈانیوں کو سلطان ایوبی نے آکر ختم کر دیا تو اس خاندان کی وفاداریاں حکومت کے ساتھ رہیں اور یہ سلطان ایوبی کا وفادار ہو گیا۔

جس روز سلطان ایوبی نے البرق اور علی بن سفیان کو حکم دیا کہ وہ فوج میں جرائم کی وبا کی وجوہات معلوم کریں، اس سے اگلی رات اس مکان کے ایک کمرے میں دس بارہ آدمی بیٹھے تھے۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ کمرے میں ایک بوڑھا آدمی داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک بڑی خوبصورت لڑکی تھی جس کا آدھا چہرہ نقاب میں تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا گیا اور لڑکی نے نقاب اٹھا دیا۔ وہ بوڑھے کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"کل امیرِ مصر تک اطلاع پہنچ گئی ہے کہ فوج میں جوئے بازی اور بدکاری بڑھ گئی ہے" بوڑھے نے کہا۔ "ہماری آج کی یہ نشست بہت اہم ہے۔ امیر نے سپاہیوں کے بھیس میں فوج میں سراغرساں شامل کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ ہمیں ان سراغرسانوں کو ناکام کرنا ہے۔ تازہ اطلاع بڑی ہی امید افزا ہے۔ دو مصری سپاہیوں نے ایک عورت پر لڑ کر ایک دوسرے کو قتل کر دیا ہے، یہ ہماری کامیابی کی ابتدا ہے"

"تین مہینوں میں صرف ایک مسلمان سپاہی نے دوسرے کو قتل کیا اور خود بھی قتل ہوا ہے" ایک آدمی نے بوڑھے کی بات کاٹ کر کہا۔ "کامیابی کی یہ رفتار بہت سست ہے۔ کامیابی ہم اسے کہیں گے جب ایوبی کا کوئی نائب یا اپنے سالار کو قتل کر دے گا"

"میں کامیابی اسے کہوں گا جب کوئی سالار یا نائب سالار صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دے گا" بوڑھے نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ ایک ہزار سپاہی قتل ہو جائیں تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارا مطمعِ نظر ایوبی کا قتل ہے۔ آپ سب کو پچھلے سال کے دونوں واقعات یاد ہوں گے۔ ساحل پر سلطان ایوبی پر



تیر چلایا گیا وہ خطا گیا۔ روم سے آدمی آئے وہ ایسے ناکام ہوئے کہ سب کے سب مارے گئے اور ایک بدبخت مسلمان ہو گیا۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ — یہ کہ سلطان کو قتل کرنا اتنا آسان نہیں جتنا آپ لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایوبی قتل ہو جائے تو اس کا جانشین اس سے زیادہ سخت اور کٹر مسلمان ثابت ہو۔ اس لیے یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے کہ اس کی فوجوں کو اس خوبصورت تباہی کے راستے پر ڈال دو جس پر صلیب کے پرستاروں نے بغداد اور دمشق کے مسلمان امراء اور حاکموں کو ڈال دیا ہے"

"صلیب کے پرستاروں اور سوڈانیوں کو شکست کھائے ایک سال گزر گیا ہے" ایک نے کہا۔ "اس ایک سال میں آپ نے کیا کیا ہے؟... محترم! آپ بڑا لمبا راستہ اختیار کر رہے ہیں۔ دو آدمیوں کا قتل بے حد لازمی ہے۔ ایک صلاح الدین ایوبی، دوسرا علی بن سفیان"

"اگر علی بن سفیان کو ختم کر دیا جائے تو ایوبی اندھا اور بہرہ ہو جائے" ایک اور نے کہا۔

"میں نے وہ آنکھیں حاصل کر لی ہیں جو سلطان ایوبی کے سینے کے ہر ایک راز کو دیکھ سکتی ہیں" بوڑھے نے کہا اور اس لڑکی کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا جو اس کے ساتھ آئی تھی۔ بوڑھے نے کہا۔ "یہ ہیں وہ آنکھیں۔ دیکھو ان آنکھوں میں کیا جادو ہے۔ تم سب نے صلاح الدین ایوبی کے ایک حاکم خادم الدین البرق کا نام سنا ہوگا۔ تم میں سے بعض نے اسے دیکھا بھی ہوگا۔ صرف دو آدمی ہیں جو صلاح الدین کے سینے میں دیکھ سکتے ہیں۔ ایک علی دوسرا البرق۔ علی بن سفیان کو قتل کرنا حماقت ہوگی۔ میں نے جس طرح البرق پر قبضہ کر لیا ہے، اسی طرح علی پر بھی کروں گا"

"البرق آپ کے قبضے میں آ چکا ہے؟" — ایک نے پوچھا۔

"ہاں!" بوڑھے نے لڑکی کے ریشمی بالوں کو ہاتھ سے چھیڑ کر کہا۔ "میں نے اسے ان زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ میں نے آج آپ سب کو چند اور باتیں بتانے کے علاوہ یہ خوشخبری بھی سنانے کے لیے بلایا ہے۔ ہمیں جلدی برخاست ہونا ہے کیونکہ ہم سب کا ایک جگہ اکٹھا ہونا ٹھیک نہیں۔ اس لڑکی کو تم سب شاید جانتے ہو۔ مجھے بالکل امید نہیں تھی کہ یہ اتنی استادی سے یہ ڈرامہ کھیل لے

گی۔ اس کی عمر دیکھئے۔ پختہ نہیں ہے۔ میں پورا ایک سال ایسے موقع کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا کہ علی بن سفیان یا البرق کو یا دونوں کو چانس سکوں۔ میں ان سے ملا کبھی نہیں کیونکہ میں ان کی شناخت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ فوجی حکام کو سلطان شہریوں سے دور رکھتا تھا۔ آخر اس نے فوجی میلے کا اعلان کیا اور مجھے پتہ چل گیا کہ اس نے اپنے فوجی کمانداروں، سالاروں اور عہدیداروں سے کہا ہے کہ میلے میں وہ شہریوں میں بیٹھیں اور ان سے باتیں کریں اور ان پر اپنا رعب نہیں بلکہ اعتماد پیدا کریں۔ مجھے علی بن سفیان کہیں نظر نہیں آیا۔ اس لڑکی کو میں ساتھ لے گیا تھا۔ البرق نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو کرسیاں خالی تھیں۔ میں نے لڑکی کو اس کے بٹھا دیا۔ اسے میں آٹھ مہینوں سے استادی طریقے سکھا رہا تھا۔ جے اپنا بوڑھا خاوند اور اپنے آپ کو خریدی ہوئی مظلوم لڑکی بتا کر اس نے البرق جیسے مومن کو اپنی خوبصورتی میں گرفتار کر لیا۔ ملاقات کا وقت اور جگہ طے کر لی۔ میں نے اسے بتایا کہ اسے کھنڈر میں کیا ناٹک کھیلنا ہے۔ لڑکی کھنڈر میں چلی گئی۔ میں چار آدمیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ دو آدمی اس وقت یہاں موجود ہیں۔ دو کو آپ سب نہیں جانتے۔ وہ ہمارے گروہ کے آدمی ہیں۔ اس نے البرق پر ثابت کر دیا کہ یہ اس کی خاطر جان دے دے گی۔ ہمارے چاروں ساتھیوں نے البرق پر اور اس پر تلواروں سے حملے کیے۔ اس نے برچھی کے وار کیے۔ یہ ناٹک اس قدر حقیقی معلوم ہوتا تھا کہ البرق کو شک تک نہ ہوا۔ کم بخت کے دماغ میں یہ بھی نہ آئی کہ تلواروں کے اور برچھی کے اتنے وار ہوئے مگر کوئی زخمی تک نہ ہوا۔ میں نے یہ کہہ کر یہ کھیل ختم کیا کہ یہ لڑکی اتنی بہادر ہے کہ کسی بہادر کے پاس ہی اچھی لگتی ہے۔ میں نے اسے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے البرق کے حوالے کر دیا۔"

"میں نے اسے اپنا نام آصفہ بتا رکھا ہے۔" لڑکی نے کہا ۔۔۔ "میں حیران ہوں کہ اتنی پختہ عمر کا حاکم اتنی آسانی سے میرے جال میں پھنس گیا ہے۔ میں نے اسے شراب کا عادی بنا دیا ہے۔ اس نے کبھی نہیں پی تھی۔ پہلی بیوی اسی گھر میں رہتی ہے۔ اس کے بچے بھی ہیں لیکن وہ سب کو جیسے بھول گیا ہے۔" ۔۔۔ لڑکی نے محفل کو تفصیل سے بتایا کہ اس نے کیسے کیسے طریقوں سے



سلطان ایوبی کے اس معتمدِ خصوصی کی عقل کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔

"ان تین مہینوں میں یہ لڑکی مجھے صلاح الدین ایوبی کے کئی قیمتی راز دے چکی ہے۔" بوڑھے نے کہا ۔۔۔ "سلطان ایوبی بہت زیادہ فوج تیار کر رہا ہے۔ اس میں سے وہ آدھی مصر میں رکھے گا اور باقی نصف کو اپنی کمان میں عیسائی بادشاہوں کے خلاف لڑانے کے لیے لے جائے گا۔ اس کی نظر یروشلم پر ہے لیکن البرق سے اس لڑکی نے جو راز لیے ہیں، وہ یہ ہیں کہ سلطان سب سے پہلے اپنے مسلمان حکمرانوں اور قلعہ داروں کو متحد کرے گا۔ ان کے اتحاد کو صلیب کے پرستاروں نے بالکل اسی طرح بکھیر دیا ہے جس طریقے سے ہم نے البرق کو اپنے قبضے میں لیا ہے۔"

"تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ البرق اب ہمارے گروہ کا فرد ہے؟" ۔۔۔ ایک آدمی نے پوچھا۔

"نہیں" بوڑھے نے جواب دیا۔ "وہ سچے دل سے ایوبی کا وفادار ہے۔ وہ اتنا ہی وفادار اس لڑکی کا بھی ہے۔ یہ لڑکی سلطان، قوم اور اسلام کی وفاداری کا اظہار ایسے والہانہ طریقے سے کرتی ہے کہ البرق اسے 'قوم کی جانباز بیٹی' سمجھتا ہے۔ اس لڑکی کے حسن و جوانی اور محبت کے عملی اظہار کا جادو الگ ہے۔ البرق کو ہم اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے۔ ضرورت ہی کیا ہے۔ وہ پوری طرح ہمارے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔"

"سلطان ایوبی اور کیا کرنا چاہتا ہے؟" ۔۔۔ اس گروہ کے ایک رُکن نے پوچھا۔

"اس کے ذہن میں سلطنتِ اسلامیہ ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "وہ صلیب کی سلطنت میں اسلام کا جھنڈا گاڑنے کا منصوبہ بنا چکا ہے۔ ہمارے اِن جاسوسوں کو جو سمندر پار سے آئے ہیں، ایوبی نے گرفتار اور بیکار کرنے کے لیے علی بن سفیان کی نگرانی میں ایک بہت بڑا گروہ تیار کیا ہے۔ البرق سے حاصل کی ہوئی اطلاعات کے مطابق اس نے جانبازوں کی ایک الگ فوج تیار کی ہے جسے وہ صلیبی ملکوں میں بھیج کر جاسوسی اور تباہی کرائے گا۔ اس فوج کی ٹریننگ شروع ہو چکی ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے منصوبے بہت خطرناک ہیں۔ انہی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے فوجی میلے کا ڈھونگ

رچایا اور چھ سات ہزار جوان بھرتی کر لیے ہیں۔ لوگ ابھی تک بھرتی ہو رہے ہیں۔ بھرتی ہونے والوں میں سوڈانی بھی ہیں۔ مجھے اوپر سے جو ہدایات ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ ایوبی کی فوج میں بدکاری کے بیج بونے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں عورت اور جوا داخل کر دو۔"

بوڑھے نے بتایا کہ اس نے فوجی میلے کے فوراً بعد اپنے آدمی بھرتی کرا دیئے تھے۔ انہوں نے بڑی خوبی سے فوج میں جوا شروع کرا دیا ہے۔ جوا اور عورت ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو چوری اور قتل تک لے جاتی ہیں۔

اس نے دوسرا طریقہ یہ بتایا کہ عصمت فروش عورتوں کو ٹریننگ دے کر فوجی کیمپوں کے اردگرد چھوڑ دیا گیا ہے جو یہ ظاہر نہیں ہونے دیتیں کہ وہ پیشہ ور ہیں۔ انہوں نے سلطان کے فوجیوں کو بدی کے راستے پر ڈالنے کے ساتھ ساتھ ان میں رقابت بھی پیدا کر دی ہے۔ بوڑھے نے کہا — "اس کی کامیابی پرسوں سامنے آئی ہے۔ دو سپاہی ایک عورت کے خیمے میں بیک وقت پہنچ گئے۔ دونوں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو بُری طرح زخمی کر دیا۔ ایک تو خیمے میں ہی مر گیا۔ دوسرے کے متعلق پتہ چلا کہ کیمپ میں جا کر مر گیا ہے۔ ... یہ رپورٹ سلطان ایوبی تک پہنچ گئی ہے۔ اس نے علی بن سفیان اور البرق کو حکم دیا ہے کہ فوجوں میں اپنے سراغرساں بھیج کر معلوم کریں کہ جوا بازی، چوری چکاری اور بدکاری کیوں بڑھتی جا رہی ہے۔ لہٰذا آپ سب ان تمام عورتوں سے جو اسی کام میں مصروف ہیں کہہ دیں کہ کیمپوں کے قریب نہ جائیں۔"

اسی مجلس میں یہ بھی بتایا گیا کہ آصفہ جس کا اصلی نام کچھ اور تھا، پانچویں چھٹی رات اس بوڑھے کو اطلاعیں دینے جاتی ہے جو وہ البرق سے حاصل کرتی ہے۔ جس رات اُسے باہر نکلنا ہوتا ہے وہ البرق کو شراب میں ایک خاص سفوف گھول کر پلا دیتی ہے۔ اس کے اثر سے صبح تک اس کی آنکھ نہیں کھل سکتی۔ مجلس میں یہ انکشاف بھی ہوا کہ مصر کے شہروں اور قصبوں میں خفیہ قحبہ خانے اور قمار خانے قائم کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے اثرات امید افزا ہیں۔ تربیت یافتہ عورتیں اچھے اچھے گھرانوں کے نوجوانوں کو بدکاری کے راستے پر ڈالتی جا رہی ہیں۔ اب کوشش یہ کی جائے گی کہ مسلمان لڑکیوں میں بھی بے حیائی کا رجحان پیدا کیا جائے۔



یہ محفل جو جاسوسوں کا ایک خفیہ اجلاس تھا، برخاست ہوئی۔ وہ سب اکٹھے باہر نہ نکلے۔ ایک آدمی باہر جاتا تھا۔ دس پندرہ منٹ بعد دوسرا آدمی نکلتا تھا۔ بوڑھا بھی چلا گیا تھا۔ صرف آصفہ اور ایک آدمی رہ گیا۔ آصفہ نے نقاب میں چہرہ چھپایا اور اس آدمی کے ساتھ نکل گئی۔

☆

البرق نے آصفہ کو ایک راز بنائے رکھا ہوا تھا۔ اس نے ابھی کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔ دوسری شادی معیوب نہیں تھی، لیکن وہ ڈرتا تھا کہ دوست مذاق کریں گے کہ اتنا عرصہ ایک بیوی کے ساتھ گزار کر چالیس سال کی عمر میں نوجوان لڑکی کے ساتھ شادی کر لی۔ مگر یہ بھید چھپ نہ سکا۔ علی بن سفیان نے شہر میں اور فوجی کیمپوں کے اردگرد اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ اسے یہ اطلاعیں مل رہی تھیں کہ فوجی میلے کے بعد شہر میں بھی جوا اور بدکاری بڑھ رہی ہے۔ ایک روز ایک سراغرساں نے علی بن سفیان کو یہ رپورٹ دی کہ گزشتہ تین مہینوں میں اس نے چار بار دیکھا ہے کہ ناظم الدین البرق کے گھر سے رات اُس وقت جب سب سو جاتے ہیں، ایک عورت سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی نکلتی ہے۔ وہ تھوڑی دور جاتی ہے تو ایک آدمی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ سراغرساں نے بتایا کہ دو بار اس نے یہیں تک دیکھا۔ تیسری بار اس نے اس عورت کا پیچھا کیا۔ وہ اس آدمی کے ساتھ ایک مکان میں چلی گئی۔ وہاں سے کچھ دیر بعد نکلی اور اُس آدمی کے ساتھ واپس چلی گئی۔

اس سراغرساں نے بتایا کہ اس نے اس عورت کو گزشتہ رات گھر سے نکلتے، ایک آدمی کے ساتھ جاتے دیکھا تو تعاقب کیا۔ وہ اسی مکان میں داخل ہو گئی۔ ذرا سی دیر بعد وہ ایک آدمی کے ساتھ مکان سے نکلی۔ وہ دونوں شہر کے ایک بہت بڑے مکان میں داخل ہو گئے۔ سراغرساں مکان سے دُور دُور رہا۔ بہت سا وقت گزر جانے کے بعد اس مکان سے ایک ایک کر کے گیارہ آدمی نکلے۔ آخر میں یہ عورت ایک آدمی کے ساتھ نکلی۔ سراغرساں اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے تعاقب میں گیا۔ البرق کے مکان سے کچھ دُور آدمی ایک اور طرف چلا گیا اور عورت البرق کے مکان میں داخل ہو گئی۔

سراغرساں البرق جیسے حاکم کے گھر کے متعلق کوئی بات کہنے کی جرأت نہیں

کر سکتا تھا لیکن علی بن سفیان کی ہدایات اور احکام بڑے ہی سخت تھے۔ اس نے اپنے جاسوسوں، مخبروں اور سراغرسانوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی کسی حرکت کو شک سے دیکھیں تو بھی اسے بتائیں اور وہ کسی کے رتبے کا لحاظ نہ کریں۔ جہاں انہیں کسی قسم کا شک ہو، خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو، وہ علی بن سفیان کو تفصیل سے بتائیں۔ یہ سبق جاسوسی کی ٹریننگ میں شامل تھا کہ جاسوسی کی کامیابی کا دارومدار ایسی ہی حرکتوں اور باتوں سے ہوتا ہے جنہیں بے معنی سمجھ کر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

اس سراغرساں نے چار مرتبہ جو مشاہدہ کیا تھا وہ علی بن سفیان کے لیے اہم تھا وہ ابرق کی بیوی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ایسی عورت نہیں تھی کہ راتوں کو کسی غیر مرد کے ساتھ باہر جائے۔ ابرق کی کوئی بیٹی جوان بھی نہیں تھی۔ یہ تو کسی کو بھی علم نہ تھا کہ ابرق نے ایک نوجوان لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ اس نے اس مسئلے پر بہت غور کیا۔ اُسے یہ خیال بھی آ گیا کہ ابرق اس کا دوست بھی ہے۔ اُسے حق پہنچتا تھا کہ اس کے دوست کے گھر میں کوئی گڑبڑ ہے تو اس کے لیے کچھ کرے۔ مگر اس کے ذہن میں جو سوچ غالب تھی وہ یہ تھی کہ شہر میں مشکوک عورتوں کا ریلا سا آ گیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ابرق کسی بدکار عورت کے چکر میں آ گیا ہو؟ ایک طریقہ اس کے دماغ میں آ گیا۔ اس نے اپنے محکمے کی ایک عورت کو اس روپ میں ابرق کے گھر میں بھیجا کہ وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ اس کا خاوند مر گیا ہے اور اس کے بیٹے آوارہ ہو گئے ہیں لہٰذا اس کی اعانت کی جائے۔

ہدایت کے مطابق یہ عورت اُس وقت ابرق کے گھر میں گئی جب وہ گھر میں نہیں تھا۔ دوسری ہدایت کے مطابق وہ سارے گھر میں پھری تو اُسے آصفہ نظر آ گئی۔ یہ عورت ابرق کی پہلی بیوی سے ملی۔ اپنی "فریاد" پیش کی اور کہا کہ وہ (ابرق کی پہلی بیوی) ابرق سے اس کی سفارش کرے۔ باتوں باتوں میں اس نے کہا — "آپ کی بیٹی کی شادی ہوئی ہے یا ابھی کنواری ہے؟" — اسے جواب ملا — "یہ میری بیٹی نہیں، میرے خاوند کی دوسری بیوی ہے۔ تین مہینے ہوئے انہوں نے شادی کی ہے۔"

علی بن سفیان کے لیے یہ اطلاع حیران کن تھی۔ اس کے دل میں یہی شک پیدا ہو گیا کہ رات کو باہر جانے والی اس کی نئی بیوی ہو سکتی ہے۔ علی نے ایک اور عورت



کے ہاتھ ابرق کی پہلی بیوی کو پیغام بھیجا کہ وہ اُسے کہیں باہر ملنا چاہتا ہے مگر ابرق کو پتہ نہ چلے۔ اس نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ ان کے گھر کے متعلق کوئی بہت ہی ضروری بات کرنی ہے۔ علی نے ملاقات کے لیے ایک جگہ بھی بتا دی اور وقت وہ بتایا جب ابرق دفتر میں مصروف ہوتا تھا۔۔۔۔ وہ آ گئی۔ علی بن سفیان کے دل میں اس معزز عورت کا بہت ہی احترام تھا۔ اس نے ابرق کی بیوی سے کہا کہ اسے معلوم ہُوا ہے کہ ابرق نے دوسری شادی کر لی ہے۔ بیوی نے جواب دیا — "خدا کا شکر ہے کہ اس نے دوسری شادی کی ہے۔ چوتھی اور پانچویں نہیں کی۔"

باتیں کرتے کرتے علی بن سفیان نے پوچھا۔ "وہ کیسی ہے؟"

"بہت خوبصورت ہے۔" بیوی نے جواب دیا۔

"شریف بھی ہے؟" — علی بن سفیان نے پوچھا — "آپ کو اس پر کسی قسم کا شک تو نہیں؟" — کچھ دیر تک وہ گہری سوچ میں پڑی رہی۔ علی نے کہا — "اگر میں یہ کہوں کہ وہ کبھی کبھی رات کو باہر چلی جاتی ہے تو آپ بُرا تو نہ جانیں گی؟"

وہ مسکرائی اور کہنے لگی — "میں خود پریشان تھی کہ یہ بات کس سے کروں۔ میرے خاوند کا یہ حال ہے کہ اس کا غلام ہو گیا ہے۔ مجھ سے تو اب بات بھی نہیں کرتا۔ میں اس لڑکی کے خلاف خاوند کے ساتھ بات کروں تو وہ مجھے گھر سے نکال دے۔ وہ کہے گا کہ میں حسد سے شکایت کر رہی ہوں۔ یہ لڑکی صاف نہیں۔ ہمارے گھر میں شراب کی بُو بھی کبھی نہیں آئی تھی۔ اب وہاں مٹکے خالی ہوتے ہیں۔"

"شراب؟" علی بن سفیان نے چونک کر پوچھا — "ابرق شراب بھی پینے لگا ہے؟"

"صرف پیتا نہیں۔" بیوی نے کہا — "بدمست اور مدہوش ہو جاتا ہے۔ میں نے چھ بار اس لڑکی کو رات کے وقت باہر جاتے اور بہت دیر بعد آتے دیکھا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جس رات لڑکی کو باہر جانا ہوتا ہے، اس رات ابرق بے ہوش ہوتا ہے۔ صبح بہت دیر سے اٹھتا ہے۔ لڑکی بدمعاش ہے۔ اسے دھوکہ دے رہی ہے۔"

"لڑکی بدمعاش نہیں۔" علی بن سفیان نے کہا — "وہ جاسوس ہے۔ وہ ابرق کو نہیں، تم کو دھوکہ دے رہی ہے۔"

"جاسوس؟" بیوی نے چونک کر کہا۔ "میرے گھر میں جاسوس؟" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دانت پیس کر بولی۔ "آپ جانتے ہیں کہ میں شہید کی بیٹی ہوں۔ البرق پکا مسلمان تھا۔ اس نے زندگی اسلام کے نام پر وقف کر رکھی تھی۔ میں بچوں کو جہاد کے لیے تیار کر رہی ہوں اور آپ کہتے ہیں کہ میرے بچوں کا باپ ایک جاسوس لڑکی کے قبضے میں آ گیا ہے۔ میں اپنے بچوں کے باپ کو قربان کر سکتی ہوں، قوم اور اسلام کو قربان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ میں دونوں کو قتل کر دوں گی۔"

علی بن سفیان نے اسے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا اور اسے سمجھایا کہ ابھی یہ یقین کرنا ہے کہ یہ لڑکی جاسوس ہے اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ البرق بھی جاسوسوں کے گروہ میں شامل ہو گیا ہے یا اسے شراب پلا کر صرف استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس عورت کو یہ بھی بتایا گیا کہ جاسوسوں کو قتل نہیں گرفتار کیا جاتا ہے اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے متعلق پوچھا جاتا ہے۔ علی بن سفیان نے اسے کچھ ہدایات دیں اور اُسے کہا کہ وہ لڑکی کی ہر حرکت پر نظر رکھے ..... یہ عورت چلی گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے علی بن سفیان کی ہدایات پر ٹھنڈے دل سے عمل کرے گی۔ مگر اس کی چال اور اس کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ کسی بھی وقت بے قابو ہو جائے گی۔ وہ حرم کی عورت نہیں تھی۔ وہ خاوند کی وفادار بیوی اور ملک و ملت پر جان نثار کرنے والی قوم کی بیٹی تھی۔

☆

خادم الدین البرق اور علی بن سفیان صرف رفیقِ کار ہی نہیں تھے۔ ان کی گہری دوستی بھی تھی۔ وہ ہم عمر تھے۔ انہوں نے اکٹھے معرکے لڑے تھے۔ دونوں سلطان ایوبی کے پرانے ساتھی تھے۔ اتنی گہری دوستی کے باوجود البرق نے علی بن سفیان سے دوسری شادی چھپا رکھی تھی۔ علی کو معلوم ہوا تو اس نے البرق کے ساتھ اس ضمن میں کوئی بات نہ کی۔ وہ اس کی بیوی کی وساطت سے اس کے گھر کا معمہ حل کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ اس نے البرق کے مکان اور اُس مکان کے درمیان اپنے جاسوسوں میں اضافہ کر دیا تھا جہاں البرق کی نئی بیوی رات کو جایا کرتی تھی۔ البرق کی پہلی بیوی کے ساتھ باتیں کیے دو راتیں گزر گئی تھیں۔ لڑکی باہر نہیں نکلی تھی۔ جاسوس پوری پوری رات بیدار رہے تھے۔

تیسری رات، نصف شب سے ذرا پہلے علی بن سفیان گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس نے اپنے عملے اور اپنے ملازموں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ جب چاہیں اسے جگا سکتے ہیں۔



وہ ان حاکموں سے مختلف تھا جو کسی کو آرام میں مخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اُس رات علی کو ملازم نے گہری نیند سے بیدار کیا اور کہا۔ "عمر آیا ہے، گھبرایا ہوا ہے۔"

علی بن سفیان کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح کمرے سے نکلا، صحن دو تین چھلانگوں میں عبور کیا اور ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا۔ اس کے عملے کا ایک آدمی باہر کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔ "ملازم کو دوڑائیں۔ دس بارہ سوار فوراً منگوائیں۔ اپنا گھوڑا جلدی تیار کریں، پھر آپ کو بتاتا ہوں کہ کیا ہوا ہے۔"

علی بن سفیان نے ملازم کو چودہ مسلح سوار اور اپنا گھوڑا اور تلوار لانے کو دوڑایا اور عمر سے پوچھا۔ "کہو کیا بات ہے؟"

عمر اور آذر نام کے دو جاسوس آصفہ کو دیکھنے کے لیے متعین تھے۔ علی بن سفیان نے انہیں حکم دے رکھا تھا کہ لڑکی گھر سے نکل کر کہیں جائے تو اسے فوراً اطلاع دی جائے۔ عمر بڑی خطرناک اطلاع لے کر آیا۔ اس نے بتایا کہ تھوڑی دیر گزری البرق کے گھر سے سیاہ چادر میں سر سے پاؤں تک لپٹی ہوئی ایک عورت نکلی۔ پچاس ساٹھ گز آگے گئی تو البرق کے گھر سے اسی لباس میں ایک اور عورت نکلی۔ وہ بہت تیز تیز اگلی عورت کے پیچھے چلی گئی۔ جب اُس سے ذرا دُور رہ گئی تو اگلی عورت رُک گئی۔ دونوں جاسوس چھپے ہوئے تھے۔ انہیں کوئی نہ دیکھ سکا۔ وہ تعاقب بھی چھپ چھپ کر کرتے تھے۔ دونوں عورتوں میں نہ جانے کیا بات ہوئی۔ ان میں سے ایک نے تالی بجائی۔ کہیں قریب سے ایک آدمی نکلا۔ اس نے بعد میں آنے والی عورت کو پکڑنا چاہا۔ عورت نے اس پر کسی ہتھیار کا وار کیا جو اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ اس آدمی نے بھی اس پر کسی ہتھیار سے وار کیا۔

جو عورت پہلے آئی تھی، اس کی آواز سنائی دی۔ "اسے اٹھا کر لے چلو۔" دوسری عورت نے اس پر وار کیا۔ اس کی چیخ سنائی دی۔ دوسری عورت نے اس پر ایک اور وار کیا اور آدمی کا وار بچایا بھی۔ دونوں عورتیں زخمی ہو گئی تھیں۔ عمر علی بن سفیان کو اطلاع دینے دوڑ پڑا۔ آذر وہیں چھپا رہا۔ اُسے یہ دیکھنا تھا کہ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں۔

علی بن سفیان نے اس قسم کے ہنگامی حالات کے لیے تیز رفتار اور تجربہ کار لڑاکا سواروں کا ایک دستہ تیار رکھا ہوا تھا۔ یہ سوار اپنے گھوڑوں کے قریب سوتے تھے۔ زینیں اور ہتھیار اُن کے پاس رہتے تھے۔ انہیں یہ مشق کرائی

جاتی تھی کہ رات کے وقت ضرورت پڑنے پر وہ چند منٹوں میں تیار ہو کر ضرورت کی جگہ پہنچیں۔ وہ اس قدر تیز ہوگئے تھے کہ علی بن سفیان کے ملازم نے دستے کے کمانڈر کو اطلاع دی کہ چودہ سوار بھیج دو تو وہ علی بن سفیان کے کپڑے بدلنے اور اس کا گھوڑا تیار ہونے تک پہنچ گئے۔

علی بن سفیان کی قیادت اور عمر کی راہنمائی میں وہ واردات کی جگہ پہنچے۔ دو سواروں کے ہاتھوں میں ڈنڈوں کے ساتھ تیل میں بھیگے ہوئے کپڑوں کی مشعلیں تھیں۔ وہاں دو لاشیں پڑی تھیں۔ علی بن سفیان نے گھوڑے سے اتر کر دیکھا۔ ایک البرق کی پہلی بیوی تھی۔ دوسرا آذر تھا۔ عمر کا ساتھی۔ دونوں زندہ تھے اور خون میں ڈوبے ہوئے۔ آذر نے بتایا کہ وہ البرق کی بیوی کو پھینک کر چلے گئے تو وہ اس کے پاس گیا۔ اچانک پیچھے سے کسی نے اُس پر خنجر کے تین وار کیے۔ وہ سنبھل نہ سکا۔ حملہ آور بھاگ گیا۔ آذر نے بتایا کہ دوسری عورت البرق کے گھر کی طرف نہیں گئی بلکہ اُدھر گئی ہے جہاں وہ پہلے جایا کرتی تھی۔ عمر کو اس گھر کا علم تھا۔

علی بن سفیان نے دو سواروں سے کہا کہ وہ دونوں زخمیوں کو فوراً جرّاح کے پاس لے جائیں اور ان کا خون روکنے کی کوشش کریں۔ باقی سواروں کو وہ عمر کی راہنمائی میں اُس مکان کی طرف لے گیا جہاں آصفہ پہلے کئی بار جاتے دیکھی گئی تھی۔ وہ پرانے زمانے کا بڑا مکان تھا۔ اس سے ملحق کئی اور مکان تھے۔ پچھواڑے سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ علی نے اپنے سواروں کو مکان کے دونوں طرف سے پیچھے بھیجا۔ دو سواروں کو مکان کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا کہ کوئی بھی اندر سے نکلے اسے پکڑ لو۔ بھاگنے کی کوشش کرے تو پیچھے سے تیر مارو اور ختم کردو۔

سوار ابھی چکر کاٹ کر پچھواڑے کی طرف جا ہی رہے تھے کہ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دینے لگے۔ علی بن سفیان نے ایک سوار سے کہا ——— "سرپٹ جاؤ۔ اپنے کمانڈر سے کہو کہ اس مکان کو گھیرے میں لے کر اندر داخل ہو جائے اندر کے تمام افراد کو گرفتار کرے" ——— سوار کیمپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ علی بن سفیان نے بلند آواز سے اپنے سواروں کو حکم دیا ——— "ایڑ لگاؤ۔ تعاقب کرو۔ ایک دوسرے کو نظر میں رکھو" ——— اور اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔



یہ رسالے کے چنے ہوئے گھوڑے تھے اور ان کے سوار سلطان ایوبی سے کئی بار خراجِ تحسین حاصل کر چکے تھے۔ مفرور بھی شاہسوار معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے گھوڑوں کے ٹاپو بتاتے تھے کہ اچھی نسل کے بہت تیز دوڑنے والے گھوڑے ہیں۔ یہ شہر کا علاقہ تھا جہاں مکانوں کی رکاوٹیں تھیں۔ گلیاں تھیں جو گھوڑوں کی دوڑ کے لیے کشادہ نہیں تھیں۔ ان سے آگے کھلا میدان تھا۔

اندھیرے میں گھوڑے نظر نہیں آتے تھے۔ اُن کی آوازوں پر تعاقب ہو رہا تھا۔ وہ جب کھلے میدان میں گئے تو اُن کا چھپنا مشکل ہو گیا۔ اُفق کے پس منظر میں وہ سایوں کی طرح صاف نظر آنے لگے۔ وہ چار تھے۔ انہوں نے کم و بیش ایک سو گز کا فاصلہ حاصل کر لیا تھا۔ وہ پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ علی بن سفیان کے حکم پر دو سواروں نے اسی رفتار سے گھوڑے دوڑاتے تیر چلائے۔ تیر شاید خطا گئے تھے۔ بھاگنے والے دانش مند معلوم ہوتے تھے۔ تیر ان کے قریب سے یا درمیان سے گزرے تو انہوں نے گھوڑے پھیلا دیئے۔ وہ اکٹھے جا رہے تھے۔ ان کے گھوڑے کھلنے لگے۔ نہایت اچھے طریقے سے گھوڑے ایک دوسرے سے خاصے دُور ہٹ گئے۔ علی بن سفیان کا دستہ بہت تیز تھا۔ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا مگر بھاگنے والوں کے گھوڑے اور زیادہ ایک دوسرے سے ہٹتے جا رہے تھے۔ آگے کھجور کے پیڑوں کا جھنڈ آ گیا۔ اُن کے گھوڑے وہاں اس طرح ایک دوسرے سے دور ہٹ گئے کہ دو دائیں طرف اور دو کھجوروں کے بائیں طرف ہو گئے۔ یہ جگہ اونچی تھی۔ گھوڑے اوپر اٹھے اور غائب ہو گئے۔

تعاقب کرنے والے بلندی پر گئے تو انہیں آگے جو بھاگنے والے نظر آئے وہ ایک دوسرے سے بہت ہی الگ ہو گئے تھے۔ پھر وہ اتنی دُور دُور ہو گئے کہ ان کے رُخ ہی بدل گئے۔ علی بن سفیان جان گیا کہ وہ اس کے سواروں کو منتشر کرنا چاہتے ہیں۔ علی نے بلند آواز سے کہا ——— "ہر سوار کے پیچھے تقسیم ہو جاؤ۔ ایک دوسرے کو بتادو۔ ایڑ لگاؤ۔ فاصلہ کم کرو۔ کمانوں میں تیر ڈال لو"

سوار تقسیم ہو گئے۔ سب نے کندھوں سے کمانیں اتار کر تیر ڈال لیے اور تقسیم ہو کر ایک ایک گھوڑے کے پیچھے گئے۔ ان کے گھوڑوں کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ ٹاپوؤں کے شور وغل ہی کمانوں سے تیر نکلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کسی نے للکار کر کہا ——— "ایک کو مار لیا۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا ہے" ——— ادھر علی بن سفیان کے ساتھ جو

دو سوار تھے، انہوں نے بیک وقت تیر چلائے۔ اندھیرے میں تیر خطا جانے کا ڈر تھا اور تیر خطا جا بھی رہے تھے۔ پھر بھی انہوں نے ایک اور گھوڑے کو نشانہ بنا لیا۔ یہ گھوڑا بے قابو ہو کر اور گھوم کر پیچھے کو آیا۔ ایک سوار نے اس کی گردن میں برچھی ماری۔ دوسرے نے اپنے گھوڑے سے جھک کر اُس کے پیٹ میں برچھی داخل کر دی مگر گھوڑا توانا تھا، گرا نہیں۔ سوار زندہ پکڑنا تھا۔ علی کے ایک سوار نے بازو بڑھا کر ایک سوار کی گردن جکڑ لی۔ نیچے گھوڑا زخمی تھا۔ وہ رُکتے رُکتے رک گیا۔ اس پر ایک آدمی سوار تھا اور ایک لڑکی جسے سوار نے آگے بٹھا رکھا تھا۔ لڑکی شاید بے ہوش تھی۔

صحرا کی تاریک رات میں اب کسی سرپٹ دوڑتے گھوڑے کے ٹاپو نہیں سنائی دیتے تھے۔ سواروں کی آوازیں اور دُلکی چلتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیتے تھے۔ سوار ایک دوسرے کو پکار رہے تھے۔ ان کی آوازوں سے پتہ چلتا تھا کہ انہوں نے بھاگنے والوں کو پکڑ لیا ہے۔ علی بن سفیان نے سب کو اکٹھا کر لیا۔ بھاگنے والے پکڑے گئے تھے۔ ان کے دو گھوڑے زخمی تھے۔ ان گھوڑوں کو مرنے کے لیے صحرا میں چھوڑ دیا گیا۔ بھاگنے والے پانچ تھے۔ چار آدمی اور ایک لڑکی۔ لڑکی گر پڑی تھی۔ بھاگنے والوں میں سے ایک نے کہا ”ہمارے ساتھ تم لوگ جو سلوک کرنا چاہو کرو مگر یہ لڑکی زخمی ہے۔ ہم امید رکھیں گے کہ تم اسے پریشان نہیں کرو گے۔“

ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ مشعل بندھی ہوئی تھی۔ کھول کر جلائی گئی۔ لڑکی کو دیکھا گیا۔ بہت ہی خوبصورت اور نوجوان لڑکی تھی۔ اس کے کپڑے خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ اس کے کندھے پر، گردن کے قریب، خنجر کا گہرا زخم تھا۔ اس سے اتنا خون نکل گیا تھا کہ لڑکی کا چہرہ لاش کی طرح سفید اور آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ علی بن سفیان نے زخم میں ایک کپڑا ٹھونس کر اوپر ایک اور کپڑا باندھ دیا اور اُسے ایک گھوڑے پر ڈال کر سوار سے کہا کہ جلدی جرّاح تک پہنچے۔ وہاں جلدی کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ وہ شہر سے میلوں دُور نکل گئے تھے۔

قیدیوں میں ایک بوڑھا تھا۔

یہ قافلہ جب قاہرہ پہنچا تو صبح طلوع ہو رہی تھی۔ سلطان کو رات کے واقعہ کی اطلاع مل گئی تھی۔ علی بن سفیان ہسپتال گیا۔ جراح اور طبیب قیدی لڑکی کی



مرہم پٹی میں اور ہوش میں لانے میں مصروف تھے۔ سوار نے اسے تھوڑی دیر پہلے پہنچا دیا تھا۔ البرق کی پہلی بیوی اور آصفہ ہوش میں آ گئے تھے۔ مگر اُن کی حالت تسلی بخش نہیں تھی۔ سلطان ایوبی ہسپتال میں موجود تھا۔ اس نے علی بن سفیان کو الگ کر کے کہا ”میں بہت دیر سے یہاں ہوں۔ میں نے البرق کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا تو اس نے عجیب بات بتائی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ البرق ہوش میں نہیں۔ اس کے کمرے میں شراب کے پیالے اور صراحی پڑی ہے۔ کیا وہ شراب بھی پینے لگا ہے؟ اُسے اتنا بھی ہوش نہیں کہ اس کی بیوی گھر سے باہر زخمی پڑی ہے۔ میں نے اس کی بیوی سے ابھی کوئی بات نہیں کی۔ طبیب نے منع کر دیا ہے۔“

”اس کی ایک نہیں دو بیویاں زخمی ہیں“ — علی بن سفیان نے کہا ”یہ لڑکی جسے ہم نے صحرا میں جا کر پکڑا ہے البرق کی دوسری بیوی ہے۔ ذرا زخمیوں کو بولنے کے قابل ہونے دیں۔ ہم نے بہت بڑا شکار مارا ہے۔“

البرق سورج نکلنے کے بعد جاگا۔ ملازم کے بتانے پر وہ دوڑتا آیا۔ اس کی دونوں بیویاں زخمی پڑی تھیں۔ اسے چاروں جاسوس دکھائے گئے۔ وہ بوڑھے کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اسے وہ آصفہ کا بوڑھا خاوند سمجھتا رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے یہ واردات اپنی تحویل میں لے لی کیونکہ یہ جاسوسوں کے پورے گروہ کی واردات تھی اور اس میں اس کا معتمد ملوث تھا جسے فوج کے تمام راز اور آئندہ منصوبے معلوم تھے۔

جوں ہی زخمی بیان دینے کے قابل ہوئے ان سے بیان لیے گئے۔ ان سے یہ کہانی یوں بنی کہ البرق کی پہلی بیوی کو جب علی بن سفیان نے بتایا کہ اس کے خاوند کی دوسری بیوی مشتبہ چال چلن کی ہے اور وہ جاسوس معلوم ہوتی ہے تو وہ سخت غصے کے عالم میں گھر چلی گئی۔ وہ اپنے خاوند کو اور آصفہ کو قتل کر دینا چاہتی تھی لیکن علی بن سفیان نے اُسے کہا تھا کہ جاسوسوں کو زندہ پکڑا جاتا ہے تاکہ ان کے چھپے ہوئے ساتھیوں کا سراغ لیا جا سکے۔ اس نے اپنے آپ پر قابو پایا اور آصفہ پر گہری نظر رکھنے لگی۔ اس نے رات کا سونا بھی ترک کر دیا۔ موقع دیکھ کر اس نے ان کے سونے والے کمرے کے اس دروازے میں چھوٹا سا سوراخ کر لیا جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔ رات کو اس سوراخ میں سے انہیں دیکھتی رہتی تھی۔ دو راتیں تو اس نے یہی دیکھا کہ

لڑکی البرق کو شراب پلاتی اور عریانی کا پورا مظاہرہ کرتی تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی باتیں ایسے انداز سے کرتی تھی جیسے وہ اس کا پیر اور مرشد ہو۔ صلیبیوں کو بُرا بھلا کہتی اور وہی باتیں کرتی جو سلطان ایوبی کے جنگی منصوبے میں شامل تھیں۔ البرق اسے بتاتا تھا کہ سلطان کیا کر رہا ہے اور کیا سوچ رہا ہے۔

البرق کی پہلی بیوی نے دو راتیں یہی کچھ دیکھا اور سنا۔ تیسری رات وہ ناٹک کھیلا گیا جس کا البرق کی پہلی بیوی کو بے تابی سے انتظار تھا۔ آصفہ نے البرق کو شراب پلانی شروع کی اور اسے بالکل حیوان بنا دیا۔ آصفہ دونوں پیالے اٹھا کر اور یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی —— "دوسری لاتی ہوں" —— وہ واپس آئی تو پیالوں میں شراب تھی۔ اس نے ایک پیالہ البرق کو دے دیا۔ دوسرا خود منہ سے لگا لیا۔ اس کے بعد اس نے بے حد ننگی حرکتیں کیں اور البرق بے سدھ لیٹ گیا۔ آصفہ نے کپڑے پہنے اور البرق کو آہستہ آہستہ بلایا۔ وہ نہ بولا۔ پھر اسے ہلایا۔ ہاتھ سے اس کے پپوٹے اوپر کیے مگر اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس نے پیالے دوسرے کمرے میں لے جا کر شراب میں بے ہوش کرنے والی کوئی چیز البرق کے پیالے میں ملا دی تھی۔

آصفہ نے کپڑے پہنے۔ اوپر سیاہ چادر اس طرح لے لی کہ سر سے پاؤں تک چھپ گئی۔ آدھی رات ہونے کو تھی۔ اس نے قندیل بجھائی اور باہر نکل گئی۔ پہلی بیوی آگ بگولہ ہو گئی۔ اس نے خنجر اٹھایا۔ اوپر لبادہ اوڑھا۔ وہ کمرے سے نکلنے لگی تو دیکھا کہ آصفہ ایک ملازمہ کے ساتھ کھسر پھسر کر رہی تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ ملازمہ کو اس نے ساتھ ملا رکھا تھا۔ آصفہ باہر نکل گئی۔ ملازمہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پہلی بیوی بڑے دروازے سے باہر نکل گئی۔ وہ تیز تیز چلتی آصفہ کے تعاقب میں گئی۔ وہ اس کے قدموں کی آہٹ پر جا رہی تھی۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ آصفہ کو شاید اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔ وہ رک گئی۔ پہلی بیوی اندھیرے میں اچھی طرح دیکھ نہ سکی۔ وہ آصفہ کے قریب چلی گئی اور رک گئی۔ اچانک آمنے سامنے آ جانے سے پہلی بیوی فیصلہ نہ کر سکی کہ کیا کرے۔ اس کے منہ سے نکل گیا —— "کہاں جا رہی ہو آصفہ؟"

پہلی بیوی کو معلوم نہ تھا کہ لڑکی کی حفاظت کے لیے ایک آدمی چھپ چھپ کر اس کے ساتھ جاتا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ آصفہ نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ



مارا اور البرق کی پہلی بیوی سے ہنس کر کہا —— "آپ میرے پیچھے آئی ہیں یا کہیں جا رہی ہیں؟" —— اتنے میں پیچھے سے کسی نے پہلی بیوی کو بازوؤں میں جکڑ لیا مگر اس عورت نے گرفت مضبوط ہونے سے پہلے ہی جسم کو زور سے جھٹکا دیا اور آزاد ہو گئی۔ اس نے تیزی سے خنجر نکال لیا۔ اس کے سامنے ایک آدمی تھا۔ عورت نے اس پر وار کیا جو وہ بچا گیا۔ آدمی نے ایسا وار کیا کہ خنجر عورت کے پہلو میں اُتر گیا۔ اس آدمی نے دیکھ لیا تھا کہ عورت کے پاس خنجر ہے۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ پہلی بیوی نے آصفہ پر حملہ کیا اور خنجر اس کی گردن اور کندھے کے درمیان اتار دیا۔ لڑکی نے زور سے چیخ ماری۔ آدمی نے پہلی بیوی پر وار کیا جو یہ عورت پھُرتی سے بچا گئی۔ اس نے وار کیا تو اس آدمی نے اس کا بازو اپنے بازو سے روک لیا۔

آصفہ گر پڑی تھی۔ البرق کی پہلی بیوی کو بھی گہرا زخم آیا تھا جو پہلو سے پیٹ تک چلا گیا تھا۔ وہ ڈگمگانے لگی۔ وہ آدمی آصفہ کو اٹھا کر کہیں چلا گیا۔ علی بن سفیان کے دو جاسوس عمر اور آذر چھپ کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دوسری عورت کون ہے۔ عمر اس آدمی کے پیچھے چھپ چھپ کر گیا جو آصفہ کو اٹھائے گیا تھا۔ وہ اسی مکان میں لے گیا جہاں وہ جایا کرتی تھی۔ وہاں سے عمر علی بن سفیان کو اطلاع دینے چلا گیا۔ آذر نے بتایا کہ وہ وہیں چھپا رہا۔ زخمی عورت وہیں پڑی تھی۔ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ آذر اس عورت کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پیچھے سے کسی نے اس پر خنجر سے تین وار کیے اور حملہ آور بھاگ گیا۔ آذر وہیں بے ہوش ہو گیا۔

شام تک البرق کی پہلی بیوی اور آذر کی حالت بگڑ گئی۔ جراحوں اور طبیبوں نے بہت کوشش کی مگر وہ زندہ نہ رہ سکے۔ البرق کی بیوی نے علی بن سفیان سے کہا تھا کہ میں اپنے خاوند کو قربان کر سکتی ہوں، قوم اور ملک کی عزت کو قربان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس نے قوم کے نام پر جان دے دی۔

سلطان ایوبی کے حکم سے خادم الدین البرق کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس نے یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ اس نے یہ جرم دانستہ نہیں کیا۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں بیوقوف بن گیا تھا، مگر یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے حکومت اور فوج کے راز شراب اور حسین لڑکی کے نشے میں دشمن کے جاسوسوں تک پہنچائے ہیں۔ سلطان ایوبی قتل کا جرم بخش سکتا تھا۔ شراب خوری اور عیاشی

لڑکی البرق کو شراب پلاتی اور عریانی کا پورا مظاہرہ کرتی تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی باتیں ایسے انداز سے کرتی تھی جیسے وہ اس کا پیر اور مرشد ہو۔ صلیبیوں کو برا بھلا کہتی اور وہی باتیں کرتی جو سلطان ایوبی کے جنگی منصوبے میں شامل تھیں۔ البرق اسے بتاتا تھا کہ سلطان کیا کر رہا ہے اور کیا سوچ رہا ہے۔

البرق کی پہلی بیوی نے دو راتیں یہی کچھ دیکھا اور سنا۔ تیسری رات وہ ناٹک کھیلا گیا جس کا البرق کی پہلی بیوی کو بے تابی سے انتظار تھا۔ آصفہ نے البرق کو شراب پلانی شروع کی اور اسے بالکل حیوان بنا دیا۔ آصفہ دونوں پیالے اٹھا کر اور یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی — "دوسری لاتی ہوں" — وہ واپس آئی تو پیالوں میں شراب تھی۔ اس نے ایک پیالہ البرق کو دے دیا۔ دوسرا خود منہ سے لگا لیا۔ اس کے بعد اس نے بے حد ننگی حرکتیں کیں اور البرق بے سدھ لیٹ گیا۔ آصفہ نے کپڑے پہنے اور البرق کو آہستہ آہستہ بلایا۔ وہ نہ بولا۔ پھر اسے ہلایا۔ ہاتھ سے اس کے پپوٹے اوپر کیے مگر اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس نے پیالے دوسرے کمرے میں لے جا کر شراب میں بے ہوش کرنے والی کوئی چیز البرق کے پیالے میں ملا دی تھی۔

آصفہ نے کپڑے پہنے۔ اوپر سیاہ چادر اس طرح لے لی کہ سر سے پاؤں تک چھپ گئی۔ آدھی رات ہونے کو تھی۔ اس نے قندیل بجھائی اور باہر نکل گئی۔ پہلی بیوی آگ بگولہ ہو گئی۔ اس نے خنجر اٹھایا۔ اوپر لبادہ اوڑھا۔ وہ کمرے سے نکلنے لگی تو دیکھا کہ آصفہ ایک ملازمہ کے ساتھ کھسر پھسر کر رہی تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ ملازمہ کو اس نے ساتھ ملا رکھا تھا۔ آصفہ باہر نکل گئی۔ ملازمہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پہلی بیوی بڑے دروازے سے باہر نکل گئی۔ وہ تیز تیز چلتی آصفہ کے تعاقب میں گئی۔ وہ اس کے قدموں کی آہٹ پر جا رہی تھی۔ وہ صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ آصفہ کو شاید اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی۔ وہ رک گئی۔ پہلی بیوی اندھیرے میں اچھی طرح دیکھ نہ سکی۔ وہ آصفہ کے قریب چلی گئی اور رک گئی۔ اچانک آمنے سامنے آجانے سے پہلی بیوی فیصلہ نہ کر سکی کہ کیا کرے۔ اس کے منہ سے نکل گیا — "کہاں جا رہی ہو آصفہ؟"

پہلی بیوی کو معلوم نہ تھا کہ لڑکی کی حفاظت کے لیے ایک آدمی چھپ چھپ کر اس کے ساتھ جاتا ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ آصفہ نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ



مارا اور البرق کی پہلی بیوی سے ہنس کر کہا — "آپ میرے پیچھے آئی ہیں یا کہیں جا رہی ہیں؟" — اتنے میں پیچھے سے کسی نے پہلی بیوی کو بازوؤں میں جکڑ لیا مگر اس عورت نے گرفت مضبوط ہونے سے پہلے ہی جسم کو زور سے جھٹکا دیا اور آزاد ہو گئی۔ اس نے تیزی سے خنجر نکال لیا۔ اس کے سامنے ایک آدمی تھا۔ عورت نے اس پر وار کیا جو وہ بچا گیا۔ آدمی نے ایسا وار کیا کہ خنجر عورت کے پہلو میں اتر گیا۔ اس آدمی نے دیکھ لیا تھا کہ عورت کے پاس خنجر ہے۔ وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ پہلی بیوی نے آصفہ پر حملہ کیا اور خنجر اس کی گردن اور کندھے کے درمیان اتار دیا۔ لڑکی نے زور سے چیخ ماری۔ آدمی نے پہلی بیوی پر وار کیا جو یہ عورت پھرتی سے بچا گئی۔ اس نے وار کیا تو اس آدمی نے اس کا بازو اپنے بازو سے روک لیا۔

آصفہ گر پڑی تھی۔ البرق کی پہلی بیوی کو بھی گہرا زخم آیا تھا جو پہلو سے پیٹ تک چلا گیا تھا۔ وہ ڈگمگانے لگی۔ وہ آدمی آصفہ کو اٹھا کر کہیں چلا گیا۔ علی بن سفیان کے دو جاسوس عمر اور آذر چھپ کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دوسری عورت کون ہے۔ عمر اس آدمی کے پیچھے چھپ چھپ کر گیا جو آصفہ کو اٹھائے گیا تھا۔ وہ اسی مکان میں لے گیا جہاں وہ جایا کرتی تھی۔ وہاں سے عمر علی بن سفیان کو اطلاع دینے چلا گیا۔ آذر نے بتایا کہ وہ وہیں چھپا رہا۔ زخمی عورت وہیں پڑی تھی۔ وہاں اور کوئی نہ تھا۔ آذر اس عورت کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پیچھے سے کسی نے اس پر خنجر سے تین وار کیے اور حملہ آور بھاگ گیا۔ آذر وہیں بے ہوش ہو گیا۔

شام تک البرق کی پہلی بیوی اور آذر کی حالت بگڑ گئی۔ جراحوں اور طبیبوں نے بہت کوشش کی مگر وہ زندہ نہ رہ سکے۔ البرق کی بیوی نے علی بن سفیان سے کہا تھا کہ میں اپنے خاوند کو قربان کر سکتی ہوں، قوم اور ملک کی عزت کو قربان ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔ اس نے قوم کے نام پر جان دے دی۔

سلطان ایوبی کے حکم سے خادم الدین البرق کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اس نے یقین دلانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ اس نے یہ جرم دانستہ نہیں کیا۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں بیوقوف بن گیا تھا، مگر یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے حکومت اور فوج کے راز شراب اور حسین لڑکی کے نشے میں دشمن کے جاسوسوں تک پہنچائے ہیں۔ سلطان ایوبی قتل کا جرم بخش سکتا تھا۔ شراب خوری اور عیاشی

اور دشمن کو راز دینے کے جرائم نہیں بخش کرتا تھا۔

آصفہ سے اس روز کوئی بیان نہ لیا گیا۔ اس پر زخم کا اتنا اثر نہیں تھا جتنا خوف کا تھا۔ وہ جاسوس لڑکی تھی۔ سپاہی نہیں تھی۔ اسے شہزادی کے روپ میں شہزادوں سے بھید لینے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ اس کا یہ حشر بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر زیادہ خوف اس کا تھا کہ وہ مسلمانوں کی قیدی ہے اور مسلمان اسے بہت خراب کریں گے۔ ایک خطرہ یہ بھی اسے نظر آیا تھا کہ مسلمان اس کے زخم کا علاج نہیں کریں گے۔ اس نے اس خطرے کا اظہار ہر اس آدمی سے کیا جو اس کے قریب گیا۔ وہ ڈرے ہوئے بچے کی طرح روتی تھی۔ علی بن سفیان نے اسے بہت تسلی دی کہ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو کسی مسلمان زخمی عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اگر وہ سلطان ایوبی سے ملنا چاہتی تھی۔ آخر سلطان کو بتایا گیا۔ سلطان ایوبی اس کے پاس گیا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس حالت میں وہ اسے اپنی بیٹی سمجھتا ہے۔

"میں نے سنا تھا کہ سلطان ایوبی تلوار کا نہیں دل کا بادشاہ ہے"۔ آصفہ نے روتے ہوئے کہا۔ "اتنا بڑا بادشاہ جسے شکست دینے کے لیے عیسائیوں کے سارے بادشاہ اکٹھے ہو گئے ہیں ایک مجبور لڑکی کو دھوکا دے؟ اچھا نہیں لگتا..... ان لوگوں سے کہو کہ مجھے فوراً زہر دے دیں۔ میں اس حالت میں کوئی اذیت برداشت نہیں کر سکوں گی"۔

"کہو تو میں ہر وقت تمہارے پاس موجود رہوں گا"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہیں دھوکہ بھی نہیں دوں گا، اذیت بھی نہیں دوں گا مگر وعدہ کرو کہ تم بھی مجھے دھوکہ نہیں دو گی۔ تم ذرا اور بہتر ہو لو۔ طبیب نے کہا ہے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اگر تمہیں اذیت دینی ہوتی تو میں اسی حالت میں قید خانے میں ڈال دیتا۔ تمہارے زخم پر نمک ڈالا جاتا۔ تم چیخ چیخ اور چلا چلا کر اپنے جرم اور اپنے ساتھیوں سے پردے اٹھاتیں مگر ہم کسی عورت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا کرتے۔ البرق کی بیوی مر گئی ہے لیکن تمہیں زندہ رکھنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے"۔

"میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟" اس نے پوچھا۔

"یہاں تمہیں کوئی مرد اس نظر سے نہیں دیکھے گا کہ تم ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی ہو"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم یہ خدشہ دل سے نکال دو۔ تمہارے ساتھ



وہی سلوک ہوگا جو اسلامی قانون میں لکھا ہے"۔

اس مکان کی تلاشی لی گئی تھی جہاں آصفہ جایا کرتی تھی۔ وہ کسی کا گھر نہیں تھا۔ جاسوسوں کا اڈہ تھا۔ اندر ہی اصطبل بنا ہوا تھا۔ اندر سے پانچ آدمی برآمد ہوئے تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان پانچ سے ۔ چاروں جنہیں تعاقب میں پکڑا گیا تھا، جرم کا اعتراف کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر انہیں اس تہ خانے میں لے گئے جہاں پتھر بھی بول پڑتے تھے۔ بوڑھے نے تسلیم کر لیا کہ اس نے اس لڑکی کو دانے کے طور پر پھینک کر البرق کو پھانسا تھا۔ اس نے سارا ناٹک سنا دیا۔ دوسروں نے بھی بہت سے پردے اٹھائے اور اس مکان کا راز فاش کیا جسے شہر کے لوگ احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس مکان میں بہت سی لڑکیاں رکھی گئی تھیں جو دو مقاصد کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ ایک جاسوسی کے لیے اور دوسری حاکموں اور اونچے گھرانے کے مسلمان نوجوانوں کا اخلاق تباہ کرنے کے لیے۔ وہ مکان جاسوسوں اور تخریب کاروں کا اڈہ تھا۔

ان جاسوسوں نے یہ بھی بتایا کہ سلطان ایوبی کی فوج میں انہوں نے اپنے آدمی بھرتی کرا دیئے ہیں جنہوں نے سپاہیوں میں جوئے بازی کی عادت پیدا کر دی ہے۔ وہ ہاری ہوئی بازی جیتنے کے لیے ایک دوسرے کے پیسے چراتے اور چور بنتے جا رہے ہیں۔ شہر میں انہوں نے پانچ سو سے کچھ زیادہ فاحشہ عورتیں پھیلا دی ہیں جو نوجوانوں کو پھانس کر انہیں عیاشی کی راہ پر ڈال رہی ہیں۔ خفیہ قمار خانے بھی کھول دیئے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ اُن سوڈانیوں کو سلطان کے خلاف بھڑکایا جا رہا ہے جنہیں فوج سے نکال دیا گیا تھا۔ سب سے اہم انکشاف یہ تھا کہ انہوں نے چھ ایسے مسلمان افسروں کے نام بتائے جو سلطان ایوبی کی حکومت میں اہم حیثیت رکھتے تھے مگر سلطان کے خلاف کام کر رہے تھے۔ آصفہ عیسائی لڑکی تھی۔ اس کا نام فلیمنگو بتایا گیا۔ وہ یونانی تھی۔ اسے تیرہ سال کی عمر سے اس کا کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ اسے مصر کی زبان سکھائی گئی۔ ایسی سینکڑوں لڑکیاں مسلمان علاقوں میں استعمال کرنے کے لیے تیار کی گئی تھیں جنہیں چوری چھپے ادھر بھیجا گیا تھا۔

اس لڑکی نے بھی کچھ نہ چھپایا۔ پندرہ روز بعد اس کا زخم ٹھیک ہو گیا۔ اسے جب بتایا گیا کہ اُسے سزائے موت دی جا رہی ہے تو اس نے کہا "میں خوشی سے یہ سزا قبول کرتی ہوں۔ میں نے صلیب کا مشن پورا کر دیا ہے"۔۔۔

اسے جلاّد کے حوا ر دیا گیا۔

دوسروں کی ابھی ضرور ، ان کی نشاندہی پر چند اور لوگ پکڑے گئے جن میں چند ایک مسلمان بھی تھے۔ ان سب کو سزائے موت دی گئی۔ البرق کو ایک سو بید کی سزا دی گئی جو وہ برداشت نہ کر سکا اور مر گیا۔ اس کے بچوں کو سلطان ایوبی نے سرکاری تحویل میں لے لیا۔ ان کے لیے سرکاری خرچ پر ملازمہ اور اتالیق مقرر کیے گئے۔ وہ البرق کے بچے نہیں، ایک مجاہدہ کے بچے تھے۔ ان کی ماں شہید ہو گئی تھی۔

# اُمِّ عرّارہ کا اغوا

جون ۱۱۷۱ کا وہ دن مصر کی گرمی سے جل رہا تھا جس دن خلیفہ العاضد کے قاصد نے آکر صلاح الدّین ایوّبی کو پیغام دیا کہ خلیفہ یاد فرما رہے ہیں۔ سلطان ایوّبی کے تیور بدل گئے۔ اس نے قاصد سے کہا ـــ "خلیفہ کو بعد از سلام کہنا کہ کوئی بہت ضروری کام ہے تو بتا دیں میں آجاؤں گا۔ اس وقت مجھے ذرا سی بھی فرصت نہیں۔ انہیں یہ بھی کہنا کہ میرے سامنے جو کام پڑے ہیں، وہ حضور کے دربار میں حاضری دینے کی نسبت زیادہ ضروری اور اہم ہیں"

قاصد چلا گیا اور سلطان ایوّبی بے چینی میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ فاطمی خلافت کا دَور تھا۔ مصر میں اس خلافت کا خلیفہ العاضد تھا۔ اُس دور کا خلیفہ بادشاہ ہوتا تھا۔ جمعہ کے خطبے میں ہر مسجد میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ عیش و عشرت کے سوا ان لوگوں کے پاس کوئی کام نہ تھا۔ اگر نور الدّین زنگی اور صلاح الدّین ایوّبی نہ ہوتے یا وہ بھی دوسرے امراء و وزراء کی طرح خوشامدی اور ایمان فروش ہوتے تو اس دَور کے خلیفوں نے تو سلطنتِ اسلامیہ کو بیچ کھایا تھا۔ العاضد ایسا ہی ایک خلیفہ تھا۔ صلاح الدّین ایوّبی مصر میں گورنر بن کر آیا تو ابتدا میں خلیفہ نے اسے کئی بار بلایا تھا۔ سلطان ایوّبی سمجھ گیا کہ خلیفہ اسے صرف اس لیے بلاتا ہے کہ اُسے یہ احساس رہے کہ حاکم ایوّبی نہیں خلیفہ ہے۔ وہ سلطان ایوّبی کا احترام کرتا تھا۔ اسے اپنے ساتھ بٹھاتا تھا مگر اس کا انداز شاہانہ اور لب و لہجہ آمرانہ ہوتا تھا۔ اس نے سلطان ایوّبی کو جب بھی بلایا بلا مقصد بلایا اور رخصت کر دیا۔ صلیبیوں کو بحیرۂ روم میں شکست دے کر اور سوڈانی فوج کی بغاوت کو ختم کر کے صلاح الدّین ایوّبی نے خلیفہ کو ٹالنا شروع کر دیا تھا۔

اُس نے خلیفہ کے محل میں جو شان و شوکت دیکھی تھی، اس نے اس کے سینے میں آگ لگا رکھی تھی۔ محل میں زر و جواہرات کا یہ عالم تھا کہ کھانے پینے کے برتن سونے کے تھے۔ شراب کی صراحی اور پیالوں میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ حرم لڑکیوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان میں عربی، مصری، مراکشی، سوڈانی اور تُرک لڑکیوں کے ساتھ ساتھ عیسائی اور یہودی لڑکیاں بھی تھیں۔ یہ اس قوم کا خلیفہ تھا جسے ساری دنیا میں اللہ کا پیغام پھیلانا تھا اور جسے دنیائے کفر کی مہیب جنگی قوت کا سامنا تھا۔ سلطان ایوبی کو خلیفہ کی کچھ اور باتیں بھی کھائے جا رہی تھیں۔ ایک یہ کہ خلیفہ کا ذاتی حفاظتی دستہ سوڈانی حبشیوں اور قبائلیوں کا تھا جن کی وفاداری مشکوک تھی۔ دوسرے یہ کہ خلیفہ کے دربار میں سوڈان کی باغی اور برطرف کی ہوئی فوج کے کماندار اور نائب سالار خصوصی حیثیت کے مالک تھے۔

صلاح الدین ایوبی کی ہدایت پر علی بن سفیان نے قصرِ خلافت میں نوکروں اور اندر کے دیگر کام کرنے والوں کے بھیس میں اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔ خلیفہ کے حرم کی دو عورتوں کو بھی اعتماد میں لے کر جاسوسی کے فرائض سونپے گئے تھے۔ ان جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق، خلیفہ سوڈانی کمانداروں کے زیرِ اثر تھا۔ وہ ساٹھ پینسٹھ سال کی عمر کا بوڑھا تھا لیکن خوبصورت عورتوں کی محفل میں خوش رہتا تھا۔ اس کی اسی کمزوری سے صلاح الدین ایوبی کے مخالفین فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ۱۱۷۱ کے دوسرے تیسرے مہینے میں خلیفہ کے حرم میں ایک جوان اور غیر معمولی طور پر حسین لڑکی کا اضافہ ہوا تھا۔ حرم کی جاسوس عورتوں نے علی بن سفیان کو بتایا تھا کہ تین چار آدمی آئے تھے جو عربی لباس میں تھے۔ وہ اس لڑکی کو لائے تھے۔ ان کے پاس بہت سے تحفے بھی تھے۔ لڑکی بھی تحفے کے طور پر آئی تھی۔ اس کا نام اُم عرارہ بتایا گیا تھا۔ اس میں خوبی یہ تھی کہ خلیفہ العاضد پر اس نے جادو سا کر دیا تھا۔ بہت ہی چالاک اور ہوشیار لڑکی تھی۔

سلطان ایوبی کو قصرِ خلافت کی ان تمام خرافات کا علم تھا مگر حکومت پر اس کی گرفت ابھی اتنی مضبوط نہیں ہوئی تھی ... کہ وہ خلیفہ کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا۔ اس سے پہلے کے گورنر اور امیر خلیفہ کے آگے جھکے رہتے تھے۔ اسی لیے مصر بغاوتوں کی سرزمین بن گیا تھا۔ وہاں اسلامی خلافت تو تھی مگر اسلام کا



پرچم سرنگوں ہوتا جا رہا تھا۔ فوج سلطنتِ اسلامیہ کی تھی مگر سوڈانی جرنیل شہری حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیے ہوئے تھے اور ان کا رابطہ صلیبیوں کے ساتھ تھا۔ انہی کی بدولت قاہرہ اور اسکندریہ میں عیسائی کنبے آباد ہونے لگے تھے۔ ان میں جاسوس بھی تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے سوڈانی فوج کو تو ٹھکانے لگا دیا تھا لیکن ابھی چند ایک سوڈانی جرنیل موجود تھے جو کسی بھی وقت خطرہ بن کر اُبھر سکتے تھے۔ انہوں نے قصرِ خلافت میں اثر و رسوخ پیدا کر رکھا تھا۔

سلطان ایوبی ابھی خلافت کی تعیش پرست گدی کو اس ڈر سے نہیں چھیڑنا چاہتا تھا کہ خلافت کے متعلق کچھ لوگ جذباتی تھے اور کچھ حامی تھے۔ ان میں خوشامدیوں کے ٹولے کی اکثریت تھی۔ اس اکثریت میں وہ اعلیٰ حکام بھی تھے جو مصر کی امارت کی توقع لگائے بیٹھے تھے مگر یہ حیثیت صلاح الدین ایوبی کو مل گئی۔ سلطان ایوبی ان حالات میں جہاں ملک جاسوسوں اور غداروں سے بھرا پڑا تھا اور صلیبیوں کے جوابی حملے کا خطرہ بھی تھا، ان اعلیٰ اور ادنیٰ حکام کو اپنا دشمن نہیں بنانا چاہتا تھا جو خلافت کے پروردہ تھے۔ مگر جون ۱۱۷۱ کے ایک روز جب خلیفہ نے اسے بلایا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔

اس نے دربان سے کہا۔ "علی بن سفیان، بہاؤالدین شداد، عیسیٰ الہکاری فقیہہ اور الناصر کو میرے پاس جلدی بھیج دو۔"

٭

یہ چاروں سلطان ایوبی کے خصوصی مشیر اور معتمد تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں کہا۔ "ابھی ابھی خلیفہ کا قاصد مجھے بلانے آیا تھا۔ میں نے جانے سے انکار کر دیا ہے۔ میں نے آپ کو یہ بتانے اور رائے لینے کے لیے بلایا ہے کہ میں جمعہ کے خطبہ سے خلیفہ کا نام نکلوا رہا ہوں۔"

"یہ اقدام ابھی قبل از وقت ہوگا۔" شداد نے کہا۔ "خلیفہ کو لوگ پیغمبر سمجھتے ہیں۔ رائے عامہ ہمارے خلاف ہو جائے گی۔"

"ابھی تو لوگ اسے پیغمبر سمجھتے ہیں۔" ___ سلطان ایوبی نے کہا۔ "تھوڑے ہی عرصے بعد وہ اسے خدا سمجھنے لگیں گے۔ اسے پیغمبری اور خدائی دینے والے ہم لوگ ہیں جو خطبے میں اس کا نام خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ لیتے ہیں۔ کیوں بیٹی نقیبہ! آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟"

"میں آپ کی تائید کرتا ہوں"۔۔۔ عیسیٰ الہکاری نقیبہ نے جواب دیا۔۔۔ "کوئی بھی مسلمان خطبے میں کسی انسان کا نام برداشت نہیں کر سکتا۔ انسان بھی ایسا جو شراب، عورت اور ہر طرح کے گناہ کا شیدائی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ صدیوں سے خلیفہ کو پیغمبروں کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ میں چونکہ شہری اور مذہبی امور کا ذمہ دار ہوں اس لیے یہ نہیں بتا سکتا کہ سیاسی اور فوجی لحاظ سے آپ کے فیصلے کا ردِعمل کیا ہوگا۔"

"ردِعمل شدید ہوگا"۔۔۔ بہاؤ الدین شدّاد نے کہا۔۔۔ "اور ہمارے خلاف ہوگا۔ اس کے باوجود میں یہی مشورہ دوں گا کہ یہ بدعت ختم ہونی چاہیے یا خلیفہ کو پکا مسلمان بنا کر لوگوں کے سامنے لایا جائے جو مجھے ممکن نظر نہیں آتا۔"

"رائے عامہ کو مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے"۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا جو جاسوسی اور سراغرسانی کے شعبے کا سربراہ تھا۔ اس نے ملک کے اندر جاسوسوں اور مخبروں کا جال بچھا رکھا تھا۔ اس نے کہا۔۔۔ "عام لوگوں نے خلیفہ کی کبھی صورت نہیں دیکھی۔ وہ العاضد کے نام سے نہیں صلاح الدین ایوبی کے نام سے واقف ہیں۔ میرے محکمے کی مصدقہ اطلاعات نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آپ کے دو سالہ دورِ امارت میں لوگوں کی ایسی ضروریات پوری ہوگئی ہیں جن کے متعلق انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ شہروں میں ایسے مطب نہیں تھے جہاں مریضوں کو داخل کر کے علاج کیا جا سکتا۔ لوگ معمولی معمولی بیماریوں سے مر جاتے تھے۔ اب سرکاری مطب کھول دیئے گئے ہیں۔ درسگاہیں بھی کھولی گئی ہیں۔ تاجروں اور دکانداروں کی لوٹ کھسوٹ ختم ہوگئی ہے۔ جرائم بھی کم ہوگئے ہیں اور اب لوگ اپنی مشکلات اور فریادیں آپ تک براہ راست پہنچا سکتے ہیں۔ آپ کے یہاں آنے سے پہلے لوگ سرکاری اہلکاروں اور فوجیوں سے خوف زدہ رہتے تھے۔ آپ نے ان کے حقوق بتا دیئے ہیں اور وہ اپنے آپ کو ملک و ملت کا حصہ سمجھنے لگے ہیں۔ خلافت سے انہیں بے انصافی اور بے رحمی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ آپ نے انہیں عدل و انصاف اور وقار دیا ہے۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ قوم خلافت کی بجائے امارت کے فیصلے کو قبول کرے گی۔"

"میں نے قوم کو عدل و انصاف اور وقار دیا ہے یا نہیں"۔۔۔ سلطان ایوبی



نے کہا۔۔۔ "میں نے قوم کے حقوق اسے دیئے ہیں یا نہیں، میں نہیں جانتا۔ میں قوم کو ایک انتہائی بیہودہ روایت نہیں دینا چاہتا۔ میں قوم کو شرک اور کفر نہیں دینا چاہتا۔ ضروری ہوگیا ہے کہ اس روایت کو توڑ کر ماضی کے کوڑے کرکٹ میں پھینک دیا جائے جو مذہب کا حصہ بن گئی ہے۔ اگر یہ روایت قائم رہی تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل پرسوں میں بھی اپنا نام خطبے میں شامل کر دوں۔ دیئے سے دیا جلتا ہے لیکن میں اس دیئے کو بجھا دینا چاہتا ہوں جو شرک کی روشنی کو آگے چلا رہا ہے۔ قصرِ خلافت بدکاری کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ خلیفہ اُس رات بھی شراب پیے ہوئے حرم کے حُسن میں بدمست پڑا تھا جس رات سوڈانی فوج نے ہم پر حملہ کیا تھا۔ اگر میری چال ناکام ہو جاتی تو مصر سے اسلام کا پرچم اتر جاتا۔ جب اللہ کے سپاہی شہید ہو رہے تھے اس وقت بھی خلیفہ شراب پیے ہوئے تھا۔ میں اسے احکام کے مطابق یہ بتانے گیا کہ سلطنت پر کیا طوفان آیا تھا اور ہماری فوج نے اس کا دم خم کس طرح توڑا ہے تو اس نے مست سانڈ کی طرح جھوم کر کہا تھا۔۔۔ "شاباش! ہم بہت خوش ہوئے۔ ہم تمہارے باپ کو خصوصی قاصد کے ہاتھ مبارکباد اور انعام بھیجیں گے"۔۔۔ میں نے اسے کہا کہ یا خلیفۃ المسلمین! میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میں نے یہ فرض اپنے باپ کی خوشنودی کے لیے نہیں، اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کے لیے ادا کیا ہے۔

اس بڈھے خلیفہ نے کہا۔۔۔ "صلاح الدین! تم ابھی بچے ہو مگر کام تم نے بڑوں والا کر دکھایا ہے۔"

"اس نے میرے ساتھ اس طرح بات کی تھی جیسے وہ مجھے اپنا غلام اور اپنے حکم کا پابند سمجھتا ہے۔ یہ بے دین انسان قومی خزانے کے لیے سفید ہاتھی بنا ہوا ہے"۔۔۔ سلطان ایوبی نے ایک خط نکال کر سب کو دکھایا اور کہا۔۔۔ "چھ سات دن گزرے نور الدین زنگی نے مجھے یہ پیغام بھیجا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ خلافت تین حصوں میں بٹ گئی ہے۔ بغداد کی مرکزی خلافت کا دونوں ماتحت خلیفوں پر اثر ختم ہو چکا ہے۔ آپ یہ خیال رکھیں کہ مصر کا خلیفہ خود مختار حاکم نہ بن جائے۔ وہ سوڈانیوں اور صلیبیوں سے بھی سازباز کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ خلافت صرف بغداد میں

رہے اور طفیلی خلیفے ختم کر دیئے جائیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف سازشیں تیار کر رکھی ہیں۔ اگر آپ مصر کے خلیفہ کی بادشاہی اس کے محل کے اندر ہی محدود رکھنے کی کوشش کریں گے تو میں آپ کو فوجی اور مالی امداد دوں گا۔ احتیاط کی بھی ضرورت ہے کیونکہ مصر کے اندرونی حالات ٹھیک نہیں۔ مصر میں ایک بغاوت اور بھی ہوگی۔ سوڈانیوں پر کڑی نظر رکھیں۔"

سلطان ایوبی نے خط پڑھ کر کہا— "اس میں کیا شک ہے کہ خلافت سفید ہاتھی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ خلیفہ العاضد دورے پر نکلتا ہے تو آپ کی آدھی فوج اس کی حفاظت کے لیے ہر طرف پھیلا دی جاتی ہے؛ لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ خلیفہ کے راستے میں چادریں اور قالین بچھائیں۔ خلیفہ کا حفاظتی دستہ دورے سے پہلے لوگوں کو دھمکیاں دے کر مجبور کر دیتا ہے کہ ان کی عورتیں اور جوان بیٹیاں خلیفہ پر پھولوں کی پتیاں پھینکیں۔ اس کے دوروں پر خزانے کی وہ رقم تباہ کی جاتی ہے جو ہمیں سلطنتِ اسلامیہ کے دفاع اور توسیع کے لیے اور قوم کی فلاح و بہبود کے لیے درکار ہے۔ اس کے علاوہ اس پہلو پر بھی غور کرو کہ ہمیں مصری عوام پر، یہاں کے عیسائیوں اور دیگر غیر مسلموں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام شہنشاہوں کا مذہب نہیں۔ یہ عرب کے صحراؤں کے گڈریوں، کسانوں اور شتربانوں کا سچا مذہب ہے اور یہ انسان کو انسانیت کا وہ درجہ دینے والا مذہب ہے جو خدا کو عزیز ہے۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ کے خلاف کارروائی کرنے سے آپ کے خلاف یہ بہتان تراشی ہونے لگے کہ خلیفہ کی جگہ آپ خود حاکم بننا چاہتے ہیں"— شداد نے کہا۔ "سچ کی ہمیشہ مخالفت ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی"— سلطان ایوبی نے کہا— "آج جھوٹ اور باطل کی جڑیں صرف اس لیے مضبوط ہو گئی ہیں کہ مخالفت اور مخالفانہ ردِعمل سے ڈر کر لوگوں نے سچ بولنا چھوڑ دیا ہے۔ حق کی آواز سینوں میں دب کر رہ گئی ہے۔ شاہانہ دوروں نے اور شہنشاہیت کے اظہار کے اوچھے طریقوں نے رعایا کے دلوں سے وہ وقار ختم کر دیا ہے جو قوم کا طرۂ امتیاز تھا۔ عوام کو بھوکا رکھ کر اور ان پر زبردستی اپنی حکمرانی ٹھونس کر انہیں غلامی کی ان زنجیروں میں باندھا جا رہا ہے جنہیں ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توڑا تھا۔ ہمارے بادشاہوں نے قوم کو اس پستی



تک پہنچا دیا ہے کہ یہ بادشاہ اپنی عیاشیوں کی خاطر صلیبیوں سے دوستانہ کر رہے ہیں۔ ان سے پیسے مانگتے ہیں اور صلیبی آہستہ آہستہ سلطنتِ اسلامیہ پر قابض ہوتے چلے جا رہے ہیں..... آپ نے شداد! مخالفت کی بات کی ہے۔ ہمیں مخالفت سے نہیں ڈرنا چاہیے۔"

"قابلِ صد احترام امیر!"— سلطان ایوبی کے نائب سالار الناصر نے کہا— "ہم مخالفت سے نہیں ڈرتے۔ آپ نے ہمیں میدانِ جنگ میں دیکھا ہے۔ ہم اس وقت بھی نہیں ڈرے تھے جب ہم محاصرے میں لڑے تھے۔ ہم بھوکے اور پیاسے بھی لڑے تھے۔ صلیبیوں کے طوفان ہم نے اس حالت میں بھی روکے تھے جب ہماری تعداد کچھ بھی نہیں تھی مگر میں آپ کو آپ کی ہی کہی ہوئی ایک بات یاد دلانا چاہتا ہوں۔ آپ نے ایک بار کہا تھا کہ حملہ جو باہر سے آتا ہے اُسے ہم قلیل تعداد میں بھی روک سکتے ہیں لیکن حملہ جو اندر سے ہوتا ہے اور جب حملہ آور اپنی قوم کے افراد ہوتے ہیں تو ہم ایک بار تو چونک اٹھتے اور سُن ہو جاتے ہیں کہ یا خدائے ذوالجلال یہ کیا ہُوا۔ قابلِ احترام امیرِ مصر! جب ملک کے حاکم ملک کے دشمن ہو جائیں تو آپ کی تلوار نیام کے اندر تڑپتی رہے گی، باہر نہیں آئے گی۔"

"آپ نے درست کہا الناصر!"— سلطان ایوبی نے کہا۔ "میری تلوار نیام میں تڑپ رہی ہے۔ یہ اپنے حاکموں کے خلاف باہر نہیں آنا چاہتی۔ میرے دل میں قوم کے حکمرانوں کا ہمیشہ احترام رہا ہے۔ ملک کا حکمران قوم کی عظمت کا نشان ہوتا ہے، قوم کے وقار کی علامت ہوتا ہے، لیکن آپ سب غور کریں کہ ہمارے حکمرانوں میں کتنی کچھ عظمت اور کتنا کچھ وقار رہ گیا ہے۔ میں صرف خلیفہ العاضد کی بات نہیں کر رہا۔ علی بن سفیان سے پوچھو۔ اس کا محکمہ موصل، حلب، دمشق، مکہ اور مدینہ منورہ کی جو خبریں لایا ہے وہ یہ ہیں کہ خلافت کی تعیش پرستی کی وجہ سے جہاں جہاں کوئی امیر اور حاکم ہے وہ وہاں کا مختارِ کُل بن گیا ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ ٹکڑوں میں بٹتی جا رہی ہے۔ خلافت اس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ اس نے اُمرا اور حکام کو ذاتی سیاست بازیوں کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں اس خطرے سے بے خبر نہیں کہ قوم کے بکھرے ہوئے شیرازے کو ہم جب یکجا کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ اور بکھرے گا۔ ہمارے سامنے پہاڑ کھڑے ہو جائیں

گے لیکن میں گھبراؤں گا نہیں اور مجھے امید ہے کہ آپ بھی نہیں گھبرائیں گے۔ میں آپ کے مشوروں کا احترام کروں گا لیکن میں آئندہ خلیفہ کے بلاوے پر صرف اس صورت میں جاؤں گا جب کوئی ضروری کام ہوگا۔ فوری طور پر میں خطبے سے خلیفہ کا نام اور ذکر نکلوا رہا ہوں۔"

سب نے سلطان ایوبی کے اس اقدام کی حمایت کی اور اسے اپنی پوری مدد اور ہر طرح کی قربانی دینے کا یقین دلایا۔

خلیفہ العاضد اس وقت اپنے ایک خصوصی کمرے میں تھا جب قاصد نے اسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے کہا ہے کہ اگر کوئی ضروری کام ہے تو میں آ سکتا ہوں ورنہ میں بہت مصروف ہوں۔ خلیفہ آگ بگولہ ہوگیا۔ اس نے قاصد سے کہا کہ رجب کو میرے پاس بھیج دو۔ رجب اس کے حفاظتی دستے کا کماندار تھا جس کا عہدہ نائب سالار جتنا تھا۔ وہ مصر کی فوج کا افسر تھا۔ اسے خلیفہ کے باڈی گارڈز کی کمان دی گئی تھی۔ اس نے قصرِ خلافت اور خلیفہ کے حفاظتی دستوں میں چُن چُن کر سوڈانی حبشیوں کو رکھا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے مخالفین میں سے اور خلیفہ کے خوشامدیوں میں سے تھا۔

اُس وقت خلیفہ کے اس خصوصی کمرے میں اُمِ عرارہ موجود تھی جب قاصد صلاح الدین ایوبی کا جواب لے کے آیا تھا۔ اس نے خلیفہ سے کہا "صلاح الدین آپ کا نوکر ہے۔ آپ نے اسے سر چڑھا رکھا ہے۔ آپ کیوں نہیں اسے معزول کر دیتے؟ کیوں نہیں اپنے سپاہی بھیج کر اسے حراست میں یہاں بلوا لیتے؟"

"اس لیے کہ اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے"۔ خلیفہ نے غصے کے عالم میں کہا۔ "فوج اس کی کمان میں ہے۔ وہ میرے خلاف فوج استعمال کر سکتا ہے"۔ اتنے میں رجب آگیا۔ اس نے جھک کر فرشی سلام کیا۔ العاضد نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں اسے کہا۔ "میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ کمبخت خودسر اور سرکش آدمی ہے..... یہ صلاح الدین ایوبی..... میں نے اسے بلایا تو یہ کہہ کر آنے سے انکار کر دیا ہے کہ کوئی ضروری کام ہے تو آؤں گا ورنہ آپ کا بلاوا میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ میرے سامنے ضروری کام پڑے ہیں۔"

غصے میں بولتے بولتے اسے ہچکی آئی پھر کھانسی اٹھی اور اس نے دل پر



ہاتھ رکھ لیا۔ اس کا رنگ زرد ہوگیا۔ اس حالت میں کمزور سی آواز میں کہا "بدبخت کو یہ بھی احساس نہیں کہ میں بیمار ہوں۔ میرا دل مجھے لے بیٹھے گا۔ میرے لیے غصہ ٹھیک نہیں۔ مجھے اپنی صحت کا غم کھائے جا رہا ہے اور اسے اپنے کاموں کی پڑی ہے"۔

"آپ نے اسے کیوں بلایا تھا؟"۔ رجب نے پوچھا۔ "مجھے حکم دیجئے"۔

"میں نے اسے صرف اس لیے بلایا تھا کہ اسے احساس رہے کہ اس کے سر پر ایک حاکم بھی ہے"۔ خلیفہ نے دل پر ہاتھ رکھے ہوئے کراہتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم ہی نے مجھے بتایا تھا کہ صلاح الدین خود مختار ہوتا جا رہا ہے۔ میں اسے بار بار یہاں بلانا چاہتا ہوں۔ اسے حکم دینا چاہتا ہوں تاکہ اسے اپنے پاؤں کے نیچے رکھوں۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی ضروری کام ہو تو ہی میں اسے بلاؤں"۔

اُمِ عرارہ نے شراب کا پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا کر کہا۔ "آپ کو سو بار کہا ہے کہ غصے میں نہ آیا کریں۔ آپ کے دل اور اعصاب کے لیے غصہ ٹھیک نہیں"۔ اس نے سونے کی ایک ڈبیہ میں سے نسواری رنگ کے سفوف میں سے ذرا سا خلیفہ کے منہ میں ڈالا اور پانی پلا دیا۔ خلیفہ نے اس کے بکھرے ہوئے ریشمی بالوں میں انگلیاں اُلجھا کر کہا۔ "اگر تم نہ ہوتیں تو میرا کیا ہوتا۔ سب کو میری دولت اور رتبے سے دلچسپی ہے۔ میری ایک بھی بیوی ایسی نہیں جسے میری ذات کے ساتھ دلچسپی ہو۔ تم تو میرے لیے فرشتہ ہو"۔

اس نے لڑکی کو اپنے قریب بٹھا کر بازو اس کی کمر میں ڈال دیا۔

"خلیفۃ المسلمین"! ۔ رجب نے کہا۔ "آپ بڑے ہی نرم دل اور نیک انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے یہ گستاخی کی ہے۔ آپ نے یہ بھی فراموش کر دیا ہے کہ وہ عربی نسل سے نہیں۔ وہ آپ کی نسل سے نہیں۔ وہ کُرد ہے۔ میں حیران ہوں کہ اسے اتنی بڑی حیثیت کس نے دے دی ہے۔ اگر اس میں کچھ خوبی ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ اچھا عسکری ہے۔ میدانِ جنگ کا استاد ہے۔ لڑنا بھی جانتا ہے اور لڑانا بھی جانتا ہے۔ مگر یہ وصف اتنا اہم نہیں کہ اسے مصر کی امارت سونپ دی جاتی..... اُس نے سوڈان کی اتنی بڑی اور اتنی تجربہ کار فوج یوں توڑ کر ختم کر دی ہے جس طرح بچے

کوئی کھلونا توڑ دیتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں کہ جب یہاں سوڈانی باشندوں کی فوج تھی، ناجی اور ادروش جیسے سالار تھے تو رعایا آپ کے کتوں کے آگے بھی سجدے کرتی تھی۔ سوڈانی لشکر کے سالار آپ کی دہلیز پر حاضر رہتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ آپ اپنے ایک ماتحت کو بلاتے ہیں تو وہ آنے سے انکار کر دیتا ہے۔"

"رجب!" خلیفہ نے اچانک گرج کر کہا — "تم ایک مجرم ہو۔"

رجب کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اُمّ عرارہ بدک کر العاضد سے الگ ہو گئی۔ عاضد نے اسے پھر بازو کے گھیرے میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا اور پیار سے بولا —

"کیا میں نے تمہیں ڈرا دیا ہے؟ میں رجب سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ آج دو سال بعد مجھے بتا رہا ہے کہ ہماری پرانی فوج اور اس کے سالار اچھے تھے اور صلاح الدین کی بنائی ہوئی فوج خلافت کے حق میں اچھی نہیں۔ کیوں رجب! تم یہ بات پہلے بھی جانتے تھے؛ چپ کیوں رہے؟ اب جب کہ یہ امیر مصر اپنی جڑیں مضبوط کر چکا ہے، مجھے بتا رہے ہو کہ وہ خلافت کا باغی اور سرکش ہے۔"

"میں حضور کے عتاب سے ڈرتا تھا" — رجب نے کہا — "سلطان ایوبی کا انتخاب بغداد کی خلافت نے کیا تھا۔ یہ آپ کے مشورے سے ہی ہوا ہوگا۔ میں خلافت کے انتخاب کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ آج امیر مصر کی گستاخی اور اس کے زیرِ اثر آپ کے دل کے دورے نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ زبان کھولوں۔ میں کب سے دیکھ رہا ہوں کہ صلاح الدّین کئی بار آپ کے حضور گستاخی کر چکا ہے۔ میرا فرض ہے کہ آپ کو خطروں سے آگاہ کروں اور بچاؤں۔"

اس دوران اُمّ عرارہ خلیفہ کے گالوں سے گال رگڑتی رہی اور اس کی انگلیوں میں انگلیاں اُلجھا کر بچوں کی طرح کھیلتی رہی۔ ایک بار اس نے خلیفہ کے گالوں کو ہاتھوں میں تھام کر پوچھا — "طبیعت بحال ہوئی؟"

خلیفہ نے اس کی ٹھوڑی کو چھیڑتے ہوئے کہا — "دوائی نے اتنا اثر نہیں کیا جتنا تیرے پیار نے کیا ہے۔ خدا نے تجھے وہ حُسن اور وہ جذبہ دیا ہے جو میرے ہر روگ کے لیے اکسیر ہے۔" — اس نے اُمّ عرارہ کا سر اپنے سینے پر ڈال کر رجب سے کہا — "روزِ قیامت جب مجھے جنت میں بھیجیں گے تو میں خدا سے کہوں گا کہ مجھے کوئی حور نہیں چاہیے، مجھے اُمّ عرارہ دے دو۔"

"اُمّ عرارہ صرف حسین ہی نہیں" — رجب نے کہا — "یہ بہت ہشیار اور ذہین بھی ہے۔ حضور کا حرم سازشوں کا گھر بنا ہوا تھا۔ اس نے آکر سب کو لگام ڈال دی ہے۔ اب کسی کی جرأت نہیں کہ کوئی عورت کسی عورت کے خلاف یا کوئی اہلکار قصرِ خلافت میں ذرا سی بھی گڑبڑ کرے۔"

"رجب صلاح الدّین ایوبی کے متعلق بات کر رہے تھے" — اُمّ عرارہ نے کہا۔ "ان کی باتیں غور سے سنیں اور صلاح الدّین کو لگام ڈالیں۔"

"تم کیا کہہ رہے تھے رجب؟" — خلیفہ نے پوچھا۔

"میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں نے اس ڈر سے زبان بند رکھی کہ امیر مصر کے خلاف کوئی بات خلافت کو گوارا نہ ہوگی" — رجب نے کہا — "صلاح الدّین ایوبی قابل سالار ہو سکتا ہے۔"

"مجھے اس کا صرف یہی وصف پسند ہے کہ میدانِ جنگ میں وہ اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیتا" — خلیفہ نے کہا — "ہمیں سلطان ایوبی جیسے ہی سالاروں کی ضرورت ہے جو خلافتِ اسلامیہ کا وقار میدانِ جنگ میں قائم رکھیں۔"

"میں گستاخی کی معافی چاہتا ہوں خلیفۃ المسلمین!" — رجب نے کہا — "خلافت نے ہمیں میدانِ جنگ میں نہیں آزمایا۔ صلاح الدّین ایوبی کے متعلق میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا کہ وہ خلافتِ اسلامیہ کے وقار کے لیے نہیں لڑتا بلکہ اپنے وقار کے لیے لڑتا ہے۔ آپ فوج کے سالار سے سپاہی تک پوچھ لیں۔ صلاح الدین انہیں یہ سبق دیتا رہتا ہے کہ وہ ایسی سلطنتِ اسلامیہ کے قیام کے لیے لڑیں جس کی سرحدیں لامحدود ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ ایسی سلطنت کے خواب دیکھ رہا ہے جس کا بادشاہ وہ خود ہوگا۔ نورالدین زنگی اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اس نے صلاح الدّین کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے دو ہزار سواروں اور اتنے ہی پیادہ عسکریوں کی فوج بھیجی تھی۔ کیا اس نے خلیفۂ بغداد کی اجازت سے یہ فوج بھیجی تھی؟ کیا خلافت کا کوئی ایلچی آپ سے مشورہ لینے آیا تھا کہ مصر میں فوج کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جو کچھ ہوا خلافت سے بالا ہوا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" — خلیفہ نے کہا — "مجھ سے نہیں پوچھا گیا تھا اور مجھے اب خیال آیا ہے کہ اُدھر سے آئی ہوئی اتنی زیادہ کمک واپس نہیں بھیجی گئی۔"

"واپس اس لیے نہیں بھیجی گئی کہ یہ ملک مصر پر گرفت مضبوط کرنے کے لیے بھیجی گئی تھی اور اسی لیے یہاں رکھی گئی ہے"۔۔۔ رجب نے کہا۔"مصر کی پرانی فوج کے سپاہیوں کو کسان اور بھکاری بنانے کے لیے یہ ملک آئی تھی۔ ناجی، ادروش، کاکیش، عبدیزدان، ابی آذر اور اُن جیسے آٹھ اور سالار کہاں ہیں؟ حضور نے کبھی سوچا نہیں۔ ان سب کو صلاح الدین ایوبی نے خفیہ طور پر قتل کرا دیا تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ صلاح الدین ایوبی سے زیادہ قابل سالار تھے۔ یہ قتل کس کی گردن پر ہے؟ صلاح الدین نے حاکموں کی مجلس میں کہا تھا کہ خلیفۂ مصر نے ان سب کو غداری اور بغاوت کے جرم میں سزائے موت دے دی ہے"۔

"جھوٹ"۔ خلیفہ نے بھڑک کر کہا۔"سفید جھوٹ۔ مجھے صلاح الدین نے بتایا تھا کہ یہ سب غدار ہیں۔ میں نے اسے کہا تھا کہ گواہ لاؤ اور مقدمہ چلاؤ"۔

"اس نے مقدمہ چلائے بغیر وہ فیصلہ خود کیا جو خلافت کی مُہر کے بغیر بیکار ہوتا ہے"۔ رجب نے کہا۔"ان بدقسمت سالاروں کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے صلیبی بادشاہ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ان کا مقصد کچھ اور تھا۔ وہ یہ تھا کہ صلیبیوں سے بات چیت کرکے جنگ و جدل ختم کیا جائے اور ہم اپنے ملک اور رعایا کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کی طرف توجہ دے سکیں۔ آپ شاید تسلیم نہ کریں مگر یہ حقیقت ہے کہ صلیبی ہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔ وہ ہمارے خلاف جنگی طاقت صرف اس لیے تیار رکھتے ہیں کہ نورالدین زنگی اور شیرکوہ جیسے مسلمانوں سے انہیں حملے کا خطرہ رہتا ہے۔ شیرکوہ مرگیا تو صلاح الدین ایوبی کو اپنی جگہ چھوڑ گیا۔ یہ شخص شیرکوہ کا پروردہ ہے۔ اس نے ساری عمر عیسائی قوم سے لڑتے اور اسلام کے دشمن پیدا کرتے اور دشمنوں میں اضافہ کرتے گزاری ہے۔ اگر صلاح الدین کی جگہ مصر کا امیر کسی اور کو مقرر کیا جاتا تو آج عیسائی بادشاہ آپ کے دربار میں دوستوں کی طرح آتے۔ قتل و غارت نہ ہوتی۔ اتنے پرانے اور تجربہ کار سالار قتل ہو کر گمنام نہ ہو جاتے"۔

"مگر رجب!"۔ خلیفہ نے کہا۔"صلیبیوں نے بحیرۂ روم سے حملہ جو کیا تھا؟"

"صلاح الدین ایوبی نے ایسے حالات پیدا کیے تھے کہ صلیبی اپنے دفاع کے لیے حملے میں پہل کرنے پر مجبور ہو گئے"۔ رجب نے کہا۔"صلاح الدین



ایوبی کو معلوم تھا کہ حملہ آرہا ہے کیونکہ حالات اسی نے پیدا کیے تھے۔ اس لیے اس نے حملہ روکنے یعنی دفاع کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ یہ شخص فرشتہ تو نہیں تھا کہ اسے غیب کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے ایک ایسا ناٹک کھیلا تھا جس میں ہزارہا بچے یتیم اور ہزارہا عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ اس پر آپ نے اسے میری موجودگی میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ پھر اس نے سوڈانی فوج کو جو آپ کی وفادار تھی، جنگی مشق کے بہانے رات کو باہر نکالا اور اندھیرے میں اس پر اپنی نئی فوج سے حملہ کر دیا۔ مشہور یہ کیا کہ ناجی کی فوج نے بغاوت کر دی تھی۔ اس پر بھی آپ نے اسے خراجِ تحسین پیش کیا۔ آپ اتنے سادہ دل اور مخلص ہیں کہ آپ اس چال اور اس دھوکے کو سمجھ نہ سکے"۔

اس دوران ام عرارہ جو عرب کے حسن کا شاہکار تھی، خلیفہ العاضد کے ساتھ "بڑی معصومیت" سے کچھ ایسی فحش حرکتیں کرتی رہی کہ العاضد پر شراب کا نشہ دگنا ہو گیا۔ اس کی ذہنی کیفیت اس لڑکی کے قبضے میں تھی۔ رجب کی باتیں اور دلیلیں اُس کے دماغ میں اترتی جا رہی تھیں۔ اس کی زیادہ تر توجہ اُمِ عرارہ پر مرکوز تھی۔ رجب کی باتیں تو وہ ضمنی طور پر سُن رہا تھا۔ رجب نے صلاح الدین ایوبی پر ایک انتہائی بے ہودہ وار کیا۔ اس نے کہا۔"اُس نے ایک اور فریب کاری شروع کر رکھی ہے۔ کسی خوبصورت اور جوان لڑکی کو پکڑ کر اس کی آبروریزی کرتا ہے اور چند دن عیش کرکے اسے یہ کہہ کر مروا دیتا ہے کہ یہ جاسوس ہے۔ عیسائیوں کے خلاف قوم میں نفرت پیدا کرنے کے لیے اس نے فوج اور عوام میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ صلیبی لڑکیوں کو مصر میں جاسوسی کے لیے بھیجتے ہیں اور وہ بدکار عورتوں کو بھی یہاں بھیجتے ہیں جو قوم کا اخلاق تباہ کرتی ہیں۔ میں اسی ملک کا باشندہ ہوں۔ یہاں جتنے قحبہ خانے ہیں وہاں مصری اور سوڈانی عورتیں ہیں۔ اگر کوئی عیسائی عورت ہے تو وہ کسی کی جاسوس نہیں۔ یہ اس کا پیشہ ہے"۔

"مجھے حرم کی تین چار لڑکیوں نے بتایا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے انہیں اپنے گھر بلایا اور خراب کیا تھا"۔ اُمِ عرارہ نے کہا۔

خلیفہ بھڑک اٹھا اور کہا۔"میرے حرم کی لڑکیاں؟ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"اس لیے کہ آپ کی بیماری میں یہ خبر آپ کے لئے اچھی نہیں تھی"۔ اُم عمارہ نے کہا۔ "اب بھی یہ بات میرے منہ سے بے اختیار نکل گئی ہے۔ میں نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ اب کوئی لڑکی کسی کے بلانے پر باہر نہیں جا سکتی"۔

"میں اُسے ابھی بلا کر دُرّے لگواؤں گا"۔ خلیفہ نے کہا۔ "میں انتقام لوں گا"۔

"انتقام لینے کے طریقے اور بھی ہیں"۔ رجب نے کہا۔ "اس وقت عوام صلاح الدین کے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ آپ کے خلاف ہو جائیں گے"۔

"تو کیا میں اپنی یہ توہین برداشت کر لوں؟"۔ خلیفہ نے کہا۔

"نہیں"۔ رجب نے کہا۔ "اگر آپ مجھے اجازت دیں اور میری مدد کریں تو میں صلاح الدین کو اسی طرح غائب کر دوں گا جس طرح اس نے مصر کی پرانی فوج کے سالاروں کو گم کر دیا ہے"۔

"تم یہ کام کس طرح کرو گے؟"۔ خلیفہ نے پوچھا۔

"حشیشین یہ کام کر دکھائیں گے"۔ رجب نے کہا۔ "وہ رقم بہت زیادہ طلب کرتے ہیں"۔

"رقم کا مطالبہ جس قدر ہو گا وہ میں دوں گا"۔ خلیفہ نے کہا۔ "تم انتظام کرو"۔

☆

دو روز بعد جمعہ تھا۔ قاہرہ کی جامع مسجد کے خطیب کو عیسیٰ الہکاری فقیہہ نے کہہ دیا تھا کہ خطبے میں خلیفہ کا نام نہ لیا جائے۔ یہ خطیب ترک تھے، جن کا پورا نام تاریخ میں محفوظ نہیں۔ وہ امیر العالم کے نام سے مشہور تھے۔ اس دور کے دستاویزی ثبوت ایسے بھی ملے ہیں جن کے مطابق خطیب امیر العالم نے کئی بار اس بدعت کو ختم کرنے کے عزم کا اظہار کیا تھا اور یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ خلیفہ کا نام خطبے سے حذف کیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو امیر العالم نے ہی مشورہ دیا تھا کہ اس بدعت کے خاتمے کے احکام جاری کریں اور دو وقائع نگار اس کا سہرا عیسیٰ الہکاری فقیہہ کے سر باندھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ منصوبہ خطیب امیر العالم اور مذہبی امور کے مشیر عیسیٰ الہکاری فقیہہ کے پیش نظر بھی ہو لیکن صلاح الدین ایوبی کی گفتگو کی جو دستاویزات مل سکی ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دلیرانہ اقدام سلطان ایوبی کا ہی تھا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں



رہتا کہ اُس وقت سچے مسلمان موجود تھے۔

خطیب امیر العالم نے خطبے میں خلیفہ کا نام نہ لیا۔ جامع مسجد میں صلاح الدین ایوبی درمیانی صفوں میں موجود تھا۔ علی بن سفیان اس سے تھوڑی دُور کسی صف میں بیٹھا تھا۔ سلطان ایوبی کے متعدد دیگر مشیر اور معتمد بکھر کر عوام میں بیٹھے تھے تاکہ ان کا ردِ عمل جانچ سکیں۔ علی بن سفیان کے مخبروں کی بہت بڑی تعداد مسجد میں موجود تھی۔ خلیفہ کا نام خطبے میں سے غائب کرنا ایک سنگین اقدام نہیں بلکہ خلافت کے احکام کے مطابق سنگین جرم تھا۔ اس کا ارتکاب کر دیا گیا۔ سربراہوں میں سے اگر کوئی مسجد میں نہیں تھا تو وہ خلیفہ العاضد تھا۔

نماز کے بعد سلطان ایوبی اٹھا۔ خطیب کے پاس گیا۔ ان سے مصافحہ کیا۔ ان کے چغے کا بوسہ لیا اور کہا۔ "اللہ آپ کا حامی و ناصر ہے"۔ خطیب امیر العالم نے جواب دیا۔ "یہ حکم صادر فرما کر آپ نے جنت میں گھر بنا لیا ہے"۔ واپس چند قدم چل کر سلطان ایوبی رک گیا اور خطیب کے قریب جا کر کہا۔ "اگر آپ کو خلیفہ کا بلاوا آ جائے تو اس کے پاس جانے کی بجائے میرے پاس آ جانا۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا"۔

"اگر امیرِ مصر گستاخی نہ سمجھیں"۔ امیر العالم نے کہا۔ "تو عرض کروں کہ بدعت اور شرک کے خلاف عمل اور حق گوئی اگر جرم ہے تو اس کی سزا میں اکیلا جھگتوں گا۔ میں آپ کا سہارا نہیں ڈھونڈوں گا۔ خلیفہ نے بلایا تو اکیلا جاؤں گا۔ میں نے خلیفہ کے نام کو آپ کے حکم سے نہیں خدا کے حکم سے حذف کیا ہے۔ میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں"۔

شام کے بعد صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان، بہاؤ الدین شدّاد اور چند ایک اور مشیروں سے دن کی رپورٹ لے رہا تھا۔ سارے شہر میں شہریوں کے بھیس میں مخبر اور جاسوس پھیلا دیئے گئے تھے جنہوں نے لوگوں کی رائے معلوم کر لی تھی۔ علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ کہیں سے بھی اسے ایسی اطلاع نہیں ملی جہاں کسی نے یہ کہا ہو کہ خطبے میں خلیفہ کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ علی بن سفیان کے بعض آدمیوں نے دو تین جگہوں پر یہ بھی کہا کہ جامع مسجد کے خطیب نے آج خطبے میں خلیفہ کا نام نہیں لیا تھا، یہ اُس نے بہت بُرا کیا ہے۔ اس پر کچھ آدمی اس طرح حیران ہوئے جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ خطبے میں خلیفہ

کو نام لیا گیا تھا یا نہیں۔ ان میں سے چار پانچ نے اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ خلیفہ خدا یا پیغمبر تو نہیں۔ ان اطلاعات سے سلطان ایوبی کو اطمینان ہو گیا کہ عوام کے جس ردِ عمل سے اسے ڈرایا گیا تھا اس کا کہیں بھی اظہار نہیں ہُوا۔

صلاح الدین ایوبی نے اسی وقت سلطان نورالدین زنگی کے نام پیغام لکھا جس میں اسے اطلاع دی کہ اس نے جمعے کے خطبے میں سے خلیفہ کا نام نکلوا دیا ہے۔ عوام کی طرف سے اچھے ردِ عمل کا اظہار ہُوا ہے۔ لہٰذا آپ بھی بغداد کی خلافت کو خطبے سے خارج کر دیں۔ اس لُبِ لباب کا طویل پیغام لکھ کر اس نے حکم دیا کہ قاصد کو علی الصبح روانہ کر دیا جائے جو یہ پیغام نورالدین زنگی کو دے کر واپس آ جائے۔ اس کے بعد اس نے علی بن سفیان سے کہا کہ خلیفہ کے محل میں جاسوسوں کو چوکنا کر دیا جائے۔ وہاں کوئی بھی مشکوک حرکت ہو تو فوراً اطلاع دیں۔ رجب کو سلطان ایوبی جانتا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ رجب خلیفہ کا منہ چڑھا نائب سالار ہے۔ سلطان ایوبی نے علی بن سفیان سے کہا۔ "رجب کے ساتھ اپنا آدمی سائے کی طرح لگا رہنا چاہیے۔"

اس رات خلیفہ کی محفلِ عیش و طرب میں رجب نہیں تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے قتل کا انتظام کرنے چلا گیا تھا۔ اسے حسن بن صباح کے حشیشین سے ملنا تھا۔ خلیفہ روزمرہ کی طرح باہر کی دنیا سے بے خبر اور اُمِ عرارہ کے طلسماتی حسن اور ناز و ادا میں گم تھا۔ اسے کسی نے بتایا ہی نہیں تھا کہ خطبے میں سے اس کا نام حذف ہو چکا ہے۔ وہ خوش تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا انتظام ہونے والا ہے۔
اُمِ عرارہ نے اسے جلدی سلانے اور بے ہوش کرنے کے لیے زیادہ شراب پلا دی اور شراب میں خواب آور سفوف بھی ملا دیا۔ اس بڈھے سے جلدی چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ یہی نسخہ استعمال کیا کرتی تھی۔ اُسے سلا کر اور قندیلیں بجھا کر وہ کمرے سے نکل گئی۔ وہ اپنے مخصوص کمرے کی طرف جا رہی تھی جس میں رجب رات کو چوری چھپے اس کے پاس آیا کرتا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ کواڑوں کے پیچھے سے کسی نے اس پر کمبل پھینکا۔ اس کی آواز بھی نہ نکلنے پائی تھی کہ اس کے منہ پر جہاں پہلے ہی کمبل لپٹ گیا تھا ایک اور کپڑا باندھ دیا گیا۔ اسے کسی نے کندھوں پر ڈال لیا اور کمرے سے



نکل گیا۔ یہ دو آدمی تھے۔ وہ محل کی بھول بھلیوں اور چور راستوں سے واقف معلوم ہوتے تھے۔ وہ اندھیری سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ اوپر سے انہوں نے رسّہ باندھ کر نیچے لٹکایا۔ لڑکی کو کندھوں پر ڈالے ہوئے وہ آدمی رسّے سے نیچے اتر گیا۔ اس کے پیچھے دوسرا اترا اور دونوں اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ کچھ دور چار گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے پاس دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اندھیرے میں آتے دیکھا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ ایک نے کندھے پر کچھ اٹھا رکھا ہے۔ وہ گھوڑوں کو آگے لے گئے۔ سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ایک سوار نے لڑکی کو اپنے آگے ڈال لیا۔ ان میں سے کسی نے کہا۔ "گھوڑوں کو ابھی دوڑانا نہیں۔ ٹاپو سارے شہر کو جگا دیں گے۔" گھوڑے آہستہ آہستہ چلتے گئے اور شہر سے نکل گئے۔

"یہ صلاح الدین ایوبی کا کام ہے۔"
"امیرِ مصر کے سوا ایسی جرأت اور کوئی نہیں کر سکتا۔"
"اس کے سوا اور ہو بھی کون سکتا ہے۔"

قصرِ خلافت میں یہی شور و غوغا بپا تھا کہ اُمِ عرارہ کو صلاح الدین ایوبی نے اغوا کرایا ہے۔ رجب واپس آ گیا تھا۔ محل کے کونے کونے کی تلاشی لی جا چکی تھی۔ محافظ دستہ کے کمانداروں کے عتاب کا نشانہ بنا ہُوا تھا۔ خود کماندار بھی سپاہیوں کی طرح تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ایک لڑکی کا اغوا معمولی واردات نہیں تھی اور لڑکی بھی ایسی جسے خلیفہ حرم کا ہیرا سمجھتا تھا۔ محل کے پچھواڑے ایک رسّہ لٹک رہا تھا۔ زمین پر پاؤں کے نشان تھے جو تھوڑی دُور جا کر گھوڑوں کے نشانات میں ختم ہو گئے تھے۔ ان سے یہ ثبوت مل گیا تھا کہ لڑکی کو رسّے سے اتارا گیا ہے۔ اس شک کا اظہار بھی کیا گیا کہ لڑکی اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ گئی ہے۔ خلیفہ نے اس شک کو مسترد کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اُمِ عرارہ اس پر جان چھڑکتی تھی۔
"یہ صلاح الدین ایوبی کا کام ہے" ــــ رجب نے العاضد سے کہا۔ "قصرِ خلافت میں ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی بھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔"

ہر کسی کے کانوں میں یہ الفاظ رجب نے ہی ڈالے تھے۔ اسے جونہی ام عرارہ کی گمشدگی کی اطلاع ملی تھی، اس نے سارے محل میں گھوم پھر کر ہر کسی سے لڑکی کے متعلق پوچھا اور ہر کسی سے کہا تھا — "یہ سلطان ایوبی کا کام ہے"۔ قصرِ صدارت کے اعلیٰ حاکم سے ادنیٰ ملازم تک انہی الفاظ کو دہرائے چلے جا رہے تھے اور جب یہ الفاظ خلیفہ العاضد کے کانوں میں پڑے تو اس نے ذرّہ بھر سوچنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ یہ الزام بے بنیاد ہو سکتا ہے۔ اس کے کانوں میں یہ تو پہلے ہی ڈالا جا چکا تھا کہ سلطان ایوبی عورتوں کا شیدائی ہے۔ ام عرارہ نے اسے یہ بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی حرم کی چند لڑکیوں کو خراب کر چکا ہے۔ خلیفہ نے اسی وقت اپنے خصوصی قاصد کو بلایا اور اُسے کہا کہ امیرِ مصر کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ پردے میں لڑکی واپس کر دو، میں کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔

جس وقت خلیفہ قاصد کو یہ پیغام دے رہا تھا اس وقت قاہرہ سے دس بارہ میل دُور تین شتر سوار قاہرہ کی طرف خراماں خراماں آ رہے تھے۔ وہ مصر کی فوج کے گشتی سنتری تھے۔ مصر کے سیاسی حالات چونکہ اچھے نہیں تھے۔ جاسوسوں اور تخریب کاروں کی سرگرمیاں رکنے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھیں۔ سلطان ایوبی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ملک میں غداری اور بغاوت کی چنگاریاں بھی سلگ رہی ہیں۔ اُس سوڈانی فوج کی طرف سے جسے اُس نے برطرف کر دیا تھا خطرہ پوری طرح ٹلا نہیں تھا۔ اس فوج کے کمانڈر، عہدیدار اور سپاہی تجربہ کار عسکری تھے۔ کسی بھی وقت ملک کے لیے خطرہ بن سکتے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ سلطان ایوبی کے مخالفین نے صلیبیوں سے دوستانہ کر رکھا تھا۔ ان کے جاسوسوں کو وہ پناہ، اڈہ اور مدد مہیا کرتے تھے۔ ان خطرات کے پیشِ نظر دارالحکومت سے بہت دُور دُور اور ہر طرف فوج کے چند ایک دستے رکھے گئے تھے۔ ان کے گشتی سنتری دن رات صحراؤں اور ٹیلوں ٹیکریوں کے علاقوں میں گھوڑوں اور اونٹوں پر گشت کرتے رہتے تھے تاکہ آنے والے خطرے کی اطلاع قبل از وقت دی جا سکے۔

وہ تین شتر سوار انہی دستوں کے گشتی سنتری تھے جو اپنی ذمہ داری کے علاقے میں گشت کر کے واپس آ رہے تھے۔ آگے مٹی اور پتھروں کی پہاڑیوں اور چٹانوں کا وسیع علاقہ تھا۔ وہ ایک وادی میں سے گزر رہے تھے، انہیں کسی عورت کی آہ و زاری سنائی دی۔ مردانہ آوازیں بھی سنائی دیں۔ ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ



لڑکی پر زبردستی کی جا رہی ہے۔ ایک شتر سوار اُترا اور اس چٹان پر چڑھ گیا جس کی دوسری طرف سے آوازیں آ رہی تھیں۔ اس نے چھپ کر دیکھا۔ اُدھر چار گھوڑے کھڑے تھے اور چار آدمی بھی تھے۔ چاروں سوڈانی حبشی تھے...... ایک بڑی ہی خوبصورت لڑکی تھی جو دوڑی جا رہی تھی۔ ایک حبشی نے اسے پکڑ لیا اور اسے بازوؤں میں دبوچ کر اٹھا لیا اور آ کے اپنے ساتھیوں کے درمیان کھڑا کر کے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل ہو گیا۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "تم مقدس لڑکی ہو۔ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر ہمیں گناہگار نہ کرو۔ دیوتاؤں کا قہر ہمیں جلا ڈالے گا یا ہمیں پتھر بنا دے گا"۔

"میں مسلمان ہوں" — لڑکی نے چلّا کر کہا — "تمہارے دیوتاؤں پر لعنت بھیجتی ہوں۔ مجھے چھوڑ دو، ورنہ میں تم سب کو خلیفہ کے قتل سے بوٹی بوٹی کرا دوں گی"۔

"تم اب خلیفہ کی ملکیت نہیں" — ایک حبشی نے اسے کہا — "اب تم اس دیوتا کی ملکیت ہو جس کے ہاتھ میں آسمان کی بجلیوں کا قہر، ناگوں کا زہر اور شیروں کی طاقت ہے۔ اس نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ اب جو کوئی تمہیں اس سے چھیننے کی کوشش کرے گا اسے صحرا کی ریت جلا کر راکھ کر دے گی"۔

ایک حبشی نے دوسرے سے کہا — "میں نے تمہیں کہا تھا کہ یہاں نہ رکو مگر تم آرام کرنا چاہتے تھے۔ اسے بندھا ہوا چلے چلتے اور شام سے پہلے پہلے منزل پر پہنچ جاتے"۔

"کیا ہمارے گھوڑے تھک نہیں گئے تھے؟" — حبشی نے جواب دیا — "ہم ساری رات کے جاگے ہوئے نہیں تھے؟ اسے پھر باندھ لو اور چلو"۔

اس نے لڑکی کو دبوچ لیا۔ اچانک اس کی پیٹھ میں ایک تیر اُتر گیا۔ اس کی گرفت لڑکی سے ڈھیلی ہو گئی۔ لڑکی اُسے دھکا دے کر بھاگنے لگی تو دوسرے آدمی نے اسے پکڑ کر گھسیٹا اور گھوڑوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ ایک اور تیر آیا جو ایک آدمی کی گردن میں لگا۔ وہ آدمی بُری طرح تڑپنے لگا جس آدمی نے لڑکی کو پکڑا تھا وہ گھوڑے کی باگ پکڑ کر لڑکی اور گھوڑے کو نشیبی جگہ لے گیا جو بالکل قریب تھی۔ ایک حبشی اور بھی رہ گیا تھا۔ وہ بھی دوڑ کر نشیب میں اُتر گیا.....

یہ تیر اُس شتر سوار سنتری نے چلائے تھے جو چٹان پر چڑھ گیا تھا۔ اس نے بعد میں جو بیان دیا اس میں اس نے کہا تھا کہ وہ دیوتاؤں کے نام سے ڈر گیا

تھا لیکن لڑکی نے جب یہ کہا کہ میں مسلمان ہوں اور میں دیوتاؤں پر لعنت بھیجتی ہوں تو سنتری کا ایمان بیدار ہو گیا۔ لڑکی نے جب خلیفہ کا نام لیا تو سنتری سمجھ گیا کہ یہ حرم کی لڑکی ہے۔ اس کا لباس، اس کی شکل و صورت اور اس کی ڈیل ڈول بتا رہی تھی کہ یہ معمولی درجے کی لڑکی نہیں، اسے اغوا کیا جا رہا ہے اور اسے سوڈان میں لے جا کر فروخت کیا جائے گا۔ سنتری کو یہ معلوم تھا کہ تھوڑے دنوں بعد سوڈانی حبشیوں کا ایک میلہ لگنے والا ہے جس میں لڑکیوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

فوج کو سلطان ایوبی نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ عورت کی عزت کی حفاظت کی جائے گی۔ ایک عورت کی عزت کو بچانے کے لیے ایک درجن آدمیوں کے قتل کی بھی اجازت تھی۔ سنتری نے یہ ساری باتیں سامنے رکھ کر فیصلہ کر لیا کہ اس لڑکی کو بچانا ہے۔ اس نے دو تیر چلائے اور دو حبشی مار ڈالے۔ اس نے غلطی یہ کی کہ باقی دو حبشیوں کو پکڑنے کے لیے نیچے اُتر آیا۔ اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ بردہ فروشوں کا تعاقب کرنا ہے۔ وہ تینوں اونٹوں کو دوڑاتے دوسری طرف گئے مگر انہیں چٹان کا چکر کاٹ کر جانا پڑا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ اونٹ گھوڑے کا تعاقب کر سکتا ہے یا نہیں۔ ان تینوں میں سے تیر کمان صرف اسی سنتری کے پاس تھا۔ باقی دو کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں۔

وہ اس جگہ پہنچے جہاں لڑکی اور حبشیوں کو دیکھا گیا تھا تو وہاں دو لاشوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ سوڈانی حبشی، لڑکی کو بھی لے گئے تھے اور اپنے مرے ہوئے ساتھیوں کے گھوڑوں کو بھی۔ شتر سواروں نے تعاقب میں اونٹ دوڑائے لیکن وہ ٹیلوں اور چٹانوں کا علاقہ تھا۔ راستہ گھومتا اور مڑتا تھا۔ انہیں بھاگتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دے رہے تھے جو دور ہٹتے گئے اور خاموش ہو گئے۔ شتر سواروں نے دونوں لاشیں اونٹوں پر لادیں اور واپس آ گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ لاشیں کس کی ہیں۔ یہ عام قسم کے بردہ فروشوں کی بھی ہو سکتی تھیں۔ انہیں اٹھا لانا ضروری نہ تھا لیکن لڑکی خلیفہ کی معلوم ہوتی تھی۔ اس لیے لاشیں اٹھانا ضروری سمجھا گیا تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اغوا کرنے والے کون ہیں۔

☆



صلاح الدین ایوبی پریشانی اور غصے کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں اس کے مشیر اور معتمد بیٹھے تھے۔ یہ اس کے دوست بھی تھے۔ وہ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے آپ کو ہمیشہ قابو میں رکھتا تھا۔ وہ کبھی جذباتی نہیں ہوا تھا۔ غصہ پی جایا کرتا تھا اور ذہن کو پوری طرح قابو میں رکھ کر سوچا اور فیصلہ کیا کرتا تھا۔ ایسے حالات نے بھی اسے آزمایا تھا جن میں جابر جنگجو بھی ہتھیار ڈال دیا کرتے ہیں۔ وہ محاصروں میں بھی لڑا تھا اور اس حال میں بھی محاصرے میں رہا تھا کہ اس کے سپاہیوں کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے، قلعے میں کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہ رہا تھا اور سپاہیوں کے ترکش بھی خالی ہو گئے تھے۔ اس کے سپاہی اس انتظار میں تھے کہ وہ ہتھیار ڈال کر انہیں اس اذیت اور موت سے بچا لے گا لیکن سلطان ایوبی نے صرف اپنا حوصلہ ہی مضبوط نہ رکھا بلکہ سپاہیوں میں بھی نئی روح پھونک دی۔ مگر اس روز سلطان ایوبی کو اپنے اوپر قابو نہیں رہا تھا۔ چہرہ پر غصہ بھی تھا، گھبراہٹ بھی۔ یہی وجہ تھی کہ سب خاموش بیٹھے تھے۔

"آج پہلی بار میرا دماغ میرا ساتھ چھوڑ گیا ہے" — اس نے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ خلیفہ کے اس پیغام کو نظر انداز کر دیں؟" — اس کے نائب سالار الناصر نے کہا۔

"میں اسی کوشش میں مصروف ہوں" — سلطان ایوبی نے کہا — "لیکن الزام کی نوعیت دیکھو جو مجھ پر عائد کیا گیا ہے۔ میں نے اس کے حرم کی ایک لڑکی اغوا کروائی ہے۔ استغفر اللہ۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ اس نے میری توہین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پیغام بلکہ دھمکی قاصد کی زبانی بھیجی ہے۔ وہ مجھے بلا لیتا۔ میرے ساتھ براہ راست بات کرتا۔"

"میں پھر بھی یہی مشورہ دوں گا کہ اپنے آپ کو ٹھنڈا کیجیے" — بہاؤالدین شداد نے کہا۔

"میں سوچ یہ رہا ہوں، کیا واقعی حرم سے کوئی لڑکی اغوا ہوئی ہے؟" — سلطان ایوبی نے کہا — "یہ جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔ اسے پتہ چل گیا ہوگا کہ میں نے خطبے میں سے اس کا نام نکلوا دیا ہے۔ اس کے جواب میں اس نے مجھ پر یہ الزام عائد کر کے میں نے اس کے حرم کی ایک لڑکی اغوا کرائی ہے، انتقام لینے کی کوشش

کی ہے"۔۔۔ سلطان ایوبی نے عیسیٰ الہکاری فقیہہ سے کہا۔۔۔ "ایک حکم نامہ مصر کی تمام مسجدوں کے نام جاری کر دو کہ آئندہ کسی مسجد میں خطبے میں خلیفہ کا ذکر نہیں کیا جائے گا۔"

"آپ اس کے ہاں چلے جائیں اور اس سے بات کریں"۔۔۔ الناصر نے کہا۔۔۔ "اسے صاف الفاظ میں بتا دیں کہ خلیفہ قوم کی عزت کا نشان ہوتا ہے لیکن اس کا حکم نہیں چل سکتا، خصوصاً اس صورتِ حال میں جب حالات جنگی ہیں اور دشمن کا خطرہ باہر سے بھی ہے اور اندر سے بھی موجود ہے۔ میں تو یہاں تک مشورہ دوں گا کہ اس کے محافظ دستے کی نفری کم کر دیں۔ سوڈانی حبشیوں کی جگہ مصری رکھیں اور اس کے محل کے اخراجات کم کریں۔ میں اس کے نتائج سے آگاہ ہوں۔ ہمیں مقابلہ کرنا ہی پڑے گا۔ ہمیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

"میں نے ہمیشہ اپنے اللہ پر بھروسہ کیا ہے"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "خدائے ذوالجلال مجھے اس ذلت سے بھی بچا لے گا۔"

دربان اندر آیا۔ سب نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ "صحرا کے گشتی دستے کا کمانڈر اپنے تین سپاہیوں کے ساتھ آیا ہے۔ وہ دو سوڈانیوں کی لاشیں لائے ہیں۔"

سب نے دربان کی مداخلت کو اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ اس وقت سلطان ایوبی بڑے ہی اہم اور خفیہ اجلاس میں مصروف تھا لیکن سلطان نے دربان سے کہا۔ "انہیں اندر بھیج دو"۔۔۔ سلطان ایوبی نے اپنے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی اسے کوئی ملنے آئے وہ اسے اطلاع دے اور اگر رات اسے جگانے کی ضرورت محسوس ہو تو فوراً جگا لے۔ سلطان کوئی بات اور کوئی ملاقات التوا میں نہیں ڈالا کرتا تھا۔

عہدیدار اندر آیا۔ اس کا چہرہ گرد سے اٹا ہوا اور تھکا تھکا نظر آتا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے بٹھایا اور دربان سے کہا کہ اس کے لیے پینے کے لیے کچھ لے آؤ۔ عہدیدار نے سلطان کو بتایا کہ اس کے گشتی سنتریوں نے چار سوڈانی حبشیوں سے ایک مغویہ لڑکی کو چھڑانے کی کوشش میں دو کو تیروں سے مار ڈالا ہے اور دو لڑکی کو اٹھا کر بھاگ گئے ہیں۔ عہدیدار نے بتایا کہ سنتریوں کے بیان کے مطابق لڑکی خانہ بدوش یا کسی عام گھرانے کی نہیں تھی۔ وہ بہت ہی امیر لگتی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ خلیفہ کی ملکیت ہے۔



"معلوم ہوتا ہے"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "خدائے ذوالجلال میری مدد کو آ گیا ہے"۔۔۔ وہ باہر نکل گیا۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے سب حاکم اس کے پیچھے چلے گئے۔

باہر زمین پر دو لاشیں پڑی تھیں۔ ایک لاش پیٹ کے بل تھی۔ اس کی پیٹھ میں تیر اترا ہوا تھا۔ دوسری لاش کی گردن میں تیر پیوست تھا۔ پاس تین سپاہی کھڑے تھے۔ انہوں نے امیر مصر کو جو ان کا سالارِ اعلیٰ بھی تھا شاید پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ فوجی انداز سے سلام کرکے پرے ہٹ گئے۔ سلطان ایوبی نے ان کے سلام کا صرف جواب ہی نہیں دیا بلکہ ان سے ہاتھ ملایا اور کہا۔۔۔ "یہ شکار کہاں سے مار لائے ہو دوستو؟"۔۔۔ اس سنتری نے جس نے چٹان سے تیر چلا کر دو آدمیوں کو مارا تھا، سلطان ایوبی کو سارا واقعہ پوری تفصیل سے سنا دیا۔

"کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی خلیفہ کی ہی داشتہ ہو؟"۔۔۔ سلطان ایوبی نے اپنے مشیروں سے پوچھا۔

"معلوم یہی ہوتا ہے"۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا۔۔۔ "ان کے خنجر دیکھیے۔" اس نے دو خنجر سلطان ایوبی کو دکھائے۔ جس وقت سپاہی واقعہ سنا رہا تھا علی بن سفیان لاشوں کی تلاشی لے رہا تھا۔ انہوں نے سوڈان کا قبائلی لباس پہن رکھا تھا۔ کپڑوں کے اندر ان کے کمربند تھے جن کے ساتھ ایک ایک خنجر تھا۔ یہ خلیفہ کے حفاظتی دستے کے خاص ساخت کے خنجر تھے۔ ان کے دستوں پر قصرِ خلافت کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ علی بن سفیان نے کہا۔۔۔ "اگر انہوں نے یہ خنجر چوری نہیں کیے تو یہ دونوں قصرِ خلافت کے حفاظتی دستے کے سپاہی ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ لڑکی وہی ہے جو خلیفہ کے حرم سے اغوا ہوئی ہے اور اغوا کرنے والے خلیفہ کے محافظوں میں سے ہیں۔"

"لاشیں اٹھواؤ اور خلیفہ کے پاس لے چلو"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

"پہلے یقین کر لیا جائے کہ یہ واقعی خلیفہ کے محافظوں میں سے ہیں۔"

علی بن سفیان نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ علی بن سفیان کے ساتھ قصرِ خلافت کا ایک کمانڈر آ گیا۔ اسے دونوں لاشیں دکھائی گئیں۔ اس نے فوراً پہچان لیا

اور کہا ــــ "یہ دونوں محافظ دستے کے سپاہی ہیں۔ گزشتہ تین روز سے چھٹی پر تھے۔ ان کی چھٹی سات دن رہنی تھی۔"

"کوئی اور سپاہی بھی چھٹی پر ہے؟" ــــ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"دو اور ہیں۔"

"کیا وہ ان کے ساتھ چھٹی پر گئے تھے؟"

"اکٹھے گئے تھے۔" کمانڈر نے جواب دیا اور ایک ایسا انکشاف کیا جس نے سب کو چونکا دیا۔ اس نے کہا ــــ "یہ سوڈان کے ایسے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو خونخواری میں مشہور ہے۔ ان میں فرعونوں کے وقت کی کچھ رسمیں چلی آ رہی ہیں۔ یہ قبیلہ ہر تین سال بعد ایک جشن مناتا ہے۔ یہ ایک میلہ ہوتا ہے جو تین دن اور تین راتیں رہتا ہے۔ دن ایسے مقرر کرتے ہیں کہ چوتھی رات چاند پورا ہوتا ہے۔ میلے میں وہ لوگ بھی جاتے ہیں جن کا اس قبیلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ صرف عیاشی کے لیے جاتے ہیں۔ میلے میں لڑکیوں کی خرید و فروخت کے لیے باقاعدہ منڈی لگتی ہے۔ اس میلے سے ایک ماہ پہلے ہی ارد گرد بلکہ قاہرہ تک کے لوگ جن کی بیٹیاں جوان ہو گئی ہوں ہوشیار اور چوکس ہو جاتے ہیں۔ وہ لڑکیوں کو باہر نہیں جانے دیتے۔ ان دنوں خانہ بدوش بھی اس علاقے سے دور چلے جاتے ہیں۔ لڑکیاں اغوا ہوتی ہیں اور اس میلے میں فروخت ہو جاتی ہیں۔ یہ چاروں سوڈانی اسی میلے کے لیے چھٹی پر گئے تھے۔ میلہ تین روز بعد شروع ہو رہا ہے۔"

"کیا ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ خلیفہ کے حرم کی لڑکی انہوں نے اغوا کی ہو گی؟" ــــ علی بن سفیان نے پوچھا۔

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔" کمانڈر نے جواب دیا ــــ "یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان دنوں میں اس قبیلے کے لوگ جان کا خطرہ مول لے کر بھی لڑکیاں اغوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ خونخوار اتنے ہیں کہ اگر کسی لڑکی کے وارث میلے میں چلے جائیں اور اپنی لڑکی لینے کی کوشش کریں تو انہیں قتل کر دیا جاتا ہے۔

لڑکیوں کے گاہکوں میں مصر کے امیر، وزیر اور حاکم بھی ہوتے ہیں۔ میلے میں ایسے عارضی قحبہ خانے بھی کھل جاتے ہیں جہاں جوا، شراب اور عورت کے شیدائی دولت لٹاتے ہیں۔ اس جشن کی آخری رات بڑی پُراسرار ہوتی ہے۔ کسی عجیب [illegible] ایک نوجوان اور غیر معمولی طور پر حسین لڑکی کو قربان کیا جاتا ہے۔ کسی کو بھی علم نہیں کہ لڑکی کو کہاں اور کس طرح قربان کیا جاتا ہے۔ یہ کام ان کا ایک مذہبی پیشوا جسے حبشی خدا بھی کہتے ہیں کرتا ہے۔ اس کے ساتھ بہت تھوڑے سے خاص آدمی اور چار پانچ لڑکیاں ہوتی ہیں۔ لوگوں کو لڑکی کا کٹا ہوا سر اور خون دکھایا جاتا ہے جسے دیکھ کر یہ قبیلہ پاگلوں کی طرح ناچتا اور شراب پیتا ہے۔

☆

خلیفہ نے محافظ دستے کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ تمام تر محافظ دستہ دھوپ میں کھڑا تھا۔ سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی۔ اس دستے کو صبح کھڑا کیا گیا تھا۔ کمانڈروں اور عہدیداروں کو بھی کھانے کی اجازت دی گئی تھی نہ پانی پینے کی۔ رجب بار بار آتا اور اعلان کرتا تھا کہ لڑکی محافظوں کی مدد کے بغیر اغوا نہیں کی جا سکتی تھی۔ جس کسی نے اغوا میں مدد دی ہے وہ سامنے آ جائے ورنہ تمہیں یہیں بھوکا اور پیاسا مار دیا جائے گا۔ اگر لڑکی خود باہر گئی ہوتی تو تم میں سے کسی نہ کسی نے ضرور دیکھی ہوتی.... ان دھمکیوں کا کچھ اثر نہیں ہو رہا تھا۔ سب کہتے تھے کہ وہ بے گناہ ہیں۔

خلیفہ رجب کو ٹلنے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے رجب سے کہا تھا: "مجھے لڑکی کا افسوس نہیں، پریشانی یہ ہے کہ جو اتنے کڑے پہرے سے لڑکی کو اغوا کر سکتے ہیں وہ مجھے بھی قتل کر سکتے۔ مجھے یہ ثبوت چاہیے کہ لڑکی کو صلاح الدین نے اغوا کرایا ہے۔"

رجب نے ہی اغوا کا بہتان سلطان ایوبی کے سر تھوپا تھا مگر خلیفہ اُسے کہہ رہا تھا کہ ثبوت لاؤ۔ رجب ثبوت کہاں سے لاتا۔ اس کی جان پر بن گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر محافظ دستے کے سامنے گیا۔ غصے سے وہ باؤلا ہوا جا رہا تھا۔ وہ کئی بار دی ہوئی دھمکی ایک بار پھر دینے ہی لگا تھا کہ دروازے پر کھڑے سنتریوں نے دروازے کھول دیئے اور اعلان کیا ــــ "امیرِ مصر تشریف لا رہے ہیں۔"

بڑے دروازے میں سلطان ایوبی کا گھوڑا داخل ہوا۔ اس کے آگے دو محافظ سواروں کے گھوڑے تھے۔ آٹھ سوار پیچھے تھے۔ ایک دائیں اور ایک بائیں تھا۔ ان کے پیچھے سلطان ایوبی کے حاکم اور مشیر تھے۔ ان میں علی بن سفیان بھی تھا۔ رجب نے خلیفہ کو اطلاع بھیج دی کہ صلاح الدین ایوبی آیا ہے۔ سب نے دیکھا کہ سلطان ایوبی

کے اس جلوس کے پیچھے چار پہیوں والی ایک گاڑی تھی جس کے آگے دو گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ گاڑی پر دو لاشیں پڑی تھیں۔ ایک سیدھی دوسری الٹی۔ تیر ابھی تک لاشوں میں اُترے ہوئے تھے۔ ان لاشوں کے ساتھ وہ تین شتر سوار تھے جنہوں نے ان حبشیوں کو مارا تھا۔

خلیفہ باہر آگیا۔ سلطان ایوبی اور اس کے تمام سوار گھوڑوں سے اُترے۔ سلطان ایوبی نے اسی احترام سے خلیفہ کو سلام کیا جس احترام کا وہ حقدار تھا۔ جھک کر اس سے مصافحہ کیا اور اس کا ہاتھ چوما۔

"مجھے آپ کا پیغام مل گیا تھا کہ میں آپ کے حرم کی لڑکی واپس کردوں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں آپ کے دو محافظوں کی لاشیں لایا ہوں۔ یہ لاشیں مجھے بے گناہ ثابت کریں گی اور میں حضور کی خدمتِ اقدس میں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی آپ کی فوج کا سپاہی نہیں ہے۔ جس خلافت کی آپ نمائندگی کر رہے ہیں وہ اس کا بھیجا ہوا ہے۔"

خلیفہ نے صلاح الدین ایوبی کے تیور بھانپ لیے۔ اس فاطمی خلیفہ کا ضمیر گناہوں کے بوجھ سے کراہ رہا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی بارعب اور پُرجلال شخصیت کا سامنا کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں تمہیں اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں، صلاح الدین اندر آؤ۔"

"میری حیثیت ابھی ملزم کی ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے ابھی صفائی پیش کرنی ہے کہ میں اغوا کا ملزم نہیں ہوں۔ خدائے ذوالجلال نے میری مدد فرمائی ہے اور دو لاشیں بھیجی ہیں۔ یہ لاشیں بولیں گی نہیں، ان کی خاموشی اور ان میں اُترے ہوئے تیر گواہی دیں گے کہ صلاح الدین ایوبی اس جرم کا مجرم نہیں ہے جو قصرِ خلافت میں سرزد ہوا ہے۔ میں جب تک اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہ کروں گا اندر نہیں جاؤں گا۔" وہ لاشوں کی طرف چل پڑا۔

خلیفہ کھچا ہوا اُس کے پیچھے پیچھے گیا۔ تھوڑی دُور چار ساڑھے چار سو نفری کا محافظ دستہ کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے لاشیں اُٹھوا کر اس دستے کے سامنے رکھ دیں اور بلند آواز سے کہا۔ "آٹھ آٹھ سپاہی آگے آؤ اور لاشوں کو دیکھ کر بتاؤ کہ یہ کون ہیں؟" پہلے کماندار اور عہدیدار آئے۔ انہوں نے لاشیں دیکھ کر ان کے



نام بتائے اور کہا۔ "یہ ہمارے دستے کے سپاہی تھے۔" ان کے بعد آٹھ سپاہی آئے۔ انہوں نے بھی لاشوں کو دیکھ کر کہا کہ یہ ان کے ساتھی تھے۔ آٹھ اور سپاہی آئے۔ پھر آٹھ اور آئے۔ اس طرح آٹھ آٹھ سپاہی آتے رہے اور بتاتے رہے کہ یہ لاشیں ان کے فلاں فلاں ساتھیوں کی ہیں۔

"صلاح الدین!" خلیفہ نے کہا۔ "میں نے مان لیا ہے کہ یہ لاشیں قصرِ خلافت کے دو محافظوں کی ہیں۔ میں اس سے آگے سننا چاہتا ہوں کہ انہیں کس نے ہلاک کیا ہے۔"

صلاح الدین نے اس گشتی سنتری سے جس نے انہیں ہلاک کیا تھا، کہا کہ اپنا بیان دہرائے۔ اُس نے سارا واقعہ خلیفہ کو سنا دیا۔ وہ ختم کر چکا تو سلطان ایوبی نے خلیفہ سے کہا۔ "لڑکی میرے پاس نہیں لائی گئی۔ وہ سوڈانی حبشیوں کے قبیلے میں فروخت ہونے کے لیے گئی ہے۔"

خلیفہ کھسیانہ ہوا جا رہا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی سے کہا کہ وہ اندر چلے۔ سلطان ایوبی نے اندر جانے سے انکار کر دیا اور کہا۔ "میں اس لڑکی کو زندہ یا مردہ برآمد کرکے آپ کے حضور حاضری دوں گا۔ ابھی میں اتنا ہی کہوں گا کہ حرم کی ایک ایسی لڑکی کا اغوا جو تحفے کے طور پر آئی تھی اور جو آپ کی منکوحہ بیوی نہیں داشتہ تھی، میرے لیے ذرہ بھر اہمیت نہیں رکھتی۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے اس سے اہم فرائض سونپے ہیں۔"

"میری پریشانی یہ نہیں کہ ایک لڑکی اغوا ہو گئی ہے۔" خلیفہ نے کہا۔ "اصل پریشانی یہ ہے کہ اس طرح لڑکیاں اغوا ہونے لگیں تو ملک میں قانون کا کیا حشر ہوگا۔"

"اور میری پریشانی یہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ اغوا ہو رہی ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "آپ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ میرا شعبۂ سراغرسانی لڑکی کو برآمد کرنے کی پوری کوشش کرے گا۔"

خلیفہ سلطان ایوبی کو ذرا پرے لے گیا اور کہا۔ "صلاح الدین! میں ایک عرصے سے دیکھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے کھچے کھچے رہتے ہو۔ میں نجم الدین ایوب (سلطان ایوبی کے والد محترم) کا بہت احترام کرتا ہوں، مگر تمہارے دل میں میرے لیے ذرہ بھر احترام نہیں ہے اور مجھے آج بتایا گیا ہے کہ جامع مسجد کے خطیب امیر العالم نے یہ گستاخی کی ہے کہ خطبے سے میرا نام ہٹا دیا ہے۔ مجھے رجب نے بتایا ہے کہ میں اسے اس گستاخی

کی سزا دے سکتا ہوں۔ میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے تمہاری شہہ پر تو ایسا نہیں کیا؟"

"میری شہہ پر نہیں، میرے حکم پر اس نے خلیفہ کا نام خطبے سے حذف کیا ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "صرف آپ کا نام نہیں بلکہ ہر اس خلیفہ کا نام خطبے سے ہٹا دیا گیا ہے جو آپ کے بعد آئے گا اور جو اُس کے بعد آئے گا۔"

"کیا یہ حکم فاطمی خلافت کو کمزور کرنے کے لئے جاری کیا گیا ہے؟" خلیفہ نے پوچھا۔ "مجھے شک ہے کہ یہاں عباسی خلافت لائی جا رہی ہے۔"

"حضور بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "قرآن نے شراب کو اسی لیے حرام کہا ہے کہ اس سے دماغ ماؤف ہو جاتا ہے"..... سلطان نے ذرا سوچ کر کہا۔ "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کل سے آپ کے محافظ دستے میں ردو بدل ہوگا اور رجب کو میں واپس لے کر آپ کو نیا کماندار دوں گا۔"

"لیکن میں رجب کو یہاں رکھنا چاہتا ہوں۔" خلیفہ نے کہا۔

"میں حضور سے درخواست کرتا ہوں کہ فوجی معاملات میں دخل دینے کی کوشش نہ کریں۔" سلطان ایوبی نے کہا اور علی بن سفیان کی طرف متوجہ ہوا جو پانچ حبشی محافظوں کو ساتھ لیے آ رہا تھا۔

"یہ پانچوں اُسی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں نے اس دستے سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس قبیلے کے کوئی آدمی یہاں ہوں تو باہر آ جائیں۔ یہ پانچ صفوں سے باہر آ گئے۔ ان کے متعلق مجھے ان کے کماندار نے بتایا ہے کہ پرسوں سے چھٹی پر جا رہے تھے۔ میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ لڑکی کے اغوا میں ان کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

صلاح الدین ایوبی نے رجب کو بلا کر کہا۔ "کل یہاں دوسرا کماندار آ رہا ہے۔ آپ میرے پاس آ جائیں گے۔ میں آپ کو منجنیقوں کی کمان دینا چاہتا ہوں۔"

رجب کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

☆

اُمِ عرارہ کو گھوڑے پر ڈالے ہوئے جب وہ دو حبشی اتنی دُور نکل گئے جہاں انہیں تعاقب کا خطرہ نہ رہا تو انہوں نے گھوڑے روک لیے۔ لڑکی ایک بار پھر آزاد ہونے کو تڑپنے لگی۔ حبشیوں نے اسے کہا کہ اس کا تڑپنا بے کار ہے۔ اب اگر اُسے وہ آزاد بھی کر دیں تو وہ اس ریگستان سے زندہ نہیں نکل سکے گی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ اسے بے آبرو نہیں کرنا چاہتے۔ اگر اُن کی نیت ایسی ہوتی تو وہ اس کے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کر چکے ہوتے۔ اُمِ عرارہ حیران تھی کہ انہوں نے اسے چھیڑا تک نہیں تھا۔ انہیں تو جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ اتنی دلکش لڑکی ان کے رحم و کرم پر ہے۔ ان میں سے ایک نے جو مارا جا چکا تھا، مرنے سے پہلے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر التجا کی تھی کہ وہ تڑپ تڑپ کر اپنے آپ کو اذیت میں نہ ڈالے۔ اُمِ عرارہ نے ان سے پوچھا کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے تو اسے جواب دیا گیا کہ وہ اسے آسمان کے دیوتا کی ملکہ بنانے کے لیے لے جا رہے ہیں۔

انہوں نے لڑکی کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ اس نے آزاد ہونے کی کوشش ترک کر دی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ کوشش بے سود ہے۔ گھوڑے چل پڑے اور اُمِ عرارہ ایک حبشی کے آگے گھوڑے پر بیٹھی ہچکولے کھاتی رہی۔ ایک جگہ رک کر اس کے منہ میں پانی ڈالا گیا اور گھوڑے چل پڑے۔ بہت دیر بعد خنکی سے اُمِ عرارہ نے محسوس کیا کہ رات ہو گئی ہے۔ گھوڑے رک گئے۔ اس وقت تک اس نازک لڑکی کا جسم مسلسل گھوڑ سواری سے ٹوٹ چکا تھا۔ دہشت سے اس کا دماغ بے کار ہو گیا تھا۔ اسے گھوڑے رکتے ہی اپنے ارد گرد تین چار مردوں اور تین عورتوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ زبان اس کی سمجھ سے بالا تھی۔ یہ حبشی راستے میں اس کے ساتھ عربی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ ان کا لہجہ عربی نہیں تھا۔

ابھی اس کی آنکھوں سے پٹی نہیں کھولی گئی تھی۔ اس کی تو جیسے زبان بھی بند ہو گئی تھی۔ اُسے کسی نے اٹھا کر کسی نرم چیز پر بٹھا دیا۔ یہ پالکی تھی۔ پالکی اوپر کو اٹھی اور اس کا ایک اور سفر شروع ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دف کی ہلکی ہلکی گونجدار تھاپ سنائی دینے لگی اور عورتیں گانے لگیں۔ اس گانے کے الفاظ تو وہ نہ سمجھ سکتی تھی، اس کی لے میں جادو کا اثر تھا۔ یہ اثر ایسا تھا جس نے اُمِ عرارہ کے خوف میں اضافہ کر دیا لیکن اس خوف میں ایسا تاثر بھی پیدا ہونے لگا جیسے اس پر نشہ یا خمار طاری ہو رہا ہو۔ رات کی خنکی خمار میں لذت سی پیدا کر رہی تھی۔ اُمِ عرارہ نے یہ چاہتے ہوئے کہ وہ پالکی سے کود جائے اور بھاگ اٹھے اور یہ لوگ اُسے جان

سے مار دیں، اس نے ایسی جرأت نہ کی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ ان انسانوں کے قبضے میں نہیں بلکہ کوئی اور ہی طاقت ہے جس نے اس پر قابو پا لیا ہے اور اب وہ اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں کر سکے گی۔

وہ محسوس کرنے لگی کہ پالکی بردار سیڑھیاں چڑھ رہے ہیں۔ وہ چڑھتے گئے۔ کم و بیش تیس سیڑھیاں چڑھ کر وہ ہموار چلنے لگے اور چند قدم چل کر رک گئے۔ پالکی زمین پر رکھ دی گئی۔ اُمِ عرارہ کی آنکھوں سے پٹی کھول کر کسی نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ تھوڑی دیر بعد ان ہاتھوں کی انگلیاں کھلنے لگیں اور لڑکی کو روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ آہستہ آہستہ ہاتھ اُس کی آنکھوں سے ہٹ گئے۔ وہ ایک ایسی عمارت میں کھڑی تھی جو ہزاروں سال پرانی نظر آتی تھی۔ گول ستون اوپر تک چلے گئے تھے۔ ایک وسیع ہال تھا جس پہ فرش روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ دیواروں کے ساتھ ڈنڈے سے لگے ہوئے تھے اور ڈنڈوں کے سروں پر شعلوں کے شعلے تھے۔ اندر کی فضا میں ایسی خوشبو تھی جس کی مہک اس کے لیے نئی تھی۔ دف کی ہلکی ہلکی تھاپ اور عورتوں کا گیت اسے سنائی دے رہا تھا۔ یہ تھاپ اور یہ لَے ہال میں ایسی گونج پیدا کر رہی تھی جس میں خواب کا تاثر تھا۔

اُس نے سامنے دیکھا۔ ایک چبوترہ تھا جس کی آٹھ دس سیڑھیاں تھیں۔ چبوترے پر پتھر کے بت کا منہ اور سر تھا۔ اس کی ٹھوڑی کے نیچے تھوڑی سی گردن تھی۔ ٹھوڑی سے ماتھے تک یہ پتھر کا چہرہ قد آور انسان سے بھی ڈیڑھ دو فٹ اونچا تھا۔ منہ کھلا ہوا تھا جو اتنا چوڑا تھا کہ ایک آدمی ذرا سا جھک کر اس میں داخل ہو سکتا تھا۔ منہ میں سفید دانت بھی تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ چہرہ قہقہے لگا رہا ہو۔ اس کے دونوں کانوں سے ڈنڈے نکلے ہوئے تھے جن کے باہر والے سروں پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ اچانک اس کی آنکھیں جو کم و بیش گز گز بھر چوڑی تھیں چمکنے لگیں۔ ان سے روشنی پھوٹنے لگی۔ عورتوں کے گیت کی لَے بدل گئی۔ دف کی تھاپ میں جوش پیدا ہو گیا۔ پتھر کے منہ کے اندر روشنی ہو گئی۔ لمبے لمبے سفید چغے پہنے ہوئے دو آدمی جھک کر منہ سے باہر آئے۔ منہ کے آگے تین سیڑھیاں تھیں۔ ان آدمیوں کے رنگ سیاہ اور سروں پر پرندوں کے لمبے لمبے اور رنگا رنگ پر بندھے ہوئے تھے۔ منہ سے باہر آ کر ایک دائیں طرف اور ایک بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔



معاً بعد پتھر کے منہ میں ایک اور آدمی نمودار ہوا۔ وہ بھی جھک کر باہر آیا۔ وہ ذرا بوڑھا لگتا تھا۔ اس کا چغہ سرخ رنگ کا تھا اور اس کے سر پر تاج تھا۔ ایک سانپ جو مصنوعی تھا اس کے دائیں کندھے پر کنڈلی مارے اور پھن پھیلائے بیٹھا تھا اور ایک بائیں کندھے پر۔ دونوں سانپوں کے رنگ سیاہ تھے۔ اُمِ عرارہ پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ سُن ہو کے کھڑی رہی۔ یہ آدمی جو اس قبیلے کا مذہبی پیشوا یا پروہت تھا، چبوترے کی سیڑھیاں اُتر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُمِ عرارہ تک آیا اور دونوں گھٹنے فرش پر رکھ کر اس نے لڑکی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوم لیے۔ اس نے لڑکی سے عربی زبان میں کہا۔ ”تم ہو وہ خوش نصیب لڑکی جسے میرے دیوتا نے پسند کیا ہے۔ ہم تمہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔“

اُمِ عرارہ بیدار ہو گئی۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ ”میں کسی دیوتا کو نہیں مانتی۔ اگر تم دیوتاؤں کو مانتے ہو تو میں تمہیں انہی کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟“

”یہاں جو بھی آتی ہے یہی کہتی ہے۔“ پروہت نے کہا۔ ”لیکن اُس پر اس مقدس جگہ کا راز کُھلتا ہے تو کہتی ہے کہ میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔ میں جانتا ہوں تم مسلمانوں کے خلیفہ کی محبوبہ ہو مگر جس نے تمہیں پسند کیا ہے اس کے آگے دنیا کے خلیفے اور آسمانوں کے فرشتے سجدے کرتے ہیں۔ تم جنت میں آ گئی ہو۔“

اس نے چغے کے اندر سے ایک پھول نکالا اور اُمِ عرارہ کی ناک کے ساتھ لگا دیا۔ اُمِ عرارہ حرم کی شہزادی تھی۔ اس نے ایسے ایسے عطر سونگھے تھے جو اُس جیسی شہزادیوں کے سوا اور کوئی خواب میں بھی نہیں سونگھ سکتا تھا، مگر اس پھول کی بُو اس کے لیے انوکھی تھی۔ یہ بُو اس کی روح تک اُتر گئی۔ اس کی سوچوں کا رنگ ہی بدل گیا۔ اس کی نظروں کے زاویے بدل گئے۔ پروہت نے کہا۔ ”یہ دیوتا کا تحفہ ہے“ — اور اس نے پھول اس کی ناک سے ہٹا لیا۔

اُمِ عرارہ نے ہاتھ آہستہ آہستہ آگے کیا اور پروہت کا پھول والا ہاتھ پکڑ کر اپنی ناک کے قریب لے آئی۔ پھول سونگھ کر خمار آلود آواز میں بولی۔ ”کتنا دلنشین تحفہ ہے۔ آپ یہ مجھے دیں گے نہیں؟“

”کیا تم نے تحفہ قبول کر لیا ہے؟“ پروہت نے پوچھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"ہاں!" اُمِّ عزارہ نے جواب دیا ۔۔۔ "میں نے یہ تحفہ قبول کر لیا ہے" ۔۔۔ اس نے پھول کو ایک بار پھر سونگھا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے اس کی مہک کو اپنے وجود میں جذب کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"دیوتا نے بھی تمہیں قبول کر لیا ہے" پروہت نے کہا اور پوچھا "تم اب تک کہاں تھیں؟"

لڑکی سوچ میں پڑ گئی جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ سر ہلا کر بولی۔

"میں یہیں تھی ۔۔۔ نہیں ۔ میں ایک اور جگہ تھی ۔۔۔۔ مجھے یاد نہیں کہ میں کہاں تھی"

"تمہیں یہاں کون لایا ہے؟"

"کوئی بھی نہیں" ۔۔۔ اُمِّ عزارہ نے جواب دیا ۔۔۔ "میں خود آئی ہوں"

"تم گھوڑے پر نہیں آئی تھیں؟"

"نہیں" لڑکی نے جواب دیا ۔۔۔ "میں اُڑتی ہوئی آئی ہوں"

"کیا راستے میں صحرا اور پہاڑ اور جنگل اور ویرانے نہیں تھے؟"

"نہیں تو!" لڑکی نے بچوں کی سی شوخی سے جواب دیا ۔۔۔ "ہر طرف سبزہ زار اور پھول تھے"

"تمہاری آنکھوں پر کسی نے پٹی نہیں باندھی تھی؟"

"پٹی؟ ۔۔۔ نہیں تو" لڑکی نے جواب دیا ۔۔۔ "میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میں نے رنگ برنگے پرندے دیکھے تھے۔ پیارے پیارے پرندے"

پروہت نے اپنی زبان میں بلند آواز سے کچھ کہا۔ اُمِّ عزارہ کے عقب سے چار لڑکیاں آئیں۔ انہوں نے اس کے کپڑے اتار دیئے۔ وہ مادر زاد ننگی ہو گئی۔ اس نے مسکرا کر پوچھا ۔۔۔ "دیوتا مجھے اس حالت میں پسند کریں گے؟" پروہت نے کہا ۔۔۔ "نہیں نہیں دیوتا کے پسند کے کپڑے پہنائے جائیں گے" ۔۔۔ لڑکیوں نے اس کے کندھوں پر چادر سی ڈال دی جو اتنی چوڑی تھی کہ کندھوں سے پاؤں تک اس کا جسم مستور ہو گیا۔ اس چادر کے کناروں پر رنگدار ریشوں کے ٹکڑے تھے۔ چادر آگے کر کے ان ٹکڑوں کو گانٹھیں دے دی گئیں اور چادر نہایت موزوں چغہ بن گئی۔ اُمِّ عزارہ کے بال ریشم جیسے ملائم اور سیاہی مائل بھورے تھے۔ ایک لڑکی نے اس کے بالوں میں کنگھی کر کے اس کے شانوں پر پھیلا دیئے۔ اس کا حسن اور زیادہ بڑھ گیا۔

پروہت نے اسے مسکرا کر دیکھا اور گھوم کر پتھر کے مہیب چہرے کی طرف چل پڑا۔



دو لڑکیوں نے اُمِّ عزارہ کے ہاتھ تھام لیے اور پروہت کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔ اُمِّ عزارہ شہزادیوں کی طرح چل پڑی۔ اس نے اِدھر اُدھر نہیں دیکھا کہ ماحول کیسا ہے۔ اس کی چال میں اور ہی شان تھی۔ عورتوں کا راگ اسے پہلے سے زیادہ طلسماتی اور پُرسوز معلوم ہونے لگا۔ وہ پروہت کے پیچھے، ہاتھ لڑکیوں کے ہاتھوں پر رکھے چبوترے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پروہت پتھر کے پہاڑ جیسے چہرے کے منہ میں داخل ہو گیا۔ اُمِّ عزارہ بھی تین سیڑھیاں چڑھ کر پتھر کے منہ میں جھک کر داخل ہو گئی۔ دونوں لڑکیاں وہیں کھڑی رہیں۔ اُمِّ عزارہ کا ہاتھ پروہت نے تھام لیا۔ منہ کی چھت اتنی اونچی تھی کہ وہ سیدھے چل رہے تھے۔ حلق میں پہنچے تو آگے سیڑھیاں تھیں۔ وہ سیڑھیاں اُتر گئے۔ یہ ایک تہ خانہ تھا جہاں قندیلیں روشن تھیں۔ اس کمرے میں بھی مہک تھی۔ یہ کمرہ کشادہ نہیں تھا۔ چھت اونچی نہیں تھی۔ اس کی دیواریں اور چھت درختوں کے پتوں اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ فرش پر ملائم گھاس اور گھاس پر پھول بچھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں خوشنما صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ پروہت نے صراحی سے دو پیالے بھرے۔ ایک اُمِّ عزارہ کو دیا۔ دونوں نے پیالے ہونٹوں سے لگائے اور خالی کر دیئے۔

"دیوتا کب آئے گا؟" اُمِّ عزارہ نے پوچھا۔

"تم نے ابھی اسے پہچانا نہیں؟" پروہت نے کہا ۔۔۔ "تمہارے سامنے کون کھڑا ہے؟"

اُمِّ عزارہ اس کے پاؤں میں بیٹھ گئی اور بولی ۔۔۔ "ہاں! میں نے پہچان لیا ہے۔ تم وہ نہیں ہو جسے میں نے اوپر دیکھا تھا۔ تم نے مجھے قبول کر لیا ہے؟"

"ہاں!" پروہت نے کہا ۔۔۔ "آج سے تم میری دلہن ہو"

☆

"میں آپ کو اور کچھ نہیں بتا سکتا۔ میرے باپ نے مجھے بتایا تھا کہ پروہت لڑکی کو پھول سونگھاتا ہے جس کی خوشبو سے لڑکی کے ذہن سے نکل جاتا ہے کہ وہ کیا تھی، کہاں سے آئی ہے اور کس طرح لائی گئی ہے۔ وہ پروہت کی لونڈی بن جاتی ہے اور اسے دنیا کی گندی چیزیں بھی خوبصورت دکھائی دیتی ہیں۔ پروہت تین راتیں اسے اپنے ساتھ تہ خانے میں رکھتا ہے"

یہ انکشافات ان پانچ سوڈانی حبشیوں میں سے ایک علی بن سفیان کے سامنے

کر رہا تھا جنہیں اس نے خلیفہ کے محافظ دستے میں سے نکالا تھا۔ یہ پانچوں اسی قبیلے میں سے تھے جس قبیلے کے وہ چاروں تھے جنہوں نے اُمِ عرارہ کو اغوا کیا تھا۔ اپنے ساتھ لے جا کر علی بن سفیان نے ان پانچوں سے کہا تھا کہ چونکہ وہ اسی قبیلے کے ہیں جو تیسرے سال کے آخر میں جشن مناتا ہے اور وہ چھٹی پر جا رہے تھے، اس لیے انہیں معلوم ہوگا کہ لڑکی کس طرح اغوا ہوئی ہے۔ ان پانچوں نے کہا کہ انہیں اغوا کا علم ہی نہیں۔ علی بن سفیان نے انہیں یہ لالچ بھی دیا کہ وہ سچ بتا دیں گے تو انہیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ پھر بھی وہ لاعلمی کا اظہار کرتے رہے۔ یہ قبیلہ وحشیانہ مزاج اور خونخواری کی وجہ سے مشہور تھا۔ انہیں سزا کا ذرہ بھر ڈر نہ تھا۔ پانچوں بہت دلیری سے انکار کر رہے تھے۔ آخر علی بن سفیان کو وہ طریقے آزمانے پڑے جو پتھر کو بھی پگھلا دیتے ہیں۔

پانچوں کو الگ الگ کر کے علی بن سفیان انہیں اس جگہ لے گیا جہاں چیخیں اور آہ و بکا کوئی نہیں سنتا تھا۔ مسلسل اذیت اور تشدد سے کوئی ملزم مر جائے تو کسی کو پروا نہیں ہوتی تھی۔ یہ پانچوں سوڈانی بڑے ہی سخت جان معلوم ہوتے تھے۔ وہ رات بھر اذیت سہتے رہے۔ علی بن سفیان رات بھر جاگتا رہا۔ آخر انہیں اس امتحان میں ڈالا گیا جو آخری حربہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تھا چکر "شکنجہ"۔ رہٹ کی طرح چوڑے اور بہت بڑے پہیے پر ملزم کو اُلٹا لٹا کر ہاتھ رسیوں سے چکر کے ساتھ باندھ دیئے جاتے اور پاؤں ٹخنوں سے رسیاں ڈال کر فرش میں گاڑے ہوئے کیلوں سے کس دیئے جاتے تھے۔ پہیے کو ذرا سا آگے چلایا جاتا تو ملزم کے بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہونے لگتی تھیں۔ بعض اوقات ملزم کو کھینچ کر پہیے کو ایک جگہ روک لیا جاتا تھا۔ اذیت کا یہ طریقہ ملزموں کو بیہوش کر دیتا تھا۔

سحر کے وقت ایک ادھیڑ عمر حبشی نے علی بن سفیان سے کہا "میں سب کچھ جانتا ہوں لیکن دیوتا کے ڈر سے نہیں بتاتا۔ دیوتا مجھے بہت بُری موت ماریں گے"۔

"کیا اس سے بڑھ کر کوئی بُری موت ہو سکتی ہے جو میں تمہیں دے رہا ہوں؟" علی بن سفیان نے کہا ۔۔۔ "اگر تمہارے دیوتا سچے ہوتے تو وہ تمہیں اس شکنجے سے نکال نہ لیتے؟ تم اگر مرنے سے ڈرتے ہو تو موت یہاں بھی موجود



ہے۔ تم بات کرو۔ میرے ہاتھ میں ایک ایسا دیوتا ہے جو تمہیں تمہارے دیوتا سے بچا لے گا"۔

یہ سوڈانی حبشی کئی بار بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسے دیوتا تو نہیں موت صاف نظر آ رہی تھی۔ علی بن سفیان نے اس کی زبان کھول لی۔ اسے شکنجے سے کھول کر کھلایا پلایا اور آرام سے لٹا دیا۔ اس نے اعتراف کیا کہ اُمِ عرارہ کو اُن کے قبیلے کے چار آدمیوں نے اغوا کیا تھا۔ وہ چاروں چھٹی چلے گئے تھے۔ انہوں نے اغوا کی رات اور وقت بتا دیا تھا۔ یہ پانچ حبشی جو علی بن سفیان کے قبضے میں تھے، اُس رات پہرے پر تھے۔ اغوا کرنے والوں میں سے دو کو اندر آنا تھا۔ انہیں بڑے دروازے سے داخل کرنے کا انتظام انہوں نے کیا تھا اور انہیں اغوا اور فرار میں پوری مدد دی تھی۔ اس حبشی نے بتایا کہ اس لڑکی کو دیوتا کی قربان گاہ پہ قربان کیا جائے گا۔ ہر تین سال بعد ان کا قبیلہ چار روزہ جشن مناتا ہے لیکن لڑکی اپنے قبیلے کی نہیں ہوتی۔ شرط یہ ہے کہ لڑکی غیر ملکی ہو، سفید رنگ کی ہو، اونچے درجے کے خاندان کی ہو اور اتنی خوبصورت ہو کہ لوگ دیکھ کر ٹھٹھک جائیں"۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر تین سال بعد تمہارا قبیلہ باہر سے ایک خوبصورت لڑکی اغوا کر کے لاتا ہے"۔ علی بن سفیان نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ غلط ہے"۔ سوڈانی حبشی نے جواب دیا ۔۔۔ "تین سال بعد صرف میلہ لگتا ہے۔ لڑکی کی قربانی پانچ میلوں کے بعد۔ یعنی ہر پندرہ سال بعد دی جاتی ہے۔ مشہور یہی ہے کہ ہر تین سال بعد لڑکی قربان کی جاتی ہے"۔

اس نے اپنے باپ کے حوالے سے وہ جگہ بتائی جہاں قربانی دی جاتی تھی۔ پروہت کو وہ دیوتا کا بیٹا کہتا تھا۔ جہاں میلہ لگتا تھا، اس سے ڈیڑھ ایک میل جتنی دُور ایک پہاڑی علاقہ تھا جہاں جنگل بھی تھا۔ یہ علاقہ زیادہ وسیع اور عریض نہیں تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہاں دیوتا رہتے ہیں اور ان کی خدمت کے لیے جن اور پریاں بھی رہتی ہیں۔ لوگ اس لیے یہ باتیں مانتے تھے کہ ہر طرف صحرا اور اس میں جزیرے کی طرح کچھ علاقہ پہاڑی اور سرسبز تھا جو قدرت کا ایک عجوبہ تھا۔ یہ دیوتاؤں کا مسکن ہی ہو سکتا تھا۔ اس علاقے میں فرعونوں کے وقتوں کے کھنڈر تھے۔ وہاں ایک جھیل بھی تھی جس میں چھوٹے مگرمچھ رہتے تھے۔

قبیلے کا کوئی آدمی سنگین جرم کرے تو اسے پروہت کے حوالے کر دیا جاتا

تھا۔ پروہت اسے زندہ جھیل میں پھینک دیتا جہاں مگرمچھ اسے کھا جاتے تھے۔ پروہت انہی کھنڈروں میں رہتا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا پتھر کا سر اور منہ تھا جس میں دیوتا رہتا تھا۔ ہر پندرھویں سال کے آخری دنوں میں باہر سے ایک لڑکی اغوا کر کے لائی جاتی جو پروہت کے حوالے کر دی جاتی تھی۔ پروہت لڑکی کو ایک پھول سونگھاتا تھا جس کی خوشبو سے لڑکی کے ذہن سے نکل جاتا تھا کہ وہ کیا تھی، کہاں سے آئی تھی اور اسے کون لایا تھا۔ اس پھول میں کوئی نشہ آور بو ڈالی جاتی تھی، جس کے اثر سے وہ پروہت کو دیوتا اور اپنا خاوند سمجھ لیتی تھی۔ اسے وہاں کی گندی چیزیں بھی خوبصورت دکھائی دیتی تھیں۔

لڑکی کی قربانی انہی کھنڈرات میں دی جاتی تھی۔ لڑکی کو پروہت تہہ خانے میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس جگہ چار مرد اور چار خوبصورت لڑکیاں رہتی تھیں۔ ان کے سوا اور کسی کو پہاڑوں کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لڑکی کو جب قربان گاہ پر لے جایا جاتا تو اسے احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ وہ فخر اور خوشی سے مرتی تھی۔ اس کا دھڑ مگرمچھوں کی جھیل میں پھینک دیا جاتا اور بال کاٹ کر قبیلے کے ہر گھر میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ ان بالوں کو مقدس سمجھا جاتا تھا۔ لڑکی کا سر خشک ہونے کے لیے رکھ دیا جاتا تھا۔ جب گوشت ختم ہو کر صرف کھوپڑی رہ جاتی تو اُسے ایک غار میں رکھ دیا جاتا تھا۔ لڑکی کسی کو دکھائی نہیں جاتی تھی۔

"پندرہ سال پورے ہو رہے ہیں۔ اب کے لڑکی کی قربانی دی جائے گی"۔۔۔ اس حبشی نے کہا۔۔۔ "ہم نو آدمی مصر کی فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ ہمیں چونکہ نڈر اور وحشی سمجھا جاتا ہے اس لیے ہمیں خلیفہ کے محافظ دستے کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ دو مہینے گزرے ہم نے اس لڑکی کو دیکھا۔ ایسی خوبصورت لڑکی ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ہم سب نے فیصلہ کر لیا کہ اس لڑکی کو اٹھا لے جائیں گے اور قربانی کے لیے پیش کریں گے۔ ہمارے ایک ساتھی نے جو قتل مارا گیا ہے، اپنے گاؤں جا کر قبیلے کے بزرگ کو بتا دیا تھا کہ اس بار قربانی کے لیے ہم لڑکی لائیں گے۔ ہم نے لڑکی کو اغوا کر لیا"۔

☆

یہ قصہ صلاح الدین ایوبی کو سنایا گیا تو وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔ علی بن



سفیان اس کے حکم کا منتظر تھا۔ سلطان ایوبی نے نقشہ دیکھا اور کہا۔۔۔ "اگر جگہ یہ ہے تو یہ ہماری عملداری سے باہر ہے۔ تم نے شہر کے پرانے لوگوں سے جو معلومات حاصل کی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرعون تو صدیاں گزریں مر گئے ہیں لیکن فرعونیت ابھی باقی ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اگر دور نہ پہنچ سکیں تو قریبی پڑوس سے تو کفر اور شرک کا خاتمہ کریں۔ آج تک معلوم نہیں کہ کتنے والدین کی معصوم بیٹیاں قربان کی جا چکی ہیں اور اس میلے میں کتنی بیٹیاں تنہا ہو کر فروخت ہو جاتی ہیں۔ ہمیں دیوتاؤں کا تصور ختم کرنا ہے۔ لوگوں کو دیوتاؤں کا تصور دے کر نام نہاد مذہبی پیشوا لڑکیاں اغوا کروا کے بدکاری اور عیاشی کرتے ہیں"۔

"میرے مخبروں کی اطلاعوں نے یہ بیہودہ انکشاف کیا ہے کہ ہماری فوج کے کئی کماندار اور مصر کے پیسے والے لوگ اس میلے میں جاتے اور لڑکیاں خریدتے یا چند دنوں کے لیے کرائے پر لاتے ہیں"۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا۔۔۔ "کردار کی تباہی کے علاوہ یہ خطرہ بھی ہے کہ سوڈانیوں کی برطرف فوج کے عسکری اس میلے میں زیادہ تعداد میں جاتے ہیں۔ ہماری فوج اور ہمارے دوسرے لوگوں کا سوڈانی سابقہ فوجیوں کے ساتھ ملنا جلنا اور جشن منانا ٹھیک نہیں۔ یہ مشترکہ تفریح ملک کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے"۔۔۔ علی بن سفیان نے ذرا جھجک کر کہا۔۔۔ "اور لڑکی کو قربان ہونے سے پہلے بچانا اور خلیفہ کے حوالے کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے آپ پر اغوا کا جو الزام عائد کیا ہے وہ کتنا بے بنیاد اور لغو ہے"۔

"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں علی!"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "میری توجہ اپنی ذات پر نہیں۔ مجھے کوئی کتنا ہی حقیر کہے میں اسلام کی عظمت کے فروغ اور تحفظ کو نہیں بھول سکتا۔ میری ذات کچھ بھی نہیں اور تم بھی یاد رکھو علی! اپنی ذات سے توجہ ہٹا کر سلطنت کے استحکام اور فلاح و بہبود پر مرکوز کر دو۔ اسلام کی عظمت کا امین خلیفہ ہوا کرتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خلیفے اپنی ذات میں گم ہوتے گئے اور اپنے نفس کا شکار ہو گئے۔ اب ہماری خلافت اسلام کی بہت بڑی کمزوری بن گئی ہے۔ صلیبی ہماری اس کمزوری کو استعمال کر رہے ہیں۔ اگر تم کامیابی سے اپنے فرائض نبھانا چاہتے ہو تو اپنی ذات اور اپنے نفس سے دست بردار ہو جاؤ۔۔۔۔ خلیفہ نے مجھ پر جو الزام عائد کیا ہے، اسے میں نے بڑی مشکل سے برداشت کیا ہے۔ میں اوچھے وار کا جواب دے سکتا تھا مگر میرا وار بھی اوچھا ہوتا۔ پھر میں ذاتی سیاست بازی میں

اُلجھ جاتا۔ یہ خطرہ بھی نظر آ رہا ہے کہ قوتِ اسلامیہ کسی دور میں جا کر اپنے ہی حکمرانوں کی ذاتی سیاست بازیوں، خود پسندی، نفس پرستی اور اقتدار کی ہوس کی نذر ہو جائے گی۔"

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں محترم امیر!" — علی بن سفیان نے کہا۔ "اگر آپ اس لڑکی کو قربان ہونے سے بچانا چاہتے ہیں تو حکم صادر فرمائیے۔ وقت بہت تھوڑا ہے۔ پرسوں سے میلہ شروع ہو رہا ہے۔"

"فوج میں یہ حکم فوراً پہنچا دو کہ اس میلے میں کسی فوجی کو شریک ہونے کی اجازت نہیں" — سلطان ایوبی نے نائب سالار کو بلا کر کہا — "خلاف ورزی کرنے والے کو اس کے عہدے اور رتبے سے قطع نظر پچاس کوڑے سرِعام لگائے جائیں گے۔"

اس حکم کے بعد سکیم بننے لگی۔ متعلقہ حکام کو سلطان ایوبی نے بلا لیا تھا۔ اس نے سب سے کہا تھا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس طلسم کو توڑنا ہے۔ یہ جگہ فرعونیت کی آخری نشانی معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔ پہلے فوج کشی زیرِ بحث آئی جو اس وجہ سے خارج از بحث کر دی گئی کہ اسے اس قبیلے کے لوگ اپنے اوپر باقاعدہ حملہ سمجھیں گے۔ لڑائی ہوگی جس میں میلہ دیکھنے والے بے گناہ لوگ بھی مارے جائیں گے اور عورتوں اور بچوں کے مارے جانے کا خطرہ بھی ہے۔ یہ حل بھی پیش کیا گیا کہ اس سوڈانی حبشی کو رہنما کے طور پر ساتھ رکھا جائے اور اُس جگہ چھاپہ مار بھیجے جائیں جہاں لڑکی کو قربان کیا جائے گا۔ سلطان ایوبی نے حبشی کو ساتھ لے جانا پسند نہیں کیا کیونکہ دھوکے کا خطرہ تھا۔ اس وقت تک سلطان ایوبی کے حکم کے مطابق چھاپہ ماروں اور شبخون مارنے والوں کا ایک دستہ تیار کیا جا چکا تھا۔ اسے مسلسل جنگی مشقوں سے تجربہ کار بنا دیا گیا تھا کہ وہ جانبازوں کا دستہ تھا جنہیں جذبے کے لحاظ سے اس قدر پختہ بنا دیا گیا تھا کہ وہ اس پر فخر محسوس کرنے لگے کہ انہیں جس مہم پر بھیجا جائے گا اس سے وہ زندہ واپس نہیں آئیں گے۔

نائب سالار الناصر اور علی بن سفیان کے مشوروں سے یہ طے ہُوا کہ صرف بارہ چھاپہ مار اس پہاڑی جگہ کے اندر جائیں گے جہاں پروہت رہتا ہے اور لڑکی قربان کی جاتی ہے۔ حبشی کی دی ہوئی معلومات کے مطابق اس رات میلے میں زیادہ رونق ہوتی ہے، کیونکہ وہ میلے کی آخری رات ہوتی ہے۔ قبیلے کے لوگوں کے سوا کسی اور کو معلوم نہیں ہوتا کہ لڑکی قربان کی جا رہی ہے جسے معلوم ہوتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ قربان گاہ کہاں ہے۔ ان معلومات کی روشنی میں یہ طے کیا گیا کہ پانچ سو



سپاہی میلہ دیکھنے والوں کے بھیس میں تلواروں وغیرہ سے مسلح ہو کر اس رات میلے میں موجود ہوں گے۔ ان میں سے دو سو کے پاس تیر کمان ہوں گے۔ اُس زمانے میں ان ہتھیاروں پر پابندی نہیں تھی۔ چھاپہ ماروں کے ذہنوں میں واضح تصوّر کی صورت میں وہ جگہ نقش کر دی جائے گی۔ وہ براہِ راست حملہ نہیں کریں گے۔ چھاپہ ماروں کی طرح پہاڑی علاقے میں داخل ہوں گے۔ پہرہ داروں کو خاموشی سے ختم کریں گے اور اصل جگہ پہنچ کر اس وقت حملہ کریں گے جب لڑکی قربان گاہ میں لائی جائے گی۔ اس سے قبل حملے کا یہ نقصان ہو سکتا ہے کہ لڑکی کو تہہ خانے میں ہی غائب یا ختم کر دیا جائے گا۔

یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قربانی آدھی رات کے وقت پورے چاند میں دی جاتی ہے۔ پانچ سو سپاہیوں کو اس وقت سے پہلے قربان گاہ والی پہاڑیوں کے اردگرد پہنچنا تھا۔ چھاپہ ماروں کے لیے گھیرے میں آ جانے یا مہم ناکام ہونے کی صورت میں یہ ہدایت دی گئی کہ وہ فلیتے والا ایک آتشیں تیر اوپر کو چلائیں گے۔ اس تیر کا شعلہ دیکھ کر یہ پانچ سو نفری حملہ کر دے گی۔

اسی وقت بارہ جانباز منتخب کر لیے گئے اور اس فوج میں سے جو دو سال پہلے نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی کی مدد کے لیے بھیجی تھی، پانچ سو ذہین اور بے خوف سپاہی، عہدیدار اور کماندار منتخب کر لیے گئے۔ یہ لوگ عرب سے آئے تھے، مصر اور سوڈان کی سیاست بازیوں اور عقائد کا ان پر کچھ اثر نہ تھا۔ وہ صرف اسلام سے آگاہ تھے اور یہی ان کا عقیدہ تھا۔ وہ ہر اس عقیدے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ جسے وہ غیر اسلامی سمجھتے تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ ایک باطل عقیدے کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں اور ہو سکتا ہے انہیں اپنے سے زیادہ نفری سے مقابلہ کرنا پڑے اور لڑائی خونریز ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے سامنے کوئی ٹھہر ہی نہ سکے اور بغیر لڑائی کے مہم سر ہو جائے۔ انہیں سکیم سمجھا دی گئی اور ان کے ذہنوں میں پہاڑی علاقے کا اور ان پہاڑیوں کی بلندی، جو زیادہ نہیں تھی اور ان میں گھری ہوئی قربان گاہ کا تصوّر بٹھا دیا گیا۔ بارہ جانبازوں کو بھی ان کے ہدف کا تصوّر دیا گیا۔ انہیں ٹریننگ بڑی سختی سے دی گئی تھی۔ پہاڑیوں پر چڑھنا اور ریگستانوں میں دوڑنا، بھوک اور پیاس اونٹ کی طرح برداشت کرنا ان کے لئے مشکل نہیں تھا۔

قربانی کی رات کو چھ روز باقی تھے۔ تین دن اور تین راتیں چھاپہ ماروں اور پانچ سو سپاہیوں کو مشق کرائی گئی۔ چوتھے روز چھاپہ ماروں کو اونٹوں پر روانہ کر دیا گیا۔ اونٹوں کی میانہ چال سے ایک دن اور آدھی رات کا سفر تھا۔ شتربانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ چھاپہ ماروں کو پہاڑی علاقے سے دُور جہاں وہ کہیں اتار کر واپس آجائیں۔ پانچ سو کے دستے کو تماشائیوں کے بھیس میں دو دو چار چار کی ٹولیوں میں گھوڑوں اور اونٹوں پر روانہ کیا گیا۔ انہیں جانور اپنے ساتھ رکھنے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے کماندار بھی اس بھیس میں چلے گئے۔

☆

میلے کی آخری رات تھی۔

پورا چاند اُبھرتا آرہا تھا۔ صحرا کی فضا شیشے کی طرح شفاف تھی۔ میلے میں انسانوں کے ہجوم کا کوئی شمار نہ تھا۔ کہیں نیم برہنہ لڑکیاں رقص کر رہی تھیں اور کہیں گانے والیوں نے مجمع لگا رکھا تھا۔ سب سے زیادہ بھیڑ اس چبوترے کے اردگرد تھی جہاں لڑکیاں نیلام ہو رہی تھیں۔ ایک لڑکی کو چبوترے پر لایا جاتا۔ گاہک اسے ہر طرف سے دیکھتے۔ اس کا منہ کھول کر دانت دیکھتے بالوں کو الٹا پلٹا کر کے دیکھتے۔ جسم کی سختی اور نرمی محسوس کرتے اور بولی شروع ہو جاتی۔ وہاں جُوا بھی تھا، شراب بھی تھی۔ اگر وہاں نہیں تھا تو قانون نہیں تھا۔ پوری آزادی تھی۔ دُور دُور سے آئے ہوئے لوگوں کے خیمے میلے کے اردگرد نصب تھے۔ تماشائی مذہب اور اخلاق کی پابندیوں سے آزاد تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان سے تھوڑی ہی دُور جو پہاڑیاں ہیں ان میں ایک خوبصورت لڑکی کو ذبح کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے اور وہاں ایک انسان دیوتا بنا ہُوا ہے۔ وہ اتنا ہی جانتے تھے کہ ان پہاڑیوں میں گھرا ہُوا علاقہ دیوتاؤں کا پایۂ تخت ہے۔ جہاں جن اور بھوت پہرہ دیتے ہیں اور کوئی انسان وہاں جانے کی سوچ بھی نہیں سکتا۔

انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان کے درمیان اللہ کے پانچ سو سپاہی گھوم پھر رہے ہیں اور بارہ انسان دیوتاؤں کے پایۂ تخت کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں... صلاح الدین ایوبی کے بارہ چھاپہ ماروں کو بتایا گیا تھا کہ پہاڑیوں کے اندرونی علاقے میں داخل ہونے کا راستہ کہاں ہے لیکن وہاں سے وہ داخل نہیں ہو سکتے تھے کیوں کہ وہاں پہرے کا خطرہ تھا۔ انہیں بہت دشوار راستے سے اندر جانا تھا۔ انہیں بتایا گیا



تھا کہ پہاڑیوں کے اردگرد کوئی انسان نہیں ہوگا مگر وہاں انسان موجود تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ اس حبشی نے علی بن سفیان کو غلط بتایا تھا کہ اس علاقے کے گرد کوئی پہرہ نہیں ہوتا۔ پہاڑیوں کا یہ خطہ ایک میل بھی لمبا نہیں تھا اور اسی قدر چوڑا تھا۔ وہ چونکہ تربیت یافتہ چھاپہ مار تھے اس لیے وہ بکھر کر اور احتیاط سے آگے گئے تھے۔ ایک چھاپہ مار کو اتفاق سے ایک درخت کے قریب ایک متحرک سایہ نظر آیا۔ چھاپہ مار چھپتا اور رینگتا اس کے عقب میں چلا گیا۔ قریب جا کر اس پر جھپٹ پڑا۔ اس کی گردن بازو کے شکنجے میں لے کر خنجر کی نوک اس کے دل پر رکھ دی۔ گردن ڈھیلی چھوڑ کر اس سے پوچھا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو اور یہاں کس قسم کا پہرہ ہے؟

وہ حبشی تھا۔ چھاپہ مار عربی بول رہا تھا جو حبشی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اتنے میں ایک اور چھاپہ مار آگیا۔ اس نے بھی خنجر حبشی کے سینے پر رکھ دیا۔ انہوں نے اشاروں سے پوچھا تو حبشی نے اشاروں میں جواب دیا جس سے شک ہوتا تھا کہ یہاں پہرہ موجود ہے۔ اس حبشی کی شہ رگ کاٹ دی گئی اور چھاپہ مار اور زیادہ محتاط ہو کر آگے بڑھے۔ یکلخت جنگل آگیا۔ آگے پہاڑی تھی۔ چاند اوپر اٹھتا آ رہا تھا لیکن درختوں اور پہاڑیوں نے اندھیرا کر رکھا تھا۔ وہ پہاڑی پر ایک دوسرے سے ذرا دُور اوپر چڑھتے گئے۔

اندر کے علاقے میں جہاں لڑکی کو پروہت کے حوالے کیا گیا تھا کوئی اور ہی سرگرمی تھی۔ پتھر کے چہرے کے سامنے چبوترے پر ایک قالین بچھا ہُوا تھا۔ اس پر چوڑے پھل والی "تلوار" رکھی تھی۔ اس کے قریب ایک چوڑا برتن رکھا تھا اور قالین پر پھول بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے قریب آگ جل رہی تھی۔ چبوترے کے چاروں کناروں پر دیئے جلا کر چراغاں کیا گیا تھا۔ وہاں چار لڑکیاں گھوم پھر رہی تھیں۔ ان کا لباس دو دو چوڑے پتے تھے اور باقی جسم برہنہ۔ چار حبشی تھے جنہوں نے کندھوں سے ٹخنوں تک سفید چادریں لپیٹ رکھی تھیں۔ اُمِ عرارہ تہ خانے میں پروہت کے ساتھ تھی۔ پروہت اس کے بالوں سے کھیل رہا تھا اور وہ مخمور آواز میں کہہ رہی تھی — "میں انگوک کی ماں ہوں۔ تم انگوک کے باپ ہو۔ میرے بیٹے مصر اور سوڈان کے بادشاہ بنیں گے۔ میرا خون انہیں پلا دو۔ میرے لمبے لمبے سنہری بال ان کے گردن میں رکھ دو۔ تم مجھ سے دور کیوں ہٹ گئے ہو۔ میرے قریب آؤ" — پروہت اس کے جسم پر تیل کی طرح کوئی چیز ملنے لگا۔

انگوک غالباً اس قبیلے کا نام تھا۔ ایک عربی لڑکی کو نشے کے خمار نے اس قبیلے کی ماں اور پروہت کی بیوی بنا دیا تھا۔ وہ قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ پروہت آخری رسوم پوری کر رہا تھا۔

بارہ چھاپہ مار رات کے کیڑوں کی طرح رینگتے ہوئے پہاڑیوں پر چڑھتے، اترتے اور ٹھوکریں کھاتے آ رہے تھے۔ بہت ہی دشوار گزار علاقہ تھا۔ بیشتر جھاڑیاں خاردار تھیں۔ چاند سر پہ آ گیا تھا۔ انہیں درختوں میں سے روشنی کی کرنیں دکھائی دینے لگیں۔ ان کرنوں میں انہیں ایک حبشی کھڑا نظر آیا جس کے ایک ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں ڈھال تھی۔ وہ بھی دیوتاؤں کے پایۂ تخت کا پہرہ دار تھا۔ اسے خاموشی سے مارنا ضروری تھا۔ وہ ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں اس پر عقب سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ آمنے سامنے کا مقابلہ موزوں نہیں تھا۔ ایک چھاپہ مار جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے نے اس کے سامنے ایک پتھر پھینکا جس نے گر کر اور لڑھک کر آواز پیدا کی۔ حبشی بڑھا اور اس طرف آیا۔ وہ جوں ہی جھاڑی میں چھپے ہوئے چھاپہ مار کے سامنے آیا اس کی گردن ایک بازو کے شکنجے میں آ گئی اور ایک خنجر اس کے دل میں اتر گیا۔ چھاپہ مار کچھ دیر وہاں رکے اور احتیاط سے آگے چل پڑے۔

ام عرارہ قربانی کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ پروہت نے آخری بار اسے اپنے سینے سے لگایا اور اس کا ہاتھ تھام کر سیڑھیوں کی طرف چل پڑا۔ باہر کے چار حبشی مردوں اور لڑکیوں کو پتھر کے سر اور چہرے کے منہ میں روشنی نظر آئی تو وہ منہ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ پروہت نے اپنی زبان میں ایک اعلان کیا اور منہ سے اتر آیا۔ ام عرارہ اس کے ساتھ تھی۔ اسے وہ قالین پر لے گیا۔ مرد اور لڑکیاں ان کے ارد گرد کھڑی ہو گئیں۔ ام عرارہ نے عربی زبان میں کہا ــــ "میں انگوک کے بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے اپنی گردن کٹا رہی ہوں۔ میں ان کے گناہوں کا کفارہ ادا کر رہی ہوں۔ میری گردن کاٹ دو۔ میرا سر انگوک کے دیوتا کے قدموں میں رکھ دو۔ دیوتا اس سر پر مصر اور سوڈان کا تاج رکھیں گے"۔ چاروں آدمی اور لڑکیاں ایک بار پھر سجدے میں گر گئیں۔ پروہت نے ام عرارہ کو قالین پہ دو زانو بٹھا کر اس کا سر آگے جھکا دیا اور وہ تلوار اٹھائی جس کا پھل پورے ہاتھ جتنا چوڑا تھا۔

ایک چھاپہ مار جو سب سے آگے تھا، رک گیا۔ اس نے سرگوشی کر کے پیچھے آنے



والے کو روک لیا۔ پہاڑی کی بلندی سے انہیں چبوترہ اور پتھر کا سر نظر آیا... چبوترے پر ایک لڑکی دو زانو بیٹھی تھی جس کا سر جھکا ہوا تھا۔ شفاف چاندنی، چراغاں اور بڑی مشعلوں نے سونے کی روشنی کا سماں بنا رکھا تھا۔ لڑکی کے پاس کھڑے آدمی کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ دو زانو بیٹھی ہوئی لڑکی برہنہ تھی۔ اس کے جسم کا رنگ بتا رہا تھا کہ حبشی قبیلے کی لڑکی نہیں۔ چھاپہ مار دور تھے اور بلندی پر بھی تھے۔ وہاں سے تیر خطا جانے کا خطرہ تھا، مگر وہ جس پہاڑی پر تھے اس کے آگے ڈھلان نہیں تھی بلکہ سیدھی دیوار تھی جس سے اترنا ناممکن تھا۔ وہ جان گئے کہ لڑکی قربان کی جا رہی ہے اور اسے بچانے کے لیے وقت اتنا تھوڑا ہے کہ وہ اڑ کر پہنچیں تو اسے بچا نہیں سکیں گے۔ انہوں نے چوٹی سے نیچے دیکھا۔ چاندنی میں انہیں ایک جھیل نظر آئی۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ وہاں ایک جھیل ہے جس میں مگرمچھ رہتے ہیں۔

دائیں طرف ڈھلان تھی لیکن وہ بھی تقریباً دیوار کی طرح تھی۔ وہاں جھاڑیاں اور درخت تھے۔ انہیں پکڑ پکڑ کر اور ایک دوسرے کے ہاتھ تھام کر وہ ڈھلان اترنے لگے۔ ان میں سے آخری جانباز نے اتفاق سے سامنے دیکھا۔ چاندنی میں سامنے کی چوٹی پر اسے ایک حبشی کھڑا نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈھال تھی اور دوسرے ہاتھ میں برچھی جو اس نے تیر کی طرح پھینکنے کے لیے تان رکھی تھی۔ چھاپہ ماروں پر چاندنی نہیں پڑ رہی تھی۔ حبشی ابھی شک میں تھا۔ آخری چھاپہ مار نے کمان میں تیر ڈالا۔ رات کی خاموشی میں کمان کی آواز سنائی دی۔ تیر حبشی کی شہ رگ میں لگا اور وہ لڑھکتا ہوا نیچے آ رہا۔ چھاپہ مار ڈھلان اترتے گئے۔ گرنے کا خطرہ ہر قدم پر تھا۔

☆

پروہت نے تلوار کی دھار ام عرارہ کی گردن پر رکھی اور اوپر اٹھائی۔ لڑکیوں اور مردوں نے سجدے سے اٹھ کر دو زانو بیٹھتے ہوئے پرسوز اور دھیمی آواز میں کوئی گانا شروع کر دیا۔ یہ ایک گونج تھی جو اس دنیا کی نہیں لگتی تھی۔ پہاڑیوں میں گھری ہوئی اس تنگ سی وادی میں ایسا طلسم طاری ہوا جا رہا تھا جو باہر کے کسی بھی انسان کو یقین دلا سکتا تھا کہ یہ انسانوں کی نہیں دیوتاؤں کی سرزمین ہے...
پروہت تلوار کو اوپر لے گیا۔ اب تو ایک دو سانسوں کی دیر تھی۔ تلوار نیچے کو آنے

ہی گئی تھی کہ ایک تیر پروہت کی بغل میں دھنس گیا۔ اس کا تلوار والا ہاتھ ابھی نیچے نہیں گرا تھا کہ تین تیر بیک وقت اس کے پہلو میں اتر گئے۔ لڑکیوں کی چیخیں سنائی دیں۔ مرد کسی کو آوازیں دینے لگے۔ تیروں کی ایک اور باڑ آئی جس نے دو مردوں کو گرا دیا۔ لڑکیاں جدھر منہ آیا دوڑ پڑیں۔ اُمّ عرارہ اس شور وغل اور اپنے اردگرد تڑپتے ہوئے اور خون میں ڈوبے ہوئے جسموں سے بے نیاز سر جھکائے بیٹھی تھی۔

چھاپہ مار بہت تیز دوڑتے آئے۔ چبوترے پر چڑھے اور اُمّ عرارہ کو ایک نے اٹھا لیا۔ وہ ابھی تک نشے کی حالت میں باتیں کر رہی تھی۔ ایک جانباز نے اپنا کرتہ اتار کر اسے پہنا دیا۔ اسے لے کے چلے ہی تھے کہ ایک طرف سے بارہ تیرہ حبشی برچھیاں اور ڈھالیں اٹھائے دوڑتے آئے۔ چھاپہ مار بکھر گئے۔ ان میں چار کے پاس تیر کمانیں تھیں۔ انہوں نے تیر برسائے۔ باقی چھاپہ مار ایک طرف چھپ گئے اور جب حبشی آگے آئے تو عقب سے ان پر حملہ کر دیا۔ ایک تیر انداز نے کمان میں فلیتے والا تیر نکالا۔ فلیتے کو آگ لگائی اور کمان میں ڈال کر اوپر کو چھوڑ دیا۔ تیر دُور اوپر جا کر رکا تو اس کا شعلہ جو رفتار کی وجہ سے دب گیا تھا، رفتار ختم ہوتے ہی بھڑکا اور نیچے آنے لگا۔

میلے کی رونق ابھی ماند نہیں پڑی تھی۔ تماشائیوں میں سے پانچ سو تماشائی میلے سے الگ ہو کر اس پہاڑی خطے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں دُور فضا میں ایک شعلہ سا نظر آیا جو بھڑک کر نیچے کو جانے لگا۔ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوئے۔ ان کے کماندار ساتھ تھے۔ پہلے تو وہ آہستہ آہستہ چلے تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔ ذرا دُور جا کر انہوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ تماشائی میلے میں شراب جوئے اور ناچنے گانے والی لڑکیوں اور عصمت فروش عورتوں میں اتنے مگن تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ان کے دیوتاؤں پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

چھاپہ مار نے اس خطرے کی وجہ سے آتشیں تیر چلا دیا تھا کہ حبشیوں کی تعداد زیادہ ہو گی مگر فوج وہاں پہنچی تو وہاں بارہ تیرہ لاشیں حبشیوں کی اور دو لاشیں چھاپہ مار شہیدوں کی پڑی تھیں۔ وہ برچھیوں سے شہید ہوئے تھے۔ کمانداروں نے وہاں کا جائزہ لیا۔ بتوں کے منہ میں گئے اور تہہ خانے میں جا پہنچے۔ وہاں انہیں جو چیزیں ہاتھ لگیں وہ اٹھا لیں۔ اُن میں ایک پھول بھی تھا جو قدرتی نہیں بلکہ کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ احکام کے مطابق فوج کو وہیں رہنا تھا لیکن پہاڑیوں میں چھپ کر۔ چھاپہ ماروں نے اُمّ عرارہ کو گھوڑے پر ڈالا اور قاہرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔



صبح طلوع ہوئی۔

میلے کی رونق ختم ہو گئی تھی۔ بیشتر تماشائی رات شراب پی پی کر ابھی تک مدہوش پڑے تھے۔ دکاندار جانے کے لیے مال اسباب باندھ رہے تھے۔ لڑکیوں کے بیوپاری بھی جا رہے تھے۔ صحرا میں روانہ ہونے والوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ میلے کے قریب جو گاؤں تھا وہاں کے لوگ بے تابی سے اس لڑکی کے بالوں کا انتظار کر رہے تھے جسے رات قربان کیا گیا تھا۔ اس قبیلے کے لوگ جو دُور دراز دیہات کے رہنے والے تھے پہاڑی جگہ سے دور کھڑے دیوتاؤں کے مسکن کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے بڑے بوڑھے انہیں بتا رہے تھے کہ ابھی پروہت آئے گا۔ وہ دیوتاؤں کی خوشنودی کا پیغام دے گا اور ان میں بال تقسیم کرے گا مگر ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ دیوتاؤں کے مسکن پر سکوت طاری تھا۔ اس منتظر ہجوم کو معلوم نہ تھا کہ وہاں فوج مقیم ہے اور اب وہاں سے دیوتاؤں کا کوئی پیغام نہیں آئے گا.... دن گزرتا گیا۔ قبیلے کے جن نوجوانوں نے قربانی کی باتیں سنی تھیں انہیں شک ہونے لگا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ دن گزر گیا۔ سورج انہی پہاڑیوں کے پیچھے جا کر ڈوب گیا۔ کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہاں جا کر دیکھتا کہ پروہت کیوں نہیں آیا۔

☆

"طبیب کو بلاؤ"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "لڑکی پر نشے کا اثر ہے۔"

اُمّ عرارہ اس کے سامنے بیٹھی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "میں انطوک کی ماں ہوں۔ تم کون ہو؟ تم دیوتا نہیں ہو۔ میرا شوہر کہاں ہے۔ میرا سر کاٹو اور دیوتا کو دے دو۔ مجھے میرے بیٹوں پر قربان کر دو"۔۔۔ وہ بولے جا رہی تھی مگر اب اس پر غنودگی بھی طاری ہو رہی تھی۔ اس کا سر ڈول رہا تھا۔

طبیب نے آتے ہی اس کی کیفیت دیکھی اور اسے کوئی دوائی دے دی۔ ذرا سی دیر میں اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اسے لٹا دیا گیا اور وہ گہری نیند سو گئی۔ سلطان ایوبی کو تفصیل سے بتایا گیا کہ پہاڑی خطے میں کیا ہوا اور وہاں کیا ملا ہے۔ اس نے اپنے نائب سالار الناصر اور بہاؤالدین شداد کو حکم دیا کہ پانچ سو سوار لے جائیں۔ ضروری سامان لے جائیں اور اس بت کو مسمار کر دیں مگر اس جگہ کو فوج کے گھیرے میں رکھیں۔ حملے کی صورت میں مقابلہ کریں۔ اگر وہ لوگ دب جائیں اور لڑ نہ سکیں تو انہیں وہ جگہ دکھا کر پیار اور محبت سے سمجھائیں کہ یہ محض ایک فریب تھا۔

شداد نے اپنی ڈائری میں جو عربی زبان میں لکھی گئی تھی اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ پانچ سو سواروں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ راہنمائی اس فوج کے کمانڈر نے کی جو پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ سینکڑوں سوڈانی حبشی دُور دُور کھڑے تھے۔ ان میں سے بعض گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار تھے۔ ان کے پاس برچھیاں، تلواریں اور کمانیں تھیں۔ ہم نے اپنے تمام تر سواروں کو اس پہاڑی جگہ کے ارد گرد اس طرح کھڑا کر دیا کہ ان کے منہ باہر کی طرف اور ان کی کمانوں میں تیر تھے اور جن کے پاس کمانیں نہیں نہیں ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ خطرہ خونریز لڑائی کا تھا۔ میں انسامر کے ساتھ اندر گیا۔ بُت کو دیکھ کر میں نے کہا کہ فرعونوں کی یادگار ہے۔ حبشیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ہر جگہ گھوم پھر کر دیکھا۔ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک کھنڈر تھا، جو فرعونوں کے زمانوں کی خوشنما عمارت تھی۔ دیواروں پر اُس زمانے کی تحریریں تھیں۔ الفاظ لکیروں والی تصویروں کی مانند تھے۔ کوئی شبہ نہ رہا کہ یہ فرعونوں کی جگہ تھی ..... دیوار جیسی ایک پہاڑی کے دامن میں جھیل تھی جس کے اندر اور باہر دو دو قدم لمبے مگرمچھ تھے۔ جھیل کا پانی پہاڑی کے دامن کو کاٹ کر پہاڑی کے نیچے چلا گیا تھا۔ پانی کے اوپر پہاڑی کی چھت تھی۔ جگہ خوفناک تھی۔ ہمیں دیکھ کر بہت سارے مگرمچھ کنارے پر آگئے اور ہمیں دیکھنے لگے۔

میں نے سپاہیوں سے کہا، حبشیوں کی لاشیں جھیل میں پھینک دو، یہ بھوکے ہیں۔ وہ لاشیں گھسیٹ کر لائے اور جھیل میں پھینک دیں۔ مگرمچھوں کی تعداد کا اندازہ نہیں، پوری فوج تھی۔ لاشوں کے سر باہر رہے اور یہ سر پانی میں دوڑتے پہاڑی کے اندر چلے گئے۔ پھر پروہت کی لاش آئی۔ اس نے دوسرے انسانوں کو مگرمچھوں کے آگے پھینکا تھا۔ ہم نے اسے بھی جھیل میں پھینک دیا ..... دو سپاہی چار سوڈانی لڑکیوں کو لائے۔ وہ کہیں چھپی ہوئی اور عریاں تھیں۔ کمر کے ساتھ ایک پتہ آگے ایک پیچھے بندھا تھا۔ میں نے اور انسامر نے منہ پھیر لیے۔ سپاہیوں سے کہا کہ انہیں مستور کرو۔ جب ان کے جسم کپڑوں میں چھپ گئے تو دیکھا وہ بہت خوبصورت تھیں۔ روتی تھیں، ڈرتی تھیں۔ ہمارے ترجمان کو انہوں نے وہاں کا حال اپنی زبان میں بیان کیا جو بہت شرمناک تھا۔ مسلمان کو عورت ذات کا یہ حال برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ عورت اپنی ہو، کسی اور کی ہو، کافر ہو، اسلام اسے بیٹی کہتا ہے۔ ان چار لڑکیوں کا بیان ظاہر کرتا تھا کہ وہ فرعونوں کو خدا مانتی ہیں۔ ان کا قبیلہ انسان کو خدا مانتا ہے۔



یہ جگہ خوشنما تھی۔ سارے صحرا میں سرسبز تھی۔ اندر پانی کا چشمہ تھا جس نے جھیل بنائی۔ درخت تھے جنہوں نے سایہ دیا۔ کسی فرعون کو یہ مقام پسند آیا تو اسے تفریح کا مقام بنایا۔ اپنی خدائی کے ثبوت میں یہ بُت بنایا۔ اس میں تہہ خانہ رکھا اور یہاں عیش کی۔ آسمان نے کوئی اور رنگ دکھایا۔ سورج اُدھر سے اِدھر ہو گیا۔ فرعونوں کے ستارے ٹوٹ گئے اور مصر میں دوسرے باطل مذہب آئے۔ آخر میں حق کی فتح ہوئی اور مصر نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سنا اور خدا کے حضور سرخرو ہوا لیکن کسی نے نہ جانا کہ باطل ان پہاڑیوں میں زندہ رہا۔ الحمد للہ، ہم نے خدائے عزوجل سے راہنمائی لی۔ باطل کا یہ نقش بھی اکھاڑا اور اس ریگزار کو پاک کیا۔

☆

اس جگہ کو سواروں کے گھیرے میں لے کر فوج نے پتھر کے اس ہیبت ناک بُت کو مسمار کر دیا۔ چبوترہ بھی گرا دیا۔ تہہ خانہ ملبے سے بھر دیا۔ باہر سینکڑوں حبشی حیران اور خوف زدہ کھڑے تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ان سب کو بلا کر ڈرایا گیا کہ یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ چاروں لڑکیاں اُن کے حوالے کی گئیں۔ چاروں کے باپ اور بھائی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی لڑکی لے لی۔ انہیں بتایا گیا کہ یہاں ایک بدکار آدمی رہتا تھا وہ مگرمچھوں کو کھلا دیا گیا ہے۔ ان سینکڑوں حبشیوں کو اکٹھا بٹھا کر ان کی زبان میں وعظ دیا گیا۔ وہ سب خاموش رہے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ وہ پھر بھی خاموش رہے۔ کبھی کبھی شک ہوتا تھا جیسے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے۔ انہیں یہ الفاظ دھمکی کے لہجے میں کہے گئے — "اگر تم سچے خدا کو دیکھنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں دکھائیں گے۔ اگر تم اسی جگہ کو جہاں تم بیٹھے ہو اپنے جھوٹے خداؤں کا گھر کہتے رہو گے تو ہم ان پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر کے ریت کے ساتھ ملا دیں گے۔ پھر تم دیکھو گے کہ کون سا خدا سچا ہے۔"

اُدھر قاہرہ میں اُم عرارہ ہوش میں آچکی تھی۔ وہ اپنی داستان سنا چکی تھی جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ کبھی وہ کہتی تھی کہ اس نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ اُسے ساری باتیں یاد آگئی تھیں۔ اس نے بتایا کہ پروہت اُسے دن رات بے آبرو کرتا تھا اور پھول کئی بار اس کی ناک کے ساتھ لگاتا تھا۔ اُم عرارہ کو بتایا گیا کہ اس کی گردن کٹنے والی تھی۔ اگر چھاپہ مار بروقت نہ پہنچ جاتے تو اس کا سر غار میں اور جسم مگرمچھوں کے پیٹ میں ہوتا۔ نازک سی یہ حسین لڑکی خوف سے کانپنے لگی۔

اس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے سلطان ایوبی کے ہاتھ چوم لیے اور کہا ــــ "خدا نے مجھے گناہوں کی سزا دی ہے۔ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لیے مجھے پناہ میں لے لیں"ــــ اس کی ذہنی کیفیت بہت بری تھی۔

اس نے شام کے ایک دولت مند تاجر کا نام لے کر کہا کہ وہ اس کی بیٹی ہے۔ یہ مسلمان تاجر تھا۔ اس کا دوستانہ شام کے امیروں کے ساتھ تھا۔ اس وقت کے امیر ایک ایک شہر یا تھوڑے تھوڑے رقبے کے خطوں کے حکمران ہوا کرتے تھے جو مرکزی امارت کے ماتحت تھے۔ مرکزی امارت مرکزی وزارت اور خلافت کے ماتحت ہوتی تھی۔ یہ امراء دسویں صدی کے بعد پوری طرح عیاشیوں میں ڈوب گئے تھے۔ بڑے تاجروں سے دوستی رکھتے تھے ان کے ساتھ کاروبار بھی کرتے اور رشوت بھی لیتے تھے۔ ان کے حرموں میں لڑکیوں کی افراط رہتی اور شراب بھی چلتی تھی۔ امّ عرارہ ایسے ہی ایک دولت مند تاجر کی بیٹی تھی جو اپنے باپ کے ساتھ بارہ تیرہ سال کی عمر میں امراء کی رقص و سرود کی محفلوں میں جانے لگی تھی۔ باپ غالباً دیکھ رہا تھا کہ لڑکی خوبصورت ہے، اس لیے وہ اسے لڑکپن میں ہی امراء کی سوسائٹی کا عادی بنانے لگا تھا۔ امّ عرارہ نے بتایا کہ وہ چودہ سال کی ہوئی تو امراء نے اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ دو نے اسے بڑے قیمتی تحفے بھی دیے۔ وہ گناہوں کی اسی دنیا کی ہو کے رہ گئی۔

عمر کے سولہویں سال وہ باپ کو بتائے بغیر ایک امیر کی در پردہ داشتہ بن گئی۔ مگر رہتی اپنے گھر میں تھی۔ وہ دولت میں جنی پلی تھی، شرم و حیا سے آشنا نہیں تھی۔ دو تین سال بعد وہ باپ کے ہاتھ سے نکل گئی اور آزادی سے دو اور امراء سے تعلقات پیدا کر لیے۔ اس نے خوبصورتی، چرب زبانی اور مردوں کو انگلیوں پر نچانے میں نام پیدا کر لیا۔ باپ نے اس کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ گزشتہ چھ سال سے اُسے ایک اور ہی قسم کی ٹریننگ ملنے لگی تھی۔ یہ تین امراء نے مل کر سازش کی تھی جس میں اس کا باپ بھی شریک تھا۔ اسے خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ آگے چل کر اس سازش میں ایک صلیبی بھی شامل ہو گیا۔ یہ امراء خود مختار حاکم بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ صلیبیوں کی مدد کے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔

امّ عرارہ کو نورالدین زنگی اور خلافت کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کے لیے بھی استعمال کیا گیا تھا۔ صلیبیوں نے اس مہم میں تین عیسائی لڑکیاں شامل کر کے



ایک زمین دوز محاذ بنا لیا۔

انہوں نے جب دیکھا کہ مصر میں صلاح الدین ایوبی نے نام پیدا کر لیا ہے اور اس نے دو ایسے کارنامے کر دکھائے ہیں جس نے اسے مصر کا وزیر اور امیر نہیں بلکہ بادشاہ بنا دیا ہے تو امّ عرارہ کو خلیفہ العاضد کی خدمت میں تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔ اسے مہم یہ دی گئی تھی کہ خلیفہ کے دل میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف دشمنی پیدا کرے اور سابق سوڈانی فوج کے جو چند ایک حکام فوج میں رہ گئے ہیں انہیں العاضد کے قریب کر کے سوڈانیوں کو ایک اور بغاوت پر آمادہ کرے۔ اسے دوسری مہم یہ دی گئی تھی کہ خلیفہ العاضد کو آمادہ کرے کہ سوڈانی جب بغاوت کریں تو وہ انہیں ہتھیاروں اور ساز و سامان سے مدد دے اور اگر ممکن ہو سکے تو صلاح الدین ایوبی کی فوج کا کچھ حصہ باغی کر کے سوڈانیوں سے ملا دے۔ خلیفہ اور کچھ نہ کر سکے تو اپنا محافظ دستہ سوڈانیوں کے حوالے کر کے خود سلطان ایوبی کے پاس جا پناہ لے اور اسے کہے کہ اس کے محافظ باغی ہو گئے ہیں۔ مختصر یہ کہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایسا محاذ قائم کرنا تھا جو اسے مصر سے بھاگ جانے پر مجبور کر دے اور وہ باقی عمر گمنامی میں گزار جائے۔

امّ عرارہ نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئی تھی لیکن باپ نے اسے مسلمانوں کی ہی جڑیں کاٹنے کی تربیت دی اور سلطنت اسلامیہ کے امراء نے اپنے دشمنوں کے ساتھ مل اپنی ہی سلطنت کو تباہ کرنے کی کوشش کی۔ اس لڑکی نے خلیفہ العاضد کا دماغ اپنے قبضے میں لے لیا اور سلطان ایوبی کے خلاف کر دیا تھا۔ رجب کو وہ اس سازش میں شریک کر چکی تھی۔ رجب نے دو اور فوجی حکام کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ رجب نے اس سلسلے میں یہ کام کیا کہ خلیفہ کے محافظ دستے میں وہ مصریوں کی جگہ سوڈانی رکھتا جا رہا تھا۔ امّ عرارہ کو خلیفہ کے پاس آئے ابھی دو اڑھائی مہینے ہوئے تھے۔ وہ قصرِ خلافت پر غالب آ گئی تھی اور حرم کی ملکہ بن گئی تھی۔ اس نے یہ انکشاف بھی کیا کہ خلیفہ سلطان ایوبی کو قتل کرانا چاہتا ہے اور رجب نے حشیشین سے مل کر قتل کا انتظام کر دیا ہے۔

یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ سلطان ایوبی نے خلیفہ کے بیکار وجود اور عیش پرستی سے تنگ آ کر اس کے خلاف کارروائی شروع کر دی تھی، ادھر یہ بھی اتفاق تھا کہ امّ عرارہ کو وہی لوگ اغوا کر کے لے گئے جنہیں وہ سلطان ایوبی کے خلاف

ڈرانا چاہتی تھی اور یہ اتفاق تو بڑا ہی اچھا تھا کہ سلطان ایوبی نے رجب سے محافظ دستے کی کمان لے لی اور وہاں اپنی پسند کا ایک نائب سالار بھیج دیا تھا، مگر ان اتفاقات نے حالات کا دھارا موڑ کر سلطان ایوبی کے لیے ایک خطرہ پیدا کر دیا۔ سلطان نے ام عرارہ کو اپنی پناہ میں رکھا۔ لڑکی بُری طرح پچھتا رہی تھی، اور گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ قدرت نے اسے ایک دھچکہ دے کر اس کا دماغ درست کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی ٹھنڈے دل سے سوچنے لگا کہ اس سازش میں جو حکام شامل ہیں ان کے ساتھ وہ کیا سلوک کرے۔

دوسرے دن الناصر اور بہاؤالدین شدّاد فرعونوں کا آخری نشان مٹا کر فوج واپس لے آئے۔

☆

آٹھ دنوں بعد —

رات کا پچھلا پہر تھا۔ سلطان ایوبی کے جاگنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ اُسے ملازم نے جگا دیا اور کہا کہ الناصر، علی بن سفیان اور دو اور نائب آئے ہیں۔ سلطان اچھل کر اٹھا اور ملاقات کے کمرے میں چلا گیا۔ ان حکام کے ساتھ ان دستوں میں سے ایک کا کماندار بھی تھا جو شہر سے دُور گشت کرتے رہتے تھے۔

سلطان ایوبی کو بتایا گیا کہ کم و بیش چھ ہزار سوڈانی جن میں برطرف سوڈانی فوج کے افراد ہیں اور اس وحشی قبیلے کے بھی جس کے عقیدے کو ملیامیٹ کیا گیا تھا مصر کی سرحد میں داخل ہو کر ایک جگہ پڑاؤ کیے ہوئے ہیں۔ اس کماندار نے یہ عقل مندی کی کہ عام لباس میں دو شتر سوار یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجے کہ اس لشکر کا کیا ارادہ ہے۔ ان شتر سواروں نے اپنے آپ کو مسافر ظاہر کیا اور یہ معلوم کر لیا کہ یہ لشکر قاہرہ پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ شتر سواروں نے لشکر کے سربراہوں سے مل کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف باتیں کیں اور کہا کہ وہ بہت سے آدمیوں کو اس لشکر میں شامل کرنے کے لیے لائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ رخصت ہو آئے۔ ان کی اطلاع کے مطابق یہ لشکر اِدھر اُدھر سے مزید نفری کا منتظر تھا اور اسے اگلے روز وہاں سے کوچ کرنا تھا۔

سلطان ایوبی نے پہلا حکم یہ دیا کہ خلیفہ کے محافظ دستے میں صرف پچاس سپاہی اور ایک کماندار رہنے دو۔ باقی تمام دستے کو چھاؤنی میں بلا لو۔ اگر خلیفہ



احتجاج کرے تو کہہ دینا کہ یہ میرا حکم ہے۔ سلطان نے علی بن سفیان سے کہا کہ اپنے شعبے کے کم از کم سو آدمی جو سوڈانی زبان اچھی طرح بول سکتے ہیں سوڈانی باغیوں کے بھیس میں اس کماندار کے ساتھ ابھی روانہ کر دو۔ کماندار سے کہا کہ یہ سو آدمی ان دو شتر سواروں کے ساتھ سوڈانیوں کے لشکر میں شامل ہوں گے۔ یہ دو شتر سوار سنتری بتائیں گے کہ وہ وعدے کے مطابق مدد لائے ہیں۔ ان کے لیے ہدایات یہ دیں کہ وہ لشکر کی پیش قدمی کے متعلق اطلاع دیں گے اور یہ دیکھیں گے کہ رات کے وقت اس لشکر کے جانور اور رسد کہاں ہوتی ہے۔ سلطان ایوبی نے الناصر سے کہا کہ تیز رفتار گھوڑ سوار چھاپہ ماروں اور چھوٹی منجنیقوں کے دستے تیار رکھو۔

"میں نے سوچا تھا کہ سیدھی ٹکر لے کر سوڈانیوں کو شہر سے دور ہی ختم کیا جائے۔" الناصر نے کہا۔

"نہیں!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یاد رکھو الناصر! اگر دشمن کی تعداد کبھی تم سے تھوڑی ہو تو بھی براہِ راست تصادم سے گریز کرو۔ رات کو چھاپہ مار استعمال کرو، شبخون مارو، دشمن کو پہلو سے لو، عقب سے لو، ضرب لگاؤ اور بھاگو۔ دشمن کی رسد تباہ کرو۔ جانور تباہ کرو۔ دشمن کو پریشان کرو۔ اس کے دستے بکھیر دو۔ اُسے آگے آنے کی مہلت نہ دو۔ اسے دائیں بائیں پھیل جانے پر مجبور کر دو۔ اگر سامنے سے ٹکر لینا چاہتے ہو تو یہ نہ بھولو کہ یہ صحرا ہے۔ سب سے پہلے پانی کی جگہ پر قبضہ کرو۔ سورج اور ہوا کے رخ کو دشمن کے خلاف رکھو۔ اسے پریشان کر کے اپنی پسند کے میدان میں لاؤ۔ میں تمہیں عملی سبق دوں گا۔ اس لشکر کی یہ خواہش میں پوری نہیں ہونے دوں گا کہ وہ قاہرہ تک پہنچے یا میری فوج اس کے آمنے سامنے جا کر لڑے۔" — اس نے علی بن سفیان سے کہا۔ "تم جن ایک سو آدمیوں کو لشکر میں شامل ہونے کے لیے بھیجو گے انہیں کہنا کہ وہ سوڈانیوں میں یہ افواہ پھیلا دیں کہ چھ سات دنوں تک صلاح الدین ایوبی فلسطین پر حملہ کرنے کے لیے جا رہا ہے اس لیے قاہرہ پر حملہ اس کی غیر حاضری میں کیا جائے گا۔"

ایسی بہت سی ہدایات اور احکام دے کر سلطان ایوبی نے انہیں بتایا کہ وہ آج شام سے قاہرہ میں نہیں ہوگا۔ اس نے انہیں قاہرہ سے بہت دُور ایک جگہ بتائی۔ وہ اپنا ہیڈ کوارٹر دشمن کے قریب رکھنا چاہتا تھا تاکہ جنگ اپنی نگرانی میں لڑا سکے۔ سب نے ملاقات کے کمرے میں ہی صبح کی نماز پڑھی اور سلطان ایوبی کے احکام پر کارروائی شروع

ہو گئی۔

سلطان ایوبی تیاری کے لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆

سوڈانیوں کے لشکر میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دو سال گزرے، ان کی ایک بغاوت بُری طرح ناکام ہو چکی تھی۔ دوسری کوشش کی تیاریاں اسی وقت شروع ہو گئی تھیں۔ صلیبیوں نے مدد کا وعدہ کر رکھا تھا اور جاسوسوں کی بہت بڑی تعداد مصر میں داخل کر دی تھی۔ سوڈانیوں کا حملہ ایک نہ ایک روز آنا ہی تھا لیکن یہ اچانک آ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی نے ایک سوڈانی قبیلے کے مذہب پر فوجی حملہ کیا اور اس کے دیوتاؤں کا مسکن تباہ کر دیا تھا۔ یہ وجہ معمولی نہیں تھی۔ مصر میں جو سلطان ایوبی کے مخالفین تھے انہوں نے اس کے اس اقدام کو اس کے خلاف استعمال کیا۔ سوڈانی فوج کے برطرف کیے ہوئے باغی کمانداروں کو بھی موقع مل گیا۔ یہ سب فوراً حرکت میں آ گئے۔ ان میں مصری مسلمان بھی تھے۔ انہوں نے اُس قبیلے کے مذہبی جذبات کو بھڑکایا اور انہیں کہا کہ ان کا مذہب سچا ہے اور اگر وہ سلطان ایوبی کے خلاف اٹھیں گے تو ان کے دیوتا اپنی توہین کا انتقام لینے کے لیے ان کی مدد کریں گے۔ انہوں نے پانچ سات دنوں میں لشکر جمع کر لیا اور قاہرہ پر حملے کے لیے چل پڑے۔ جوں جوں اِدھر اُدھر کے لوگوں کو پتہ چلتا تھا، وہ اس لشکر میں شامل ہوتے جاتے تھے۔

دو ہزار سواروں کے ساتھ جب ایک سو مسلح آدمی اس لشکر میں شامل ہوئے یہ لشکر سرحد سے آگے آ گیا تھا اور ایک جگہ پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ سلطان ایوبی رات کے وقت اتنا آگے چلا گیا جہاں اسے اس لشکر کی نقل و حرکت کی اطلاع جلدی مل سکتی تھی۔ ان سو آدمیوں نے حملہ آوروں کے سربراہوں کو بتایا کہ صلاح الدین ایوبی چند دنوں تک فلسطین کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ سربراہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے یہ پڑاؤ دو دن اور بڑھا دیا۔ اگلی رات سلطان ایوبی کو اس لشکر کی پہلی اطلاعیں ملیں۔

اس سے اگلی رات اس نے پچاس سوار اور پانچ منجنیقیں بھیجیں جن کے ساتھ آتش گیر مادے والی ہانڈیاں تھیں۔ انہیں ایک گھوڑا کھینچتا تھا۔ آدھی رات کے وقت جب سوڈانی لشکر سویا ہوا تھا، ان کے اناج کے ذخیرے پر ہانڈیاں گرنے لگیں۔ معاً بعد آتشیں تیر آئے اور مہیب شعلے اٹھنے لگے۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ منجنیقوں کو وہاں سے فوراً پیچھے بھیج دیا گیا۔ پچاس سواروں نے تین چار حصوں میں تقسیم ہو



کر گھوڑے سرپٹ دوڑائے اور لشکر کے پہلوؤں کے آدمیوں کو کچلتے اور برچھیوں سے زخمی کرتے غائب ہو گئے۔ لشکریوں کو سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا۔ آگ کے شعلوں سے جہاں اناج کا ذخیرہ جل رہا تھا وہاں اونٹ اور گھوڑے بدک کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ سلطان ایوبی کے سوار ایک بار پھر آئے اور تیر برساتے گزر گئے۔ وہ اس کے بعد نہیں آئے۔

دوسرے دن اطلاع ملی کہ سوڈانیوں کے کم و بیش چار سو آدمی آگ سے، گھوڑوں اور اونٹوں کی بھگدڑ سے اور چھاپہ مار سواروں کے حملوں سے مارے گئے ہیں۔ تمام تر اناج جل گیا اور تیروں کا ذخیرہ بھی نذرِ آتش ہو گیا تھا۔ لشکر نے وہاں سے کوچ کیا اور رات ایسی جگہ پڑاؤ کیا جہاں اِدھر اُدھر مٹی کے ٹیلے تھے۔ اس جگہ شبخون کا خطرہ نہیں تھا۔ اب رات کو گشتی دستے بھی پڑاؤ سے دُور دُور گشت کرتے رہے مگر حملہ پھر بھی ہوا۔ اس کا انداز بھی گزشتہ رات جیسا تھا۔ لشکر کے سربراہوں کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے دو گشتی دستے سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کی گھات میں آ گئے تھے اور مارے گئے ہیں۔ تیر اندازوں نے ٹیلوں سے آتشیں تیر چلائے اور غائب ہو گئے۔ سحر کا دھندلکا نکھرنے تک یہ شبخون جاری رہے۔ ان سے گزشتہ رات کی نسبت زیادہ نقصان ہوا۔

شام کو علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کو اپنے جاسوسوں کی لائی ہوئی یہ اطلاع دی کہ کل دن کے وقت سوڈانی لشکر اس انداز سے پیشقدمی کرے گا کہ شبخون مارنے والوں کا ٹھکانہ معلوم کر کے اسے ختم کیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اپنے قریب کچھ فوج رکھی ہوئی تھی۔ اس نے رات کے وقت حملہ نہ کرایا۔ اسے معلوم تھا کہ اب دشمن چوکنا ہو گا۔ اگلے روز اس نے چار سو پیادہ سپاہی سوڈانیوں کے لشکر کے دائیں طرف نصف میل دور بھیج دیئے اور چار سو بائیں طرف۔ انہیں یہ ہدایت دی کہ وہ آگے کو چلتے جائیں۔ دونوں دستے جنگی ترتیب میں سوڈانیوں کے پہلو سے گزرے تو سوڈانیوں نے اس خطرے کے پیش نظر اپنے پہلو پھیلا دیئے کہ یہ دستے پہلو پر یا عقب سے حملہ کریں گے۔ سلطان ایوبی کی ہدایت کے مطابق اُس کے کماندار اپنے دستوں کو پرے ہٹاتے گئے۔ سوڈانی دھوکے میں آ گئے۔ انہوں نے اپنے لشکر کو دائیں بائیں پھیلا دیا۔ اچانک سلطان ایوبی کے پانچ سو سواروں نے ٹیلوں کی اوٹ سے نکل کر سوڈانیوں کے وسط میں ہلہ بول دیا۔ یہاں [illegible]

کمان تھی۔ گھوڑ سواروں کا یہ حملہ اچانک اور بے حد شدید تھا۔ سارے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ پہلوؤں سے پیادہ تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اس طرح صرف تیرہ سو نفری کی فوج نے کم و بیش چھ ہزار کے لشکر کو بھگدڑ میں مبتلا کر کے ایسی شکست دی کہ صحرا لاشوں سے اٹ گیا اور سوڈانی قید میں بھی آئے اور بھاگے بھی۔ بھاگنے والوں کی تعداد تھوڑی تھی۔

یہ سوڈانیوں کی دوسری بغاوت تھی جو سلطان ایوبی نے انہی کے خون میں ڈبو دی۔ اب کے سلطان ایوبی نے ڈپلومیسی سے کام نہیں لیا۔ اس نے جنگی قیدیوں سے معلومات حاصل کر کے ان تمام کمانداروں اور دیگر حکام کو قید میں ڈال دیا جو درپردہ بغاوت کی سازش میں شریک تھے۔ تخریب کاروں کی بھی نشاندہی ہو گئی۔ انہیں سزائے موت دی گئی۔ رجب جیسے نائب سالاروں کو ہمیشہ کے لیے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ سلطان ایوبی حیران اس پر ہوا کہ بعض ایسے حکام اس سازش میں شریک تھے جنہیں وہ اپنا وفادار سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے معتمد سالاروں اور دیگر حکام سے کہہ دیا کہ مصر کے دفاع اور سلطنت کے استحکام کے لیے سوڈان پر حملہ اور قبضہ ضروری ہو گیا ہے۔

اس نے خلیفہ العاضد سے محافظ دستہ واپس لے کر اسے معزول کر دیا اور اعلان کر دیا کہ اب مصر خلافتِ عباسیہ کے تحت ہے اور یہ بھی کہ خلافت کی گدی بغداد میں ہو گی۔ سلطان ایوبی نے اُمِ عرارہ کو آٹھ محافظوں کے ساتھ نورالدین زنگی کے حوالے کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

# لڑکی جو فلسطین سے آئی تھی

سلطان صلاح الدین ایوبی نے کمرے میں ٹہلتے ہوئے آہ بھری اور کہا — "قوم متحد ہو سکتی ہے اور ہو بھی جاتی ہے۔ قوم کا شیرازہ امراء اور حکام بکھیرا کرتے ہیں یا وہ خود ساختہ قائد جو امیر، وزیر یا حاکم بننا چاہتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے علی! مصر کے لوگوں کی زبان پر ہمارے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ غداری اور تخریب کاری صرف بڑے لوگ کر رہے ہیں۔ ان بڑے لوگوں کو میری ذات کے ساتھ کوئی عداوت نہیں۔ میں انہیں اس لیے بُرا لگتا ہوں کہ میں اس گدی پر بیٹھ گیا ہوں جس کے وہ خواب دیکھ رہے تھے۔"

سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ علی بن سفیان اور بہاؤالدین شدّاد بیٹھے سن رہے تھے۔ وہ ستمبر کے پہلے ہفتے کی ایک شام تھی۔ جون اور جولائی میں سلطان ایوبی نے سوڈانیوں کی بغاوت کو کچلا اور اس کے فوراً بعد العاضد کو خلافت کی گدی سے ہٹایا تھا۔ اس سے پہلے اس نے سوڈانیوں کی بغاوت کو نہایت اچھی جنگی حکمتِ عملی سے دبا کر سوڈانی فوج توڑ دی تھی مگر بغاوت کرنے والے کسی بھی قائد، کمانڈر یا عسکری کو سزا نہیں دی تھی۔ ڈپلومیسی سے کام لیا تھا۔ اس طرح اس کی جنگی اہمیت کی بھی دھاک بیٹھ گئی تھی اور ڈپلومیسی کی بھی۔ اب کے سوڈانیوں نے پھر سر اٹھایا تو سلطان ایوبی نے اس سر کو ہمیشہ کے لیے کچل دینے کے لیے پہلے تو میدانِ جنگ میں سوڈانیوں کی لاشوں کے انبار لگائے، پھر جو بھی پکڑا گیا، اس کے عہدے اور رتبے کا لحاظ کیے بغیر اسے انتہائی سزا دی۔ اکثریت کو تو جلاد کے حوالے کیا، باقی جو بچے انہیں لمبی قید میں ڈال دیا یا ملک بدر کر کے سوڈان کی طرف نکال دیا۔

"آج دو مہینے ہو گئے ہیں" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں سلطنت کے انتظام اور قوم کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ نہیں دے سکا۔ مجرم لائے جا رہے ہیں اور میں سوچ بچار کے بعد انہیں سزائے موت دیتا چلا جا رہا ہوں۔ یوں دل کو تکلیف ہو

رہی ہے جیسے میں قتلِ عام کر رہا ہوں۔ میرے ہاتھوں مرنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔"

"محترم امیر!" — بہاؤالدین شداد نے کہا۔ "ایک کافر اور ایک مسلمان ایک ہی قسم کا گناہ کریں تو زیادہ سزا مسلمان کو ملنی چاہیے کیونکہ اس تک اللہ کے سچے دین کی روشنی پہنچی پھر بھی اس نے گناہ کیا۔ کافر تو عقل کا بھی اندھا ہے، مذہب کا بھی اندھا۔ آپ اس پر غم نہ کریں کہ آپ نے مسلمانوں کو سزا دی ہے۔ وہ غدار تھے۔ سلطنتِ اسلامیہ کے باغی تھے۔ انہوں نے اسلام کا نام مٹی میں ملانے کے لیے کافروں سے اتحاد کیا۔"

"میرا اصل غم یہ ہے شداد!" — سلطان ایوبی نے کہا۔ "کہ میں حکمران بن کے مصر نہیں آیا۔ اگر مجھے حکومت کرنے کا نشہ ہوتا تو مصر کی موجودہ فضا میرے لیے سازگار تھی۔ جنہیں صرف امارت کی گدی سے پیار ہوتا ہے، وہ سازشی ذہن کے حاکموں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ وہ قوم کو کچھ دیئے بغیر لوگوں کو دلکش مگر جھوٹے رنگوں کی تصویریں دکھاتے رہتے ہیں۔ اپنے ذاتی عملے میں شیطانی خصلت کے افراد کو رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ماتحت حاکموں کو شہزادوں کا درجہ دیئے رکھتے ہیں اور خود شہنشاہ بن جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ سے یہ گدی لے لو لیکن مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرنا۔ میں جو مقصد لے کر گھر سے نکلا ہوں وہ مجھے پورا کر لینے دو۔ نورالدین زنگی نے ہزاروں جانوں کی قربانی دے کر اور دریائے نیل کو عرب کے مجاہدوں کے خون سے سرخ کر کے شام اور مصر کا اتحاد قائم کیا ہے۔ مجھے اس متحد سلطنت کو وسعت دینی ہے۔ سوڈان کو مصر میں شامل کرنا ہے۔ فلسطین کو صلیبیوں سے چھڑانا ہے۔ صلیبیوں کو یورپ کے وسط میں لے جا کر کسی گوشے میں گھٹنوں بٹھانا ہے اور مجھے یہ فتوحات اپنی حکمرانی کے لیے نہیں، اللہ کی حکمرانی کے لیے حاصل کرنی ہیں مگر مصر میرے لیے دلدل بن گیا ہے۔ وہ کون سا گوشہ ہے جہاں سازش، بغاوت اور غداری نہیں؟"

"ان تمام سازشوں کے پیچھے صلیبی ہیں" — علی بن سفیان نے کہا۔ "میں حیران ہوں کہ وہ کس بے دردی سے اپنی جوان لڑکیوں کو بے حیائی کی تربیت دے کر ہمارے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ان لڑکیوں کی خوبصورتی کا اپنا جادو ہے۔ ان کا حملہ ان کی زبان میں ہے۔"

"زبان کا وار تلوار سے گہرا ہوتا ہے" — سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہ عقل ہماری



کمزوریوں کو بھانپ سکتی ہے علی! وہ اپنی زبان سے ایسے انداز سے اور ایسے موقع پر ایسے الفاظ کہلوائے گی کہ تم اپنی تلوار نیام میں ڈال کر دشمن کے قدموں میں رکھ دو گے۔ صلیبیوں کے پاس دو ہی تو ہتھیار ہیں: الفاظ اور حیوانی جذبہ، جسے انسانی جذبے پر غالب کرنے کے لیے وہ اپنی جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ انہوں نے مسلمان امراء اور حکام کے دلوں سے مذہب تک نکال دیا ہے۔"

"صرف حکام نہیں امیرِ محترم!" — علی بن سفیان نے کہا۔ "مصر کے عام لوگوں میں بھی بدکاری عام ہو گئی ہے۔ یہ صلیبیوں کا کمال ہے۔ دولت مند مسلمانوں کے گھروں میں بھی بے حیائی شروع ہو گئی ہے۔"

"یہی سب سے بڑا خطرہ ہے" — سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں صلیبیوں کے سارے لشکر کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور کیا ہے، مگر میں ڈرتا ہوں کہ صلیبیوں کے اس وار کو نہیں روک سکوں گا اور جب میری نظریں مستقبل میں جھانکتی ہیں، تو میں کانپ اٹھتا ہوں۔ مسلمان برائے نام مسلمان رہ جائیں گے۔ ان میں بے حیائی صلیبیوں والی ہو گی اور ان کے تہذیب و تمدن پر صلیبی رنگ چڑھا ہوا ہو گا۔ میں مسلمانوں کی کمزوریاں جانتا ہوں۔ مسلمان اپنے دشمن کو نہیں پہچانتے۔ اس کے بچھائے ہوئے خوبصورت جال میں پھنس جاتے ہیں۔ میں صلیبیوں کی کمزوریاں جانتا ہوں۔ وہ بے شک مسلمانوں کے خلاف متحد ہو گئے ہیں لیکن ان کے اندر سے دل پھٹے ہوئے ہیں۔ فرانسیسی اور جرمن ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ برطانوی اور اطالوی ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔ وہ مسلمانوں کو مشترک دشمن سمجھ کر اکٹھے ہیں لیکن ان میں عداوت کی حد تک اختلافات ہیں۔ ان کا شاہ آگسٹس دوغلا بادشاہ ہے۔ باقی بھی ایسے ہی ہیں مگر انہوں نے مسلمان امراء کو عورت کے حسن اور زر و جواہرات کی چمک دمک سے اندھا کر رکھا ہے۔ اگر مسلمان امراء متحد ہو جائیں تو صلیبی چند دنوں میں بکھر جائیں۔ اب فاطمی خلافت کو ختم کر کے میں نے اپنے دشمنوں میں اضافہ کر لیا ہے۔ فاطمی اپنی گدی کی بحالی کے لیے سوڈانیوں اور صلیبیوں کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔"

"ان کے شاعر کو کل سزائے موت دے دی گئی ہے" — علی بن سفیان نے کہا۔

"جس کا مجھے بہت افسوس ہے" — سلطان ایوبی نے کہا۔ "عمارۃ الیمنی کی شاعری نے میرے دل پر بھی گہرا اثر کیا تھا۔ مگر اس نے الفاظ اور ترنم کی چنگاریاں بنا کر اسلام کے ذہن کو جلانے کی کوشش کی ہے۔"

عمارۃ الیمنی اُس دور کا مشہور شاعر تھا۔ اس دور میں اور اس سے پہلے بھی لوگ شاعروں کو پیروں اور پیغمبروں جتنا درجہ دیتے تھے۔ شاعر الفاظ اور ترنم سے قوموں میں جذبے کی نئی روح پھونک دیا کرتے تھے۔ یہی درجہ اس مسلمان شاعر کو حاصل تھا۔ اس نے لوگوں میں جو مقام پیدا کر رکھا تھا، اسے اس نے اس طرح استعمال کرنا شروع کر دیا تھا کہ ایک طرف وہ لوگوں میں جہاد کا جذبہ پختہ کرتا تھا اور ساتھ ہی فاطمی خلافت کی عظمت کی دھاک لوگوں کے دلوں میں بٹھاتا تھا۔ اسے فاطمی خلافت کی ہی پشت پناہی حاصل تھی کہ اس نے سلطان ایوبیؒ کے خلاف زہر اُگلنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے آخری اشعار یہ تھے ۔۔۔ "مجھے فاطمی خلافت کی محبت کا طعنہ دینے والو! مجھ پر لعنت بھیجو۔ میں تمہیں لعنت کے لائق سمجھتا ہوں .... فاطمی محلات کی ویرانی پر آنسو بہاؤ۔ ان میں رہنے والوں کو میرا پیغام دو کہ میں نے تمہارے لیے جو زخم کھائے ہیں وہ کبھی مندمل نہ ہوں گے۔"

اس کے گھر اچانک چھاپہ مارا گیا تھا۔ وہاں سے دستاویزی ثبوت ملا تھا کہ وہ صرف فاطمی خلافت کا ہی بہی خواہ نہیں بلکہ صلیبیوں کا وظیفہ خوار بھی ہے۔ صلیبی اسے اس مقصد کے لیے وظیفہ دیتے تھے کہ وہ مصریوں کے دلوں پر فاطمی خلافت کو غالب کرے اور سلطان ایوبیؒ کے خلاف نفرت پیدا کرتا رہے۔ اسے سزائے موت دے دی گئی تھی۔

"جس قوم کے شاعر بھی دشمن کے وظیفہ خوار ہوں، اس قوم کے لئے ذلت و رسوائی ہے۔" سلطان ایوبیؒ نے کہا۔

دربان اندر آیا اور کہا کہ معزول خلیفہ العاضد کا قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبیؒ کے ماتھے کے شکن گہرے ہو گئے۔ اس نے کہا ۔۔۔ "خلافت کے سوا یہ بوڑھا مجھ سے اور کیا مانگ سکتا ہے۔" دربان سے کہا ۔۔۔ "اسے اندر بھیج دو۔"

العاضد کا قاصد اندر آیا اور کہا ۔۔۔ "خلیفہ کا سلام پیش کرتا ہوں۔"

"وہ خلیفہ نہیں ہے۔" سلطان ایوبیؒ نے کہا ۔۔۔ "دو مہینے ہو گئے ہیں اسے معزول ہوئے۔ وہ اپنے محل میں قید ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں قابلِ صد احترام امیر!" ۔۔۔ قاصد نے کہا ۔۔۔ "عادت کے تحت منہ سے نکل گیا ہے۔ العاضد نے بعد از سلام کہا ہے کہ بیماری نے بستر پہ ڈال دیا ہے۔ اٹھنا محال ہے۔ ملنے کی خواہش ہے۔ اگر امیر محترم تشریف لا سکیں تو احسان ہو گا۔"



سلطان ایوبیؒ نے بے قراری سے اپنی ران پر ہاتھ مارا اور کہا ۔۔۔ "وہ مجھے بلا رہا ہے کیونکہ وہ ابھی تک اپنے آپ کو خلیفہ سمجھتا ہے۔"

"نہیں امیر مصر!" ۔۔۔ قاصد نے کہا ۔۔۔ "ان کی حالت بہت خراب ہے۔ محل کے طبیب نے خطرے کا اظہار کیا ہے۔ یہ ان کا دیرینہ مرض ہے جو غم اور غصے میں تیز ہو جاتا ہے، اب تو وہ اٹھنے سے معذور ہو گئے ہیں۔" قاصد نے ذرا جھجک کر کہا۔ ۔۔۔ "انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ اکیلے تشریف لائیں۔ راز کی دو چار باتیں ہیں جو کسی دوسرے کے سامنے نہیں کی جا سکتیں۔"

"انہیں بعد از سلام کہنا صلاح الدین ایوبی راز کی سب باتیں جانتا ہے۔" سلطان ایوبیؒ نے کہا ۔۔۔ "اب راز کی باتیں خدا سے کہنا۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔"

قاصد مایوس ہو کر چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے دربان کو بلا کر کہا کہ طبیب کو بلا لاؤ۔ اس نے علی بن سفیان اور بہاؤ الدین شداد سے کہا ۔۔۔ "اس نے مجھے اکیلا آنے کو کہا ہے۔ کیا اس میں کوئی چال نہیں؟ کیا میرا خدشہ غلط ہے کہ مجھے محل میں بلا کر میرا کام تمام کرنا چاہتا ہے؟ اسے بجا پر اوچھا وار کرنا چاہئے۔ اسے حق حاصل ہے۔"

"آپ نے اچھا کیا نہیں گئے۔" ۔۔۔ شداد نے کہا اور علی بن سفیان نے تائید کی۔

طبیب آ گیا تو سلطان ایوبیؒ نے اسے کہا ۔۔۔ "آپ العاضد کے پاس چلے جائیں۔ میں جانتا ہوں وہ بہت وقت سے بیمار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طبیب مایوس ہو گیا ہے۔ آپ جا کر دیکھیں اور اس کا علاج کریں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بیمار نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو مجھے بتائیں۔"

✡

سابق خلیفہ العاضد کو اسی محل میں رہنے کی اجازت دے دی گئی تھی جو اس کی خلافت کی گدی تھی۔ اس محل کو اس نے جنت بنا رکھا تھا۔ حرم دیس دیس کی خوبصورت عورتوں سے پُر رونق تھا۔ لونڈیوں کا ہجوم الگ تھا۔ سینکڑوں محافظوں کا دستہ مستعد رہتا تھا۔ فوجی کمانڈر حاضری میں کھڑے رہتے تھے۔ سلطان ایوبیؒ کے لائے ہوئے انقلاب نے اس محل کی دنیا ہی بدل ڈالی تھی۔ خلیفہ اب خلیفہ نہیں تھا۔ محل میں عیش و عشرت کا تمام سامان جوں کا توں رہنے دیا گیا، فوجی کمانڈروں اور محافظ دستے کو وہاں سے ہٹا دیا گیا تھا۔ فوج کا ایک دستہ اب بھی وہاں نظر آتا تھا مگر یہ العاضد کا محافظ نہیں پہرہ دار تھا۔ خلافت کا محل چونکہ سازشوں

کا مرکز تھا اس لیے وہاں اب پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ العاضد اب اپنے محل میں ہی تھا۔ وہ بوڑھا تھا اور دل کے مرض کا مریض تھا۔ خلافت چھن جانے کا غم، بڑھاپا، شراب اور عیش و عشرت نے اسے بستر پر ڈال دیا تھا۔

چند دنوں میں وہ لاش کی مانند ہو گیا تھا۔ اس کی تیمار داری کے لیے دو ادھیڑ عمر عورتیں اور ایک خادم اس کے کمرے میں موجود تھا۔ العاضد آنکھ کھولتا، انہیں دیکھتا اور آنکھیں بند کر لیتا تھا۔ محل کا طبیب اسے دوائی پلا گیا تھا۔ دو جوان لڑکیاں کمرے میں آئیں۔ یہ العاضد کے حرم کی رونق تھیں۔ ان میں سے ایک نے خلیفہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر جھک کر صحت کا حال احوال پوچھا۔ دوسری نے العاضد کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اسے صحت یابی کی دعا دی۔ دونوں لڑکیوں نے ایک دوسری کی آنکھوں میں دیکھا اور ایک نے کہا ”آپ آرام فرمائیں۔ ہم آپ کو بے آرام نہیں کریں گی“۔ دوسری نے کہا ”ہم ہر وقت ساتھ والے کمرے میں موجود رہتی ہیں۔ بلا لیا کریں“۔ اور دونوں کمرے سے نکل گئیں۔

العاضد نے کراہ کر لمبی آہ بھری اور اپنے پاس کھڑی ادھیڑ عمر عورتوں سے کہا ”یہ دونوں لڑکیاں میری تیمارداری کے لیے نہیں آئی تھیں۔ یہ دیکھنے آئی تھیں کہ میں کب مر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں انہوں نے اپنی دوستیاں لگا رکھی ہیں۔ یہ گدھ ہیں۔ میرے مرنے کا انتظار کر رہی ہیں۔ ان کی نظر میرے مال اور دولت پر ہے۔ تم تینوں کے سوا یہاں میرا ہمدرد کون ہے؟ .... کوئی نہیں۔ کوئی بھی نہیں۔ فاطمی خلافت کے نعرے لگانے والے کہاں گئے!“ اس نے دل پر ہاتھ رکھ لیا اور کروٹ بدل لی۔ وہ تکلیف میں تھا۔

اتنے میں قاصد کمرے میں آیا اور کہا ”امیرِ مصر نے آنے سے انکار کر دیا ہے“۔

”اوہ بدنصیب صلاح الدین!“ ـــ العاضد نے کراہنے کے لہجے میں کہا ـــ ”میرے مرنے سے پہلے ایک بار تو آ جاتا“۔ صدمے نے اس کی تکلیف میں اضافہ کر دیا۔ اس نے نحیف آواز میں رک رک کر کہا ”اب تو میری لونڈیاں بھی میرے بلانے پر نہیں آتیں۔ امیرِ مصر کیوں آئے گا .... مجھے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ میرے خون کے رشتے بھی ٹوٹ گئے ہیں۔ ان میں سے بھی کوئی نہیں آیا۔ وہ میرے جنازے پر آئیں گے اور محل میں جو ہاتھ لگا اٹھا کر چلے جائیں گے“۔



وہ کچھ دیر کراہتا رہا۔ دونوں تیمار دار عورتیں پریشانی کے عالم میں اس کی باتیں سنتی رہیں۔ اُن کے پاس تسلی اور حوصلہ افزائی کے لیے بھی جیسے کوئی الفاظ نہیں رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف سا طاری تھا جیسے وہ خدا کے اس قہر سے ڈر رہی تھیں جو بادشاہ کو گدا اور امیر کو فقیر بنا دیتا ہے۔

دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک سفید ریش بزرگ کھڑا تھا۔ وہ ذرا رک کر اندر آیا اور العاضد کی نبض پر ہاتھ رکھ کر کہا ”السلام علیکم۔ میں امیرِ مصر کا طبیب خاص ہوں۔ انہوں نے مجھے آپ کے علاج کے لیے بھیجا ہے“۔

”کیا امیرِ مصر میں اتنی سی بھی مروت نہیں رہی کہ آ کے مجھے دیکھ جاتا؟“ ـــ العاضد نے کہا ـــ ”میرے بلانے پر بھی نہ آیا“۔

”اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا“ ـــ طبیب نے کہا ـــ ”انہوں نے مجھے آپ کے علاج کے لیے بھیجا ہے۔ میں یہ کہنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ اتنے بڑے واقعہ کے بعد جس میں باقاعدہ جنگ ہوئی اور ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں، امیرِ مصر شاید یہاں نہیں آئیں گے۔ انہیں آپ کی صحت کا فکر ضرور ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے آپ کے علاج کا حکم نہ دیتے۔ اس حالت میں آپ ایسی کوئی بات ذہن میں نہ لائیں جو آپ کے دل کو تکلیف دیتی ہے ورنہ علاج نہیں ہو سکے گا“۔

”میرا علاج ہو چکا“ ـــ العاضد نے کہا ـــ ”میرا ایک پیغام غور سے سن لو۔ صلاح الدین کو لفظ بہ لفظ پہنچا دینا۔ میری نبض سے ہاتھ ہٹا لو۔ میں اب دنیا کی حکمت اور تمہاری دوائیوں سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔ سنو طبیب! صلاح الدین سے کہنا کہ میں تمہارا دشمن نہ تھا۔ میں تمہارے دشمنوں کے جال میں آ گیا تھا۔ یہ بدقسمتی میری ہے یا صلاح الدین کی کہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف اس وقت کر رہا ہوں، جب میں ایک گھڑی کا مہمان ہوں .... صلاح الدین سے کہنا کہ میرے دل میں ہمیشہ تمہاری محبت رہی ہے اور تمہاری محبت کو ہی دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے زر و جواہرات اور حکمرانی کی محبت بھی اپنے دل میں پیدا کر لی جو اسلام کے احترام پر غالب آ گئی۔ آج سب نشے اتر گئے ہیں۔ وہ لوگ جو میرے پاؤں میں بیٹھا کرتے تھے، وہ بیگانے ہو گئے ہیں۔ وہ لونڈیاں بھی میرے مرنے کی منتظر ہیں جو میرے اشاروں پر ناچا کرتی تھیں۔ میرے دربار میں عریاں رقص کرنے والی لڑکیاں مجھے نفرت کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں .... انسان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انسانوں کی باتوں میں آ کر خدا کو بھول

جاتا ہے اور یہ بھول ہی جاتا ہے کہ اسے خدا کے پاس جانا ہے جہاں کوئی انسان کسی انسان کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ان کمبختوں نے مجھے خدا بنا ڈالا مگر آج جب حقیقی خدا کا بلاوا آیا ہے تو مجھ پر حقیقت روشن ہوئی ہے...

"میں نے اس کو نجات کا ذریعہ سمجھا ہے کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کروں اور صلاح الدین کو ایسے خطروں سے خبردار کرتا جاؤں جن سے وہ شاید واقف نہیں۔ اسے کہنا کہ میرے محافظ دستے کا سالار رجب زندہ ہے اور سوڈان میں کہیں روپوش ہے۔ وہ مجھے بتا گیا تھا کہ فاطمی خلافت کی بحالی کے لیے وہ سوڈانیوں اور قابلِ اعتماد مصریوں کی فوج تیار کرے گا اور وہ صلیبیوں سے جنگی اور مالی امداد لے گا.... صلاح الدین سے کہنا کہ اپنے محافظ دستے پر نظر رکھے۔ اکیلا باہر نہ جائے۔ رات کو زیادہ محتاط رہے کیونکہ رجب نے فدائیوں کے ساتھ ایوبی کے قتل کا منصوبہ بنا لیا ہے۔ اسے کہنا کہ مصر تمہارے لیے آگ اگلنے والا پہاڑ ہے۔ تم جنہیں دوست سمجھتے ہو، وہ بھی تمہارے دشمن ہیں اور وہ جو تمہاری آواز کے ساتھ آواز ملا کر وسیع سلطنتِ اسلامیہ کے نعرے لگاتے ہیں، ان میں بھی صلیبیوں کے پالے ہوئے سانپ موجود ہیں....

"تمہارے جنگی شعبے میں فیض الفاطمی بڑا حاکم ہے مگر تم نہیں جانتے کہ وہ تمہارے مخالفین میں سے ہے۔ وہ رجب کا دستِ راست ہے۔ تمہاری فوج میں ترک، شامی اور دوسرے عربی نسل کے جو کمانڈر اور سپاہی ہیں ان کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ یہ سب تمہارے وفادار اور اسلام کے محافظ ہیں۔ مصری فوجیوں میں قابلِ اعتماد بھی ہیں اور بے وفا بھی۔ تم نہیں جانتے کہ تم نے جب سوڈانی لشکر پر فیصلہ کن حملہ کیا تھا تو حملہ آور دستوں میں دو دستوں کے کمانڈر تمہاری چال کو ناکام کرنے کے لیے تمہاری ہدایات اور احکام پر غلط عمل کرنا چاہتے تھے لیکن تمہارے ترک اور عرب سپاہیوں میں جوش اور جذبہ ایسا تھا کہ اپنے کمانڈروں کے حکم کا انتظار کیے بغیر وہ سوڈانیوں پر قہر بن کر ٹوٹے، ورنہ یہ دو کمانڈر جنگ کا پانسہ پلٹ کر تمہیں ناکام کر دیتے۔"

العاضد مری مری آواز میں رک رک کر بولتا رہا۔ طبیب نے اسے ایک دو مرتبہ بولنے سے روکا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے چپ کرا دیا۔ اس کے چہرے پر پسینہ اس طرح آگیا تھا جیسے کسی نے پانی چھڑک دیا ہو۔ دونوں عورتوں نے اس کا پسینہ پونچھا لیکن پسینہ چشمے کی طرح پھوٹتا آرہا تھا۔ اس نے چند ایک اور انتظامیہ اور فوج کے حکام کے نام بتائے جو سلطان ایوبی کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ ان



میں سب سے زیادہ خطرناک فدائی تھے جن کا پیشہ پُراسرار قتل تھا۔ وہ اس فن کے ماہر تھے۔ العاضد نے مصر میں صلیبیوں کے اثر و رسوخ کی بھی تفصیل سنائی اور کہا۔ "انہیں مسلمان نہ سمجھنا۔ یہ ایمان فروخت کر چکے ہیں..... صلاح الدین سے کہنا کہ اللہ تمہیں کامیاب کرے اور سرخرو کرے، لیکن یہ یاد رکھنا کہ ایک تو وہ لوگ ہیں جو چوری چھپے تمہیں دھوکہ دے رہے ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو خوشامد سے تمہیں خدا کے بعد کا درجہ دے دیں گے۔ یہ ان لوگوں سے زیادہ خطرناک ہیں جو چوری چھپے دھوکہ دیتے ہیں.... اسے کہنا کہ دشمنوں کو زیر کر کے جب تم اطمینان سے حکومت کی گدی پر بیٹھو گے تو میری طرح دونوں جہان کے بادشاہ نہ بن جانا۔ سدا بادشاہی اللہ کی ہے۔ اسی مصر میں فرعونوں کے کھنڈر دیکھ لو۔ میرا انجام دیکھ لو۔ اپنے آپ کو اس انجام سے بچانا....."

اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ اس کے چہرے پر جہاں کرب کا تاثر تھا وہاں سکون سا بھی نظر آنے لگا۔ اس نے بولنے کی کوشش کی مگر حلق سے خراٹے سے نکلے۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا۔ یہ واقعہ ستمبر ۱۱۷۱ء کا ہے۔

طبیب نے سلطان ایوبی کو اطلاع بھجوائی۔ محل میں العاضد کی موت کی خبر پھیل گئی۔ محل کے کسی گوشے سے رونا تو دور کی بات ہے ہلکی سی سسکی بھی نہ سنائی دی۔ صرف ان دو عورتوں کے آنسو بہہ رہے تھے۔ جو آخری وقت اس کے پاس تھیں... سلطان ایوبی چند ایک حکام کے ساتھ فوراً محل میں گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں برآمدوں اور غلام گردشوں میں کچھ سرگرمی سی تھی۔ اسے شک ہوا۔ اس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلا کر حکم دیا کہ محل کے تمام کمروں میں گھوم جاؤ۔ تمام مردوں، عورتوں اور لڑکیوں کو کمروں سے نکال کر باہر صحن میں بٹھا دو اور کسی کو باہر نہ جانے دو۔ کسی کو کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اصطبل سے کوئی گھوڑا نہ کھولے۔ سلطان ایوبی نے محل پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس نے عجیب چیز یہ دیکھی کہ العاضد جو اپنے آپ کو بادشاہ بنائے بیٹھا تھا اور جس نے عورت اور شراب کو ہی زندگی جانا تھا، اس کی میت پر رونے والا کوئی نہ تھا۔ محل مردوں اور عورتوں سے بھرا پڑا تھا مگر کسی کے چہرے پر اداسی کا تاثر بھی نہیں تھا۔

طبیب سلطان ایوبی کو الگ لے گیا اور اسے العاضد کی آخری باتیں سنائیں۔ اس نے اپنی رائے ان الفاظ میں دی کہ آپ کو آخری وقت اس کے بلاوے پر

آجانا چاہیے تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے بتایا کہ وہ اس خدشے کے پیشِ نظر نہیں آیا کہ اس شخص کا کچھ بھروسہ نہ تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسے ایمان فروشوں سے نفرت تھی مگر اب طبیب کی زبانی العاضد کا آخری پیغام سُن کر سلطان ایوبی کو سخت پچھتاوا ہونے لگا۔ وہ بہت بے چین ہو گیا اور اس نے کہا ”اگر میں آجاتا تو اس کے منہ سے کچھ اور راز کی باتیں نکلوا لیتا۔ وہ کوئی راز سینے میں نہ لے گیا ہو۔“

متعدد مؤرخین نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ العاضد بے شک عیاش اور گمراہ تھا، اس نے سلطان ایوبی کے خلاف سازشوں کی پشت پناہی بھی کی لیکن اس کے دل میں سلطان ایوبی کی محبت بہت تھی۔ دو مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر سلطان ایوبی العاضد کے بلاوے پر چلا جاتا تو العاضد اسے اور بھی بہت سی باتیں بتاتا۔ بہرحال تاریخ ثابت کرتی ہے کہ العاضد کے بلاوے میں کوئی فریب نہیں تھا۔ اُس نے اپنی روح کی نجات کے لیے اور سلطان ایوبی کی محبت کے لیے گناہوں کی بخشش مانگنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ بہت مدت تک سلطان ایوبی تاسف میں رہا کہ وہ آخری وقت العاضد کی باتیں نہ سن سکا۔ بعد میں ان تمام افراد کے خلاف الزامات صحیح ثابت ہوئے تھے جن کی العاضد نے نشاندہی کی تھی۔

سلطان ایوبی نے ان تمام افراد کے نام علی بن سفیان کو دے کر حکم دیا کہ ان سب کے ساتھ اپنے جاسوس اور سراغرساں لگا دو لیکن کسی کو مکمل شہادت اور ثبوت کے بغیر گرفتار نہ کرنا۔ ایسے طریقے اختیار کرو کہ وہ عین موقع پر پکڑے جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے ساتھ بے انصافی ہو جائے۔ یہ احکام دے کر اس نے، تجہیز و تکفین کے انتظامات کرائے۔ اسی شام العاضد عام قبرستان میں دفن کر دیا گیا جہاں تھوڑے ہی عرصے بعد قبر کا نام و نشان مٹ گیا۔ سلطان ایوبی نے محل کی تلاشی لی۔ وہاں سے اس قدر سونا، جواہرات اور بیش قیمت تحائف نکلے کہ سلطان ایوبی حیران رہ گیا۔ اس نے حرم کی تمام عورتوں اور جوان لڑکیوں کو علی بن سفیان کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ معلوم کرو کون کہاں کی رہنے والی ہے۔ ان میں سے جو اپنے گھروں کو جانا چاہتی ہیں انہیں اپنی نگرانی میں گھروں تک پہنچا دو اور ان میں جو غیر مسلم اور فرنگی ہیں ان کے متعلق پوری طرح چھان بین کر کے معلوم کرو کہ وہ کہاں سے آئی تھیں اور ان میں مشتبہ کون کون سی ہے۔ مشتبہ کو آزاد نہ کیا جائے بلکہ اُس سے معلومات حاصل کی جائیں۔



سلطان ایوبی نے محل سے برآمد ہونے والا مال و دولت اُن تعلیمی اداروں، مدرسوں اور ہسپتالوں میں تقسیم کر دیا جو اس نے مصر میں کھولے تھے۔

☆

العاضد نے مرنے سے پہلے اپنے محافظ دستے کے سالار رجب کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سوڈان میں روپوش ہے جہاں وہ سلطان ایوبی کے خلاف فوج تیار کر رہا ہے اور وہ صلیبیوں سے بھی مدد لے گا۔ علی بن سفیان نے چھ ایسے جانباز منتخب کیے جو لڑاکا جاسوس تھے۔ ان کا کمانڈر رجب کو پہچانتا تھا۔ انہیں تاجروں کے بھیس میں سوڈان روانہ کر دیا گیا۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ممکن ہو سکے تو اسے زندہ پکڑ لائیں ورنہ وہیں قتل کر دیں۔

جس وقت یہ پارٹی سوڈان کو روانہ ہوئی اس وقت رجب سوڈان میں نہیں بلکہ فلسطین کے ایک مشہور اور مضبوط قلعے، شوبک، میں تھا۔ فلسطین پر صلیبیوں کا قبضہ تھا۔ انہوں نے اس خطے کو اڈہ بنا لیا تھا۔ مسلمانوں پر انہوں نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ مسلمان وہاں سے کنبہ در کنبہ بھاگ رہے تھے۔ وہاں کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ صلیبی ڈاکوؤں کی صورت بھی اختیار کرتے جا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ کر فلسطین میں آجاتے تھے۔ لڑکیوں کو بھی اغوا کر لاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان ایوبی سب سے پہلے فلسطین کو تہ تیغ کرنا چاہتا تھا تاکہ مسلمانوں کے جان و مال اور آبرو کو محفوظ کیا جا سکے۔ اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ قبلۂ اوّل پر بھی صلیبی قابض تھے، مگر مسلمان امراء کا یہ عالم تھا کہ وہ صلیبیوں کے ساتھ دوستی کرتے پھرتے تھے۔ رجب بھی ایک مسلمان فوجی سربراہ تھا۔ وہ سلطان کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لیے صلیبیوں کے پاس پہنچ گیا تھا۔

اس کے اعزاز میں قلعے میں رقص کی محفل گرم کی گئی تھی۔ رجب نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ برہنہ ناچ ناچنے والیوں میں زیادہ تعداد مسلمان لڑکیوں کی تھی جنہیں صلیبیوں نے کمسنی میں اغوا کر لیا اور رقص کی تربیت دی تھی۔ اپنی قوم کی بیٹیوں کو وہ کافروں کے قبضے میں ناچتا دیکھتا رہا اور ان کے ہاتھوں شراب پیتا رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو مسلمان کمانڈر بھی تھے۔ رات بھر وہ شراب اور رقص میں بدمست رہے اور صبح صلیبیوں کے ساتھ بات چیت کے لیے بیٹھے۔ اس اجلاس میں صلیبیوں کے مشہور بادشاہ گائی لوزینان اور کونارڈ موجود تھے۔ ان کے علاوہ چند (؟) صلیبی

فوج کے کمانڈر بھی تھے۔ رات کو رجب انہیں بتا چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے سوڈانیوں کے حبشی قبیلے کے معبد کو مسمار کر کے ان کے پروہت کو ہلاک کروا دیا ہے۔ اس پر سوڈانیوں نے حملہ کیا جسے صلاح الدین نے پسپا کیا اور اس نے خلیفہ العاضد کی خلافت ختم کر کے خلافتِ عباسیہ کا اعلان کر دیا ہے مگر مصر میں کوئی خلیفہ نہیں رہے گا۔ رجب نے انہیں بتایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطان ایوبی مصر کا خود مختار حکمران بننا چاہتا ہے۔ رجب نے صلیبیوں کو اس اجلاس میں بتایا کہ وہ ان سے جنگی اور مالی مدد لینے آیا ہے اور وہ سوڈان جا کر فوج تیار کرے گا۔ مصر میں بدنظمی اور ابتری پھیلانے کے لیے بھی اس نے صلیبیوں سے مدد مانگی۔

"فوری طور پر دو پہلو سامنے آتے ہیں جن پر ہمیں توجہ مرکوز کرنی چاہیے"۔۔۔ کونارڈ نے کہا۔۔۔ "جس حبشی قبیلے کے مذہب میں صلاح الدین نے ظالمانہ دخل اندازی کی ہے اسے انتقام کے لیے بھڑکایا جائے۔ اس کے ساتھ سارے سوڈان میں جتنے بھی عقیدے اور مذہب ہیں ان کے پیروکاروں کو صلاح الدین کے خلاف یہ کہہ کر مسلح کیا جائے کہ یہ مسلمان بادشاہ لوگوں کی عبادت گاہیں اور ان کے دیوتاؤں کے بُت توڑتا پھر رہا ہے۔ پیشتر اس کے کہ وہ کسی اور عقیدے پر حملہ آور ہو اسے مصر میں ہی ختم کر دیا جائے۔ اس طرح لوگوں کے مذہبی جذبات مشتعل کر کے انہیں مصر پر حملے کے لیے آسانی سے تیار کیا جا سکتا ہے"۔

"ہم مصر کے مسلمانوں تک کو صلاح الدین کے خلاف کھڑا کر سکتے ہیں"۔۔۔ ایک صلیبی کمانڈر نے کہا۔۔۔ "اگر محترم رجب بُرا نہ مانیں تو میں انہی کے فائدے کی بات کروں۔ مسلمان میں مذہبی جنون پیدا کر کے مسلمان کو مسلمان کے ہاتھوں مروا دینا کوئی مشکل نہیں۔ جس طرح ہمارے مذہب میں بعض پادریوں نے اپنے آپ کو گرجوں کا حاکم بنا کر اپنا وجود انسان اور خدا کے درمیان کھڑا کر دیا ہے، بالکل اسی طرح اسلام میں بھی بعض اماموں نے مسجدوں پر قبضہ کر کے اپنے آپ کو خدا کا ایجنٹ بنا لیا ہے۔ ہمارے پاس دولت ہے جس کے زور پر ہم مسلمان مولوی تیار کر کے مصر کی مسجدوں میں بٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ایسے عیسائی بھی موجود ہیں جو اسلام اور قرآن سے بڑی اچھی طرح واقف ہیں۔ انہیں ہم مسلمان اماموں کے روپ میں استعمال کریں گے۔ صلاح الدین کے خلاف کسی مسجد میں کوئی بات کہنے کی ضرورت نہیں۔ ان مولویوں کی



زبان سے ہم مسلمانوں میں ایسی توہم پرستی پیدا کریں گے کہ ان کے دلوں میں صلاح الدین کی وہ عظمت مٹ جائے گی جو اس نے پیدا کر رکھی ہے"۔

"یہ مہم فوراً شروع کر دینی چاہیے"۔۔۔ رجب نے کہا۔۔۔ "سلطان ایوبی نے مصر میں مدرسے کھول دیئے ہیں جہاں بچوں اور نوجوانوں کو مذہب کے صحیح رُخ سے روشناس کیا جا رہا ہے۔ اس سے پہلے وہاں کوئی ایسا مدرسہ نہیں تھا۔ لوگ مسجدوں میں خطبے سنتے تھے جن میں خلیفہ کی مدح سرائی زیادہ ہوتی تھی۔ صلاح الدین نے خطبوں سے خلیفہ کا ذکر ختم کرا دیا ہے۔ اگر لوگوں میں علم کی روشنی اور ذہنی بیداری پیدا ہو گئی تو ہمارا کام مشکل ہو جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ حکومت کے استحکام کے لیے لوگوں کو ذہنی طور پر پسماندہ اور جسمانی طور پر محتاج رکھنا لازمی ہے"۔

"محترم رجب!"۔۔۔ ایک صلیبی کمانڈر مسکرا کر بولا۔۔۔ "آپ کو اپنے ملک کے متعلق بھی علم نہیں کہ وہاں درپردہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم نے یہ مہم اسی روز شروع کر دی تھی جس روز صلاح الدین نے ہمیں بحیرۂ روم میں شکست دی تھی۔ ہم کھلی تخریب کاری کے قائل نہیں۔ ہم ذہنوں میں تخریب کاری کیا کرتے ہیں۔ ذرا غور کریں محترم! دو سال پہلے قاہرہ میں کتنے قحبہ خانے تھے اور اب کتنے ہیں؟ کیا ان میں بے پناہ اضافہ نہیں ہو گیا؟ کیا دولتمند مسلمان گھرانوں میں لڑکوں اور لڑکیوں میں قابلِ اعتراض معاشقے شروع نہیں ہو گئے؟ ہم نے وہاں جو عیسائی لڑکیاں بھیجی تھیں وہ مسلمان لڑکیوں کے روپ میں مسلمان مردوں کے درمیان رقابت پیدا کر کے خون خرابے کرا چکی ہیں۔ قاہرہ میں ہم نے نہایت دلکش جوا بازی رائج کر دی ہے۔ دو مسجدوں میں ہمارے بھیجے ہوئے آدمی امام ہیں۔ وہ نہایت خوبی سے اسلام کی شکل و صورت بگاڑ رہے ہیں۔ وہ جہاد کے معنی بگاڑ رہے ہیں۔ ہم نے وہاں عالموں اور فاضلوں کے بھیس میں بھی کچھ آدمی بھیج رکھے ہیں جو مسلمانوں کو جنگ و جدل کے خلاف تیار کر رہے ہیں۔ وہ دوست اور دشمن کا تصور بھی بدل رہے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر یہ توقع ہے کہ مسلمان چند برسوں تک اس ذہنی کیفیت میں داخل ہو جائیں گے جہاں وہ اپنے آپ کو بڑے فخر سے مسلمان کہیں گے مگر ان کے ذہنوں پر ان کی تہذیب و تمدن پر صلیب کا اثر ہوگا"۔

"صلاح الدین کا جاسوسی کا نظام بہت ہوشیار ہے"۔۔۔ رجب نے کہا۔۔۔ "اگر اس کے شعبۂ جاسوسی اور سراغرسانی کے سربراہ علی بن سفیان کو قتل کر دیا جائے تو صلاح الدین اندھا اور بہرہ ہو جائے"۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود کچھ بھی نہیں کر سکتے"۔۔۔ کونارڈ نے کہا۔ "آپ ایک حاکم کو قتل بھی نہیں کرا سکتے۔ اگر آپ عقل کے لحاظ سے اتنے کمزور ہیں تو آپ ہمارے آدمیوں کو بھی پکڑوا کر مروائیں گے اور ہماری دولت بھی برباد کریں گے"۔

"یہ کام میں خود کراؤں گا"۔۔۔ رجب نے کہا۔ "میں نے فدائیوں سے بات کر لی ہے۔ وہ تو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے بھی تیار ہیں"۔

☆

"آپ سوڈان کی طرف سے مصر کی سرحد پر بدامنی پیدا کرتے رہیں"۔۔۔ کونارڈ نے کہا۔ "ملک کے اندر ہم ذہنی اور دیگر اقسام کی تخریب کاری کرتے رہیں گے۔ ادھر عرب میں کئی ایک مسلمان امراء ہمارے قبضے میں آگئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو ہم نے اس قدر بے بس کر دیا ہے کہ اُن سے ہم جزیہ وصول کرتے ہیں۔ ہم چھوٹے چھوٹے حملے کر کے ان کی تھوڑی تھوڑی زمین پر قبضہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ سوڈان کی طرف سے یہی چال چلیں۔ مسلمانوں میں صرف دو شخص رہ گئے ہیں۔ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی۔ ان کے ختم ہوتے ہی اسلامی دنیا کا سورج غروب ہو جائے گا۔ بشرطیکہ آپ لوگ ثابت قدم رہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مصر آپ کا ہو گا"۔

اس قسم کی بنیادی گفت و شنید کے بعد بہت دیر تک اُن میں طریقۂ کار اور لائحہ عمل پر بحث ہوتی رہی۔ آخر کار رجب کو تین بڑی ہی دلکش اور بے حد چالاک لڑکیاں اور سونے کے ہزار ہا سکے دیئے گئے۔ اسے قاہرہ کے دو آدمیوں کے پتے دیئے گئے۔ ان میں سے کسی ایک تک ان لڑکیوں کو خفیہ طریقے سے پہنچانا تھا۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک سلطان ایوبی کے جنگی شعبے کا ایک حاکم فیض الفاطمی تھا۔ رجب کو یہ نہیں بتایا گیا کہ لڑکیوں کو کس طرح استعمال کیا جائے گا۔ اسے اتنا ہی بتایا گیا کہ فیض الفاطمی کے ساتھ ان کا رابطہ ہے۔ وہ لڑکیوں کا استعمال جانتا ہے اور لڑکیوں کو بھی معلوم ہے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ یہ تینوں عرب اور مصر کی زبان روانی سے بول سکتی تھیں۔

اسی رات تینوں لڑکیاں اور دس محافظ رجب کے ساتھ کر کے اسے روانہ کر دیا گیا۔ اسے سب سے پہلے سوڈان کے اسی پہاڑی خطے میں جانا تھا جہاں لڑکی کی قربانی دی جاتی تھی اور جہاں سلطان ایوبی کے جانبازوں نے ام عرارہ کو حبشیوں سے چھڑا کر پروہت کو ہلاک کیا اور فرعونوں کے وقتوں کی عمارتیں تباہ کی تھیں۔ رجب نے سوڈانیوں کی شکست اور العاضد کی خلافت سے معزولی کے بعد بھاگ کر اسی جگہ پناہ لی اور اسی جگہ کو اپنا اڈہ بنا لیا



تھا۔ اس نے اپنے گرد حبشیوں کا وہ قبیلہ جمع کر لیا تھا جس کے پروہت کو سلطان ایوبی نے ہلاک کرایا تھا۔ یہ لوگ ابھی تک اس جگہ کو دیوتاؤں کا مسکن کہتے تھے اور پہاڑیوں کے اندر نہیں جاتے تھے۔ اندر صرف چار بوڑھے حبشی جاتے تھے۔ ان میں ایک اس قبیلے کا مذہبی پیشوا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مرے ہوئے پروہت کا جانشین بنا لیا تھا۔ اس نے تین آدمی اپنے محافظوں کے طور پر منتخب کر لیے تھے جو اس کے ساتھ پہاڑیوں کے اندر جاتے تھے۔ رجب نے اسی چھوٹے سے خطے کے ایک اور ڈھکے چھپے گوشے کو اپنا گھر بنا لیا تھا۔ فرار ہو کر وہ وہاں گیا اور پھر مصر میں مقیم کسی صلیبی ایجنٹ کے ساتھ فلسطین چلا گیا تھا۔

☆

حبشیوں کا یہ قبیلہ جو انگوک کہلاتا تھا، خوفزدہ تھا۔ ایک تو اُن کے دیوتا کی قربانی پوری نہ ہوئی، دوسرے ان کا پروہت مارا گیا، تیسرے ان کے دیوتا کا بُت اور مسکن ہی تباہ کر دیا گیا اور چوتھی مصیبت یہ نازل ہوئی کہ قبیلے کے سینکڑوں جوان دیوتا کی توہین کا انتقام لینے گئے تو انہیں شکست ہوئی اور زیادہ تر مارے گئے۔ اس قبیلے کے گھر گھر میں ماتم ہو رہا تھا۔ ان میں سے بعض لوگ یہ بھی سوچنے لگے تھے کہ جس نے ان کے دیوتا کا بُت توڑا ہے وہ کوئی بہت بڑا دیوتا ہو گا۔ مرے ہوئے پروہت کے جانشین نے جب اپنے قبیلے کا یہ حال دیکھا تو اس نے پہلے تو یہ کہا کہ دیوتا کے مگرمچھ بھوکے ہیں، اُن کے پیٹ بھرو۔ حبشیوں نے کئی ایک بکریاں مگرمچھوں کے لیے بھیج دیں۔ ایک نے تو اونٹ پروہت کے حوالے کر دیا۔ یہ جانور کئی دنوں تک مگرمچھوں کی جھیل میں پھینکے جاتے رہے مگر قبیلے سے خوف کم نہ ہوا۔

ایک رات نئے پروہت نے قبیلے کو پہاڑی جگہ سے باہر جمع کیا اور بتایا کہ اس نے دیوتاؤں تک رسائی حاصل کی ہے۔ دیوتاؤں نے یہ اشارہ دیا ہے کہ چونکہ وقت پر لڑکی کی قربانی نہیں ہوئی اس لیے قبیلے پر یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ دیوتاؤں نے کہا ہے کہ اب بیک وقت دو لڑکیوں کی قربانی دی جائے تو مصیبت ٹل سکتی ہے ورنہ دیوتا سارے قبیلے کو چین نہیں لینے دیں گے۔ پروہت نے یہ بھی کہا کہ لڑکیاں انگوک نہ ہوں اور سوڈان کی بھی نہ ہوں، اُن کا سفید فام ہونا ضروری ہے ..... اتنا سننا تھا کہ قبیلے کے بہت سے دلیر اور نڈر آدمی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ مصر سے دو فرنگی یا مسلمان لڑکیاں اٹھا لائیں گے۔

اُدھر سے رجب فلسطین سے تین صلیبی لڑکیاں دس محافظوں کے ساتھ لا رہا تھا۔ اس کا سفر بہت لمبا تھا اور یہ سفر خطرناک بھی تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی فوج کا بھگوڑا اور باغی سالار تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سرحد کے ساتھ ساتھ سلطان ایوبی نے گشتی پہرے کا انتظام کر رکھا ہے، اس لیے وہ اپنے قافلے کو دُور کا چکر کاٹ کر لا رہا تھا۔ اُس کے قافلے میں تین اونٹ تھے جن پر پانی، خوراک اور صلیبیوں کا دیا ہوا بہت سا سامان لدا ہوا تھا۔ باقی سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد وہ دیوتاؤں کے پہاڑی مسکن میں پہنچ گئے۔ اس سے ایک ہی روز پہلے قبیلے کے پروہت نے کہا تھا کہ دو سفید فام اور سوڈان کے باہر کی لڑکیوں کی قربانی دینی ہے۔ رجب سب سے پہلے پروہت سے ملا۔ پروہت نے اس کے ساتھ تین سفید فام اور بہت ہی حسین لڑکیاں دیکھیں تو اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ لڑکیاں قربانی کے لیے موزوں تھیں۔ اس نے رجب سے لڑکیوں کے متعلق پوچھا تو رجب نے اسے بتایا کہ انہیں وہ خاص مقصد کے لیے اپنے ساتھ لایا ہے۔

رجب لڑکیوں کو پہاڑیوں کے اندر ایک ایسی جگہ لے گیا جو سرسبز اور خوشنما تھی اور تین اطراف سے پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ وہاں رجب نے خیمے گاڑ دیئے تھے۔ لڑکیوں کو چوری چھپے موقع مل دیکھ کر قاہرہ میں اُن دو آدمیوں کے حوالے کرنا تھا جن کے آتے پتے اسے صلیبیوں نے دیئے تھے۔ لڑکیوں کے آرام و آسائش کا پورا انتظام تھا۔ رجب نے وہاں شراب کا بھی انتظام کر رکھا تھا۔ رات اس نے سفر سے کامیاب لوٹنے کی خوشی میں جشن منایا۔ صلیبی محافظوں کو بھی شراب پلائی۔ لڑکیوں نے بھی پی۔

آدھی رات کے بعد جب محافظ اور اس کے اپنے چند ایک ساتھی جو پہلے ہی وہاں موجود تھے سو گئے تو رجب ایک لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے خیمے میں لے جانے لگا۔ لڑکی اس کی نیت بھانپ گئی۔ اس نے اسے کہا — "میں طوائف نہیں ہوں۔ میں یہاں صلیب کا فرض پورا کرنے آئی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ شراب پی سکتی ہوں مگر بدی قبول نہیں کروں گی۔"

رجب نے اسے ہنستے ہوئے اپنے خیمے کی طرف گھسیٹا تو لڑکی نے اپنا بازو چھڑا لیا۔ رجب نے دست درازی کی تو لڑکی دوڑ کر اپنی ساتھی لڑکیوں کے پاس چلی گئی۔ وہ دونوں بھی باہر آگئیں۔ انہوں نے رجب کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ انہیں غلط نہ سمجھے۔



رجب کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا — "میں جانتا ہوں تم کتنی پاک باز ہو۔ بے حیائی تمہارا پیشہ ہے۔"

"اس پیشے کا استعمال ہم وہاں کرتی ہیں جہاں اپنے فرض کے لئے ضروری ہوتا ہے۔" لڑکی نے کہا — "ہم عیاشی کی خاطر عیاشی نہیں کیا کرتیں۔"

رجب ان کی کوئی بات سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر لڑکیوں نے اسے کہا — "ہمارے ساتھ دس محافظ ہیں۔ وہ ہماری حفاظت کے لیے ساتھ آئے ہیں۔ انہیں کل واپس چلے جانا ہے۔ اگر ہم نے ان کی ضرورت محسوس کی تو ہم انہیں یہاں روک سکتی ہیں یا خود یہاں سے جا سکتی ہیں۔"

رجب چپ ہو گیا مگر اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ لڑکیوں کو بخشے گا نہیں۔

وہ رات گزر گئی۔ دوسرے دن رجب نے فلسطین سے ساتھ لائے ہوئے محافظوں کو رخصت کر دیا...... دن گزر گیا۔ شام کے وقت رجب لڑکیوں کے ساتھ بیٹھا ادھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا کہ پروہت اپنے چار حبشیوں کے ساتھ آگیا۔ اس نے سوڈانی زبان میں رجب سے کہا — "ہمارے دیوتا ہم سے ناراض ہیں۔ انہوں نے دو فرنگی یا مسلمان لڑکیوں کی قربانی مانگی ہے۔ یہ لڑکیاں قربانی کے لیے موزوں ہیں۔ ان میں سے دو لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو۔"

رجب چکرا گیا۔ اس نے جواب دیا — "یہ لڑکیاں قربانی کے لیے نہیں ہیں۔ ان سے ہمیں بہت کام لینا ہے اور انہی کے ہاتھوں ہمیں تمہارے دیوتاؤں کے دشمن کو مروانا ہے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" پروہت نے کہا — "تم ان لڑکیوں کو یہاں تفریح کے لیے لائے ہو۔ ہم ان میں سے دو لڑکیوں کو قربان کریں گے۔"

رجب نے بہت دلیلیں دیں مگر پروہت نے کسی ایک بھی دلیل کو قبول نہ کیا۔ اس کے دماغ پر دیوتا سوار تھے۔ اس نے اُٹھ کر دو لڑکیوں کے سروں پر باری باری ہاتھ رکھے اور کہا — "یہ دونوں دیوتا کے لیے ہیں۔ اُنحوک کی نجات ان دو لڑکیوں کے ہاتھ میں ہے۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ رک کر رجب سے کہا — "لڑکیوں کو ساتھ لے کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ تم جانتے ہو کہ ہم تمہیں فوراً ڈھونڈ لیں گے۔"

لڑکیاں سوڈان کی زبان نہیں سمجھتی تھیں۔ حبشی پروہت نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھا۔ رجب کو پریشان دیکھا تو انہوں نے رجب سے پوچھا کہ یہ حبشی کیا کہہ رہا تھا۔ رجب نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ وہ انہیں قربانی کے لیے مانگتا ہے۔ لڑکیاں

کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ تمہارے سر کاٹ کر خشک ہونے کے لیے رکھ دیں گے اور جسم جھیل میں پھینک دیں گے جہاں مگرمچھ جسموں کو کھا جائیں گے۔ لڑکیوں کے رنگ فق ہو گئے۔ انہوں نے رجب سے پوچھا کہ اس نے انہیں بچانے کے لیے کیا سوچا ہے۔ رجب نے جواب دیا۔ ”میں نے اسے سمجھانے کے لیے ساری دلیلیں دے ڈالی ہیں مگر اُس نے ایک بھی نہیں سنی۔ میں ان لوگوں کے رحم و کرم پر ہوں۔ میں تو انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہوں۔ یہ میری فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اپنے عقیدے کے اتنے پکے ہیں کہ پہلے دیوتاؤں کو خوش کریں گے، پھر میری بات سنیں گے۔“

رجب کی باتوں اور انداز سے لڑکیوں کو شک ہو گیا کہ وہ انہیں بچا نہیں سکے گا۔ یا انہیں خوش کرنے کے لیے بچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ انہوں نے گزشتہ رات رجب کی نیت کی ایک جھلک دیکھ بھی لی تھی۔ اس سے وہ اُس سے مایوس ہو گئی تھیں۔ رجب نے انہیں رسمی طور پر بھی تسلی نہ دی کہ وہ انہیں بچائے گا۔ لڑکیاں خیمے میں چلی گئیں۔ انہوں نے صورتِ حال پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچیں کہ وہ یہاں رجب کی عیاشی کا ذریعہ بننے یا حبشیوں کے دیوتا کی بھینٹ چڑھنے کے لیے نہیں آئیں۔ وہ بے مقصد موت نہیں مرنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے وہاں سے فرار کا ارادہ کیا۔ فرار ہو کر فلسطین تک خیریت سے پہنچنا آسان کام نہ تھا مگر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ یہ لڑکیاں صرف خوبصورت اور دلکش ہی نہیں تھیں، گھوڑ سواری اور سپاہ گری کی بھی انہیں تربیت دی گئی تھی تاکہ ضرورت پڑے تو اپنا بچاؤ خود کر سکیں۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے بھاگ کر فلسطین چلی جائیں گی۔

وہ رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسرے دن لڑکیوں نے اچھی طرح دیکھا کہ رات کو گھوڑے کہاں بندھے ہوتے ہیں اور وہاں سے نکلنے کا راستہ کون سا ہے۔ حبشی پروہت دن کے وقت بھی آیا اور رجب کے ساتھ باتیں کر کے چلا گیا۔ لڑکیوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔ رجب نے انہیں بتایا کہ وہ کل رات تمہیں یہاں سے لے جائیں گے۔ وہ مجھے دھمکی دے گیا ہے کہ میں نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو وہ مجھے قتل کر کے مگرمچھوں کی جھیل میں پھینک دیں گے۔ لڑکیوں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ فرار کا فیصلہ کر چکی ہیں کیونکہ انہیں رجب کی نیت پر شک ہو گیا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے رجب کے ساتھ ایسی باتیں کیں اور



ایسی باتیں اس کے منہ سے کہلوائیں جن سے پتہ چلتا تھا جیسے وہ انہیں بچانے کی بجائے حبشیوں کو خوش کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ اُسے وہیں چھپائے رکھیں اور اسے سلطان ایوبی کے خلاف فوج تیار کرنے میں مدد دیں۔ لڑکیوں کو یہ شک بھی ہوا کہ رجب انہیں ایسی نیت کے عوض بچانے کی کوشش کرے گا جو وہ اُسے نہیں دینا چاہتی تھیں۔

سارا دن اسی شش و پنج میں گزر گیا۔ رجب کو شک نہ ہوا کہ لڑکیاں بھاگ جائیں گی۔ اسے اُس وقت بھی شک نہ ہوا جب لڑکیوں نے اسے کہا کہ ایسے جہنم نما صحرا میں ایسا سرسبز خطہ قدرت کا عجوبہ ہے، آؤ ذرا اس کی سیر کرا دو۔ رجب انہیں گھمانے پھرانے لگا۔ آگے وہ بھیانک جھیل آ گئی جس کے کنارے پر پانچ چھ مگرمچھ بیٹھے تھے۔ جھیل کا پانی غلیظ اور بدبودار تھا۔ ایک لڑکی نے کہا کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے پہاڑی کے اندر چشمہ ہے۔ سب نے جب پہاڑی کے اندر دیکھا تو ایک لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ پانی پہاڑی کے اندر ایک وسیع غار بنا کر چلا گیا تھا۔ رجب نے کہا۔ ”یہ ہیں وہ مگرمچھ جو یہاں کے مجرموں کو اور قربان کی ہوئی لڑکیوں کے جسموں کو کھاتے ہیں۔“ — ایسا ہولناک منظر دیکھ کر لڑکیوں کے دلوں میں فرار کا ارادہ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔ انہوں نے سیر کے بہانے فرار کا راستہ اچھی طرح دیکھ لیا اور ایسی نرم زمین دیکھ لی جس پر گھوڑوں کے قدموں کی آواز پیدا نہ ہو۔ ان کی سیر کی خواہش کے پیچھے یہی مقصد تھا۔

اُدھر حبشی پروہت قریبی بستی میں بیٹھا قبیلے کو یہ خوشخبری سنا رہا تھا کہ قربانی کے لیے لڑکیاں مل گئی ہیں اور قربانی آج سے چوتھی رات دی جائے گی جو پورے چاند کی رات ہو گی۔ اس نے کہا کہ قربانی دیوتاؤں کے مسکن اور معبد کے کھنڈروں پر دی جائے گی اس کے بعد ہم یہ معبد خود تعمیر کریں گے اور جب یہ معبد تعمیر ہو جائے گا تو ہم اُس قوم سے انتقام لیں گے جنہوں نے ہمارے دیوتا کی توہین کی ہے۔

☆

نصف شب کا عمل تھا۔ رجب اور اس کے ساتھیوں کو لڑکیوں نے اپنے خصوصی فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتنی شراب پلا دی تھی کہ ان کی بیداری کا خطرہ ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ بے ہوش پڑے تھے۔ لڑکیوں نے سفر کے لیے سامان باندھ لیا۔ تین گھوڑوں پر زینیں کسیں، سوار ہوئیں اور اس نرم زمین پر گھوڑوں کو ڈال دیا جو انہوں نے دن

کے وقت دیکھی تھی۔ اس خطے کے ایک حصے میں چار حبشی موجود تھے لیکن وہ سوئے ہوئے تھے اور دُور تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہاں سے کوئی بھاگنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر بھاگے گا تو صحرا اُسے راستے میں ہی ختم کر دے گا، مگر لڑکیاں اس سرسبز، خوشنما اور ہولناک قید خانے سے نکل گئیں۔ وہ اسی راستے سے فلسطین جانا چاہتی تھیں جس راستے سے رجب انہیں لایا تھا۔ وہ تھیں تو غیر معمولی طور پر ذہین اور انہیں عسکری تربیت بھی دی گئی تھی مگر انہیں یہ علم نہیں تھا کہ صحرا میں اس قدر فریب چھپے ہوئے ہیں جو دانش مندوں کو بھی عقل کا اندھا کر دیا کرتے ہیں۔ اتنے طویل صحرائی سفر پر لوگ قافلوں کی صورت میں نکلا کرتے تھے اور ان کے پاس صحرا کی ہر آفت کا مقابلہ کرنے کا اہتمام ہوتا تھا۔

رات کے وقت تو صحرا سرد تھا۔ تینوں لڑکیوں نے اُس جگہ سے کچھ دُور تک گھوڑوں کو آہستہ آہستہ چلایا، پھر ایڑ لگا دی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگے۔ بہت دُور جا کر انہوں نے گھوڑوں کی رفتار کم کر دی۔ باقی رات گھوڑے اسی رفتار پر چلتے رہے۔ صبح طلوع ہوئی اللہ جب سورج اوپر آیا تو لڑکیوں کے ارد گرد ریت کے گول گول ٹیلے تھے اور ان سے آگے ریتلی مٹی کی اونچی اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ کوئی راستہ نہ تھا۔ انہوں نے سورج سے اپنی سمت کا اندازہ کیا اور ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں داخل ہو گئیں۔ گھوڑے پیاسے تھے۔ ہر گھوڑے پر پانی کا ایک ایک چھوٹا مشکیزہ تھا جو ایک دن کے لیے بھی کافی نہیں تھا۔ گھوڑوں کو کہاں سے پانی پلایا جاتا۔ لڑکیاں کسی نخلستان کی تلاش میں چلتی چلی گئیں۔ سورج اوپر اٹھتا گیا اور صحرا کو دوزخ بناتا گیا۔ نخلستان کا کہیں نشان اور تصور بھی نظر نہیں آتا تھا۔

رجب اور اس کے ساتھی سورج طلوع ہونے کے بعد بھی نہ جاگے۔ وہ تو بےہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ پروہت اپنے تین حبشیوں کے ساتھ آیا۔ اس نے سب سے پہلے لڑکیوں کے خیمے میں دیکھا۔ خیمہ خالی تھا۔ اس نے رجب کو جگایا اور کہا "دونوں لڑکیاں میرے حوالے کر دو"۔ رجب ہڑبڑا کر اٹھا اور پروہت کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ ان لڑکیوں کو ضائع نہ کرے۔ اُس نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ ان لڑکیوں سے کیا کام لینا ہے مگر پروہت نے اس کی ایک بھی بات نہ مانی۔ رجب نے اپنے ساتھیوں کو جگانا چاہا تو حبشیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ پروہت نے پوچھا "لڑکیاں کہاں ہیں؟"



رجب نے وہیں سے لڑکیوں کو پکارا تو اسے کوئی جواب نہ ملا۔ خیمے میں جا کر دیکھا۔ انہیں اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کہیں نظر نہ آئیں۔ اچانک نظر زینوں پر پڑی۔ تین زینیں غائب تھیں۔ گھوڑے دیکھے تو تین گھوڑے غائب تھے۔ رجب نے پروہت سے کہا "وہ تمہارے ڈر سے بھاگ گئی ہیں۔ تم نے بڑے کام کی لڑکیوں کو بھگا دیا ہے"۔

"انہیں تم نے بھگایا ہے"۔ پروہت نے کہا اور اپنے تین حبشیوں سے رجب کے متعلق کہا "اُسے لے جا کر باندھ دو۔ اس نے اٹوک کے دیوتا کو پھر ناراض کر دیا ہے۔ اچھے سواروں کو بلاؤ اور لڑکیوں کا پیچھا کرو۔ وہ دُور نہیں جا سکتیں"۔

رجب کے احتجاج اور منت سماجت کو نظرانداز کرتے ہوئے حبشی اسے اپنے ساتھ لے گئے اور ایک درخت کے ساتھ اُسے اس طرح باندھ دیا کہ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے سوئے ہوئے ساتھیوں کے ہتھیار اٹھا لیے گئے، پھر انہیں جگا کر دھمکی دی گئی کہ وہ یہاں سے ہلے تو قتل ہو جائیں گے ..... تھوڑی دیر بعد چھ گھوڑ سوار اور شتر سوار آ گئے۔ انہیں لڑکیوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا گیا۔ ریت پر تین گھوڑوں کے قدموں کے نشان صاف تھے۔ اسی سمت کو یہ حبشی سوار انتہائی رفتار سے روانہ ہو گئے۔ لڑکیوں کو پکڑنا آسان نہیں تھا کیونکہ فرار اور تعاقب میں آٹھ دس گھنٹوں کا فرق تھا۔ حبشی سواروں کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ صحرا کے بھیدی تھے اور مرد تھے۔ سختیاں جھیل سکتے تھے۔ آگے جا کر انہیں یہ مشکل پیش آئی کہ ہوا چل رہی تھی جس نے ریت اڑا اڑا کر گھوڑوں کے کھُرے غائب کر دیئے تھے۔ پھر بھی وہ اندازے پر چلتے گئے۔

تین چار گھنٹوں کے تعاقب کے بعد انہیں ایک طرف سے آسمان پر افق کے کچھ اوپر تک مٹیالی سرخی دکھائی دی جو اوپر اٹھتی اور آگے بڑھتی آ رہی تھی۔ سواروں نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، گھوڑوں اور اونٹوں کو پیچھے کی طرف موڑ کر سرپٹ دوڑا دیا۔ یہ صحرا کی وہ آندھی آ رہی تھی جو بڑے بڑے ٹیلوں کو ریت کے ذرّوں میں بدل کر اڑائے جاتی ہے۔ کوئی انسان یا جانور کہیں رک کر کھڑا رہے یا بیٹھ جائے تو ریت اس کے جسم کے ساتھ رک رک کر اسے زندہ دفن کر دیتی ہے اور اس پہ ٹیلا کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہاں آندھی سے بچنے کے لیے کوئی مضبوط ٹیلا نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر اپنے پہاڑی خطے تک پہنچنا چاہتے تھے جو بہت ہی دُور تھا ..... وہاں تک آندھی پہنچ گئی تھی۔ اُس خطے کے درخت دوہرے ہو ہو کر چیخ رہے تھے۔ جھیل کے گرد پہاڑی کے

آبی غاروں میں جا چھپے تھے۔ پروہت ایک جگہ زمین پر گھٹنے ٹیکے ہوئے ہاتھ ہوا میں بلند کرتا اور زور زور سے زمین پر مارتا تھا۔ ہر بار بلند آواز سے کہتا تھا — "انگوک کے دیوتا! اپنے قہر کو سمیٹ لے۔ ہم دو بہت ہی خوبصورت لڑکیاں تیرے قدموں میں پیش کر رہے ہیں۔"

وہ اس آندھی کو دیوتا کا قہر سمجھ رہا تھا۔ صحرا اور آندھی کا چولی دامن کا ساتھ تھا، لیکن سرخ اور ایسی تیز و تند آندھی کبھی کبھی چلا کرتی تھی۔ لڑکیوں کو بھی آندھی نے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ان کے لیے کوئی آڑ اور اوٹ نہیں تھی۔ وہ حبشیوں کے خطرے سے تو بہت دور نکل گئی تھیں مگر صحرا کے ایسے خطرے میں آگئیں جو اُن کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ ان کے لیے دوسری مصیبت یہ آئی کہ ریت کی بوچھاڑوں اور آندھی کے زناٹوں سے گھبرا کر تینوں گھوڑے منہ زور اور بے لگام ہو کر دوڑ پڑے۔ وہ چوں کہ اکٹھے بدکے تھے، اس لیے اکٹھے ہی دوڑتے جا رہے تھے۔ اس سے یہ فائدہ تو ہوا کہ ریت میں دب جانے کا خطرہ نہ رہا مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ بے لگام گھوڑے کہاں جا رکیں گے اور وہ جگہ اصل راستے سے کتنی دور ہوگی۔ لڑکیوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ گھوڑوں کو قابو کر لیتیں اور گھوڑوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ زیادہ دوڑ سکتے۔ وہ پیاسے تھے اور آدھی رات سے مسلسل چل رہے تھے۔

تھکن اور پیاس گھوڑوں کو بے حال کرنے لگی۔ ایک گھوڑا منہ کے بل گرا۔ اس کی سوار لڑکی ایسی گری کہ گھوڑا اٹھا اور جب پھر گرا تو لڑکی اس کے نیچے آگئی۔ اسے مرنا ہی تھا۔ کچھ اور آگے گئے تو ایک گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہو گیا۔ زین ایک طرف کو جھک گئی۔ اس کی سوار اُسی پہلو پر گری مگر بایاں پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ لڑکی زمین پر گھسیٹی جانے لگی۔ تیسری لڑکی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا اپنا گھوڑا بے قابو تھا۔ وہ اپنی ساتھی کی چیخیں سنتی رہی۔ پھر چیخیں خاموش ہو گئیں اور وہ لڑکی کی لاش کو گھوڑے کے ساتھ زمین پر جاتا دیکھتی رہی۔ اس پر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ کتنی ہی دلیر کیوں نہ تھی، آخر لڑکی تھی۔ زور زور سے رونے لگی۔ ڈھیلی زین والا گھوڑا یکلخت رک گیا۔ تیسری لڑکی اپنا گھوڑا روک نہ سکی۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ آندھی میں اسے کچھ نظر نہ آیا کہ اس گھوڑے کا کیا حشر ہوا۔ لڑکی تو یقیناً مر چکی تھی۔

تیسری لڑکی اکیلی رہ گئی۔ اس نے رکابوں سے پاؤں ذرا پیچھے کر لیے۔ اس کی دہشت زدگی کا یہ عالم تھا کہ اس نے گھوڑے کی لگام چھوڑ کر ہاتھ آسمان کی



طرف اٹھا کر جوڑ دیے اور گلا پھاڑ کر خدا کو پکارنے لگی — "میرے عظیم خدا! آسمانوں کے خدا! میرے گناہ معاف کر دے۔ میں گناہگار ہوں۔ میرا بال بال گناہگار ہے۔ میں گناہ کرنے آئی تھی۔ میں نے گناہوں میں پرورش پائی ہے۔ میرے خدا! میں اُس وقت بہت چھوٹی تھی جب مجھے بڑوں نے گناہوں کے راستے پر ڈالا تھا۔ انہوں نے مجھے گناہوں کے سبق دیتے جوان کیا اور کہا کہ جاؤ مردوں کو اپنے حسن اور اپنے جسم سے گمراہ کرو۔ ان کے ہاتھوں انسانوں کو قتل کراؤ۔ جھوٹ بولو۔ فریب دو اور بدکار بن جاؤ۔ انہوں نے بتایا تھا کہ یہ صلیب کا فرض ہے۔ تم پورا کرو گی تو جنت میں جاؤ گی" — وہ پاگلوں کی طرح چلا رہی تھی اور اس کے گھوڑے کی رفتار گھٹتی جا رہی تھی۔ زار و قطار روتے ہوئے اس نے خدا سے کہا "تیرا جو مذہب سچا ہے، مجھے اسی کا معجزہ دکھا"

اس کے عقیدے متزلزل ہو گئے تھے۔ گناہوں کے احساس نے اس کے دماغ پر قابو پا لیا تھا۔ موت کے خوف نے اسے فراموش کرا دیا تھا کہ اس کا مذہب کیا ہے۔ اسے اپنا ماضی گناہوں میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا اور اس کے دل میں یہ احساس بیدار ہوتا جا رہا تھا کہ وہ مردوں کے استعمال کی چیز ہے اور اسے دھوکے اور فریب کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے اور اب سزا صرف اس اکیلی کو مل رہی ہے۔

اسے غشی کی لہر آئی اور گزر گئی۔ اس نے دھاڑ ماری اور سر کو جھٹک کر بلند آواز سے کہا — "میری مدد کر میرے خدا! میں ابھی مرنا نہیں چاہتی" — اور اس کے ساتھ ہی اُسے یاد آگیا کہ وہ یتیم بچی ہے۔ موت کے سامنے انسان ماضی کی طرف بھاگتا ہے جو انسانی فطرت کا قدرتی ردِ عمل ہے۔ اس جوان لڑکی نے بھی ماضی میں پناہ لینے کی کوشش کی مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ماں نہیں تھی، باپ نہیں تھا، کوئی بہن بھائی نہیں تھا۔ اسے یہی کچھ یاد آیا کہ صلیبیوں نے اُسے پالا اور اس راہ پر ڈالا ہے جہاں وہ ایک بڑا ہی حسین دھوکہ بن گئی تھی۔ اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ وہ اب بخشش چاہتی تھی، نجات چاہتی تھی۔ اُسے غشی آنے لگی۔ گھوڑے کی رفتار اتنی سست ہو گئی تھی کہ وہ بمشکل چل رہا تھا اور اس کے ساتھ آندھی بھی تھمنے لگی۔ لڑکی ہوش کھو بیٹھی تھی۔

سلطان ایوبی نے سرحد کے ساتھ ساتھ گشتی پہرے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان میں سے تین دستوں کا ہیڈ کوارٹر سوڈان اور مصر کی سرحد سے چار پانچ میل اندر کی طرف تھا۔ ہیڈ کوارٹر کے خیمے ایسی جگہ نصب کیے گئے تھے جہاں آندھیوں سے بچنے کی اوٹ تھی مگر اس آندھی نے اُن کے خیمے اکھاڑ پھینکے تھے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ آندھی رُکی تو سپاہی خیمے وغیرہ سنبھالنے میں مصروف ہو گئے۔ ان تین دستوں کا کمانڈر ایک تُرک احمد کمال تھا۔ وہ ایک خوبرو اور گورے رنگ کا تنومند آدمی تھا۔ وہ بھی آندھی رُکتے ہی باہر آ گیا اور ساز و سامان اور جانوروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ فضا گرد سے صاف ہو گئی تھی۔ ایک سپاہی نے ایک طرف اشارہ کر کے اُسے کہا ——"کمانڈر! وہ گھوڑا اور سوار ہمارا تو نہیں؟" ——

"ہم نے ابھی لڑکیوں کو فوج میں شامل نہیں کیا۔" احمد کمال نے جواب دیا —— "وہ لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ بال بکھرے ہوئے صاف نظر آ رہے ہیں۔"

وہ اُسی سپاہی کو ساتھ لے کر دوڑ پڑا۔ ایک گھوڑا سر نیچے کیے نہایت ہی آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ اسے چارے کی بُو آئی تو ہیڈ کوارٹر کے گھوڑوں کی طرف چل پڑا۔ گھوڑے پر ایک لڑکی اس طرح سوار تھی کہ اُس کے بازو گھوڑے کی گردن کے اِدھر اُدھر تھے اور لڑکی آگے کو اس طرح جھکی ہوئی تھی کہ اس کا سر گھوڑے کی گردن سے ذرا پیچھے تھا۔ لڑکی کے بال بکھر کر آگے آ گئے تھے۔ احمد کمال کے پہنچنے تک گھوڑا وہاں بندھے ہوئے گھوڑوں کے پاس جا کر ان کا چارہ کھانے لگا تھا۔ احمد کمال نے لڑکی کے پاؤں رکابوں سے نکالے اور اسے گھوڑے سے اُٹھا کر بازوؤں پر اٹھا لیا۔ سپاہی سے کہا —— "زندہ ہے۔ فرنگی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے گھوڑے کو پانی پلاؤ" —— وہ لڑکی کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ لڑکی کے بال ریت سے اَٹے ہوئے تھے۔ احمد کمال نے اُس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے پھر منہ میں پانی کے قطرے ٹپکانے لگا۔

لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ چار لمحے احمد کمال کو حیرت سے دیکھتی رہی اور اچانک اٹھ کر بیٹھ گئی۔ احمد کمال کا رنگ گورا دیکھ کر اس نے انگریزی میں پوچھا —— "میں فلسطین میں ہوں؟" —— احمد کمال نے سر ہلا کر اُسے سمجھانا چاہا کہ میں یہ زبان نہیں سمجھتا۔ لڑکی نے عربی زبان میں پوچھا —— "تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟"

"میں اسلامی فوج کا معمولی سا کمانڈر ہوں۔" احمد کمال نے جواب دیا —— "اور



تم مصر میں ہو۔"

لڑکی کی آنکھیں اُبل پڑیں اور وہ اس قدر گھبرائی جیسے پھر بے ہوش ہو جائے گی۔ احمد کمال نے کہا —— "ڈرو نہیں۔ سنبھالو اپنے آپ کو" —— اس نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور کہا —— "میں جان گیا ہوں کہ تم فرنگی ہو۔ میری مہمان ہو۔ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں" —— اس نے ایک سپاہی کو بلایا اور لڑکی کے لیے پانی اور کھانا منگوایا۔

لڑکی نے لپک کر پانی کا پیالہ اٹھا لیا اور منہ سے لگا کر بے صبری سے پینے لگی۔ احمد کمال نے پیالہ اس کے ہونٹوں سے ہٹا کر کہا —— "آہستہ۔ پہلے کھانا کھاؤ۔ پانی بعد میں پینا" —— لڑکی نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا لیا۔ پھر وہ کھانا کھاتی رہی اور پانی پیتی رہی۔ اس کے چہرے پر رونق واپس آ گئی۔

احمد کمال نے ایک خیمہ الگ لگوا رکھا تھا جو اس کا غسل خانہ تھا۔ وہاں پانی کی کمی نہیں تھی۔ خیمہ گاہ ایک نخلستان کے قریب تھی۔ احمد کمال نے کھانے کے بعد لڑکی کو غسل والے خیمے میں داخل کر کے پردے باندھ دیے۔ لڑکی نے غسل تو کر لیا لیکن وہ بہت ہی خوف زدہ تھی کیونکہ وہ اپنے دشمن کی پناہ میں آ گئی تھی جہاں اسے اچھے سلوک کی توقع نہیں تھی۔ اس کے ذہن میں بچپن سے یہ ڈالا جاتا رہا تھا کہ مسلمان وحشی ہوتے ہیں اور عورت کے لیے تو وہ درندے ہیں۔ اس خوف کے ساتھ اس پر حبشیوں کا، مگرمچھوں کا اور صحرائی آندھی کا خوف طاری تھا۔ اپنے ساتھ کی دونوں لڑکیوں کی موت اور وہ بھی ایسی بھیانک موت، اس کے رونگٹے کھڑے کر رہی تھی۔ اس نے غسل کرتے ہوئے بڑی شدت سے محسوس کیا تھا کہ وہ اپنے ناپاک وجود کو دھونے کی کوشش کر رہی ہے جسے دنیا کا پانی پاک نہیں کر سکتا۔ اُس نے کسمپرسی کی حالت میں تنگ آ کر اپنے آپ کو صورتِ حال کے حوالے کر دیا۔

احمد کمال نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ایسے حسن اور ایسے دلگداز جسم والی لڑکی معمولی لڑکی نہیں۔ مصر کے اس حصے میں ایسی فرنگی لڑکی کیسے آ سکتی تھی؟ اس نے لڑکی سے پوچھا تو لڑکی نے جواب دیا کہ وہ قافلے سے بچھڑ گئی ہے۔ آندھی میں گھوڑا بے لگام ہو گیا تھا۔ احمد کمال ایسے جواب سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے تین چار اور سوال کیے تو لڑکی کے ہونٹ کانپنے لگے۔ احمد کمال نے کہا —— "اگر تم یہ کہتی کہ تم اغوا کی ہوئی لڑکی ہو اور آندھی نے تمہیں چھڑا دیا ہے تو شاید میں

مان جاتا۔ تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آتا۔"

اتنے میں اس سپاہی نے جو احمد کمال کے ساتھ تھا۔ خیمے کا پردہ اٹھایا اور ایک تھیلا اور ایک مشکیزہ احمد کمال کو دے کر کہا کہ یہ اس لڑکی کے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ احمد کمال تھیلا کھولنے لگا تو لڑکی نے گھبرا کر تھیلے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ احمد کمال نے تھیلا اسے دے کر کہا۔ "تو خود کھول کر دکھا دو۔"

لڑکی کی زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔ اس نے بچوں کے انداز سے تھیلا پیٹھ پیچھے کر لیا۔ احمد کمال نے کہا۔ "یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں تمہیں کہہ دوں کہ جاؤ چلی جاؤ۔ مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تمہیں روکوں، لیکن ایک ایسی لڑکی کو جو آبادیوں سے دور اکیلی گھوڑے پر بے ہوشی کی حالت میں بھٹکتی ہوئی پائی گئی ہے اسے میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ میرا انسانی فرض ہے۔ مجھے اپنا ٹھکانہ بتا دو۔ میں تمہیں اپنے سپاہیوں کے ساتھ حفاظت سے پہنچا دوں گا۔ اگر نہیں بتاؤ گی تو تمہیں مشتبہ لڑکی سمجھ کر قاہرہ اپنی حکومت کے پاس بھیج دوں گا۔ تم مصری نہیں ہو۔ تم سوڈانی نہیں ہو۔"

لڑکی کے آنسو بہنے لگے۔ وہ جس مصیبت سے گزر کر آئی تھی اس کی دہشت اور ہولناکی اس پر پہلے ہی غالب تھی۔ اس نے تھیلا احمد کمال کے آگے پھینک دیا۔ احمد نے تھیلا کھولا تو اس میں سے کچھ کھجوریں، دو چار چھوٹی موٹی عام سی چیزیں نکلیں اور ایک تھیلی نکلی۔ یہ کھولی تو اس میں سے سونے کے بہت سے سکے اور ان میں سونے کی باریک سی زنجیر کے ساتھ چھوٹی سی سیاہ لکڑی کی صلیب نکلی۔ احمد کمال اس سے یہی سمجھ سکا کہ لڑکی عیسائی ہے۔ اسے غالباً معلوم نہیں تھا کہ جو عیسائی مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے صلیبی لشکر میں شامل ہوتا ہے وہ ایک صلیب پر حلف اٹھاتا ہے اور چھوٹی سی ایک صلیب ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہے۔ احمد کمال نے اسے کہا کہ اس تھیلے میں میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔

"اگر میں یہ سارا سونا تمہیں دے دوں تو میری مدد کرو گے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"کیسی مدد؟"

"مجھے فلسطین پہنچا دو۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "اور مجھ سے کوئی سوال نہ پوچھو۔"

"میں فلسطین تک بھی پہنچا دوں گا لیکن سوال ضرور پوچھوں گا۔"

"اگر مجھ سے کچھ بھی نہ پوچھو تو اس کا الگ انعام دوں گی۔"



"وہ کیا ہوگا؟"

"گھوڑا تمہیں دے دوں گی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "اور تین دنوں کے لیے مجھے اپنی لونڈی سمجھ لو۔"

احمد کمال نے اس سے پہلے ہاتھ میں کبھی اتنا سونا نہیں اٹھایا تھا اور اس نے ایسا حیران کن حسن اور جسم بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنے سامنے پڑے ہوئے سونے کے چمکتے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھا پھر لڑکی کے ریشم جیسے بالوں کو دیکھا جو سونے کے تاروں کی طرح چمک رہے تھے، پھر اس کی آنکھوں کو دیکھا جن میں وہ طلسماتی چمک تھی جو بادشاہوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا کرتی ہے۔ وہ تنومند مرد تھا کمانڈر تھا۔ ان دستوں کا حاکم تھا جو سرحد پر پہرہ دے رہے تھے۔ اسے روکنے ٹوکنے اور پکڑنے والا کوئی نہ تھا مگر اس نے سکے تھیلی میں ڈالے، صلیب بھی تھیلی میں رکھی، اور تھیلی لڑکی کی گود میں رکھ دی۔

"کیوں؟" لڑکی نے پوچھا۔ "یہ قیمت تھوڑی ہے؟"

"بہت تھوڑی۔" احمد کمال نے کہا۔ "ایمان کی قیمت خدا کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔" لڑکی نے کچھ کہنا چاہا لیکن احمد کمال نے اسے بولنے نہ دیا اور کہا۔ "میں اپنا فرض اور اپنا ایمان فروخت نہیں کر سکتا۔ سارا مصر میرے اعتماد پر آرام کی نیند سوتا ہے۔ تین مہینے گزرے سوڈانیوں نے قاہرہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر میں یہاں نہ ہوتا اور اگر میں اُن کے ہاتھ اپنا ایمان فروخت کر دیتا تو یہ لشکر قاہرہ میں داخل ہو کر تباہی بپا کر دیتا۔ تم مجھے اُس لشکر سے زیادہ خطرناک نظر آتی ہو۔ کیا تم جاسوس نہیں ہو؟"

"نہیں!"

"تم یہی بتا دو کہ تمہیں آندھی نے کسی ظالم کے پنجے سے بچایا ہے یا تم آندھی سے بچ کر نکلی ہو؟" لڑکی نے بے معنی سا جواب دیا تو احمد کمال نے کہا۔ "مجھے تمہارے متعلق یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ کون ہو اور کہاں سے آئی ہو۔ میں کل تمہیں قاہرہ کے لیے روانہ کر دوں گا۔ وہاں ہمارا جاسوسی اور سراغرسانی کا ایک محکمہ ہے۔ وہ جانے اور تم جانو۔ میرا فرض پورا ہو جائے گا۔"

"اگر اجازت دو تو میں اس وقت ذرا آرام کر لوں۔" لڑکی نے کہا۔ "کل جب قاہرہ کے لیے مجھے روانہ کرو گے تو شاید تمہارے سوالوں کا جواب دے دوں۔"

لڑکی رات بھر کی جاگی ہوئی اور دن کے ایسے خوفناک سفر کی تھکی ہوئی تھی۔ بیٹی

اور سو گئی۔ احمد کمال نے دیکھا کہ وہ نیند میں بڑبڑاتی تھی۔ بے چینی میں سر ادھر ادھر مارتی تھی اور ایسے پتہ چلتا تھا جیسے خواب میں رو رہی ہو۔ احمد کمال نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ ایک مشکوک فرنگی لڑکی پکڑی گئی ہے جسے کل قاہرہ بھیجا جائے گا۔ اس کے ساتھی احمد کمال کے کردار سے واقف تھے۔ کوئی بھی ایسا شک نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے لڑکی کو بدنیتی سے اپنے خیمے میں رکھا ہے۔ اس نے لڑکی کا گھوڑا دیکھا تو وہ حیران ہوا کیونکہ گھوڑا اعلیٰ نسل کا تھا اور جب اس نے زین دیکھی تو اس کے شکوک رفع ہو گئے۔ زین کے نیچے مصری فوج کا نشان تھا۔ یہ گھوڑا احمد کمال کی اپنی فوج کا تھا۔

حبشیوں نے آندھی کی وجہ سے تعاقب ترک کر دیا تھا۔ وہ واپس زندہ پہنچ گئے تھے۔ پروہت نے فیصلہ دے دیا تھا کہ لڑکیاں آندھیاں میں ماری گئی ہوں گی۔ لہٰذا تعاقب میں کسی کو بھیجنا بیکار ہے۔ وقت بھی بہت گزر گیا تھا۔ لیکن رجب پر آفت نازل ہو رہی تھی۔ اُس سے حبشی بار بار یہی ایک سوال پوچھتے تھے۔ "لڑکیاں کہاں ہیں؟" — اور وہ قسمیں کھا کھا کر کہتا تھا کہ مجھے معلوم نہیں۔ حبشیوں نے اسے اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ تلوار کی نوک سے اس کے جسم میں زخم کرتے اور اپنا سوال دہراتے تھے۔ حبشیوں نے اس کے ساتھیوں کو بھی درختوں کے ساتھ باندھ دیا اور ان کے ساتھ بھی یہی ظالمانہ سلوک کرنے لگے۔ رجب کو خدا اپنی قوم اور اپنے ملک سے غداری کی سزا دے رہا تھا۔ رات کو بھی اسے نہ کھولا گیا۔ اس کا جسم چھلنی ہو گیا تھا۔

احمد کمال کے خیمے میں لڑکی سوئی ہوئی تھی۔ وہ سورج غروب ہونے سے پہلے جاگی تھی۔ احمد کمال نے اسے کھانا کھلایا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر سو گئی تھی۔ اس سے دو تین قدم دُور احمد کمال سویا ہوا تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ خیمے میں دیا جل رہا تھا۔ اچانک لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ احمد کمال کی آنکھ کھل گئی۔ لڑکی بیٹھ گئی تھی۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ احمد کمال اس کے قریب ہو گیا۔ لڑکی تیزی سے سرک کر اس کے ساتھ لگ گئی اور روتے ہوئے بولی — "اُن سے بچاؤ۔ وہ مجھے مگرمچھوں کے آگے پھینک رہے ہیں۔ وہ میرا سر کاٹنے لگے ہیں۔"

"کون؟"

"وہ بھدے حبشی۔" لڑکی نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ یہاں آئے تھے۔"

احمد کمال کو حبشیوں کی قربانی کا علم تھا۔ اُسے شک ہوا کہ اسے شاید قربان کرنے



کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا تو لڑکی نے بازو احمد کمال کے گلے میں ڈال دیئے۔ کہنے لگی: "مت پوچھو۔ میں خواب دیکھ رہی تھی"۔ احمد کمال دیکھ رہا تھا کہ وہ تو بہت ہی ڈری ہوئی ہے۔ اس نے اسے تسلیاں دیں اور یقین دلایا کہ یہاں اسے اٹھانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ لڑکی نے کہا — "میں سو نہیں سکوں گی۔ تم میرے ساتھ باتیں نہیں کر سکتے؟ میں اکیلی جاگ نہیں سکوں گی۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

احمد کمال نے کہا — "میں تمہارے ساتھ جاگتا رہوں گا۔" — اس نے لڑکی کے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا — "جب تک میرے پاس ہو تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا۔ لڑکی کے ساتھ اس نے حبشیوں کے متعلق یا اس کے متعلق کوئی بات نہ کی نہ پوچھی۔ اسے ترکی اور مصر کی باتیں سناتا رہا۔ لڑکی اس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ احمد کمال کا لب و لہجہ شگفتہ تھا۔ اس نے لڑکی کا خوف دُور کر دیا اور لڑکی سو گئی۔

لڑکی کی آنکھ کھلی تو صبح طلوع ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ احمد کمال نماز پڑھ رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھتی رہی۔ احمد کمال نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور آنکھیں بند کر لیں۔ لڑکی اس کے چہرے پہ نظریں جمائے بیٹھی رہی۔ احمد کمال فارغ ہوا تو لڑکی نے پوچھا — "تم نے خدا سے کیا مانگا تھا؟"

"بدی کے مقابلے کی ہمت!" احمد کمال نے جواب دیا۔

"تم نے خدا سے کبھی سونا اور خوبصورت بیوی نہیں مانگی؟"

"یہ دونوں چیزیں خدا نے بغیر مانگے مجھے دے دی تھیں" — احمد کمال نے کہا — "لیکن ان پر میرا کوئی حق نہیں۔ یہ شاید خدا نے میرا امتحان لینا چاہا تھا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ خدا نے تمہیں بدی کا مقابلہ کرنے کی ہمت دی ہے؟"

"تم نے دیکھا نہیں ہے؟" احمد کمال نے جواب دیا۔ "تمہارا سونا اور تمہارا حسن مجھے اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکے۔ یہ میری کوشش اور اللہ کی دین ہے۔"

"کیا خدا گناہ معاف کر دیا کرتا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ہاں! ہمارا خدا گناہ معاف کر دیا کرتا ہے۔" احمد کمال نے جواب دیا۔ "شرط یہ ہے کہ گناہ بار بار نہ کیا جائے۔"

لڑکی نے سر جھکا لیا۔ احمد کمال نے جب اس کی سسکیاں سنیں تو اس کا چہرہ اوپر

اٹھایا۔ وہ رو رہی تھی۔ لڑکی نے احمد کمال کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے کئی بار چوما۔ احمد کمال نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ لڑکی نے کہا۔ "آج ہم جُدا ہو جائیں گے۔ تم مجھے قاہرہ بھیج دو گے۔ میں اب آزاد نہیں ہو سکوں گی۔ میرا دل مجبور کر رہا ہے کہ تمہیں بتا دوں کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں۔ پھر تمہیں بتاؤں گی کہ میں اب کیا ہوں۔"

"ہماری روانگی کا وقت ہو گیا ہے۔" احمد کمال نے کہا۔ "میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔ میں اتنی نازک اور اتنی خطرناک ذمہ داری کسی اور کو نہیں سونپ سکتا۔"

"یہ نہیں سنو گے کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں؟"

"اٹھو!" احمد کمال نے کہا۔ "یہ سننا میرا کام نہیں۔" وہ خیمے سے باہر نکل گیا۔

☆

کچھ دیر بعد قاہرہ کی سمت چھ گھوڑے جا رہے تھے۔ ایک پر احمد کمال تھا۔ اس کے پیچھے دوسرے گھوڑے پر لڑکی تھی۔ اس کے پیچھے پہلو بہ پہلو چار گھوڑے محافظوں کے تھے اور ان کے پیچھے ایک اونٹ جس پر سفر کا سامان، پانی اور خوراک وغیرہ تھی جا رہا تھا۔ قاہرہ تک کم و بیش چھتیس گھنٹوں کا سفر تھا۔ لڑکی نے دو مرتبہ اپنا گھوڑا اس کے پہلو میں کر لیا اور دونوں مرتبہ احمد کمال نے اسے کہا کہ وہ اپنا گھوڑا اس کے اور محافظوں کے درمیان رکھے۔ اس کے سوا اس نے لڑکی کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔

سورج غروب ہونے کے بعد احمد کمال نے قافلے کو روک لیا اور پڑاؤ کا حکم دیا۔

رات لڑکی کو احمد کمال نے اپنے خیمے میں سلایا۔ اس نے دیا جلتا رکھا۔ وہ گہری نیند سویا ہوا تھا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ کسی نے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اس نے لڑکی کو اپنے پاس بیٹھے دیکھا۔ لڑکی کا ہاتھ اس کے ماتھے پر تھا۔ احمد کمال تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ لڑکی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے احمد کمال کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور اُسے چوم کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔ احمد کمال اسے دیکھتا رہا۔ لڑکی نے آنسو پونچھ کر کہا۔ "میں تمہاری دشمن ہوں۔ تمہارے ملک میں جاسوسی کے لیے اور تمہارے بڑے بڑے حاکموں کو آپس میں لڑانے کے لیے اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کا انتظام کرنے کے لیے فلسطین سے آئی ہوں، لیکن اب میرے دل سے دشمنی نکل گئی ہے۔"

"کیوں؟" احمد کمال نے کہا۔ "تم بزدل لڑکی ہو۔ اپنی قوم سے غداری کر رہی ہو۔ سُولی پر کھڑے ہو کر بھی کہو کہ میں صلیب پر قربان ہو رہی ہوں۔"



"اس کی وجہ سُن لو۔" اس نے کہا۔ "تم پہلے مرد ہو جس نے میرے حسن اور میری جوانی کو قابلِ نفرت چیز کہہ کر ٹھکرایا ہے۔ ورنہ کیا اپنے کیا بیگانے، مجھے کھلونا سمجھتے رہے۔ میں نے بھی اسی کو زندگی کا مقصد سمجھا کہ مردوں کے ساتھ کھیلو، دھوکے دو اور عیش کرو۔ میری تربیت ہی اسی مقصد کے تحت ہوئی تھی۔ جسے تم لوگ بے حیائی کہتے ہو وہ میرے لیے ایک فن ہے، ایک ہتھیار ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ مذہب کیا ہے اور خدا کے احکام کیا ہیں۔ صرف صلیب ہے جس کے متعلق مجھے بچپن میں ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ یہ خدا کی دی ہوئی نشانی ہے اور یہ عیسائیت کی عظمت کی علامت ہے اور یہ کہ ساری دنیا پر حکمرانی کا حق صرف صلیب کے پجاریوں کو حاصل ہے اور یہ کہ مسلمان صلیب کے دشمن ہیں۔ انہیں اگر زندہ رہنا ہے تو صلیبیوں کے قدموں میں رہ کر زندہ رہیں..... میں انہی چند ایک باتوں کو مذہب کے بنیادی اصول سمجھتی رہی۔ مجھے مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے کی تربیت دی گئی تو اسے بھی مذہبی فریضہ کہا گیا.....

"کیا تم اپنے ایک سالار رجب کو جانتے ہو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"وہ خلیفہ کے محافظ دستوں کا سالار ہے۔" احمد کمال نے کہا۔ "وہ بھی سوڈانیوں کے حملے کی سازش میں شامل تھا۔"

"اب کہاں ہے؟"

"معلوم نہیں۔" احمد کمال نے کہا۔ "مجھے صرف یہ علم ملا ہے کہ رجب فوج سے بھگوڑا ہو گیا ہے۔ جہاں کہیں نظر آئے اُسے پکڑ لو اور بھاگے تو تیر مار کر اسے ختم کر دو۔"

"میں بتاؤں وہ کہاں ہے؟" لڑکی نے کہا۔ "وہ سوڈان میں حبشیوں کے پاس ہے۔ وہاں ایک خوشنما جگہ ہے۔ وہاں حبشی، لڑکیوں کو دیوتا کے آگے قربان کرتے ہیں۔ رجب وہاں ہے۔ میں جانتی ہوں وہ فوج کا بھگوڑا ہے۔ ہم تین لڑکیاں اس کے ساتھ فلسطین سے آئی تھیں۔"

"باقی دو کہاں ہیں؟"

لڑکی نے آہ بھری اور کہا۔ "وہ مر گئی ہیں۔ انہی کی موت نے مجھے بدل ڈالا ہے۔"

لڑکی نے احمد کمال کو ایک لمبی کہانی کی طرح سنایا کہ وہ کس طرح فلسطین سے رجب کے ساتھ آئی تھیں۔ کس طرح حبشیوں نے ان میں سے دو لڑکیوں کو دیوتا کے نام پر ذبح کرنا چاہا، رجب انہیں بچا نہ سکا، کس طرح وہ وہاں سے بھاگیں اور راستے میں دو لڑکیاں کس طرح آندھی میں ماری گئیں۔ اس نے کہا۔ "میں اپنے آپ کو شہزادی سمجھتی

تھی۔ میں نے بادشاہوں کے دلوں پر حکمرانی کی ہے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ خدا بھی ہے اور موت بھی ہے۔ مجھے گناہوں میں ڈبو دیا گیا اور میں ڈوبتی چلی گئی۔ عجیب لذت تھی اس ڈوبنے میں، مگر مجھے وہ مگرمچھ دکھائے گئے جن کے آگے ذبح کی ہوئی لڑکیوں کے جسم پھینکے جاتے ہیں۔ مگرمچھ پانی کے کنارے سوئے ہوئے تھے۔ اُن کے چمڑے اور مکروہ جسم دیکھ کر میں کانپ گئی۔ وہ میرے اس جسم کو جس نے بادشاہوں کے سر جھکائے تھے، ان مگرمچھوں کی خوراک بنانا چاہتے تھے۔ میں نے وہ بدصورت، سیاہ کالے حبشی دیکھے جو میرا سر میرے جسم سے الگ کرنے کے لیے آ گئے تھے۔ موت کے پروں کی آواز مجھے سنائی دینے لگی تھی۔ میری رگ رگ بیدار ہو گئی۔ میرے اندر سے مجھے آواز سنائی دی۔ اپنے حسن اور اتنے دل نشین جسم کا انجام دیکھ۔ ہم جان کی بازی لگا کر اپنے گھر سے نکلی تھیں۔ ہمیں یہ کہہ کر رجب کے ساتھ فلسطین سے بھیجا گیا تھا کہ یہ شخص ہماری حفاظت کرے گا لیکن اس شخص نے میرے ساتھ دست درازی کی....

"ہم وہاں سے بھاگیں۔ آندھی میں گھوڑے بے قابو ہو کر بھاگ اٹھے۔ ہمارے لیے صحرا میں کوئی پناہ نہیں تھی۔ ہم آندھی اور گھوڑوں کے رحم و کرم پر تھیں۔ پہلے ایک لڑکی گری۔ میں نے اُسے گھوڑے کے نیچے آتے دیکھا۔ پھر دوسری لڑکی گھوڑے سے گری تو پاؤں رکاب میں پھنس جانے کی وجہ سے گھوڑے نے اسے دو میل سے زیادہ فاصلے تک گھسیٹا۔ اس کی چیخیں میرا جگر چاک کر رہی تھیں۔ میں اب بھی اس کی چیخیں سن رہی ہوں۔ جب تک زندہ رہوں گی، یہ چیخیں سنتی رہوں گی۔ پھر وہ لڑکی لاش بن گئی۔ میرا گھوڑا ساتھ ساتھ دوڑا آ رہا تھا مگر میرے قابو میں نہیں تھا۔ وہ لڑکی بھی اپنے گھوڑے کے ساتھ پیچھے رہ گئی۔ میں اب اکیلی تھی۔ مجھے خدا نے ان دو لڑکیوں کو مار کر بتا دیا تھا کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ وہ مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور شوخ تھیں۔ ان میں حسن کا غرور بھی تھا۔ انھوں نے بھی بادشاہوں کو انگلیوں پر نچایا تھا مگر ایسی بھیانک موت مریں کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ اب وہ ریت کی گمنام قبروں میں دفن ہو گئی ہیں۔ میں اکیلی رہ گئی۔ آندھی کے زناٹے موت کے قہقہے بن گئے۔ مجھے اپنے سر کے اوپر، آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں چڑیلیں، بدروحیں، بھوت اور موت کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ میں بدھو اور بیوقوف لڑکی نہیں ہوں۔ دماغ روشن ہے۔ میں نے جان لیا کہ خدا مجھے گناہوں کی سزا دے رہا ہے۔ ایسی ہیبت ناک موت اور ایسی ہولناک آندھی۔ وہ تم نے بھی دیکھی ہے۔ مجھے خدا یاد



آ گیا۔ میں نے خدا کو بلند آواز سے پکارا۔ رو رو کر گناہوں سے توبہ کی اور معافی مانگی۔ پھر میں بے ہوش ہو گئی....

"اور جب ہوش میں آئی تو میں تمہارے قبضے میں تھی۔ تمہاری گوری رنگت دیکھ کر میں خوش ہوئی کہ تم یورپی ہو اور میں فلسطین میں ہوں۔ اسی دھوکے میں میں نے اپنی زبان میں پوچھا تھا کہ کیا میں فلسطین میں ہوں۔ جب مجھے پتہ چلا کہ میں مسلمانوں کے قبضے میں ہوں تو میرا دل بیٹھ گیا۔ میں آندھی سے بچ کر اپنے دشمن کے قبضے میں آ گئی تھی۔ مسلمانوں کے متعلق مجھے بتایا گیا تھا کہ عورتوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کرتے ہیں لیکن تم نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی مجھے توقع نہیں تھی۔ تم نے سونا ٹھکرا دیا اور تم نے مجھے بھی ٹھکرا دیا۔ میں اس قدر خوف زدہ تھی کہ میں کہتی تھی کہ خواہ کوئی مل جائے، مجھے پناہ دے دے اور مجھے سینے سے لگا لے۔ تمہارے متعلق مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ تمہارا کردار پاک ہے۔ مجھے یہ توقع تھی کہ رات کو تم مجھے پریشان کرو گے۔ میں خواب میں بھی مگرمچھوں، حبشیوں اور آندھی کی دہشت دیکھتی رہی۔ میں ڈر کر اٹھی تو تم نے مجھے سینے سے لگا لیا اور بچوں کی طرح مجھے کہانیاں سنا کر میرا خوف دُور کر دیا اور جب رات گزر گئی تو میں نے جاگتے ہی تمہیں خدا کے آگے سجدے میں دیکھا۔ تم نے جب دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور آنکھیں بند کر لی تھیں اس وقت تمہارے چہرے پر مسرت، سکون اور نور تھا۔ میں اس شک میں پڑ گئی کہ تم انسان نہیں فرشتہ ہو، کوئی انسان سونے اور مجھ جیسی لڑکی سے منہ نہیں موڑ سکتا....

"میں نے تمہارے چہرے پر جو سکون اور مسرت دیکھی تھی اس نے میرے آنسو نکال دیئے۔ میں تم سے پوچھنا چاہتی تھی کہ یہ سکون تمہیں کس نے دیا ہے۔ میں تمہارے وجود سے اتنی متاثر ہوئی کہ میں نے تمہیں دھوکے میں رکھنا بہت بڑا گناہ سمجھا۔ میں تمہیں یہ کہنا چاہتی تھی کہ میں تمہیں اپنے متعلق ہر ایک بات بتا دوں گی۔ اس کے عوض مجھے یہ کردار اور یہ سکون دے دو اور میرے دل سے وہ دہشت اتار دو جو مجھے بڑی ہی تلخ اذیت دے رہی ہے مگر تم نے میری بات نہ سنی۔ تمہیں فرض عزیز تھا۔"

اس نے احمد کمال کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور کہا۔ "تم شاید اسے بھی دھوکہ سمجھو، لیکن میرے دل کی بات سن لو۔ میں تم سے جُدا نہیں ہو سکوں گی۔ میں نے کل تمہیں گناہ کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے اپنی لونڈی سمجھو، مگر اب میں ساری عمر

کے لیے تمہارے قدموں میں بیٹھی رہوں گی۔ مجھے اپنی لونڈی بنالو اور اس کے عوض مجھے وہ سکون دے دو جو میں نے نماز کے وقت تمہارے چہرے پر دیکھا تھا۔"

"میں تمہیں بالکل نہیں کہوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے رہی ہو۔" احمد کمال نے کہا۔ "میری مجبوری یہ ہے کہ میں اپنی قوم کو اور اپنی فوج کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ تم میرے پاس امانت ہو، میں خیانت نہیں کر سکتا۔ میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک کیا وہ میرا فرض تھا۔ یہ فرض اس وقت ختم ہوگا جب میں تمہیں متعلقہ محکمے کے حوالے کروں گا اور وہ مجھے حکم دے گا کہ احمد کمال تم واپس چلے جاؤ۔"

وہ اُسے دھوکہ نہیں دے رہی تھی۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ "تمہارے حاکم جب مجھے سزائے موت دیں گے تو تم میرا ہاتھ پکڑے رکھنا۔ اب یہی ایک خواہش ہے۔ میں تمہیں ایسی بات نہیں کہوں گی کہ مجھے فلسطین پہنچا دو۔ میں تمہارے فرض کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ مجھے صرف اتنا کہہ دو کہ میں نے تمہارا پیار قبول کر لیا ہے۔ میں تمہیں یہ بھی نہیں کہوں گی کہ مجھے اپنی بیوی بنالو کیونکہ میں ایک ناپاک لڑکی ہوں۔ مجھے تربیت دینے والوں نے پتھر بنا دیا تھا۔ میں یہ بھی سمجھتی تھی کہ میرے اندر انسانی جذبات نہیں رہے لیکن خدا نے مجھے بڑے ہی پُرچل طریقے سے سمجھا دیا کہ انسان پتھر نہیں بن سکتا اور وہ ایک نہ ایک دن مجبور ہو کر کسی سے پوچھتا ہے کہ سیدھا راستہ کون سا ہے؟"

رات گزرتی جا رہی تھی اور وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ احمد کمال نے اس سے پوچھا۔ "تم جیسی لڑکیوں کو ہمارے ملک میں بھیج کر اُن سے کیا کام لیا جاتا ہے؟"

"بہت سے کام کرائے جاتے ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "بعض کو مسلمان امراء کے حرموں میں مسلمان کے روپ میں داخل کر دیا جاتا ہے جہاں وہ تربیت کے مطابق امراء اور وزراء پر غالب آ جاتی ہیں۔ اُن سے صلیبیوں کی پسند کے افراد کو عہدے دلاتی ہیں۔ جو حاکم صلیبیوں کے خلاف ہو اس کے خلاف کارروائیاں کراتی ہیں۔ مسلمان لڑکیاں اتنی چالاک نہیں ہوتیں۔ انہیں اپنی خوبصورتی پر ناز ہوتا ہے۔ وہ حرموں کے لیے منتخب تو ہو جاتی ہیں لیکن ایک عیسائی یا یہودی لڑکی انہیں بیکار کر کے اپنا غلام بنا لیتی ہے۔ اس وقت تک اسلامی حکومت کے امیروں اور وزیروں اور قلعہ داروں کی آدھی تعداد کے فیصلے میری قوم کے حق میں ہوتے ہیں .... لڑکیوں کا ایک گروہ اور بھی ہے۔ یہ لڑکیاں اسلامی



نام سے مسلمانوں کی بیویاں بن جاتی ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ اچھے درجے کے مسلمان گھرانوں کی لڑکیوں کے دماغ اور کردار خراب کرتی ہیں۔ ان کے لڑکوں کو بدی کے راستے پر ڈالتی اور شریف گھرانوں کی لڑکیوں اور لڑکوں کے معاشقے کراتی ہیں۔ مجھ جیسی صلیبی لڑکیاں چوری چھپے تمہارے ایسے حاکموں کے پاس آتی ہیں جو ہمارے ہاتھ میں کھیل رہے ہوتے ہیں۔ ان حاکموں کو سونے کے سکوں کی صورت میں معاوضہ ملتا رہتا ہے۔ وہ مجھ جیسی لڑکیوں کو حفاظت میں ایسے طریقے سے رکھتے ہیں، جن سے ان پر ذرا سا شک بھی نہیں ہوتا۔ یہ لڑکیاں اعلیٰ درجے کے حاکموں کے درمیان رقابت اور غلط فہمیاں پیدا کرتی اور صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے خلاف ناپسندیدگی پیدا کرتی ہیں۔ مجھے دو لڑکیوں کے ساتھ اسی کام کے لیے رجب کے حوالے کیا گیا تھا۔"

وہ اسے صلیبیوں کی درپردہ کارروائیوں اور مسلمانوں کی ایمان فروشی کی تفصیل سناتی رہی۔ احمد کمال سنتا رہا۔

☆

دوسرے دن سورج غروب ہونے سے بہت پہلے یہ قافلہ قاہرہ پہنچ گیا۔ احمد کمال علی بن سفیان کے پاس گیا اور اسے لڑکی کے متعلق تمام تر رپورٹ دے کر لڑکی اس کے حوالے کر دی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ رجب حبشیوں کے پاس ہے اور اس نے اس جگہ کو اڈہ بنا رکھا ہے جہاں حبشی لڑکی کی قربانی دیا کرتے تھے۔ احمد کمال نے یہ بھی کہا کہ اگر اسے حکم دیا جائے تو وہ رجب کو زندہ یا مردہ وہاں سے لا سکتا ہے۔ علی بن سفیان نے ایسا حکم نہ دیا کیونکہ اس مقصد کے لیے اس کے پاس تربیت یافتہ فوجی تھے۔ احمد کمال نے وہ طریقہ بتا دیا جس سے رجب تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اس نے یہ طریقہ لڑکی کی سنائی ہوئی باتوں کے مطابق سوچا تھا۔ علی بن سفیان پہلے ہی ایک پارٹی سوڈان بھیج چکا تھا۔ اس نے لڑکی سے تفتیش کرنے سے پہلے چار نہایت ذہین کماندار بلائے اور انہیں احمد کمال کے حوالے کر کے حکم دیا کہ اس کے مطابق وہ سوڈان فوراً چلے جائیں اور رجب کو لانے کی کوشش کریں۔ اس نے احمد کمال کو واپسی سے پہلے آرام کے لیے بھیج دیا اور لڑکی کو اپنے پاس بلایا۔

لڑکی سے اس نے پہلا سوال کیا تو لڑکی نے جواب دیا۔ "احمد کمال میرے سامنے بیٹھا رہے گا تو جو پوچھو گے بتا دوں گی ورنہ زبان نہیں کھولوں گی خواہ جلاّد کے حوالے کردو۔"

علی بن سفیان نے احمد کمال کو بلا کر اس کے سامنے بٹھا دیا۔ لڑکی نے مسکرا کر بولنا شروع کر دیا۔ اس نے کچھ بھی نہ چھپایا اور آخر میں کہا۔ "مجھے سزا دینی ہے تو میری ایک آخری خواہش پوری کردو۔ میں احمد کمال کے ہاتھ سے مرنا چاہتی ہوں۔" اس نے تفصیل سے سنا دیا کہ وہ احمد کمال کی مُرید کیوں بن گئی ہے۔

علی بن سفیان نے لڑکی کو قید میں ڈالنے کی بجائے احمد کمال کی تحویل میں رہنے دیا اور سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔ اسے لڑکی کا سارا بیان سنایا۔ اس نے کہا۔ "آپ کا معتمد فیض الفاطمی ہمارا دشمن ہے۔ لڑکیوں کو اس کے پاس آنا تھا۔" سلطان ایوبی کا فوری ردِعمل یہ تھا۔ "وہ جھوٹ بکتی ہے۔ تمہیں گمراہ کر رہی ہے۔ فیض الفاطمی ایسا حاکم نہیں۔"

"امیرِ محترم! آپ بھول گئے ہیں کہ وہ فاطمی ہے؟" علی بن سفیان نے کہا۔ "آپ شاید یہ بھی بھول گئے ہیں کہ فاطمی اور فدائیوں کا گہرا رشتہ ہے۔ یہ لوگ آپ کے وفادار ہو ہی نہیں سکتے۔"

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ وہ غالباً سوچ رہا تھا کہ کس پر بھروسہ کرے۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "علی! میں تمہیں یہ اجازت نہیں دوں گا کہ فیض الفاطمی کو گرفتار کرلو۔ کوئی ایسی ترکیب کرو کہ وہ جرم کرتا پکڑا جائے۔ میں اسے موقعہ پر پکڑنا چاہتا ہوں اور یہ موقعہ پیدا کرنا تمہارا کام ہے۔ وہ جنگ جیسے اہم شعبے کا حاکم ہے۔ سلطنت کے جنگی راز اس کے پاس ہیں۔ مجھے بہت جلدی یہ ثبوت چاہیے کہ وہ ایسے گھناؤنے جرم کا مجرم ہے یا نہیں۔"

علی بن سفیان سراغرسانی کا ماہر تھا۔ خدا نے اسے دماغ ہی ایسا دیا تھا۔ اس نے ایک ترکیب سوچ لی اور سلطان ایوبی سے کہا۔ "لڑکی جن مراحل سے گذر کر آئی ہے ان کی دہشت نے اس کا دماغ ماؤف کر دیا ہے اور وہ احمد کمال کے لیے جذباتی ہو گئی ہے کیونکہ اس شخص نے اسے دہشت سے بچایا اور ایسا سلوک کیا ہے کہ لڑکی اس کے بغیر بات ہی نہیں کرتی۔ مجھے امید ہے کہ میں اسی لڑکی کو استعمال کر سکوں گا۔"



"کوشش کر دیکھو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن یاد رکھو، میں واضح ثبوت اور شہادت کے بغیر تمہیں اجازت نہیں دوں گا کہ فیض الفاطمی کو گرفتار کرو۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ وہ بھی دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔"

علی بن سفیان لڑکی کے پاس گیا اور اسے اپنا مدعا بتایا۔ لڑکی نے کہا۔ "احمد کمال کہے تو میں آگ میں بھی کود جاؤں گی۔" ـــ احمد کمال نے اسے کہا۔ "جیسے یہ کہتے ہیں ویسے کردو۔ ان کی بات سمجھ لو۔"

"اس کا مجھے کیا انعام ملے گا؟" ـــ لڑکی نے پوچھا۔

"تمہیں پوری حفاظت سے فلسطین کے قلعہ شوبک میں پہنچا دیا جائے گا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اور یہاں تمہیں پوری عزّت سے رکھا جائے گا۔"

"نہیں!" ـــ لڑکی نے کہا۔ "یہ انعام بہت تھوڑا ہے۔ مجھے منہ مانگا انعام دو۔ میں اسلام قبول کروں گی اور احمد کمال میرے ساتھ شادی کرلے۔"

احمد کمال نے صاف انکار کر دیا۔ علی بِن سفیان اسے باہر لے گیا۔ احمد کمال نے کہا کہ یہ بے شک اسلام قبول کرلے لیکن میں اسے پھر بھی اسلام کا دشمن سمجھوں گا۔ علی بن سفیان نے اسے کہا۔ "ملک اور قوم کی سلامتی کی خاطر تمہیں یہ قربانی دینی ہوگی۔" ـــ احمد کمال مان گیا۔ اس نے اندر جا کر لڑکی سے کہا۔ "میں چونکہ تمہیں ابھی تک بے اعتبار لڑکی سمجھ رہا ہوں اس لیے شادی سے انکار کیا ہے۔ اگر تم ثابت کردو کہ تمہارے دل میں میرے مذہب کے لیے قربانی کا جذبہ ہے تو میں تمام عمر تمہارا غلام رہوں گا۔"

لڑکی نے علی بن سفیان سے کہا۔ "کہو مجھے کیا کرنا ہے۔ میں بھی دیکھ لوں گی کہ مسلمان اپنے وعدے کے کتنے پکے ہوتے ہیں۔ میری ایک شرط یہ بھی ہے کہ احمد کمال میرے ساتھ رہے گا۔"

علی بن سفیان نے اس کی یہ شرط بھی مان لی اور اپنے ایک اہل کار کو بلا کر احمد کمال اور لڑکی کے لیے رہائش کے انتظام کا حکم دے دیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور لڑکی کو احمد کمال کی موجودگی میں بتانے لگا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔

☆

تیسرے دن علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے آدمی حبشیوں کی اُس مقدس جگہ پہنچ گئے جہاں سے لڑکیاں بھاگی تھیں اور جہاں رجب حبشیوں کا قیدی تھا۔ یہ چھ

آدمی تھے اور سب اونٹوں پر سوار تھے۔ انہوں نے بھیس نہیں بدلا تھا۔ وہ مصری فوج کے لباس میں تھے۔ ان کے پاس برچھیاں، تیروکمان اور تلواریں تھیں۔ انہیں احمد کمال نے لڑکیوں کی روئیداد سنا دی تھی۔ اس کے مطابق علی بن سفیان نے انہیں طریقۂ کار سمجھا دیا تھا۔ وہ پہاڑی خطّے کے اندر گئے جسے پہاڑیوں نے قلعہ بنا رکھا تھا۔ ایک برچھی نہ جانے کہاں سے آئی اور ان کے سامنے زمین میں گڑ گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رک جاؤ، تم گھیرے میں ہو۔ وہ رک گئے۔ حبشی پروہت سامنے آیا۔ اس کے ساتھ تین حبشی تھے جن کے پاس برچھیاں تھیں۔ حبشی نے انہیں خبردار کیا کہ وہ اس کے چھپے ہوئے تیر اندازوں کی زد میں ہیں۔ اگر انہوں نے کوئی غلط حرکت کی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔

سب نے اپنے ہتھیار حبشیوں کے آگے پھینک دیئے اور اونٹوں سے اُتر آئے۔ ان کے قائد نے حبشی پروہت سے ہاتھ ملا کر کہا۔ "ہم تمہارے دوست ہیں۔ تحفے لے کے آئے ہیں، تمہاری محبت لے کے جائیں گے .... کیا تم نے تینوں لڑکیوں کی قربانی دے دی ہے؟"

"ہم نے کسی لڑکی کی قربانی نہیں دی" — پروہت نے غصّے سے جواب دیا۔ "تم کیوں پوچھتے ہو؟"

ہم مصری فوج کے باغی ہیں" — جماعت کے قائد نے جواب دیا — "ہم تمہاری اس فوج کے سپاہی ہیں جو مسلمانوں سے تمہارے دیوتا کی توہین کا انتقام لے گی۔ ہمیں تمہارے آدمیوں نے بتایا تھا کہ انہیں شکست اس لیے ہوئی ہے کہ لڑکی کی قربانی نہیں دی جا سکی۔ ہم رجب کے ساتھ تھے۔ ہم نے اسے کہا کہ ہم تین فرنگی لڑکیاں اغوا کر کے لے آئیں گے اور ایک کی بجائے تین لڑکیاں قربان کریں گے اور دیوتا کے مگرمچھوں کو کھلائیں گے۔ ہم بڑی دُور سے تین لڑکیاں ورغلا کر اور بہت سے لالچ دے کر لے آئے اور رجب کے حوالے کر دی تھیں۔ وہ انہیں یہاں لے آیا تھا۔ ہم یہ دیکھنے آئے ہیں کہ لڑکیوں کی قربانی دی جا چکی ہے یا نہیں۔"

حبشی پروہت دھوکے میں آگیا۔ اس نے کہا۔ "رجب نے ہمارے ساتھ کمینگی کی ہے۔ وہ لڑکیاں لے آیا تھا مگر اس کی نیت خراب ہو گئی تھی۔ اس نے لڑکیوں کو یہاں سے بھگا دیا لیکن ہم نے اسے نہیں بھاگنے دیا۔ اسے پوری سزا دی ہے۔ لڑکیاں ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہیں۔ کیا تم دو لڑکیوں کا بندوبست کر سکتے



ہو؟ دیوتاؤں کا قہر سخت ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہم ضرور بندوبست کریں گے" — قائد نے کہا — "تھوڑے دنوں تک ہم دو لڑکیاں لے آئیں گے۔ ہمیں رجب کے پاس لے چلو۔ ہم اس سے پوچھیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں؟"

حبشی پروہت سب کو اپنے ساتھ لے گیا۔ ایک جگہ مٹی کا ایک چوڑا اور گول برتن رکھا تھا جو ایسے ہی ایک برتن سے ڈھکا ہوا تھا۔ پروہت نے اوپر والا برتن اُٹھا کر نیچے والے برتن میں ہاتھ ڈالا۔ جب اُس نے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں رجب کا سر تھا۔ چہرے کا ہر ایک نقش بالکل صحیح اور سلامت تھا۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئی تھیں۔ منہ بند تھا۔ یہ سر اور چہرہ گردن سے کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا گیا تھا۔ اسے پانی ٹپک رہا تھا۔ یہ کوئی دوائی تھی جس میں حبشیوں نے سر ڈالا ہوا تھا تاکہ خراب نہ ہو۔ پروہت نے کہا — "اس کا جسم مگرمچھوں کو کھلا دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھیوں کو ہم نے زندہ جھیل میں پھینک دیا تھا۔ مگر یہ جھوٹے تھے۔"

"اگر ہمیں یہ سر دے دو تو ہم اپنے تمام ساتھیوں کو دکھائیں گے" ایک نے کہا — "اور انہیں بتائیں گے کہ جو اُنگوک کے دیوتا کی توہین کرے گا اس کا یہ انجام ہوگا۔"

"تم اس شرط پر لے جا سکتے ہو کہ کل سورج غروب ہونے سے پہلے واپس لے آؤ گے" — پروہت نے کہا — "یہ اُنگوک کے دیوتا کی ملکیت ہے۔ اگر واپس نہیں لاؤ گے تو تمہارا سر جسم سے جدا ہو جائے گا۔"

☆

تیسرے روز رجب کا سر سلطان صلاح الدین ایوبی کے قدموں میں پڑا تھا اور سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔

اسی رات کا واقعہ ہے — احمد کمال اور لڑکی اس مکان کے برآمدے میں سوئے ہوئے تھے جو انہیں رہائش کے لیے دیا گیا تھا۔ اس مکان میں رہتے ہوئے انہیں چھ روز گزر گئے تھے۔ اس دوران لڑکی احمد کمال سے کہتی رہی تھی کہ وہ فوراً مسلمان ہونے کو تیار ہے اور احمد کمال اس کے ساتھ شادی کر لے، لیکن احمد کمال یہی ایک جواب دیتا تھا — "پہلے فرض پورا کریں گے"۔ لڑکی نے دو تین بار اس خدشے کا بھی اظہار کیا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوگا۔ احمد کمال اسے ابھی ایک

ہاتھ دور ہی رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران لڑکی کے دل سے دہشت اُتر گئی تھی اور اب وہ ہوشمندی سے سوچنے کے قابل ہو گئی تھی۔

اُس رات وہ اور احمد کمال برآمدے میں سوئے ہوئے تھے۔ باہر ایک سپاہی پہرے پر کھڑا تھا۔ آدھی رات سے کچھ دیر پہلے پہرہ دار مکان کے ارد گرد گھومنے کے لیے آہستہ آہستہ چلا تو کسی نے پیچھے سے اس کی گردن بازو میں جکڑ لی۔ فوراً بعد اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا گیا۔ ہاتھ اور پاؤں بھی رسیوں میں جکڑے گئے۔ وہ چار آدمی تھے۔ مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ایک آدمی دیوار سے پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا دوسرا اس کے کندھوں پر چڑھ کر دیوار پھلانگ گیا۔ اندر سے اس نے دروازہ کھول دیا۔ باقی تین آدمی بھی اندر چلے گئے۔ ایک جو سب سے زیادہ قوی ہیکل تھا، اس نے لڑکی کے منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ لڑکی کے جاگنے تک اس نے لڑکی کو دبوچ لیا اور اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ تین آدمیوں نے احمد کمال کو رسیوں سے جکڑ کر اور منہ پر کپڑا باندھ کر پلنگ پر ہی پڑا رہنے دیا۔ اسے مزاحمت کی مہلت ہی نہ ملی۔ باہر جا کر انہوں نے لڑکی پر کمبل ڈال دیا تاکہ کوئی دیکھ لے تو اسے پتہ نہ چل سکے کہ اس آدمی کے کندھوں پر لڑکی ہے۔

شہر سے چار پانچ میل دُور فرعونوں کے وقتوں کی ایک بہت ہی وسیع و عریض اور بھول بھلیوں جیسی عمارت کے کھنڈر تھے۔ ان کے متعلق لوگ بہت سی ڈراؤنی باتیں کیا کرتے تھے کہ عمارت کے اندر ایک بلند چٹان ہے۔ اس چٹان کو کاٹ کر بہت سے کمرے اور ان کمروں کے نیچے بھی کمرے بنے ہوئے تھے۔ ان کے اندر وہی جا کر واپس آ سکتا تھا جو ان سے واقف تھا۔ بہت مدت سے کسی نے ان کھنڈروں کے اندر جانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ مشہور ہو گیا تھا کہ اندر جنوں بھوتوں کا بسیرا ہے۔ اندر سانپوں کا بسیرا تو ضرور ہی تھا۔ سانپوں کے ڈر سے لوگ اس کھنڈر کے قریب سے بھی نہیں گزرتا تھا۔ بڑی خوفناک کہانیاں سنی سنائی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود یہ چار آدمی جو لڑکی کو اغوا کر کے لے گئے تھے، ان کھنڈروں میں داخل ہو گئے اور داخل بھی اس طرح ہوئے جیسے یہی ان کا گھر تھا۔

وہ غار نما کمروں، غلام گردشوں اور اندھیری گلیوں میں سے بغیر رُکے گزرتے گئے۔ آگے مشعلوں کی روشنی تھی۔ ان کے قدموں کی آہٹوں سے چمگادڑ اُڑتے اور پھڑپھڑاتے تھے۔ چھپکلیاں اور رینگنے والی کئی چیزیں اِدھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھیں۔



اندر مکڑیوں کے جالے اور کائی بھی تھی۔۔۔۔ وہ چٹان میں بنے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہاں ایک آدمی مشعل لیے کھڑا تھا جو ان کے آگے آگے چل پڑا۔ آگے سیڑھیاں تھیں جو نیچے اترتی تھیں۔ وہ سب نیچے اتر گئے اور ایک طرف مڑ کر ایک وسیع کمرے میں داخل ہو گئے۔ وہاں فرش پر بستر بچھا تھا۔ اس کے ساتھ بڑی خوشنما دری تھی۔ کمرہ سجا ہُوا تھا۔ لڑکی کو بستر پر ڈال کر اس کے منہ سے کپڑا کھول دیا گیا — لڑکی غصے سے بولی — "میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا ہے؟ میں مر جاؤں گی کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دوں گی۔"

"اگر تمہیں وہاں سے اٹھوا نہ لیا جاتا تو کل صبح تمہیں جلاد کے حوالے کر دیا جاتا۔" ایک آدمی نے کہا — "میرا نام فیض الفاطمی ہے۔ تمہیں میرے پاس آنا تھا۔ باقی دو کہاں ہیں؟ تم اکیلی کیسے پکڑی گئی ہو؟ رجب کہاں ہے؟"

لڑکی مطمئن ہو گئی اور بولی — "میں خدا کا شکر بجا لاتی ہوں جس نے مجھے بڑی بڑی خوفناک مصیبتوں سے بچا لیا۔ میں منزل پر پہنچ گئی ہوں" — اس نے فیض الفاطمی کو رجب، حبشیوں، آندھی، دو لڑکیوں کی موت اور احمد کمال کے ہتھے چڑھ جانے کی ساری روئیداد سنا دی۔ فیض الفاطمی نے اسے تسلی دی اور ان چاروں آدمیوں کو جو لڑکی کو اٹھا لائے تھے، سونے کے چھ چھ ٹکڑے دیئے اور کہا — "تم اب اپنی اپنی جگہ سنبھال لو۔ میں تھوڑی دیر بعد چلا جاؤں گا۔ یہ لڑکی تین چار روز یہیں رہے گی۔ میں رات کو آیا کروں گا۔ باہر جب اس کی تلاش ختم ہو جائے گی تو اسے لے جاؤں گا۔"

چاروں آدمی چلے گئے اور کھنڈر کے چاروں طرف ایسی جگہوں پر بیٹھ گئے جہاں سے باہر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ فیض الفاطمی کے ساتھ ایک ہی آدمی رہ گیا جو مصری فوج کا کماندار تھا۔ اندر فیض الفاطمی اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا اور دو لڑکیوں کی موت کا اسے غم بھی تھا۔ اسے رجب کے انجام کا ابھی علم نہیں تھا۔ اس نے کہا — "رجب کو وہاں سے نکالنا ضروری ہے۔ اس نے علی بن سفیان اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کا کچھ انتظام کیا تھا جس کا مجھے ابھی علم نہیں کہ کیا تھا۔ اس نے غالباً فدائیوں سے معاملہ طے کیا ہے۔ یہ دونوں قتل اب بہت ضروری ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں کوئی نیا منصوبہ بنانا ہے۔ میں دوسرے ساتھیوں سے بات کر کے تمہیں کل بتاؤں گا۔ ابھی آرام کرو۔ مجھے واپس جانا ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی کو آپ پر اعتماد ہے؟" — لڑکی نے پوچھا۔

"اتنا زیادہ کہ اپنی ذاتی باتوں میں بھی مجھ سے مشورہ لیتا ہے"۔ فیض الفاطمی نے جواب دیا۔

"مجھے پتہ چلا ہے کہ اعلیٰ حکام میں صلاح الدین ایوبی کے وفاداروں کی تعداد بہت زیادہ ہے"۔ لڑکی نے کہا۔ "اور فوج بھی اس کی وفادار ہے"۔

"یہ صحیح ہے"۔ کمانڈر جو وہاں موجود تھا بولا۔ "اس کا سراغرسانی کا محکمہ بہت ہوشیار ہے جہاں کوئی سر اٹھاتا ہے۔ اس کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔ اعلیٰ حکام میں دو اور ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ان کے نام آپ کو محترم فیض الفاطمی بتا سکیں گے"۔

فیض الفاطمی نے دونوں نام بتا دیئے اور مسکرا کر لڑکی سے کہا۔ "تمہیں اعلیٰ سطح پر ہی کام کرنا ہے۔ صرف دو حکام کے درمیان چپقلش پیدا کرنی ہے اور دو کو زہر دینا ہے جو تم آسانی سے دے سکو گی مگر اب مشکل یہ پیدا ہو گئی ہے کہ تمہیں کسی محفل میں نہیں لے جا سکیں گے۔ تم پردہ نشین مسلمان لڑکی کے بھیس میں کام کرو گی، ورنہ پکڑی جاؤ گی۔ ہو سکتا ہے میں تمہیں واپس فلسطین بھیج دوں اور کسی اور لڑکی کو بلاؤں جسے یہاں کوئی پہچان نہ سکے۔ میرا گروہ بہت ذہین اور سرگرم ہے۔ یہ سالاروں سے نیچے کمانڈروں کی سطح کا گروہ ہے۔ یہ چار آدمی جو تمہیں اتنی دلیری سے اٹھا لائے ہیں، اسی گروہ کے افراد ہیں۔ ہم نے ایوبی کی فوج میں بے اطمینانی پھیلانی شروع کر دی ہے۔ قوم اور فوج کو ایک دوسری سے متنفر کرنا ضروری ہے۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ شامی اور ترک فوجی مصری عوام میں اپنے اچھے سلوک، کردار اور لڑنے کے جذبے کی بدولت بہت مقبول ہیں اور عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ سوڈانیوں کو شکست دے کر انہوں نے شہریوں کے دلوں میں عزت کا اضافہ کر لیا ہے۔ ہمیں فوج کی اس عزّت کو مجروح کرنا ہے۔ سالاروں اور دیگر فوجی حکام کو رسوا کرنا ہے۔ اس کے بغیر ہم صلیبیوں اور سوڈانیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ باہر کا حملہ ناکام رہے گا۔ فوج اسے کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ قوم فوج کا ساتھ دے گی۔ اگر اس وقت ایک طرف سے صلیبی اور دوسری طرف سے سوڈانی حملہ کر دیں تو قوم اور فوج مل کر قاہرہ کو ایسا قلعہ بنا دے گی جسے فتح کرنا ناممکن ہوگا۔ قاہرہ کو فتح کرنے کے لیے ہمیں زمین ہموار کرنی ہوگی۔ لوگوں کے ذہنوں میں وہم اور وسوسے اور نوجوانوں کے کردار میں جنس پرستی اور آوارگی پیدا کرنی ہوگی"۔



"مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ کام دو سال سے ہو رہا ہے"۔ لڑکی نے کہا۔

"خاصی کامیابی بھی ہوئی ہے"۔ فیض الفاطمی نے کہا۔ "بدکاری میں اضافہ ہو گیا ہے مگر صلاح الدین ایوبی نے ایک تو نئے مدرسے کھول دیئے ہیں، دوسرے مسجدوں میں خطبے سے خلیفہ کا نام نکال کر کوئی اور ہی رنگ پیدا کر دیا ہے اور لڑکوں کو عسکری تعلیم دینی شروع کر دی ہے"۔

☆

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ ان چار آدمیوں میں سے ایک آیا اور فیض الفاطمی سے کہا۔ "ابھی باہر نہ جانا۔ کچھ گڑبڑ ہے"۔

فیض الفاطمی گھبرایا۔ اس آدمی کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ایک اونچی جگہ چھپ کر دیکھا۔ آدھی رات کے پورے چاند نے باہر کے ماحول کو روشن کر رکھا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم لوگوں نے بے احتیاطی کی ہے۔ یہ تو فوجی معلوم ہوتے ہیں۔ گھوڑے بھی ہیں۔ تم چاروں طرف سے دیکھو، میں کدھر سے نکل سکتا ہوں"۔

"میں دیکھ چکا ہوں"۔ اس آدمی نے جواب دیا۔ "یوں نظر آتا ہے جیسے ہم مکمل گھیرے میں ہیں۔ آپ وہیں چلے جائیں۔ مشعلیں بجھا دیں۔ وہاں سے نکلنے کی غلطی نہ کریں۔ وہاں تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا"۔

فیض الفاطمی کھنڈروں میں غائب ہو گیا اور یہ آدمی جو پہرہ دے رہا تھا بلند جگہ سے اُتر کر اندر کو جانے کی بجائے دیواروں کے ساتھ ساتھ چھپتا باہر نکل گیا۔ باہر کا یہ عالم تھا کہ پچاس کے قریب پیادہ فوجی تھے اور بیس پچیس گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے سارے کھنڈر کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ یہ پہرہ دار ان تک گیا اور ایک فوجی سے پوچھا۔ "علی بن سفیان کہاں ہیں؟"۔ اسے بتایا گیا تو وہ دوڑتا ہوا گیا۔ اس دستے کی کمان علی بن سفیان خود کر رہا تھا۔ اُس کے ساتھ احمد کمال تھا۔ پہرہ دار نے انہیں کہا۔ "اندر کوئی ایسا خطرہ نہیں۔ آپ کے ساتھ دو آدمی بھی کافی ہیں۔ میرے ساتھ آئیں"۔ یہ پہرہ دار ان چار آدمیوں میں سے تھا جنہوں نے لڑکی کو اغوا کیا تھا۔

علی بن سفیان نے دو مشعلیں روشن کرائیں۔ احمد کمال اور چار عسکریوں کو ساتھ لیا۔ دو کے ہاتھوں میں مشعلیں دیں۔ سب نے تلواریں نکال لیں اور اس آدمی کے ساتھ کھنڈر میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی کسی طرف سے

آیا اور دوڑتا ہُوا اندر کی طرف چلا گیا ہے — علی بن سفیان کے راہنما نے کہا — "یہ ان کا آدمی ہے۔ وہ اندر والوں کو خبردار کرنے چلا گیا ہے۔ آپ تیز چلیں۔"

وہ سب دوڑ پڑے۔ اگر یہ لوگ راہنما کے بغیر ہوتے تو اِن بھول بھلیوں میں بھٹک جاتے یا ڈر کر وہاں سے بھاگ آتے۔ راہنما کے ساتھ وہ بڑی اچھی رفتار سے جا رہے تھے۔ کسی طرف سے ایک اور آدمی دوڑتا آیا۔ اس کی انہیں یہ آواز سنائی دی — "میں اُدھر جا رہا ہوں۔ تیز چلو" — یہ راہنما کا ساتھی تھا۔

وہ اس چٹانی کمرے میں پہنچ گئے جس سے سیڑھیاں نیچے اُترتی تھیں۔ نیچے سے انہیں آوازیں سنائی دیں۔ "ہمارے ساتھ دھوکہ ہُوا ہے۔ یہ دونوں اُن کے آدمی ہیں" — پھر تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سنائی دیں اور یہ آواز بھی آئی — "اسے بھی ختم کردو۔ یہ گواہی نہ دے سکے۔"

علی بن سفیان اور احمد کمال مشعل برداروں کے پیچھے دوڑتے پھلانگتے نیچے اُترے۔ اس کمرے میں پہنچے تو وہاں خون بہہ رہا تھا۔ لڑکی پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔ فیض الفاطمی کے ساتھ جو کماندار تھا وہ اور ایک اور آدمی فیض الفاطمی اور ایک پہرہ دار سے لڑ رہے تھے۔ علی بن سفیان نے فیض الفاطمی کو للکارا۔

فیض الفاطمی نے جب اپنے خلاف بہت سی تلواریں دیکھیں تو اس نے تلوار پھینک دی۔ احمد کمال نے دوڑ کر لڑکی کو سنبھالا۔ اس کا پیٹ چاک ہو چکا تھا۔ احمد کمال نے فرش پر بچھے ہوئے بستر سے چادر اٹھا کر لڑکی کے پیٹ پر کس کر باندھ دی اور علی بن سفیان سے کہا — "مجھے اجازت ہو تو اسے باہر لے جاؤں؟" علی بن سفیان نے اسے اجازت دیدی۔ احمد کمال نے لڑکی کو بازوؤں پر اٹھا لیا۔ وہ سخت تکلیف میں تھی۔ پھر بھی اس نے مسکرا کر احمد کمال سے کہا — "میں نے فرض پورا کر دیا ہے۔ تمہارے مجرم پکڑوا دیئے ہیں۔"

فیض الفاطمی اور لڑکی کو اغوا کرنے والے چار میں سے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ باقی دو آدمی اور ایک کماندار جو فیض الفاطمی کے ساتھ تھے، علی بن سفیان کے آدمی تھے۔ یہ ایک ڈرامہ تھا جو فیض الفاطمی کو موقعہ پر گرفتار کرنے کے لیے کھیلا گیا تھا۔ لڑکی نے پورا پورا تعاون کیا لیکن زخمی ہو گئی۔ یہ ڈرامہ اس طرح تیار کیا گیا تھا کہ لڑکی سے وہ خفیہ الفاظ معلوم کیے گئے جو اس کے گروہ کو ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے استعمال کرنے تھے۔ لڑکی نے یہ بھی بتا دیا کہ اسے



فیض الفاطمی کے پاس جانا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنے تین ذہین جاسوس استعمال کیے جن میں ایک کماندار کے عہدے کا تھا۔ انہیں خفیہ الفاظ بتائے اور کہا کہ وہ فیض الفاطمی تک رسائی حاصل کریں اور اسے بتائیں کہ تین میں سے ایک لڑکی یہاں آ گئی ہے لیکن وہ فلاں مکان میں قید ہے جہاں سے اسے نکالا جا سکتا ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ وہ فیض الفاطمی کو رجب کا جھوٹا پیغام دیں کہ اس لڑکی کو بچاؤ اور اپنی کارروائیاں تیز کردو۔

ان جاسوسوں نے تین دنوں کے اندر فیض الفاطمی تک رسائی حاصل کر لی اور اس پر ثابت کر دیا کہ وہ اس کے زمین دوز گروہ کے افراد ہیں۔ فیض الفاطمی کو یہ خطرہ بھی تھا کہ لڑکی چونکہ قید میں ہے اس لیے اذیت کے زیرِ اثر بتا دے گی کہ وہ بھی اُس کے ساتھ ہے۔ فیض الفاطمی کے لیے اپنا تحفظ ضروری تھا۔ لہٰذا اس نے لڑکی کے اغوا کا منصوبہ بنایا۔ اس میں اس نے کماندار کو اپنے ساتھ رکھا۔ دو آدمی علی بن سفیان کے بھیجے ہوئے اور دو اپنے ملا کر ان کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ لڑکی کو اٹھا لائیں گے اور کھنڈر میں پہنچا دیں گے۔ اس کھنڈر کو انہوں نے کچھ عرصے سے اپنا خفیہ اڈہ بنا رکھا تھا۔ منصوبہ بن گیا تو علی بن سفیان تک پہنچ گیا۔ پانچ چھ دنوں میں احمد کمال اور لڑکی کو بتایا گیا کہ وہ برآمدے میں سوئیں گے اور رات کو لڑکی اغوا ہو گی جس کے خلاف وہ مزاحمت نہیں کریں گے۔ مکان کے باہر ہر وقت ایک سپاہی پہرے پر رہتا تھا۔ اس رات جو آدمی پہرے پر تھا وہ سپاہی نہیں بلکہ علی بن سفیان کے محکمے کا جاسوس تھا۔ اسے معلوم تھا کہ رات کو اس پر حملہ ہو گا اور حملہ کس طرح کا ہو گا۔ حملہ کرنے والا علی بن سفیان کا آدمی تھا۔ اگر فیض الفاطمی کا آدمی ہوتا تو وہ اسے خنجر مار کر ہلاک کر دیتا۔

اُس رات فیض الفاطمی اور کماندار کھنڈر میں چلے گئے۔ مقررہ وقت پر پہرے دار پر حملہ ہُوا۔ دیوار پھلانگی گئی۔ اس وقت احمد کمال جاگ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لڑکی کو اٹھا لیا گیا ہے لیکن وہ آنکھیں بند کر کے لیٹا رہا۔ اس نے تڑپنا اس وقت شروع کیا جب وہ رسیوں میں بندھ چکا تھا۔ لڑکی کو کھنڈر میں پہنچا دیا گیا۔ یہ ڈرامہ اس لیے کھیلا گیا تھا کہ فیض الفاطمی نے اغوا کا منصوبہ بنایا اور اس میں اپنے دو آدمی شامل کر دیئے تھے۔ ان پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہ حقیقی اغوا ہے اور اس میں کوئی دھوکہ فریب نہیں۔ آخر دم تک شک نہ ہُوا۔ اغوا کے بعد علی بن سفیان نے پہرہ دار اور احمد کمال

کی رسیاں کھولیں۔ پیادہ سپاہی اور سوار تیار تھے۔ تھوڑے سے وقفے کے بعد وہ کھنڈر کی طرف روانہ ہوگئے اور کھنڈر کو گھیرے میں لے لیا۔

انہیں سب سے پہلے علی بن سفیان کے ہی ایک آدمی نے دیکھا جس نے فیض الفاطمی کو جاکر اطلاع دی۔ اسے باہر لا کر گھیرا دکھایا اور یہ مشورہ دیا کہ وہ اسی کمرے میں چلا جائے۔ اُسے اُدھر بھیج کر یہ آدمی باہر نکل گیا اور علی بن سفیان اور احمد کمال کو اندر لے گیا۔ یہ اس آدمی کی دانشمندی تھی کہ اس نے فیض الفاطمی کو اسی کمرے میں چھپے رہنے پر قائل کر لیا تھا۔ اگر وہ کھنڈر کے بھول بھلیوں جیسے کمروں، برآمدوں، گلیوں اور تہ خانوں میں نکل جاتا تو اسے پکڑنا آسان نہ ہوتا۔ کھنڈر بہت وسیع اور پیچیدہ تھے۔ باہر تو چاندنی تھی لیکن اندر تاریکی تھی جس میں تعاقب کیا جاتا تو اپنے آدمیوں کے مارے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ بالکل آخری وقت فیض الفاطمی کو پتہ چلا کہ کماندار اور دو آدمی اس کے ساتھی نہیں بلکہ اسے دھوکے میں یہاں لائے ہیں۔ لڑکی سے یہ غلطی ہوئی کہ اس کے منہ سے کچھ ایسے الفاظ نکل گئے جس سے ظاہر ہوگیا کہ یہ بھی اس دھوکے میں شریک ہے۔ فیض الفاطمی کے دو ساتھی اس کے پاس پہنچ گئے۔ دھوکہ بے نقاب ہوگیا اور لڑائی شروع ہوگئی۔ فیض الفاطمی نے لڑکی کے پیٹ میں نوک کی طرف سے تلوار ماری اور اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ اس نے لڑکی کو غالباً اس لیے بھی قتل کرنا ضروری سمجھا تھا کہ وہ اس کے خلاف گواہی دینے کے لیے بھی زندہ نہ رہے۔

فیض الفاطمی اور اس کے ساتھیوں کو قید میں ڈال دیا گیا۔ علی بن سفیان نے تینوں کو الگ الگ قید میں رکھا اور تینوں کو رجب کا سر دکھا کر کہا —— "اپنے دوست کا انجام دیکھ لو۔ اگر تمہیں یہ توقع ہے کہ تمہیں فوراً سزا دے دی جائے گی تو یہ خیال دماغوں سے نکال دو۔ جب تک اپنے پورے گروہ کو سامنے نہیں لاؤ گے تمہیں شکنجے میں باندھے رکھوں گا۔ جینے بھی نہیں دوں گا مرنے بھی نہیں دوں گا۔"

لڑکی کی حالت اچھی نہیں تھی۔ طبیبوں اور جراحوں نے اسے بچانے کی پوری کوشش کر ڈالی مگر کٹی ہوئی انتڑیوں کا کوئی علاج نہ ہو سکا۔ وہ پھر بھی مطمئن تھی جیسے اسے پیٹ کے مہلک زخم کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ اس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ احمد کمال کو میرے پاس بیٹھا رہنے دو۔ سلطان ایوبی بھی اس کی عیادت کے لیے آیا۔ احمد کمال امیر مصر اور اپنی فوج کے سالارِ اعلیٰ کو دیکھ کر تعظیم کے لیے اٹھا تو لڑکی نے اُسے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ احمد کمال سلطان ایوبی کی موجودگی میں بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ آخر



سلطان نے اسے لڑکی کے پاس بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ سلطان ایوبی نے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور شفقت سے صحت یابی کی دعا کی۔

تیسری رات احمد کمال لڑکی کے سرہانے بیٹھا ہوا تھا۔ لڑکی نے اکھڑے سے لہجے میں پوچھا۔ "احمد! تم نے میرے ساتھ شادی کر لی ہے نا؟ ..... میں نے اپنا وعدہ پورا کیا، تم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔ خدا نے میرے گناہ بخش دیئے ہیں" —— اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ اس نے احمد کمال کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا مگر گرفت فوراً ڈھیلی پڑ گئی۔ احمد کمال نے کلمہ شریف پڑھا اور لڑکی کو خدا کے سپرد کر دیا۔ دوسرے دن سلطان ایوبی کے حکم کے مطابق لڑکی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

فیض الفاطمی نے اور اس کے ساتھیوں نے صرف دو دن اذیتیں سہیں اور اپنے گروہ کی نشاندہی کر دی۔ ان لوگوں کو بھی پکڑا گیا۔ مراکشی وقائع نگار اسد الاسدی نے سلطان ایوبی کے وقت کے ایک کاتب کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے جب فیض الفاطمی کی سزائے موت پر دستخط کیے تو سلطان زار و قطار رونے لگا تھا۔

# جب زہر کو زہر نے کاٹا

یہ واقعہ ۱۱۷۱ء کا ہے۔

قاہرہ میں ایک مسجد تھی جو اتنی بڑی نہیں تھی کہ لوگ وہاں جمعہ کی نماز پڑھتے اور اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ نمازیوں کی کمی ہوتی۔ یہ قاہرہ کے اُس علاقے میں تھی جو شہر کا نزدیکی مضافات یا شہر کے باہر کا علاقہ تھا جہاں درمیانہ اور اس سے کم درجے کے لوگ رہتے تھے۔ مذہب کا احترام انہی لوگوں کے دلوں میں رہ گیا تھا مگر ان کی بدنصیبی یہ تھی کہ تعلیم سے بے بہرہ تھے۔ جذباتی استدلال اور دلکش الفاظ سے فوراً متاثر ہوتے اور انہیں قبول کر لیتے تھے۔ صلاح الدین ایوبی نے مصر میں آکر جو نئی فوج تیار کی تھی اس میں ان کُنبوں کے افراد زیادہ بھرتی ہوئے تھے جس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ ذریعہ معاش تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کی تنخواہ میں کشش پیدا کی تھی اور متعدد سہولتیں بھی تھیں۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ لوگ جہاد کو فرض سمجھتے تھے۔ وہ اسلام کے نام پر جان اور مال قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اس دَور میں اس جذبے کی شدید ضرورت تھی۔ سرکاری طور پر انہیں بتایا گیا تھا کہ صلیبی دنیا عالمِ اسلام کا نام و نشان مٹا دینے کے لیے اپنے تمام تر ذرائع اور ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔

چھ سات مہینوں سے یہ گمنام سی مسجد مشہور ہو گئی تھی۔ یہ شہرت نئے پیش امام کی بدولت تھی جو عشاء کی نماز کے بعد درس دیا کرتا تھا۔ پہلا پیش امام صرف تین روز ایسی بیماری سے بیمار رہ کر مر گیا تھا جسے کوئی حکیم اور سیانا سمجھ ہی نہیں سکا۔ وہ پیٹ کے درد اور آنتوں کی سوزش کی شکایت کرتا تھا۔ اسی روگ سے مر گیا۔ وہ عام سا ایک مولوی تھا جو صرف نماز باجماعت پڑھاتا تھا۔ اس کی وفات کے اگلے ہی روز سرخ و سفید چہرے اور بھوری داڑھی والا ایک مولوی آیا جس نے امامت کے فرائض اپنے ذمے لینے کی پیشکش کی۔ لوگوں نے اُسے قبول کر لیا۔ وہ کہیں جھونپڑے میں رہتا تھا۔ اس کی

دو بیویاں تھیں۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ وہ علم کا شیدائی اور مذہب کے سمندر کا غوطہ خور ہے۔ وہ خاطر و مدارات کا اور لوگوں سے نذرانے وصول کرنے کا قائل نہیں تھا۔ اس کی ضرورت صرف یہ تھی کہ اسے کشادہ اور اچھا مکان مل جائے جہاں وہ دو بیویوں کے ساتھ عزت سے اور پردے میں رہ سکے۔

لوگوں نے مسجد کے قریب ہی اسے ایک مکان خالی کرا دیا جس کے کئی ایک کمرے تھے۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ دونوں بیویوں کے ساتھ اس مکان میں آیا۔ بیویاں سیاہ برقعوں میں مستور تھیں۔ ان کے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔ پاپوش تک چھپے ہوئے تھے۔ اسے لوگوں نے ضروری سامان وغیرہ دے کر آباد کر دیا۔ لوگ ایک تو اس کی ظاہری شخصیت سے متاثر ہوئے لیکن جس جادو نے انہیں اس کا گرویدہ کیا وہ اس کی آواز کا جادو تھا۔ اس مسجد میں اس نے پہلی اذان دی تو جہاں جہاں تک اس کی آواز پہنچی سناٹا سا طاری ہو گیا۔ ایک مقدس ترنم زمین و آسمان پر وجد طاری کر رہا تھا۔ یہ ایک طلسم تھا جو اُن لوگوں کو بھی مسجد میں لے گیا جو گھروں میں نماز پڑھتے یا پڑھتے ہی نہیں تھے۔ اسی رات اس نے عشاء کی نماز کے بعد نمازیوں کو پہلا درس دیا اور انہیں کہا کہ وہ ہر رات درس دیا کرے گا۔ چھ سات مہینوں میں اُس نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ بعض لوگ تو اس کے مرید بن گئے۔ اس مسجد میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اس پیش امام نے جو دراصل عالم تھا، وہاں جمعہ کی نماز بھی شروع کر دی۔

چھ سات مہینوں بعد اس مسجد اور اس عالم پیش امام کی شہرت دُور دُور تک پہنچ گئی۔ شہر کے بھی کچھ لوگ اس کے درس میں جانے لگے۔ وہ اسلام کے جن بنیادی اصولوں پر زیادہ زور دیتا تھا وہ تھے عبادت اور محبت۔ وہ لڑائی جھگڑے اور جنگ وجدل کے خلاف سبق دیتا تھا۔ اس نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ عقیدہ پختہ کر دیا تھا کہ انسان اپنی تقدیر خود نہیں بنا سکتا۔ جو کچھ ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ انسان کمزور سا ایک کیڑا ہے۔ اس عالم کا اندازِ بیان بڑا ہی پُراثر ہوتا تھا۔ وہ قرآن ہاتھ میں لے کر ہر بات قرآن کی کسی نہ کسی آیت سے واضح کرتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی وہ بے حد تعریف کیا کرتا اور اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ مصر کی خوش بختی ہے کہ اس ملک کی امارت اسلام کے ایسے شیدائی کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے جہاد کا فلسفہ اور مفہوم بھی پیش کیا تھا جو لوگوں کے لیے نیا تھا لیکن انہوں نے بلا حیل و حجت اسے تسلیم کر لیا۔



ایک رات عشاء کی نماز کے بعد وہ اپنا درس شروع کرنے لگا تو ایک آدمی نے اُٹھ کر عرض کی ــــ "عالم عالی مقام! خدا آپ کے علم کی روشنی جنات تک اور اس مخلوق تک بھی پہنچائے جو ہمیں نظر نہیں آتی۔ میں اپنے آٹھ دوستوں کے ساتھ بہت دور سے آیا ہوں۔ ہم آپ کے علم کی شہرت سُن کر آئے ہیں۔ اگر گستاخی نہ ہو اور عالم عالی مقام کی خفگی کا باعث نہ بنے تو ہمیں جہاد کے متعلق کچھ بتائیں۔ ہم تذبذب میں ہیں۔ لوگوں نے بتایا ہے کہ ہمیں جہاد کا مطلب غلط بتایا جا رہا ہے۔"

سات آٹھ آوازیں سنائی دیں ــــ "ہم نے یہ درس نہیں سنا تھا۔"

ایک نے کہا ــــ "یہ وقت کی آواز ہے جو ہمارے کانوں میں بگاڑ کر ڈالی گئی ہے۔ ہم صحیح بات سننا چاہتے ہیں۔"

عالم نے کہا ــــ "یہ قرآن کی آواز ہے جسے کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔ میرا فرض ہے کہ صحیح آواز کو ایک ہزار بار دہراؤں تاکہ یہ ہر ایک کان میں پہنچ جائے..... جہاد کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنے کے لئے ان کی گردنیں کاٹو۔ جہاد کا مطلب قتل و غارت نہیں، خون خرابہ نہیں۔" اس نے قرآن سے ایک آیت پڑھی اور اس کی تفسیر یوں بیان کی ــــ "یہ علم میرا نہیں، یہ فرمانِ خداوندی ہے کہ تم بدی اور گناہ کے خلاف لڑتے ہو تو اسے جہاد کہتے ہیں جو ہم سب پر فرض کر دیا گیا ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پیار کے زور سے پھیلا ہے؛ جہاد کی شکل بعد میں اگر بگڑی ہے اور یہ انہوں نے بگاڑی ہے جو بادشاہی کے دلدادہ ہیں۔ عیسائی بھی دوسروں کے ملکوں کو اپنی سلطنت بنانے کے لیے جنگ وجدل کو مقدس جنگ کہتے ہیں اور مسلمان بھی اسی ارادے سے قتل و غارت کو جہاد کہتے ہیں۔ یہ صرف حکومتیں اور بادشاہیاں قائم کرنے کے ڈھنگ ہیں۔ لوگوں کو مذہب کے نام پر بھڑکا کر لڑایا جاتا ہے اور اس طرح بادشاہیوں کی بنیادیں مضبوط کی جاتی ہیں۔"

"تو کیا امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی ہمیں گمراہ کرکے لڑا رہا ہے؟" اُس آدمی نے پوچھا جس نے جہاد کا صحیح مطلب سمجھنا چاہا تھا۔

"نہیں!" عالم نے جواب دیا۔ "صلاح الدین ایوبی پر اللہ کی رحمت ہو۔ اُسے بڑوں نے جو بتایا ہے وہ سچے مسلمان کی حیثیت سے پوری نیک نیتی سے اُس پر عمل کر رہا ہے۔ اس کے دل میں عیسائیوں کی نفرت ڈالی گئی ہے۔ وہ اس کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ ذرا غور کرو کہ عیسائی اور مسلمان میں کیا فرق ہے۔ دونوں کا نبی مشترک

ہے۔ آگے آکر ذرا اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ حضرت عیسیٰ محبت اور امن کا پیغام لائے تھے۔ ہمارے رسول صلعم بھی محبت کا پیغام دے گئے ہیں۔ پھر تلوار اور زرہ بکتر کہاں سے آگئی؟ یہ اُن لوگوں کی لائی ہوئی چیزیں ہیں جو خدا کی اتنی پیاری زمین پر جس پر صرف اسی کی ذاتِ باری کی حکمرانی ہے، وہ اپنی حکومت قائم کرتے اور خدا کے بندوں کو اپنا غلام بناتے ہیں۔۔۔۔ میں امیرِ مصر کے دربار میں حاضری دوں گا اور اس کی خدمتِ اقدس میں جہاد کا صحیح نقطۂ نظر واضح کروں گا۔ امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی نے صحیح جہاد شروع کر رکھا ہے جو جہالت اور بے علمی کے خلاف ہے۔ اس نے خطبے سے خلیفہ کا نام نکال کر بہت بڑا جہاد کیا ہے۔ اس نے مدرسے کھول کر بھی جہاد کیا ہے لیکن مدرسوں میں یہ خرابی ہے کہ جہاں مذہب اور معاشرت کی تعلیم دی جاتی ہے، وہاں عسکری تربیت بھی دی جاتی ہے۔ بچوں کو خدا کے نام پر غارت گری کے سبق دیئے جاتے ہیں۔ انہیں تیغ زنی اور تیر اندازی بھی سکھائی جاتی ہے۔ جب تم اپنے بچوں کے ہاتھوں میں تلوار اور تیر کمان دو گے تو انہیں یہ بھی بتاؤ گے کہ ان سے وہ کسے ہلاک کریں۔ ظاہر ہے کہ تم انہیں کچھ انسان دکھاؤ گے اور کہو گے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں انہیں ہلاک کرو۔"

عالم کی آواز میں ایسا تاثر تھا اور اس کے دلائل میں اتنی کشش تھی کہ سننے والے مسحور ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے کہا۔" اپنے بچوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ گے کیونکہ اپنے بچوں کو غلط راستے پر ڈالنے والے تم تھے۔ تمہیں جنت میں اپنے بادشاہ اور فوجوں کے سالار نہیں لے جائیں گے، پیش امام اور وہ عالم دین لے جائیں گے جن کے ہاتھ میں مذہب اور علم کی قندیل تھی۔ تم دنیا میں ان کے پیچھے چلو گے تو وہ روزِ قیامت بھی تمہیں اپنے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ روزِ قیامت جس کے ہاتھ انسان کے خون سے لال ہوں گے اُسے ساری عمر کے اچھے اعمال اور ساری عمر کی نمازوں کے باوجود دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک نقطہ اور سمجھ لو۔ تم زکوٰۃ بیت المال کو دیتے ہو۔ بیت المال حاکمِ وقت کا ہوتا ہے۔ زکوٰۃ غریبوں اور ناداروں کا حق ہے۔ حاکمِ وقت غریب اور نادار نہیں ہوتا۔ تمہاری زکوٰۃ جو بیت المال میں جاتی ہے اس سے گھوڑے اور ہتھیار خریدے جاتے ہیں جو انسانوں کو ہلاک کرنے کے کام آتے ہیں۔ لہٰذا جو فرض ادا کر کے تم جنت میں جا سکتے ہو وہ فرض ادا کر کے بھی تم دوزخ



میں ٹھکانا بناتے ہو۔ لہٰذا زکوٰۃ بیت المال میں نہ دو۔"

عالم نے موضوع بدلا اور کہا۔" بہت سی باتیں عام ذہن کے انسانوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ انہیں بتاتا بھی کوئی نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے اندر ایک حیوانی جذبہ ہے؟ کیا تم عورت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے؟ کیا یہی جذبہ نہیں جو تمہیں بدکاری کے اڈوں پر لے جاتا ہے؟ ۔۔۔۔ یہ جذبہ خدا نے خود پیدا کیا ہے۔ یہ کسی انسان کا پیدا کردہ نہیں۔ تم اس کی تسکین کر سکتے ہو۔ اسی لیے خدا نے تمہیں حکم دیا ہے کہ بیک وقت گھر میں چار بیویاں رکھو۔ اگر تم غریب ہو اور ایک بیوی بھی نہیں لا سکتے تو کسی عورت کو اُجرت دے کر اس حیوانی جذبے کی تسکین کر سکتے ہو جو تم میں خدا نے پیدا کیا ہے اور انسان اسی جذبے کی پیداوار ہے، مگر بدی سے بچو۔ ایک ایک دو دو، تین تین، چار چار بیویاں گھر میں رکھو۔ ان بیویوں کو اور اپنی بیٹیوں کو گھروں میں چھپا کر رکھو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جوان لڑکیوں کو بھی عسکری تربیت دی جا رہی ہے اور انہیں بھی گھوڑ سواری اور شتر سواری سکھائی جا رہی ہے۔ زنانہ مدرسوں میں انہیں زخمیوں کی مرہم پٹی اور انہیں سنبھالنے کے طریقے سکھائے جا رہے ہیں تاکہ وہ میدانِ جنگ کے زخمیوں کو سنبھالیں اور اگر ضرورت پڑے تو لڑیں بھی۔۔۔۔ یہ ایک بدعت ہے۔ اپنی لڑکیوں کو اس بدعت سے بچاؤ۔ یہ باتیں اپنے ان دوستوں اور پڑوسیوں کو بھی سناؤ جو مسجد میں نہیں آتے۔ خدا کے احکام اور کارناموں میں مت دخل دو۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔"

عالم نے درس ختم کیا تو سامعین جن کی تعداد اتنی ہوگئی تھی کہ بہت سے لوگ پیچھے کھڑے تھے، مسجد میں بیٹھنے کو جگہ نہ تھی، اٹھ کر عالم سے ہاتھ ملانے اور جانے لگے۔ بعض نے اس کے ہاتھ چومے۔ جھک کر مصافحہ تو ہر کسی نے کیا۔ ایک ایک کر کے سب لوگ چلے گئے۔ صرف دو آدمی عالم کے سامنے بیٹھے رہے۔ ان میں سے ایک وہ آدمی تھا جس نے کہا تھا کہ مجھے جہاد کے متعلق بتایئے۔ اس آدمی نے لمبا چغہ پہن رکھا تھا۔ سر پر چھوٹی سی پگڑی اور اس پر چوڑا پھولدار رومال پڑا ہوا تھا۔ اس کی داڑھی لمبی اور سیاہ اور مونچھیں گھنی تھیں۔ لباس سے وہ درمیانہ درجے کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس ایک آنکھ پر ہرے رنگ کا پٹی نما کپڑا تھا جو دو دھاگوں سے اس کے سر کے ساتھ بندھا تھا۔ اس کپڑے نے اس کی ایک آنکھ ڈھانپ رکھی تھی۔

عالم کے پوچھنے پر اس نے بتایا تھا کہ اس کی یہ آنکھ خراب ہے۔ دوسرے آدمی کا لباس بھی معمولی سا تھا۔ اس کی بھی داڑھی لمبی اور گھنی تھی۔ مسجد میں عالم کے پاس یہی دو آدمی رہ گئے تھے۔ ان کے ساتھ چھ اور آدمی تھے جو جہاد کا درس سننے آئے تھے۔ وہ مسجد کے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ شاید اپنے ساتھیوں کے انتظار میں تھے۔

"کیوں، تمہارا شک ابھی رفع نہیں ہُوا؟" عالم نے مسکرا کر اُن دونوں سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے شک رفع ہوگیا ہے۔" آنکھ کی ہری پٹی والے نے جواب دیا۔ "ہم شاید آپ ہی کی تلاش میں ہیں۔ ہم نے آدھا مصر چھان مارا ہے۔ ہمیں مسجد کا محل وقوع اور نشانیاں غلط بتائی گئی تھیں۔"

"کیا آدھے مصر میں تمہیں مجھ سے بہتر کوئی عالم نہیں ملا؟"

"تلاش جو صرف آپ کی تھی۔" اس آدمی نے جواب دیا — "کیا ہم صحیح جگہ آگئے ہیں؟ آپ کا درس بتاتا ہے کہ ہم آپ ہی کی تلاش میں تھے۔"

عالم نے باہر کی طرف دیکھا اور بے توجہی کے انداز سے بولا — "معلوم نہیں موسم کیسا رہے گا!"

"بارش آئے گی۔" ہری پٹی والے نے کہا۔

"آسمان بالکل صاف ہے۔" عالم نے کہا۔

"ہم گھٹائیں لائیں گے۔" ہری پٹی والے نے کہا اور قہقہہ لگایا۔

عالم مسکرایا اور رازداری سے پوچھا۔ "کہاں سے آئے ہو؟"

"ایک مہینے سے ہم سکندریہ میں تھے۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "اس سے پہلے شوبک میں تھے۔"

"مسلمان ہو؟"

"فدائی۔" ہری پٹی والے نے کہا — "ابھی مسلمان ہی سمجھو" — اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ بڑی زور سے ہنسا۔

"میں آپ کو اس فن کا استاد مانتا ہوں۔" دوسرے نے عالم سے کہا — "مجھے بالکل یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ آپ ہیں۔ آپ ناکام نہیں ہو سکتے۔"

"اور کامیابی آسان بھی نہیں۔" عالم نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کو شاید تم نہیں جانتے۔ بے شک میں نے ان تمام لوگوں کے دلوں میں جہاد اور جنس کے متعلق



اسلامی نظریات کے خلاف شکوک پیدا کر دیئے ہیں لیکن صلاح الدین نے جو درسے کھولے ہیں وہ شاید ہماری کوششوں کو آسانی سے کامیاب نہ ہونے دیں۔" اس نے پوچھا۔ "تم نے مجھے یہ کیوں کہا تھا کہ میں جہاد پر درس دوں؟"

"شوبک میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ کی سب سے بڑی نشانی یہی ہے۔" — ہری پٹی والے نے جواب دیا۔ "یہ تمام الفاظ جو آپ نے درس میں بولے ہیں ہمیں وہاں بتائے گئے تھے۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آپ جہاد کے بعد جنسی جذبے کا ذکر ضرور کریں گے۔ آپ نے اپنا سبق بڑی محنت سے یاد کیا ہے۔"

"میرا نام کیا ہے؟" عالم نے پوچھا۔

"کیا آپ ہمارا امتحان لینا چاہتے ہیں؟" — اس آدمی نے جواب دیا۔ "کیا آپ کو ہم پر شک ہے؟ ہمیں ایک دوسرے کے نام نہیں صرف نشانیاں بتائی جاتی ہیں۔"

"تم کس کام سے آئے ہو؟" — عالم نے پوچھا

"فدائی کس کام سے آیا کرتے ہیں؟" — ہری پٹی والے نے پوچھا۔

"تمہیں میرے پاس کیوں بھیجا گیا ہے؟" — عالم نے پوچھا۔

"ایک اونٹنی کے لیے۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "آپ کے پاس دو ہیں۔ ہمیں آپ کے پاس نہ بھیجا جاتا مگر آپ کو اطلاع مل گئی ہوگی کہ صلاح الدین ایوبی کے ایک نائب سالار رجب سوڈانی کے ساتھ شوبک سے تین اونٹنیاں روانہ کی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک ہمارے مقصد کے لیے تھی مگر معلوم نہیں کیا ہُوا کہ تینوں ماری گئی ہیں۔ رجب کی کھوپڑی اور ایک سب سے زیادہ خوبصورت اونٹنی صلاح الدین ایوبی کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ بھی ختم ہو گئی۔"

"ہاں!" — عالم نے آہ بھر کر کہا — "ہمیں بہت بڑا نقصان ہُوا... صلاح الدین کا ایک بڑا ہی کار آمد سالار جو ہمارے قبضے میں تھا، جلاد کی نذر ہو گیا.... اندر چلو .... یہ جگہ محفوظ نہیں۔"

وہ دونوں عالم کے ساتھ اٹھے اور باہر نکل گئے۔ باہر جو چھ آدمی کھڑے تھے وہ اندھیرے میں بکھر گئے

وہ اب عالم کے گھر میں داخل ہوئے۔ صاف ستھرا گھر تھا۔ کئی کمرے تھے۔ دو تین کمروں میں سے گزر کر وہ ایسے کمرے میں چلے گئے جو زمین پر ہی تھا لیکن زیر زمین

معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سامنے کوڑا کباڑ بکھرا ہوا تھا۔ دروازے کے باہر تالا لگا ہوا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ دروازہ برسوں سے نہیں کھولا گیا اور کھولا بھی نہیں جائیگا۔ ایک پہلو میں کھڑکی تھی، اُسے ہاتھ لگایا تو کھل گئی۔ عالم اندر گیا۔ اس کے پیچھے یہ دونوں آدمی اندر چلے گئے۔ اندر سے کمرہ خوب سجا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ اس کے ایک طرف حضرت عیسیٰؑ کی دستی تصویر اور دوسری طرف مریم کی تصویر تھی۔ عالم نے کہا ـــ "یہ میرا گرجا ہے اور پناہ گاہ بھی۔"

"خطرے کی صورت میں آپ کے پاس کیا انتظام ہے؟" آنکھ کی ہری پٹی والے نے پوچھا اور مشورہ دیا ـــ "آپ کو صلیب اور یہ تصویریں اس طرح سامنے نہیں رکھنی چاہیے۔"

"یہاں تک کسی کے آنے کا خطرہ نہیں۔" عالم نے جواب دیا اور ہنس کر کہا ـــ "مسلمان بڑی سیدھی اور جذباتی قوم ہے۔ یہ قوم جذباتی الفاظ اور سنسنی خیز دلائل پر مرتی ہے۔ جنس انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں ان لوگوں میں یہ کمزوری ابھار رہا ہوں۔ انہیں یہ سبق دے رہا ہوں کہ چار شادیاں فرض ہیں۔ آہستہ آہستہ انہیں بدکاری کی طرف راغب کر رہا ہوں۔ مذہب کے نام پر تم مسلمان سے بدی بھی کرا سکتے ہو نیکی بھی۔ ہاتھ میں قرآن رکھ کر بات کرو تو یہ لوگ احمقانہ باتوں کے بھی قائل ہو جاتے ہیں اور جھوٹ کو بھی سچ مان لیتے ہیں۔ میرا تجربہ کامیاب ہے۔ میں یہاں اپنے جیسا ایک گروہ پیدا کر لوں گا جو مسجد میں بیٹھ کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر ان لوگوں کے جذبۂ جہاد کو اور کردار کو قتل کر دے گا۔ عورت کے متعلق میں ان لوگوں کے نظریات بدل رہا ہوں۔ صلاح الدین نے عورتوں کو بھی عسکری تربیت دینی شروع کر دی ہے۔ میں انہیں بتا رہا ہوں کہ عورت کو گھر میں قید رکھو۔ میں اس قوم کی نصف آبادی کو بیکار کر دوں گا۔"

"فوج کے خلاف نفرت پیدا کرنا ضروری ہے۔" ہری پٹی والے کے ساتھی نے کہا ـــ "صلاح الدین ایوبی نے یہی کمال کر دکھایا ہے کہ قوم اور فوج کو ایک کر دیا ہے۔ وہ اس وقت اعلان کر دے کہ یروشلم فتح کرنا ہے تو مصر کی ساری آبادی اس کے ساتھ چل پڑے گی۔"

"لیکن وہ ایسا اعلان کرے گا نہیں۔" عالم نے کہا ـــ "وہ دانشمند ہے۔ وہ جذباتی لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک تربیت یافتہ سپاہی کو ایک سو غیر تربیت یافتہ



جوشیلے آدمیوں پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کھوکھلے نعروں سے قوم کو بھڑکاتا نہیں۔ حقیقت کی بات کرتا ہے۔ یہ ہمارا کام ہے کہ اس کی قوم کو حقیقت اور تربیت سے دُور رکھیں اور اسے جذباتی بنا دیں۔ اس قوم میں شعور کی بجائے جوش رہ جائے۔ وہ جوش جس میں حقیقت پسندی اور دانشمندی نہ ہو، دشمن کے پہلے تیر سے ہی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ خواہ تیر قریب سے گزر جائے۔ ہم ان میں صرف جوش رہنے دیں گے۔ تم نے سنا ہے کہ میں اپنے درس میں صلاح الدین ایوبی کی بہت تعریفیں کر رہا تھا۔"

"یہ باتیں تو ہم بعد میں کریں گے۔" اس آدمی نے کہا ـــ "دونوں اونٹنیاں دکھا دیں اور یہ بتائیں کہ ہمیں یہاں کس وقت اور کس طرح پناہ مل سکتی ہے اور یہاں اپنا کوئی اور آدمی رہتا ہے یا نہیں۔"

"نہیں!" ـــ عالم نے جواب دیا ـــ "یہاں اور کوئی نہیں رہتا۔"

ان کے درمیان کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا۔ وہ خفیہ الفاظ میں ایک دوسرے کو پہچان چکے تھے۔ عالم کمرے سے نکل گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو بڑی ہی خوبصورت اور جوان لڑکیاں تھیں۔ یہی وہ دو لڑکیاں تھیں جن کے متعلق اس نے لوگوں کو بتایا تھا کہ اس کی بیویاں ہیں۔ انہیں وہ سر سے پاؤں تک برقعے میں چھپا کر لایا تھا۔ مگر ان دو آدمیوں کے سامنے وہ بے پردہ آئیں۔ عالم نے ان کا تعارف دونوں آدمیوں سے کرایا اور الماری میں سے شراب کی بوتل نکالی۔ ایک لڑکی گلاس لے آئی۔ شراب گلاسوں میں ڈالی گئی۔ ان دونوں آدمیوں نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔

"پہلے کام کی باتیں کریں۔" ہری پٹی والے نے کہا۔

"ہمیں دو آدمیوں کو قتل کرنا ہے۔" دوسرے نے کہا ـــ "صلاح الدین ایوبی کو اور علی بن سفیان کو۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم نے دونوں کو نہیں دیکھا۔ میں دونوں آدمی دکھا دیں۔ کیا آپ نے انہیں دیکھا ہے؟"

"اتنا دیکھا ہے کہ دونوں کو اندھیرے میں بھی پہچان سکتا ہوں۔" عالم نے کہا ـــ "میں نے جو مہم شروع کر رکھی ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ دونوں کو اچھی طرح پہچان لوں۔ علی بن سفیان اتنا ذہین اور گھاگ ہے کہ اپنے کسی جاسوس کو یہاں بھیجنے کی بجائے خود یہاں آ سکتا ہے۔ اگر وہ بھیس بدل کر میرے سامنے آئے تو بھی اسے پہچان لوں گا۔"

"اور صلاح الدین ایوبی کے متعلق کیا خیال ہے؟" ـــ ہری پٹی والے پوچھا۔

"اسے بھی خوب پہچانتا ہوں۔" عالم نے جواب دیا۔

ہری پٹی والے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی کنپٹیوں پر رکھے۔ داڑھی کو پکڑا اور ہاتھوں کو نیچے کو جھٹکا دیا۔ اس کی لمبی داڑھی اور گھنی مونچھیں اس کے چہرے سے الگ ہو گئیں۔ نیچے چھوٹی سی داڑھی رہ گئی جو نہایت اچھی طرح تراشی ہوئی تھی۔ مونچھیں بھی تراشیدہ تھیں۔ لمبی داڑھی اور گھنی مونچھیں مصنوعی تھیں جو اب اس نے ہاتھ میں لے رکھی تھیں۔ اس نے آنکھ سے ہری پٹی بھی نوچ کر پرے پھینک دی۔ عالم جہاں تھا وہیں بُت بن گیا۔ اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں اور اس کا منہ کھُل گیا۔ دونوں لڑکیاں حیران و ششدر کبھی اس آدمی کو دیکھتیں جس نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا، کبھی عالم کو دیکھتیں جس کا رنگ لاش کی طرح ہو گیا تھا۔ عالم کے منہ سے حیرت اور گھبراہٹ میں ڈوبی ہوئی سرگوشی نکلی ــــ "صلاح الدین ایوبی؟"

"ہاں دوست!" اسے جواب ملا ــ "میں صلاح الدین ایوبی ہوں۔ تمہاری شہرت سن کر تمہارا درس سننے آیا تھا" ــ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھی کی داڑھی کو مٹھی میں لے کر جھٹکا دیا تو اس کی داڑھی چہرے سے الگ ہو گئی۔ اس نے عالم سے کہا ــ "آپ اسے بھی پہچانتے ہوں گے؟"

"پہچانتا ہوں" عالم نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا ــ "علی بن سفیان۔"

علی بن سفیان کی صرف ٹھوڑی پر داڑھی تھی۔ اچانک لڑکیاں اور عالم پیچھے کو دوڑے اور الماری میں سے چھُرا نما تلواریں نکال لیں مگر وہ اِدھر کو گھومے تو ان کی تلواریں جھک گئیں کیونکہ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان نے چغوں کے اندر سے اسی قسم کی تلواریں نکال لی تھیں۔ لڑکیوں کو تیغ زنی کی مشق تو کرائی گئی تھی لیکن دو پیشہ ور تیغ زنوں کے مقابلے میں نہ آ سکیں۔ ان سے تلواریں رکھوا لی گئیں۔ علی بن سفیان باہر نکل گیا۔ ذرا سی دیر میں چھ آدمی جو باہر کھڑے تھے اسی سائز کی تلواریں سونتے کھڑکی میں سے کود کر آ گئے۔

دوسرے دن مسجد کے سامنے اس علاقے کے لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہاں چند ایک سرکاری اہل کار بھی تھے جو لوگوں کو باری باری عالم کے اس خفیہ کمرے میں لے جا رہے تھے جہاں صلیب، حضرت عیسیٰؑ اور مریم کی تصویریں آویزاں تھیں۔ لوگوں کو شراب کی بوتلیں بھی دکھائی گئیں۔ اہل کار لوگوں کو عالم کی اصلیت بتا رہے تھے اور وہ جہاد کا جو نظریہ پیش کرتا رہتا تھا اس کی وضاحت کر رہے تھے۔

سلطان ایوبی کی ہدایت پر علی بن سفیان نے سارے ملک میں جاسوسوں کا جال بچھا



دیا تھا کیونکہ یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ملک میں، خصوصاً قاہرہ میں صلیبیوں نے بہت سے جاسوس اور تخریب کار بھیج دیئے تھے۔ صلیبیوں نے مسلمانوں کی کردارکشی کی جو زہریلی مہم چلائی تھی وہ سلطان ایوبی کو زیادہ پریشان کر رہی تھی۔ اسے جب علی بن سفیان نے اطلاع دی تھی کہ ایک مسجد کا پیش امام ہر رات درس دیتا ہے اور اسلامی نظریات کو بگاڑ رہا ہے تو سلطان ایوبی نے فوراً ہی یہ حکم نہیں دیا تھا کہ اس عالم کو گرفتار کرو۔ اس نے کہا تھا ــ "علی! مذہب میں فرقہ بندی شروع ہو گئی ہے۔ یہ پیش امام کسی فرقے کا ہو گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن کی اپنی تفسیر پیش کر رہا ہو۔ میں مذہب میں دخل نہیں دینا چاہتا۔ میں حاکم ہوں عالم نہیں ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ کوئی تخریب کار ہے، تو گرفتاری سے پہلے پوری طرح چھان بین کرو۔ پیش امام کا درجہ مجھ سے بہت زیادہ بلند ہے۔"

علی بن سفیان خود اس مسجد میں درس سننے نہیں گیا تھا کیونکہ اسے شک تھا کہ اگر یہ پیش امام واقعی دشمن کا بھیجا ہوا تخریب کار ہے تو اسے پہچانتا ہو گا۔ اس نے اپنے ذہین سراغرساں مسجد میں بھیجے تھے جو دس بارہ مرتبہ وہاں گئے اور انہوں نے جو درس سنے وہ من و عن علی بن سفیان کو سنا دیئے۔ آخر ایک رات اس صلیبی "عالم" نے جہاد پر درس دیا اور یہ تاویل پیش کی جو صلاح الدین ایوبی نے بھی سنی۔ سراغرسانوں نے یہ درس علی بن سفیان کو سنایا تو کوئی شک نہ رہا۔ علی نے سلطان ایوبی کو بتایا اور یہ رائے دی کہ اگر یہ شخص صلیبیوں کا جاسوس اور تخریب کار نہیں تو بھی اسے پکڑنا یا روکنا ضروری ہے کیونکہ وہ جہاد کا ایسا نظریہ پیش کر رہا ہے جو صرف وہ آدمی پیش کر سکتا ہے جو دشمن کا آدمی ہو یا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

سلطان ایوبی نے یہ رپورٹ بڑی ہی غور سے سنی اور کہا کہ معاملہ بہرحال مذہب، مسجد اور پیش امام کا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ علی بن سفیان کے ساتھ خود بہروپ میں درس سننے جائے گا اور خود یقین کرے گا کہ پیش امام کی نیت اور اصلیت کیا ہے۔ جہاد کے ساتھ حیوانی جذبے کے ذکر نے سلطان ایوبی کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے یہ بہروپ تیار کرایا تھا جس میں وہ مسجد میں گئے تھے۔

علی بن سفیان جاسوسی اور جاسوسی کے خلاف دماغ کے فن کا ماہر تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو اپنی ایک اور کامیابی سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ فیض

الفاطمی کو جس صلیبی لڑکی نے موقعہ پر گرفتار کرایا اور احمد کمال نام کے ایک کمانڈار کی خاطر اسلام قبول کرنے اور اس کے ساتھ شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی مگر ماری گئی تھی۔ اس نے وہ خفیہ الفاظ اور اشارے بتائے تھے جو صلیبی جاسوس ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس کی نشاندہی پر چند ایک مسلمان بھی پکڑے گئے تھے جو صلیبیوں سے زر و جواہرات اور خوبصورت لڑکیاں لے کر ان کے لیے جاسوسی کرتے تھے۔ انہوں نے بھی علی بن سفیان کے تہہ خانے میں تصدیق کی تھی کہ یہ الفاظ اور اشارے استعمال ہوتے ہیں۔ اشارے یہ تھے کہ جاسوس جو ایک دوسرے سے پہلی بار ملتے اور ایک دوسرے کے متعلق یقین کرنا چاہتے تھے ان میں سے ایک آسمان کی طرف دیکھ کر کہتا تھا ”معلوم نہیں موسم کیسا رہے گا“۔ وہ ایسی بے پروائی کے سے لہجے میں کہتا تھا جیسے یونہی اسے موسم کا خیال آگیا ہو۔ دوسرا کہتا تھا ”بارش آئے گی“۔ اسے جواب ملتا تھا ”آسمان بالکل صاف ہے“۔ دوسرا کہتا تھا ”ہم گھٹائیں لائیں گے“۔ اور وہ قہقہہ لگاتا تھا۔ قہقہے کی ضرورت یہ ہوتی تھی کہ یہ مکالمہ کوئی اور سن لے یا دوسرا آدمی جاسوس نہ ہو تو وہ یہ سمجھے کہ اس آدمی نے مذاق کیا ہے۔ علی بن سفیان کو بتایا گیا تھا کہ یہ خفیہ مکالمہ اس وقت بدلا جائے گا جب یہ ظاہر ہو جائے گا۔ دوسری بات جو علی نے معلوم کی تھی وہ یہ تھی کہ جاسوس ایک دوسرے کو اپنا نام نہیں بتاتے۔ ان کا ہیڈکوارٹر فلسطین کا ایک قصبہ شوبک تھا جو ایک قلعہ تھا۔ یہ صلیبیوں کا جاسوسی کا مرکز تھا۔

ان انکشافات کے سہارے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان بہروپ میں مسجد میں چلے گئے۔ انہوں نے جہاد کے درس کی خواہش ظاہر کی تو عالم نے خواہش پوری کر دی۔ پھر وہ اس کے پاس اکیلے رہ گئے اور ان خفیہ مکالموں نے عالم کو بے نقاب کر دیا۔ اس نے بعد میں بیان دیا تھا کہ وہ اتنا کچا جاسوس نہیں تھا کہ وہ اجنبی آدمیوں کے آگے اپنا آپ ظاہر کر دیتا۔ اُسے ان خفیہ الفاظ نے پھنسایا، کیونکہ یہ مکالمہ ہر ایک جاسوس کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ جاسوسوں کے اعلیٰ درجے کا مکالمہ ہے۔ اس سے نیچے اس سے کوئی جاسوس واقف نہیں ہوتا۔ اس مکالمے کے بعد کا قہقہہ خاص طور پر قابلِ ذکر تھا۔ اس کے بغیر ایک دوسرے پر اپنا راز فاش نہیں کیا جاتا تھا۔ سلطان ایوبی نے قہقہہ لگایا تھا۔ وہ اپنے ساتھ چھ جانبازوں کو بھی لے گیا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت مدد دیں۔



علی بن سفیان نے اس جاسوس کو اور دونوں لڑکیوں کو اپنے تہہ خانے میں بند کر دیا اور سب سے پہلے اس علاقے میں جا کر تفتیش کی کہ یہ شخص اس مسجد پر قابض کس طرح ہوا اور اس سے پہلے وہ جس جھونپڑے میں رہتا تھا وہ اُسے کس نے دیا تھا۔ وہاں کے مختلف لوگوں نے جو بیان دیئے ان سے پتہ چلا کہ یہ شخص دو بیویوں کے ساتھ اس آبادی میں آیا۔ پہلے ایک آدمی کے گھر مہمان رہا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی عالم فاضل ہے تو انہوں نے اسے یہ جھونپڑا دے دیا۔ وہ اس مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا۔ وہاں بہت مدّت سے ایک پیش امام تھا۔ یہ شخص پیش امام کا مرید بن گیا۔ پندرہ سولہ روز بعد پیش امام نے مسجد میں ہی پیٹ درد کی شکایت کی۔ یہ شکایت اتنی تیزی سے بڑھی کہ اس کے بعد پیش امام مسجد میں نہ آسکا۔ حکیموں نے گھر جا کر دیکھا۔ دوائیاں دیں مگر وہ تیسرے روز مر گیا۔ اس کے بعد اس عالم نے لوگوں سے بات کر کے مسجد سنبھال لی۔ اس نے ایسا تاثر پیدا کیا کہ لوگ اس کے عقیدت مند ہو گئے اور اس کی ضرورت کے مطابق اسے مکان دے دیا۔

علی بن سفیان کے پوچھنے پر لوگوں نے اسے بتایا کہ انہوں نے کئی بار اس شخص کو پیش امام کے لیے کھانا لے جاتے دیکھا تھا۔ علی بن سفیان جان گیا کہ پیش امام کو اس آدمی نے زہر دیا ہے اور اسے راستے سے ہٹا کر مسجد پر قبضہ کیا تھا۔ اس جاسوس کے گھر کی تلاشی میں بہت سے ہتھیار برآمد ہوئے تھے جو مختلف جگہوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ وہاں سے زہر بھی برآمد ہوا۔ وہ ایک کتے کو دیا گیا تو کتا تین دن بے چین رہا اور گرتا اور اٹھتا رہا۔ تیسرے دن شام کے بعد کتا مر گیا۔

علی بن سفیان نے اپنی تفتیش سلطان ایوبی کے آگے رکھی تو سلطان نے اُسے کہا ”ان تینوں کو قید میں خوب پریشان کرو اور انہیں خوفزدہ کیے رکھو، لیکن میں انہیں جلّاد کے حوالے نہیں کروں گا اور انہیں قید میں بھی نہیں ڈالوں گا“۔

”پھر آپ کیا کریں گے؟“ علی بن سفیان نے پوچھا۔

”میں انہیں حفاظت اور عزّت سے واپس بھیج دوں گا“۔ علی بن سفیان نے حیرت زدہ ہو کر سلطان ایوبی کے منہ کی طرف دیکھا۔ سلطان نے کہا ”میں ایک جوّا کھیلنا چاہتا ہوں علی! ابھی مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ بازی لگاؤں یا نہیں“۔ اس نے ذرا توقف سے کہا ”کل دوپہر کے کھانے کے بعد نائب سالاروں، مشیروں، اعلیٰ کمانداروں اور انتظامیہ کے ہر شعبے کے سربراہ کو میرے پاس لے آنا۔ تمہاری

موجودگی بھی مجبوری ہے۔"

علی بن سفیان نے اس رات پہلی بار اس "عالم" سے تفتیش کی لیکن وہ بڑا سخت آدمی نکلا۔ اس نے کہا۔ "غور سے میری بات سن لو علی بن سفیان! ہم دونوں ایک ہی میدان کے سپاہی ہیں۔ تم میرے ملک میں کبھی پکڑے گئے تو مجھے امید ہے کہ تم جان دے دو گے، اپنے ملک اور اپنی قوم کو دھوکہ نہیں دو گے۔ تم یہی توقع مجھ سے رکھو۔ مجھے معلوم ہے میرا انجام کیا ہوگا۔ اگر میں تمہیں وہ ساری باتیں بتا دوں جو تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو تو بھی تم لوگ مجھے بخشو گے نہیں۔ مجھے اس تہہ خانے میں مرنا ہے خواہ تم جلاد سے مروا دو خواہ اذیت میں ڈال کر مار دو۔ پھر میں کیوں اپنی قوم کو دھوکہ دوں؟"

"مجھے امید ہے کہ تم اپنا ارادہ بدل دو گے" — علی بن سفیان نے کہا۔ "کیا تم ان دو لڑکیوں کی عزت بچانے کی خاطر یہ پسند نہیں کرو گے کہ میں جو پوچھوں وہ مجھے بتا دو؟"

"کیسی عزت؟" — اس نے جواب دیا۔ "ان لڑکیوں کے پاس صرف حسن اور ناز نخرے ہیں یا وہ استادی ہے جس سے وہ پتھروں کو بھی موم کر لیتی ہیں۔ ان کے پاس عزت نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہی تو انہیں سکھلایا جاتا ہے کہ اپنی عزت سے دستبردار ہو جاؤ۔ ہم لوگ اپنی جان اور عزت بہت دور پھینک آتے ہیں۔ تم ان لڑکیوں کے ساتھ جیسا بھی سلوک کرنا چاہو کر لو۔ انہیں میرے سامنے ذلیل کر لو، میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ لڑکیاں بھی تمہیں کچھ نہیں بتائیں گی۔"

"جاسوس لڑکیوں کو ہم سزائے موت دے دیا کرتے ہیں انہیں ذلیل کبھی نہیں کیا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "ہمارا مذہب عورت کو اذیت میں ڈالنے کی ہمیں اجازت نہیں دیتا۔"

"میرے دوست!" جاسوس نے کہا۔ "تم پیار کا حربہ استعمال کرو یا اذیت کا ہم میں سے کوئی بھی اپنے ان ساتھیوں کی نشاندہی نہیں کرے گا جو تمہاری سلطنت کی جڑوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ تم نے لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں اس کے عوض تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ میری اور تمہاری جنگ نہیں یہ صلیب اور چاند تارے کی جنگ ہے۔ میں اُن معمولی سے جاسوسوں میں سے نہیں ہوں جو



ادھر کی خبریں اُدھر بھیجتے اور تمہارے آئندہ کے ارادے معلوم کرتے رہتے ہیں۔ اس شعبے میں میرا رتبہ بہت اونچا ہے۔ میں عالم ہوں۔ اپنے مذہب کا مطالعہ اتنا ہی گہرا کیا جتنا تمہارے مذہب کا۔ انجیل اور قرآن کی تہہ تک پہنچا ہوں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ تمہارا مذہب بہتر اور سادہ ہے۔ یہ ہر انسان کا مذہب ہے جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔ اس کی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہارے مذہب کی اصلیت کو بگاڑ دیا ہے تاکہ اس کی مقبولیت ختم ہو جائے۔ یہودیوں نے مسلمان علماء کے بھیس میں اس میں بے بنیاد روایات شامل کر دی ہیں۔ اسلام توہمات کے خلاف تھا مگر اس وقت سب سے زیادہ توہم پرست مسلمان ہیں۔ میں نے چاند گرہن اور سورج گرہن کے وقت مسلمانوں کو سجدے کرتے اور نذرانے دیتے دیکھا ہے اور ایسی کئی ایک بدعتیں تمہارے مذہب میں شامل کر دی گئی ہیں....

"ہم ایک لمبی مُدت سے تمہارے اصل نظریات کو بگاڑ رہے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں صرف دو مذہب رہ جائیں گے۔ ایک عیسائیت دوسرا اسلام، اور یہ دونوں اُس وقت تک معرکہ آرا رہیں گے جب تک کہ دونوں میں سے ایک ختم نہیں ہو جاتا۔ کسی بھی مذہب کو تیروں اور تلواروں سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ کسی مذہب کو تبلیغ سے بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا یہی ایک طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا تھا۔ میں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ اس مہم میں میں اکیلا نہیں۔ پورا ایک گروہ تمہارے نظریات پر حملہ آور ہوا ہے۔"

علی بن سفیان اس کے سامنے ٹہل رہا تھا اور اس کی باتیں غور سے سُن رہا تھا۔ اس نے عالم جاسوس کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ اس کا ارادہ تو یہ تھا کہ اس جاسوس کو بھی ہر جاسوس کی طرح اذیتوں کے اُسی مرحلے میں سے گزارے گا جہاں کسی بھی ملک کے جاسوس سارے راز اُگل دیتے ہیں لیکن اس نے قید خانے کے ایک محافظ کو بلا کر اس آدمی کی بیڑیاں اور ہتھکڑیاں کھلوا دیں اور اس کے لیے پانی اور کھانا منگوایا۔ اس نے کہا۔ "میرے اس سلوک کو اگلوانے کا حربہ نہ سمجھنا۔ ہم عالموں کی قدر کیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں۔ میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔ جو کچھ بتانا پسند کرتے ہو بتا دو۔"

"اور میں تمہاری قدر کرتا ہوں علی!" عالم جاسوس نے کہا۔ "میں نے

تمہاری بہت تعریف سنی ہے۔ تم میں فن کا کمال بھی ہے اور جذبے کی حرارت بھی۔ تمہارے لیے سب سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے کہ صلیبی بادشاہ تمہیں قتل کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے ہم پلّہ ہو..... میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں نے علم سے یہ حاصل کیا ہے کہ کسی قوم کے تہذیب و تمدن اور مذہب کو بگاڑ دو تو فوجوں کے حملے اور جنگ و جدل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں جنسی آگ بھڑکا دو۔ یقین نہ آئے تو اپنے مسلمان حکمرانوں کی حالت دیکھ لو۔ تمہارے رسولؐ نے کہا تھا کہ نفس کو مارو کہ یہی تباہی کی جڑ ہے۔ تمہاری قوم نے اس پر کب تک عمل کیا؟ رسولؐ کی زندگی تک۔ یہودیوں نے اپنی حسین لڑکیوں سے تمہاری قوم کو بھڑکایا۔ آج تمہاری قوم نفس کی غلام ہو گئی ہے۔ تم میں جس کے پاس دولت آجاتی ہے وہ سب سے پہلے حرم کو عورتوں سے بھرتا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ غریب ہی ہو، چار بیویاں ضرور رکھنا چاہتا ہے۔ یہودیوں نے مولویوں کے روپ میں تمہارے نظریات میں جنسیت ڈال دی۔ اگر اپنے رسولؐ کی ہدایت پر مسلمان عمل پیرا رہتے تو میں یہ یقین سے کہتا ہوں کہ آج دنیا کا تین چوتھائی حصہ مسلمان ہوتا، مگر اب یہ حال ہے تین چوتھائی مسلمان برائے نام مسلمان ہیں اور تمہاری سلطنت سکڑتی سمٹتی چلی جارہی ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ یہ اس حملے کا نتیجہ ہے جو مجھ جیسے عالموں نے تمہارے مذہب اور تہذیب و تمدن پر کیا ہے۔

"میرے دوست! یہ حملے جاری رہیں گے۔ میں پیشین گوئی کر سکتا ہوں کہ ایک روز اسلام اس دنیا میں نہیں ہوگا۔ اگر ہوگا تو ایک فرسودہ نظریئے کی شکل میں موجود رہے گا اور اس کے پیروکار جنسی لذت میں مست ہوں گے۔ ہر کوئی صلاح الدین اور نورالدین نہیں بن سکتا۔ انہیں کل پرسوں مرجانا ہے۔ ان کے بعد جو آئیں گے، انہیں ہم نفس پرستی میں مبتلا کر دیں گے۔ مجھے قتل کر دو۔ میری مہم کو قتل نہیں کر سکو گے۔ انسانوں کے مرجانے سے مقاصد نہیں مرجایا کرتے۔ میری جگہ کوئی اور آئے گا۔ ہم اسلام کو ختم کر کے یا اپنا غلام بنا کر دم لیں گے..... اب چاہو تو مجھے جلاد کے حوالے کر سکتے ہو۔ میں اور کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

علی بن سفیان نے اس سے اور پوچھا بھی کچھ نہیں۔ وہ غالباً سوچ رہا تھا کہ اس کا کام کس قدر دشوار اور کتنا نازک ہے۔ اس صلیبی تخریب کار نے جو کچھ کہا سچ



تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ قوم میں اخلاقی تباہی کے جراثیم پیدا ہو چکے ہیں۔ عرب کے امراء وزراء تو پوری طرح تباہ ہو چکے تھے۔ صلاح الدین ایوبی میدان جنگ میں صلیبیوں کو شکست دے کر سلطنتِ اسلامیہ کو وسیع تر کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا مگر صلیبیوں نے ایسے پہلو سے حملہ کیا تھا جسے روکنا سلطان ایوبی کے بس سے باہر نظر آتا تھا..... علی بن سفیان عالم جاسوس کی کوٹھڑی بند کرا کے اُن کوٹھڑیوں کے سامنے جا کھڑا ہوا جن میں لڑکیاں قید تھیں۔ وہ ایک کوٹھڑی کھلوا کر اندر چلا گیا۔ لڑکی فرش پر بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ علی اُسے خاموشی سے دیکھتا رہا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔

اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد فوج اور انتظامیہ کے تمام حاکم اور عہدیدار اس کمرے میں جمع تھے جہاں صلاح الدین ایوبی انہیں احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ ان سب کو پتہ چل چکا تھا کہ ایک جاسوس دو لڑکیوں کے ہمراہ پکڑا گیا ہے۔ وہ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ سلطان ایوبی آ گیا۔ اس نے سب کو گہری نظر سے یوں دیکھا جیسے ان میں سے کسی کو تلاش کر رہا ہو۔

"میرے عزیز ساتھیو!" اس نے کہا۔۔۔ "آپ نے سن لیا ہوگا کہ ہم نے ایک مسجد سے ایک صلیبی کو پکڑا ہے جو وہاں باقاعدہ امام بنا ہوا تھا۔" اس نے تفصیل سے بتایا کہ اُسے کس طرح پکڑا گیا ہے۔ پھر انہیں وہ باتیں سنائیں جو جاسوس نے علی بن سفیان کے ساتھ قید خانے میں کی تھیں۔ علی بن سفیان یہ باتیں سلطان ایوبی کو سنا چکا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کہا۔۔۔ "میں نے آپ کو یہ وعظ سنانے کے لیے نہیں بلایا کہ جاسوسوں اور تخریب کاروں سے بچو۔ میں آپ کو یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔ میں صرف یہ کہوں گا کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنے والے کے لیے میں یہ دنیا جہنم بنا دوں گا۔ میں اب کسی غدار کو سزائے موت نہیں دوں گا۔ موت نجات کا ذریعہ ہے۔ میں نے اب غدار کے لیے یہ سزا مقرر کی ہے کہ اس کے گلے میں رسّی ڈال کر ایک تختی آگے اور ایک پیچھے لٹکا کر اسے ہر روز بازاروں میں گھما پھرا کر چوک میں کھڑا کر دیا جائے گا تختیوں پر لکھا ہوگا ۔۔۔ 'میں غدار ہوں'۔ اسے ہر روز صبح سے شام کھڑا رکھا جائے گا تا آنکہ وہ بھوکا پیاسا مر جائے گا اور اس کی لاش شہر سے باہر پھینک دی

جائے گی دشمن کے لواحقین کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ اس کا جنازہ پڑھیں یا اسے دفن کریں ۔۔۔۔

"لیکن میرے عزیز دوستو! اس سے دشمن کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ ایک اور غدار پیدا کرے گا۔ جب تک اس کے پاس عورت کی بے حیائی اور زر و جواہرات کی فراوانی اور ہمارے پاس ایمان کی کمی ہے، وہ غدار پیدا کرتا رہے گا۔ کیا یہ آپ کی غیرت کے لیے چیلنج نہیں کہ آپ کا دشمن آپ کی مسجد میں بیٹھ کر آپ کا قرآن ہاتھ میں لے کر آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مسخ کرے؟ اس پہلو پر بھی غور کریں کہ صلیبی جو لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے اور ہماری قوم کی کردار کشی کے لیے بھیج رہے ہیں، ان میں بہت سی لڑکیاں مسلمانوں کی بچیاں ہیں جنہیں ان کفار نے قافلوں سے اغوا کیا اور انہیں بدکاری کی شرمناک تربیت دے کر جاسوسی کے لیے تیار کیا ہے۔ فلسطین کفار کے قبضے میں ہے۔ وہاں مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا ہے، وہ مختصراً یہ ہے کہ صلیبی ان کے گھروں کو لوٹتے رہتے ہیں۔ وہ فریاد کرتے ہیں تو قید خانوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان کی کمسن بچیوں کو غائب کر دیا جاتا ہے۔ ان میں جو غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی ہیں ان کے ذہنوں سے مذہب اور قومیت نکال دی جاتی ہے اور انہیں بے حیائی کی تربیت دے کر مردوں کو انگلیوں پر نچانا سکھا کر انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لیے بھیج دیا جاتا ہے۔ اس گروہ میں ان کی اپنی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان میں تو شرم و حجاب اور عصمت کی کوئی قدر ہی نہیں۔ وہ مسلمان بچیوں کو بھی بدی کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔۔۔۔

"انہوں نے جب فلسطین پر قبضہ کیا تو وہ وہاں سب سے بڑا جو انقلاب لائے وہ یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے لیے جینا حرام کر دیا۔ ان کا قتلِ عام کیا، ان کے گھروں کو لوٹ لیا، مسجدوں کو اصطبلوں اور گرجوں میں بدل دیا، مسلمان بچیوں کو اغوا کر کے انہیں قحبہ خانوں میں بٹھا دیا گیا، جو خوبصورت نکلیں انہیں تخریب کاری اور بدکاری کی تربیت دے کر ہمارے امیروں اور وزیروں کے حرموں میں داخل کر دیا اور انہیں ہمارے خلاف بھی استعمال کیا۔ مسلمان گھرانوں کی بچیوں کے گلوں میں انہوں نے صلیب لٹکا دی۔ مسلمان جو فلسطین سے بھاگے اور ہمارے پاس پناہ لینے کے لیے قافلہ در قافلہ چلے انہیں راستے میں شہید کر دیا گیا۔ ہماری بہنوں اور بیٹیوں کی آبروریزی سرِعام ہوئی اور میرے کلمہ گو بھائیو! یہ سلسلہ رکا نہیں۔ ابھی تک جاری ہے۔ صلیبیوں کا مقصد



صرف یہ ہے کہ اسلام کا کوئی نام لیوا زندہ نہ رہے اور مسلمان لڑکیاں عیسائیوں کو جنم دیں۔ ہم سب پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے کہ ہم اپنے ان مسلمان بھائیوں اور ان کی بچیوں کو فراموش کیے بیٹھے ہیں جو وہاں ذلت اور مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس سے بڑا گناہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم ان شہیدوں کو بھی فراموش کیے بیٹھے ہیں جو صلیبیوں کی بربریت کا شکار ہوئے ۔۔۔۔ میں آپ کو کوئی حکم دینے سے پہلے آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس صورتِ حال میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپ میں تجربہ کار فوجی ہیں اور انتظامیہ کے حاکم بھی۔"

پرانی عمر کا ایک کماندار اٹھا۔ اس نے کہا ـــــ "امیرِ مصر! ہمیں آپ کے حکم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ حکمِ خداوندی ہے کہ تمہارے پڑوس میں مسلمان نسل پر ظلم ہو رہا ہو اور وہاں کے مسلمان خدا کو مدد کے لیے پکار رہے ہوں تو تم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس ملک پر فوج کشی کر کے اپنے کلمہ گو بھائیوں کو نجات دلائیں۔ ہمیں فلسطین پر فوج کشی کرنی چاہیے۔"

نائب سالار کے رتبے کے ایک اور شخص نے اٹھ کر جوش سے کہا ـــــ "کفار پر فوج کشی سے پہلے آپ ان مسلمان حاکموں اور امراء پر فوج کشی کریں جو درپردہ کفار کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ ہمارے لیے یہ صورتِ حال باعثِ شرم ہے کہ ہماری صفوں میں غدار بھی ہیں۔ فیض الفاطمی کے رتبے کا آدمی غدار ہو سکتا ہے تو چھوٹے عہدوں پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمان بچی کی آبروریزی کا انتقام لینے کے لیے ساری قوم کو تیار ہو جانا چاہیے مگر یہاں ہماری ایک پوری نسل کی آبروریزی ہو رہی ہے اور ہم سوچ رہے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ صلیبیوں نے ہماری بچیوں کو بدکاری کے لیے تیار کیا اور ہم سے ان کے ساتھ بدکاری کرا رہے ہیں۔ محترم امیر! اگر میں جذباتی نہیں ہو گیا تو مجھے یہ تجویز پیش کرنے کی اجازت دیں کہ ہمیں فلسطین لینا ہے۔ صلیبیوں نے ہمارے قبلۂ اول کو بدی کا مرکز بنا دیا ہے۔"

ایک اور آدمی اٹھا لیکن سلطان ایوبی نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بٹھا دیا اور کہا ـــــ "میں یہی سننا چاہتا تھا۔ آپ میں سے جو میرے قریب رہتے ہیں جانتے ہیں کہ میرا اولین ہدف فلسطین ہے۔ میں مصر کی امارت کے فرائض سنبھالتے ہی فلسطین پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر دو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، ایمان فروشوں نے مجھے مصر میں ایسا الجھایا ہے جیسے میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ ذرا ان دو سالوں کے واقعات پر غور کریں۔ آپ صلیبی تخریب کاروں

اور غداروں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ سوڈانیوں کو ہمارے خلاف لڑانے والے ہم میں سے ہی ہیں۔ سوڈانی حبشیوں سے مصر پر حملہ کرانے والے ہمارے اپنے سالار اور کماندار تھے۔ وہ اس قومی خزانے سے تنخواہ لیتے تھے جس میں قوم کا پیسہ ہے اور جس میں خدا کے نام پر دی ہوئی زکوٰۃ کا پیسہ ہے۔ میں نے اس امید پر دو سال گزار دیئے ہیں کہ میں جاسوسوں، انہیں پناہ اور مدد دینے والوں اور ایمان فروشوں کو ختم کرکے فلسطین پر حملہ کروں گا، لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تخریب کاری کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ کیوں نہ اس چشمے کو جا کر بند کیا جائے جہاں اسلام دشمنی کے سامان پیدا کیے جاتے ہیں۔ ہم صلیبیوں کو خود موقع دے رہے ہیں کہ وہ ہماری صفوں میں غدار پیدا کریں....

”میں نے آپ کو آج اس لیے بلایا ہے کہ فلسطین پر حملے میں اب زیادہ تاخیر نہیں ہوگی۔ فوج کی جنگی مشقیں اور تربیت تیز کردو۔ مجاہدین کو لمبے عرصے کا محاصرہ کرنے کی مشق کراؤ۔ مجھے ترک اور شامی دستوں پر پورا اعتماد ہے۔ مصریوں اور وفادار سوڈانیوں میں جذبہ پیدا اور پختہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں دشمن کے خلاف قہر اور غضب پیدا کر دو۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا کہ ان میں غیرت پیدا کرو اور انہیں بتاؤ کہ وہ تمہاری ہی بہنیں اور بیٹیاں ہیں جو صلیبیوں کی درندگی کا شکار ہو رہی ہیں.... آپ میں انتظامیہ کے جو حضرات ہیں ان کے ذمے یہ فرض ہے کہ وہ مسجدوں کے پیش اماموں سے کہیں کہ لوگوں پر جہاد کی غرض وغایت واضح کریں اور نوعمر لڑکوں میں عسکری خیالات پیدا کریں۔ کوئی بھی پیش امام یا خطیب اسلامی نظریات کو غلطی سے یا دانستہ غلط رنگ میں پیش کرتا ہے اسے امامت کے فرائض سے سبکدوش کردیں۔ اگر کردار مضبوط ہو تو کوئی کشش اور کوئی انگیخت گمراہ نہیں کرسکتی۔ ذہنوں کو فارغ نہ رہنے دیں، کھلا نہ چھوڑیں۔ ورنہ دشمن انہیں استعمال کرے گا.... فوجوں کے کوچ کے احکامات آپ کو جلدی مل جائیں گے۔ اللہ آپ کا حامی اور ناصر ہے۔“

سات روز گزر گئے۔

عالم جاسوس اور دونوں لڑکیوں کو سلطان ایوبی نے ملاقات کے لیے بلایا۔ انہیں لایا گیا تو سلطان ایوبی نے کہا کہ انہیں دوسرے کمرے میں بٹھا دو۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں تھیں۔ انہیں جس کمرے میں بٹھایا گیا وہ سلطان ایوبی کے خاص کمرے کے ساتھ تھا۔ دونوں کے درمیان ایک دروازہ تھا،



جس کا ایک کواڑ کھلا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس نے ٹہلتے ٹہلتے کہا۔ ”میں فوری طور پر کرک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔“

کرک فلسطین کا ایک قلعہ نما قصبہ تھا۔ دوسرا مشہور قصبہ شوبک تھا۔ یہ بھی ایک مضبوط قلعہ تھا۔ شوبک کو صلیبیوں نے مرکز بنا رکھا تھا۔ صلیبی بادشاہ اور اعلیٰ کمانڈر شوبک میں ہی اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ یہیں صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ہیڈ کوارٹر تھا اور یہ جاسوسوں کا ٹریننگ کیمپ تھا۔ سلطان ایوبی کے فوجی اور شہری انتظامیہ کے حلقوں میں یہ خیال یقین کی حد تک تھا کہ سلطان ایوبی سب سے پہلے شوبک پر حملہ کرے گا کیونکہ اس جگہ کی اہمیت ہی ایسی تھی۔ اگر اس مضبوط اڈے کو سر کر لیا جاتا تو صلیبیوں کی کمر توڑی جاسکتی تھی۔ مگر سلطان ایوبی کہہ رہا تھا کہ پہلے کرک پر حملہ کیا جائے گا۔ یہ تو ثانوی اہمیت کی جگہ تھی۔ ایک نائب سالار نے کہا— ”محترم! آپ کا حکم سر آنکھوں پر، میری ناقص رائے یہ ہے کہ پہلے شوبک سر کرلیا جائے۔ دشمن کی مرکزی کمان ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم نے شوبک لے لیا تو کرک لینا کوئی مشکل نہ ہوگا اور اگر ہم نے کرک پر طاقت ضائع کردی تو شوبک لینا ناممکن ہوجائے گا۔“

دوسرے کمرے میں جاسوس بیٹھے تھے۔ درمیانی دروازے کا ایک کواڑ کھلا تھا۔ سلطان ایوبی کے کمرے کی آوازیں اس کمرے میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ عالم جاسوس کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ آہستہ آہستہ سرک کر دروازے کے ساتھ ہوگیا۔ اس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا— ”میں درجہ بدرجہ پیش قدمی کرنا چاہتا ہوں۔ کرک شوبک کی نسبت آسان شکار ہے۔ میں اس پر قبضہ کرکے اسے اڈہ بنالوں گا۔ کمک منگوا کر اور فوج کو کچھ عرصہ آرام دے کر پوری تیاری کے بعد شوبک پر حملہ کروں گا۔ اس قصبے کا دفاع، ہمارے جاسوسوں کے کہنے کے مطابق، اتنا مضبوط ہے کہ ہمیں لمبے عرصے تک اسے محاصرے میں رکھنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ کرک پر ہماری زیادہ طاقت ضائع نہیں ہوگی۔ ہمیں پہلے ایک اڈہ چاہیئے اور ایسی رسد گاہ جہاں سے ہمیں فوری طور پر رسد ملتی رہے۔“

عالم جاسوس دروازے کے ساتھ بیٹھا سن رہا تھا۔ دونوں لڑکیاں بھی اس کے پاس آبیٹھیں۔ علی بن سفیان نے بھی دھیان نہ دیا کہ ایسی راز کی باتیں جاسوسوں کے کانوں میں پہنچ رہی ہیں۔ ہوسکتا ہے سلطان ایوبی اور علی بن سفیان نے اس لیے

احتیاط نہ کی ہو کہ ان جاسوسوں کو شوبک واپس تھوڑے ہی جانا تھا۔ انہیں تو ساری عمر قید میں گزارنی تھی یا جلاد کے ہاتھوں مرنا تھا۔ عالم جاسوس نے لڑکیوں سے سرگوشی میں کہا ـــ "کاش، ہم میں سے کوئی ایک یہاں سے نکل سکے اور صلاح الدین ایوبی کے اس ارادے کی اطلاع شوبک اور کرک تک پہنچا دے۔ یہ کتنا قیمتی راز ہے۔ اگر پہلے ہی وہاں پہنچا دیا جائے تو مسلمانوں کی فوج کو کرک کے راستے میں ہی لڑائی میں اُلجھا کر اس کی طاقت ختم کی جا سکتی ہے۔ ان کا حملہ کرک سے دور ہی پسپائی میں بدلا جا سکتا ہے۔"

"ہمیں مکمل راز داری کی ضرورت ہے" ـــ سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا ـــ "اگر صلیبیوں کو ہمارے حملے کی خبر قبل از وقت ہو گئی تو ہم کرک تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ وہ ہمیں راستے میں روک لیں گے۔ ہمارے لیے خطرہ یہ ہے کہ صلیبیوں کے مقابلے میں ہماری فوج بہت کم ہے۔ صلیبیوں کی نفری زیادہ ہونے کے علاوہ ان کے گھوڑے اور ہتھیار ہم سے بہتر ہیں۔ ان کے خود لوہے کے ہیں اور وہ زرہ بکتر بھی پہنتے ہیں۔ اس سے ہمارے تیر انداز بیکار ثابت ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ صلیبیوں کو بے خبری میں جا لوں تاکہ انہیں کھلے میدان میں لڑنے کا موقع نہ ملے۔ اگر وہ کھلے میدان میں لڑے تو ہمارے عقب میں آ کر وہ ہماری رسد کا نظام روک دیں گے۔ اس کا نتیجہ پسپائی اور شکست کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ میں وہ راستہ اختیار کروں گا جو جاریب کے ٹیلوں میں سے گزرتا ہے۔ یہ بڑا وسیع اور عریض علاقہ ہے۔ مجھے خطرہ صرف یہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبی راستے میں آ کر لڑے تو ہمیں شکست کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"اس کا علاج یہ ہے کہ فوج کو تین چار حصوں میں تقسیم کر کے صرف رات کے وقت کوچ کرایا جائے۔ دن کے وقت کوئی حرکت نہ کی جائے" ـــ علی بن سفیان نے کہا ـــ "راستے میں کوئی بھی اجنبی آدمی یا قافلہ نظر آئے اسے روک لیا جائے اور کرک تک پہنچنے تک اسے اپنے ساتھ رکھا جائے۔ جاسوسی کے خلاف یہی اقدام کارگر ہو سکتا ہے۔"

اس وقت جب عالم جاسوس اور دو لڑکیاں سلطان ایوبی کی زبان سے اس قدر نازک اور اہم منصوبہ سن رہی تھیں، شوبک کے قلعے میں صلیبیوں کی اہم شخصیتوں اور کمانڈروں کی کانفرنس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ پریشان سے تھے۔



ان میں حاتم الاکبر نام کا ایک مصری مسلمان بھی بیٹھا تھا۔ وہ انہیں یہ خبریں تفصیل سے سنا چکا تھا کہ خلیفہ العاضد معزولی کے بعد مر چکا ہے۔ مصر اب بغداد کے خلیفہ کے تحت آ گیا ہے۔ صلیبیوں کا وفادار مسلمان نائب سالار رجب پُراسرار طریقے سے مارا جا چکا ہے۔ وہ جن تین لڑکیوں کو شوبک سے لے گیا تھا وہ ماری جا چکی ہیں اور صلیبیوں کا ایک اور وفادار مسلمان فوجی حاکم فیض الفاطمی بھی جلاد کے ہاتھوں مروا دیا گیا ہے۔ اب حاتم الاکبر نے انہیں یہ خبر بھی سنائی کہ جس عالم جاسوس کو دو لڑکیوں کے ساتھ قاہرہ بھیجا گیا تھا وہ عین اس وقت لڑکیوں سمیت گرفتار ہو گیا ہے جب اس کا مشن کامیاب ہو رہا تھا۔

"یہ ثبوت ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا سراغرسانی کا نظام بہت ہوشیار ہے" ـــ کونارڈ نے کہا ـــ کونارڈ صلیبیوں کا مشہور حکمران اور فوجی کمانڈر تھا۔ اس نے کہا ـــ "ان لڑکیوں کو وہاں سے آزاد کرانا ممکن نہیں۔ نہایت اچھی لڑکیاں ضائع ہوتی جا رہی ہیں۔"

"صلیب کی خاطر ہمیں یہ قربانی دینی پڑے گی" ـــ صلیبیوں کے ایک اور بادشاہ اور فوجی کمانڈر گے آف لوزینان نے کہا ـــ "ہمیں بھی مرنا ہے۔ ہمارے جو آدمی پکڑے گئے ہیں انہیں بھول جاؤ۔ ان کی جگہ اور آدمی بھیجو۔ یہ دو لڑکیاں کہاں سے آئی تھیں؟" ـــ اس نے پوچھا ـــ "اور وہ تین لڑکیاں کون تھیں جو رجب کے ساتھ ماری گئی تھیں؟"

"ان میں دو عیسائی تھیں" ـــ ان کے انٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا ـــ "دونوں اطالوی تھیں اور تین مسلمان تھیں۔ انہیں بچپن میں اڑایا گیا تھا۔ بہت خوبصورت تھیں، جوانی تک انہیں یاد نہیں رہا تھا کہ وہ مسلمان تھیں۔ ہم نے انہیں بچپن میں ہی اس فن کی تربیت دینی شروع کر دی تھی۔ یہ شک نہیں کیا جا سکتا کہ انہیں چونکہ معلوم تھا کہ وہ مسلمان ہیں اس لیے انہوں نے ہمیں دھوکا دیا۔"

"مسلمان تھیں تو کیا؟" ـــ کونارڈ نے کہا اور حاتم الاکبر کی طرف اشارہ کر کے کہا ـــ "ہمارا پیارا دوست حاتم بھی تو مسلمان ہے۔ کیا اسے اپنے مذہب کا پاس نہیں؟" ـــ اس نے شراب کا گلاس حاتم کے ہاتھ میں دے کر کہا ـــ "حاتم جانتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی مصر کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے اور وہ اسلام کے نام پر کھیل رہا ہے۔ ہم مصر کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو مصر میں چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔"

حاتم الاکبر صلیبیوں کی شراب میں بدمست اس کی تائید میں سر ہلا رہا تھا۔ اس نے

کہا — "میں اب وہاں ایسا انتظام کروں گا کہ آپ کا کوئی آدمی وہاں پکڑا نہیں جائیگا۔"

"اگر ہم مصر میں یہ زمین دوز گڑبڑ جاری نہ رکھتے تو صلاح الدین ہم پر کبھی کا حملہ کر چکا ہوتا"— ایک صلیبی کمانڈر نے کہا — "یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم اس کی طاقت اس کے اپنے آدمیوں پر ضائع کر رہے ہیں۔"

"کیا اس کے اور علی بن سفیان کے خاتمے کا ابھی کوئی انتظام نہیں ہوا ہے؟"— کونارڈ نے پوچھا۔

"کئی بار ہو چکا ہے"— انٹیلی جنس کے سربراہ نے کہا — "لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ دونوں پتھر قسم کے انسان ہیں۔ نہ وہ شراب پیتے ہیں نہ عورت کو پسند کرتے ہیں۔ اس لیے نہ انہیں شراب میں کچھ دیا جا سکتا ہے نہ عورت کے ہاتھوں مروایا جا سکتا ہے۔ اب کامیابی کی توقع ہے۔ ایوبی کے باڈی گارڈز میں چار آدمی فدائی ہیں۔ انہیں میں نے بڑی چابکدستی سے وہاں تک پہنچایا ہے۔ جب بھی موقع ملا وہ دونوں کو یا ایک کو ختم کر دیں گے۔"

"کیا ہمارے ہاں ایوبی کے بھیجے ہوئے جاسوس ہیں؟"— گے آف لوزینان نے پوچھا۔

"یقیناً ہیں"— انٹیلی جنس کے سربراہ نے جواب دیا — "جب سے ہم نے مصر میں اور ادھر شام میں جاسوسی اور تباہ کاری کا سلسلہ شروع کیا ہے صلاح الدین نے بھی اپنے جاسوس ہمارے ہاں بھیج دیئے ہیں۔ ان میں سے دو پکڑے گئے ہیں۔ وہ اذیتوں سے مر گئے مگر اپنے کسی تیسرے ساتھی کی نشاندہی نہیں کی۔"

"ان کی کامیابی کس حد تک ہے؟"

"بہت حد تک"— دوسرے نے جواب دیا — "کرک میں ہماری رسد کو جو آگ لگی تھی جس میں آدھی رسد جل گئی اور گیارہ گھوڑے زندہ جل گئے تھے، وہ ایوبی کے تباہ کار جاسوسوں کا کام تھا۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ ہماری جنگی کیفیت اور اہلیت کی پوری معلومات صلاح الدین ایوبی کو ملتی رہتی ہیں۔ اس کے جاسوسوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ جان پر کھیل جاتے ہیں اور کام پوری دیانت داری سے کرتے ہیں۔"

ان میں بہت دیر اس مسئلے پر بحث ہوتی رہی کہ مصر اور شام میں تخریبی کارروائیوں کو کس طرح تیز اور مزید تباہ کن کیا جا سکتا ہے۔ حاتم الاکبر انہیں سلطان ایوبی کی حکومت کی کمزور رگیں اور مضبوط پہلو دکھا رہا تھا۔ آخر فیصلہ ہوا کہ حاتم الاکبر کو کچھ آدمی اور دو تین لڑکیاں دی جائیں۔



اس وقت سلطان ایوبی اپنے دو نائبین اور علی بن سفیان کو اپنے اس منصوبے سے آگاہ کر رہا تھا کہ وہ کرک پر حملہ کریگا۔ اس نے بیس روز بعد کا دن بتایا جب اسے فوجوں کو کوچ کرانا تھا۔ یہ تمام تر منصوبہ عالم جاسوس اور دو لڑکیاں ساتھ والے کمرے میں سن رہی تھیں۔ عالم نے ایک بار پھر لڑکیوں کے ساتھ افسوس کا اظہار کیا کہ انہیں ایک راز معلوم ہو گیا ہے مگر وہ اسے شوبک تک نہیں پہنچا سکتے۔ ایک لڑکی نے کہا: "میں کوشش کروں گی کہ صلاح الدین ایوبی مجھے پسند کرلے۔ اگر تھوڑی سی دیر کے لیے بھی وہ مجھے اپنے ساتھ تنہائی میں رکھ لے تو میں اس سے رہائی پا لوں گی۔ مجھے اُمید ہے کہ میں اس کی عقل پر قبضہ کر لوں گی۔"

"معلوم نہیں اس نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟"— عالم جاسوس نے کہا — "تم دونوں یاد رکھو۔ اگر وہ تمہیں اکیلے اکیلے بلائے تو دونوں یہ کوشش کرنا کہ اسے حیوان بنا سکو۔ اگر وہ شراب پیئے تو تم جانتی ہو کہ اسے کتنی پلا کر بے ہوش کیا جا سکتا ہے۔ وہ بیہوش ہو جائے تو فرار کا طریقہ تم جانتی ہو اور دونوں کو معلوم ہے کہ تمہیں کس کے پاس پہنچنا ہے۔ اس کا گھر مسجد کے بالمقابل ہے۔"

"میں جانتی ہوں"— ایک لڑکی نے کہا — "مہدی ابادان۔"

"ہاں!"— عالم نے کہا — "اگر تم مہدی تک پہنچ گئیں تو وہ تمہیں شوبک تک پہنچا دے گا۔ میرے فرار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے ایوبی کا منصوبہ سُن لیا ہے۔ کوچ کی تاریخ یاد رکھو۔ راستہ یاد کرلو۔ کوچ رات کے وقت ہوا کرے گا۔ دن کے وقت اس کی فوج کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ حملہ کرک پر ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ یہ اطلاع قبل از وقت پہنچ گئی تو ہماری فوج ایوبی کو راستے میں روک لے گی۔ ایوبی اسی صورتِ حال سے ڈرتا ہے۔ شوبک میں جا کر یہ خاص طور پر بتانا کہ ایوبی کھلے میدان میں آمنے سامنے نہیں لڑنا چاہتا کیونکہ اس کے پاس فوج کم ہے۔"

سلطان ایوبی کے کمرے سے ایسی آوازیں آئیں جیسے اجلاس ختم ہو گیا ہو اور نائبین باہر جا رہے ہیں۔ عالم اور لڑکیاں فوراً اس جگہ سرک گئیں جہاں انہیں بٹھایا گیا تھا۔ عالم کے کہنے پر انہوں نے سر گھٹنوں میں دے لیے جیسے انہوں نے کچھ بھی نہیں سنا اور گرد و پیش کا کوئی ہوش نہیں۔ انہیں اپنے کمرے میں قدموں کی آواز سنائی دی تو بھی انہوں نے اوپر نہ دیکھا۔ عالم نے اس وقت اوپر دیکھا جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا — "اٹھو۔ میرے ساتھ آؤ"— وہ علی بن سفیان تھا۔ علی نے لڑکیوں کو بھی اٹھایا اور انہیں سلطان ایوبی کے کمرے میں لے گیا۔

"میں تمہارے علم اور تمہاری ذہانت کی داد دیتا ہوں"۔۔۔ سلطان ایوبی نے عالم جاسوس سے کہا۔ "ان کی زنجیریں کھول دو ..... تم تینوں بیٹھ جاؤ"۔ علی بن سفیان باہر نکل گیا۔

سلطان ایوبی نے عالم سے کہا۔۔۔ "لیکن تم علم کو کس شیطانی کام میں استعمال کر رہے ہو۔ اس کی بجائے تم یہاں آکر اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تو میں تمہاری قدر دل کی گہرائیوں سے کرتا کہ تم اپنے مذہب اور اپنے نبی کی خدمت کر رہے ہو۔ کیا تمہارے مذہب میں یہ روا ہے کہ تم دوسرے مذہب کی عبادت گاہ میں اس کے مذہب میں جھوٹ شامل کرو؟ کیا تمہارے دل میں اپنی مقدس صلیب کا، حضرت عیسیٰ کا اور کنواری مریم کا یہ احترام ہے کہ جھوٹ اور ابلیسیت جیسے بیرو گناہ کر کے تم ان کی عبادت کرتے ہو؟"

"یہ جھوٹ میرے فرائض میں شامل ہے"۔۔۔ عالم نے کہا۔۔۔ "میں نے جو کچھ کیا مقدس صلیب کے لیے کیا"۔

"تم کہتے ہو کہ تم نے انجیل اور قرآن کا گہرا مطالعہ کیا ہے"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "کیا ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں بھی انسان کو اس کی اجازت دی گئی ہے کہ اس قسم کی نوخیز لڑکیوں کو بدکاری کی راہ پر ڈالو اور غیر مردوں کے پاس بھیج کر اپنی مطلب براری کرو؟ کیا انجیل نے تمہیں کہا ہے کہ صلیب کی خاطر اپنی قوم کی بیٹیوں کی عصمت دوسروں کے حوالے کر دو؟ کیا تم نے کسی مسلمان لڑکی کو قرآن اور اسلام کے نام پر اپنی عصمت غیر مردوں کے حوالے کرتے کبھی دیکھا ہے؟"

"اسلام کو میں عیسائیت کا دشمن سمجھتا ہوں"۔۔۔ عالم نے کہا۔۔۔ "مجھے جو زہر ہاتھ آئے گا اسلام کی رگوں میں ڈالوں گا"۔

"تم اتنے میٹھے زہر سے چند ایک مسلمانوں کے کردار کو ہلاک کر سکتے ہو"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکو گے"۔۔۔ اس نے لڑکیوں سے کہا۔۔۔ "تم کس خاندان کی بیٹیاں ہو؟ معلوم ہے تمہیں؟ اپنی اصلیت جانتی ہو تو مجھے بتاؤ"۔ دونوں خاموش رہیں۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "تم نے اپنی پاکیزگی ختم کرالی ہے۔ اب بھی تم کسی باعزت گھر کی قابلِ احترام بیویاں بن سکتی ہو؟"

"میں قابلِ احترام بیوی بننا چاہتی ہوں"۔۔۔ ایک لڑکی نے کہا۔۔۔ "کیا آپ مجھے قبول کریں گے؟ اگر نہیں تو مجھے کوئی باعزت خاوند دے دیں۔ میں اسلام قبول کر کے گناہوں سے توبہ کر لوں گی"۔

سلطان ایوبی مسکرایا اور ذرا سوچ کر کہا۔۔۔ "میں نہیں چاہتا کہ اس عالم کا علم جلاّد

کی تلوار سے خون میں ڈوب جائے اور میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں کی جوانی اور حسن میرے قید خانے میں گلتا سڑتا رہے..... سنو لڑکی! تم اگر واقعی گناہوں سے توبہ کرنا چاہتی ہو تو میں تمہیں تمہارے ملک میں بھیج دیتا ہوں، لیکن وہ ملک تمہارا نہیں، ہمارا ہے۔ میں ایک نہ ایک دن اپنا ملک تمہارے بادشاہوں سے لے لوں گا۔ تم جاؤ اور کسی کی بیوی بن جاؤ... میں تم تینوں کو رہا کرتا ہوں"۔

تینوں یوں بدکے جیسے انہیں سوئیاں چبھوری گئی ہوں۔ اتنے میں علی بن سفیان لوہار کے ساتھ کمرے میں آیا اور تینوں کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ سلطان نے کہا۔ "علی! میں نے انہیں رہا کردیا ہے"۔ علی بن سفیان کا ردِ عمل بھی وہی تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سلطان ایوبی کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔ سلطان نے کہا۔ "انہیں تین اونٹ دو اور چار مسلح محافظ ساتھ بھیجو جو گھوڑ سوار ہوں۔ نہایت ذہین اور دلیر محافظ جو انہیں شوبک کے قلعے میں چھوڑ کر واپس آجائیں۔ راستے کے لیے سامان ساتھ دو اور آج ہی انہیں روانہ کردو"۔ اس نے عالم سے کہا۔ "وہاں جاکر یہ غلط فہمی نہ پھیلا دینا کہ صلاح الدین ایوبی جاسوسوں کو بخش دیا کرتا ہے۔ میں انہیں دانے کی طرح چکی میں پیس پیس کر مارا کرتا ہوں۔ تمہیں صرف اس لیے رہا کررہا ہوں کہ تم عالم ہو۔ تمہیں موقع دے رہا ہوں کہ علم کا روشن پہلو دیکھو۔ تمہاری نجات اسی میں ہے"۔

✪

سورج ابھی غروب نہیں ہُوا تھا جب انہیں اونٹوں پر سوار کرکے چار محافظوں کے ساتھ روانہ کردیا گیا۔ محافظ خاص طور پر منتخب کیے گئے تھے۔ اس انتخاب کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ تھا۔ دوسری وجہ یہ کہ انہیں صلیبی کمانڈروں کے سامنے جانا تھا۔ وہ خوبرو اور وجیہہ تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی نہایت اچھی قسم کے بھیجے گئے تھے، مگر سب حیران تھے کہ سلطان ایوبی نے یہ فیاضی کیوں کی ہے۔ دشمن کو بخش دینا اس کا شیوہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان نے اس سے پوچھا تو اس نے اتنا ہی کہا۔ "علی، میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ایک جُوا کھیلنا چاہتا ہوں۔ اگر میں بازی ہار گیا تو صرف اتنا ہی نقصان ہوگا جو میں پہلے ہی اٹھا چکا ہوں کہ دشمن کے تین جاسوس میرے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی نقصان نہیں ہوگا"۔ علی بن سفیان نے اس جوئے کی وضاحت چاہی لیکن سلطان ایوبی نے اسی پر بات ختم کردی کہ وقت آنے پر بتاؤں گا۔

باقی سب تو حیران تھے مگر رہا ہونے والے خوشی سے باؤلے ہوئے جا رہے تھے۔ خوشی صرف رہائی کی نہیں تھی۔ اصل خوشی اس راز کی تھی جو وہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ وہ قاہرہ شہر سے دور نکل گئے تھے۔ ان کے اونٹ پہلو بہ پہلو جا رہے تھے۔ دو محافظ آگے تھے اور دو پیچھے۔ عالم نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ ان کی زبان سمجھتے ہیں؟ چاروں اپنی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ عالم اور لڑکیاں ان کی زبان بڑی روانی سے بولتی تھیں۔ یہ انہیں خاص طور پر سکھائی گئی تھی۔

عالم نے لڑکیوں سے اپنی زبان میں کہا ــــ "خدائے یسوع مسیح نے معجزہ دکھایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُسے ہمارے ساتھ پیار ہے اور اسے ہماری فتح منظور ہے۔ یہ سچے مذہب کی نشانی ہے۔ صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان جیسے داناؤں کو خدا نے عقل کا ایسا اندھا کیا ہے کہ انتہائی خطرناک راز ہمارے کانوں میں ڈال کر ہمیں رہا کر دیا ہے۔ ہم اپنی فوج کو ان کا سارا منصوبہ سنائیں گے اور ہماری فوج ایوبی کو صحرا میں گھیر کر ختم کر دے گی۔ اسے کرک تک پہنچنے کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے کمانڈر جنگ کو حملے تک محدود نہیں رکھیں گے۔ وہ مصر پر ضرور چڑھائی کریں گے۔ مصر فوجوں سے خالی ہوگا۔ یہ فتح بڑی آسان ہوگی"۔

"آپ عالم ہیں، تجربہ کار ہیں"۔ ـــ ایک لڑکی نے کہا "مگر آپ جسے معجزہ کہہ رہے ہیں وہ مجھے ایک خطرہ دکھائی دے رہا ہے۔۔۔ خطرہ یہ چار محافظ ہیں۔ کہیں آگے جا کر یہ ہمیں قتل کر کے واپس چلے جائیں گے۔ صلاح الدین ایوبی نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ جلاد کے حوالے کرنے کی بجائے ہمیں ان کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ ہمیں جی بھر کے خراب کریں گے اور قتل کر دیں گے"۔

"اور ہم نہتے ہیں"۔ ــ عالم نے یوں کہا جیسے اس کے ذہن سے خوش فہمیاں نکل گئی ہوں۔ اس نے کہا ــ "تم نے جو کہا ہے وہ درست ہو سکتا ہے۔ کوئی حکمران اپنے دشمن کے جاسوس کو بخش نہیں سکتا اور مسلمان اس قدر جنس پرست ہیں کہ تم جیسی حسین لڑکیوں کو چھوڑ نہیں سکتے"۔

"ہمیں راتوں کو چوکنا رہنا پڑے گا"۔ ــــ دوسری لڑکی نے کہا "اگر رات کو یہ سو جائیں تو انہیں انہی کے ہتھیاروں سے ختم کر دیا جائے۔ ذرا ہمت کی ضرورت ہے"۔

"ہمیں یہ ہمت کرنی پڑے گی"۔ ــ عالم نے کہا ــ "یہ کام آج ہی رات ہو جائے



تو اچھا ہے۔ صبح تک ہم بہت دور نکل جائیں گے"۔

دو محافظ آگے اور دو پیچھے اپنی گپ شپ لگاتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ دو ایسی دلکش لڑکیاں ان کی تحویل میں ہیں۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ایک نے عالم سے کہا کہ ہم ابھی رکیں گے نہیں۔ رات کا پہلا پہر چلتے گزاریں گے۔۔۔ وہ چلتے گئے اور صحرا کی رات تاریک ہوتی گئی۔ عالم اور لڑکیاں اونٹوں کو قریب کر کے محافظوں کے قتل کا منصوبہ بنا رہی تھیں۔ بہت دیر بعد ایک سرسبز سی جگہ آ گئی۔ محافظ رک گئے اور وہیں پڑاؤ کیا۔ انہوں نے کھانے کے لیے جاسوسوں کو سامان دیا اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگے۔ جاسوسوں نے دیکھا کہ تین محافظ لیٹ گئے تھے اور ایک ٹہل رہا تھا۔ عالم لڑکیوں کے ساتھ محافظوں سے کچھ دور لیٹا۔ ان تینوں کی نظر محافظوں پر تھی۔ وہ چوتھے محافظ کو دیکھتے رہے۔ وہ پڑاؤ کے اردگرد ٹہلتا رہا۔ ایک کھٹکا سا ہوا۔ وہ دوڑ کر ادھر گیا اور اچھی طرح دیکھ بھال کر کے آ گیا۔

تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ اس نے اپنے ایک اور ساتھی کو جگایا اور خود اس کی جگہ بیٹھ گیا۔ جو جاگا تھا وہ پڑاؤ کے اردگرد ٹہلنے لگا۔ کبھی جانوروں کے پاس جا کر انہیں دیکھتا اور کبھی سوئے ہوئے انسانوں کو دیکھتا۔ عالم نے لڑکیوں سے کہا ــ "ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ یہ کمبخت پہرہ دے رہے ہیں، جو ہوگا ہو کے رہے گا، سو جاؤ"۔ ـــ اور وہ سو گئے۔

رات گزر گئی۔ صبح ابھی دھندلی تھی جب محافظوں نے انہیں جگایا اور روانہ ہونے کے لیے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی ترتیب میں چلے جا رہے تھے جس میں ایک روز پہلے تھے۔ تین اونٹ پہلو بہ پہلو، دو محافظ آگے اور دو اونٹوں کے پیچھے۔ وہ ایک بار پھر لڑکیوں سے لاتعلق ہو گئے۔ انہوں نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی تھی جس سے شک ہوتا کہ یہ لوگ اوباش یا بدمعاش ہیں۔ سورج ابھرتا آیا۔ پھر یہ قافلہ ٹیلوں کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ مٹی اور ریت کی پہاڑیاں منقش سی دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان میں گلیاں سی تھیں اور ان پر پہاڑیوں کا سایہ تھا۔ لڑکیاں ڈرنے لگیں۔ ڈر ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہ میں یہ جگہ جرم اور قتل وغیرہ کے لیے موزوں تھی مگر محافظ ان کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے۔

"ان سے کہو کہ ہمارے ساتھ باتیں کریں"۔ ــ ایک لڑکی نے عالم سے کہا۔

"ان کی خاموشی اور لاتعلقی مجھے ڈرا رہی ہے۔ انہیں کہو کہ ہمیں مارنا چاہتے ہیں تو فوراً مار دیں۔ میں موت کا انتظار نہیں کر سکتی۔"

عالم خاموش رہا۔ وہ لڑکیوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تینوں ان محافظوں کے رحم و کرم پر تھے..... سورج سر پر آگیا تو وہ ان ٹیلوں کے اندر ایسی جگہ رک گئے جہاں ریت کی سلوٹوں والے ٹیلے تھے اور اوپر جا کر آگے کو جھکے ہوئے۔ ان کے سائے میں انہوں نے قیام کیا۔ کھانے کے دوران عالم نے محافظوں سے پوچھا۔ "تم لوگ ہمارے ساتھ باتیں کیوں نہیں کرتے؟"

"جو باتیں ہمارے فرض میں شامل نہیں وہ ہم نہیں کیا کرتے" — محافظوں کے کمانڈر نے جواب دیا اور پوچھا۔ "اگر تم لوگ کوئی خاص بات کرنا چاہتے ہو تو ہم سنیں گے اور جواب دیں گے۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم کون ہیں؟" عالم نے پوچھا۔

"تم تینوں جاسوس ہو" — محافظ نے جواب دیا۔ "یہ لڑکیاں بکار ہیں۔ یہ اُن آدمیوں کے استعمال کے لیے ہیں جنہیں تم لوگ ہمارے خلاف استعمال کرنا چاہتے ہو۔ امیرِ مصر صلاح الدین ایوبی، اللہ اس کے نیک ارادوں میں برکت دے، نے تمہیں معلوم نہیں کیوں بخش دیا ہے۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ تمہیں قلعہ شوبک میں چھوڑ آئیں۔ تم امانت ہو..... تم نے یہ بات مجھ سے کیوں پوچھی ہے؟"

"تمہارے ساتھ باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا" — عالم نے جواب دیا — "اتنا لمبا سفر اس لاتعلقی اور بیگانگی سے بڑا کٹھن ہو رہا ہے۔ ہمارے ساتھ باتیں کرتے چلو۔"

"ہم ہمسفر ہیں" — محافظ نے کہا — "لیکن ہماری منزلیں جدا ہیں۔ دو روز بعد ہم جدا ہو جائیں گے۔"

عالم جاسوس نے جیسے محافظ کا جواب سنا ہی نہ ہو۔ اس کی آنکھیں کسی دُور کی چیز کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ صحرا سے اچھی طرح واقف تھا۔ صحرا کے خطروں سے واقف تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور غالباً ڈر سے پھٹتی جا رہی تھیں۔ محافظ نے اس طرف دیکھا جس طرف عالم دیکھ رہا تھا۔ محافظ کی بھی آنکھیں کھل گئیں — کوئی دو سو گز دور ایک بلند جگہ دو اونٹ کھڑے تھے۔ ان پر دو آدمی سوار تھے جن کے چہروں اور سروں پر پگڑیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ اونٹوں کی ٹانگیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ بلندی کے پیچھے تھیں۔ سوار خاموشی



سے کھڑے محافظوں اور جاسوسوں کے قافلے کو دیکھ رہے تھے۔ ان کا انداز اور لباس بتا رہا تھا کہ وہ کون ہیں۔

"جانتے ہو یہ کون ہیں؟" — محافظوں کے کمانڈر نے عالم سے پوچھا۔

"صحرائی ڈاکو" — عالم نے جواب دیا — "معلوم نہیں کتنے ہوں گے۔"

"دیکھا جائے گا" — محافظ نے کہا۔ اس نے اٹھتے ہوئے اپنے ایک ساتھی سے کہا — "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر ڈاکوؤں کی طرف چلے گئے۔ ان کے پاس تلواروں کے علاوہ برچھیاں بھی تھیں۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر شتر سوار بلندی کے پیچھے غائب ہو گئے۔ دو محافظ جو پیچھے رہ گئے تھے، قریب کے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ عالم نے لڑکیوں سے کہا — "میرا خیال ہے تمہارا اندیشہ صحیح ثابت ہو رہا ہے۔ یہ ڈاکو نہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کے بھیجے ہوئے آدمی معلوم ہوتے ہیں ورنہ یہ محافظ اتنی دلیری سے ان کی طرف نہ چلے جاتے۔ ایوبی تم دونوں کو بہت زیادہ ذلیل کرانا چاہتا ہے۔ میرے لیے تو موت لکھی ہوئی ہے۔ تمہیں بڑی خوفناک سزا دی جائے گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم آزاد نہیں" — ایک لڑکی نے کہا — "ہم ابھی تک قیدی ہیں؟"

"یہی معلوم ہوتا ہے" — دوسری لڑکی نے کہا۔

دونوں محافظ واپس آ گئے۔ ان کے ساتھی اور جاسوس ان کے گرد جمع ہو گئے۔ محافظوں کا کمانڈر جس کا نام حدید تھا انہیں بتانے لگا — "وہ صحرائی قزاق ہیں۔ ہم ان سے مل آئے ہیں۔ ان کی تعداد معلوم نہیں ہو سکی۔ یہ دونوں جو ہمیں دیکھ رہے تھے کہتے ہیں کہ صبح سے ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ تم فوج کے آدمی اور مسلمان معلوم ہوتے ہو لیکن یہ لڑکیاں مسلمان نہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو، ہم تمہیں پریشان نہیں کریں گے۔ میں نے انہیں کہا ہے کہ یہ لڑکیاں کسی بھی مذہب کی ہوں، ہمارے پاس امانت ہیں۔ ہم جیتے جی تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ ہم اپنی جانیں ضائع نہ کریں۔ میں انہیں کہہ آیا ہوں کہ پہلے ہماری جانیں ضائع کرو پھر لڑکیوں کو لے جانا۔" اس نے عالم اور لڑکیوں سے پوچھا — "تم کوئی ہتھیار استعمال کر سکتے ہو؟"

"ان لڑکیوں کو ہر ایک ہتھیار چلانے کی تربیت دی گئی ہے" — عالم نے کہا — "تمہارے پاس برچھیاں ہیں، تلواریں بھی ہیں اور تیر کمان بھی ہیں۔ ان میں سے ایک ایک ہتھیار ہمیں

دے دو۔"

"ابھی نہیں"۔ حدید نے سوچ کر کہا۔ "میں قبل از وقت تمہیں ہتھیار نہیں دے سکتا۔ اگر ڈاکوؤں سے ٹکر ہوگئی تو اس وقت دے دوں گا..... ہمیں اس علاقے سے فوراً نکل جانا چاہیے۔ ان سے گھوڑوں اور اونٹوں پر لڑائی ہوگئی تو یہ علاقہ موزوں نہیں گھوڑے گھما پھرا کر لڑنے کے لیے یہ جگہ خراب ہے۔"

وہ فوراً وہاں سے چل پڑے۔ محافظوں نے کمانیں ہاتھوں میں لے لیں اور ترکش کھول لیے۔ حدید آگے تھا۔ اُسے اس کے ساتھی نے کہا۔ "ان جاسوسوں کو ہتھیار دینا ٹھیک نہیں۔ آخر ہمارے دشمن ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ڈاکوؤں کے ساتھ مل کر ہمیں مار ڈالیں۔"

عالم لڑکیوں سے کہہ رہا تھا۔ "ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں، انھوں نے ہمیں ہتھیار دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ڈاکو ان کے اپنے آدمی ہیں۔ یہ تم دونوں کو ان کے حوالے کریں گے اور مجھے مروا دیں گے۔"

دونوں کو ایک دوسرے پر بھروسہ نہیں تھا اور دونوں پر ڈاکوؤں کا ڈر سوار ہوگیا تھا۔ حدید نے اپنے محافظوں سے کہہ دیا تھا کہ کوئی نقاب پوش نظر آئے تو مجھے بتائے بغیر اس پر تیر چلا دو۔ ان کے ساتھ ٹکر ضرور ہوگی۔ دیکھنا یہ ہے کہ کب ہوگی اور کہاں ہوگی..... وہ تیز رفتاری سے چلتے گئے۔ گھوڑوں اور اونٹوں کو آرام، چارہ اور پانی ملتا رہا تھا، اس لیے تھکن کا ان پر کوئی اثر نہیں تھا۔ ٹیلوں کا علاقہ بہت دور چلا گیا تھا۔ کئی جگہوں پہ یہ قافلہ اونچے ٹیلوں کے درمیان آجاتا تھا۔ حدید کو ڈر یہ تھا کہ ڈاکو اوپر سے تیر نہ برسا دیں۔ اس نے گھوڑوں کو ایڑ لگانے کو کہا اور جاسوسوں سے کہا کہ وہ بھی اونٹوں کو گھوڑوں کی رفتار پر کرلیں اور اوپر کو دیکھتے رہیں۔

وہ اس علاقے سے نکل گئے۔ کوئی ڈاکو نظر نہیں آیا۔ سورج نیچے جانے لگا تھا۔ ایک بار دور دو اونٹ اسی سمت پر جاتے نظر آئے، جدھر یہ قافلہ جا رہا تھا۔ قافلہ چلتا رہا۔ راستے میں ایک جگہ پانی مل گیا۔ انھوں نے جانوروں کو پانی پلایا، خود بھی پیا اور چل پڑے۔ سورج نیچے جاتا رہا اور افق کے پیچھے چلا گیا۔ شام تاریک ہوئی تو حدید نے قافلے کو روک لیا۔ کہنے لگا۔ "یہ جگہ لڑائی کے لیے اچھی ہے کیونکہ اردگرد کوئی رکاوٹ نہیں۔"۔۔۔ اس نے گھوڑوں کی زینیں کھولی نہیں،



تاکہ ضرورت کے وقت گھوڑے تیار رہیں۔ اونٹوں کو بٹھا دیا گیا۔ کھانا کھا کر حدید نے لڑکیوں کو اپنے درمیان لٹایا اور انھیں کہا کہ وہ ہوشیار رہیں۔ محافظوں سے کہا کہ وہ کمانیں تیار رکھیں۔ سوئیں نہیں، لیٹے رہیں۔ اسے یقین تھا کہ رات کو حملہ ضرور ہوگا۔

✪

رات آدھی گزر گئی۔ صحرا پُرسکون اور خاموش رہا۔ پھر اچانک ان کے گرد بھوتوں جیسے بڑے بڑے سائے دوڑنے لگے۔ اونٹوں کے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی اور زمین ہل رہی تھی۔ اونٹوں کی تعداد دس سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ان پر ایک ایک سوار تھا۔ وہ محافظوں وغیرہ کو دہشت زدہ کرنے کے لیے ان کے اردگرد اونٹوں کو دوڑا رہے تھے۔ تین چار چکر پورے کرکے ایک نے للکارا۔ "لڑکیاں ہمارے حوالے کردو۔ تم سے کچھ اور لیے بغیر ہم چلے جائیں گے۔"

اس کے جواب میں حدید نے لیٹے لیٹے پہلا تیر چلایا۔ جسے تیر لگا اس کی بڑی زور کی آواز سنائی دی۔ دوسرے محافظوں نے بھی لیٹے لیٹے ایک ایک تیر چلایا۔ دو اونٹ بلبلا کر بولے اور بے قابو ہوگئے۔ حدید نے لڑکیوں سے کہا۔ "بھاگنا نہیں ہمارے ساتھ رہنا۔"

شتر سواروں میں سے کسی نے کہا۔ "ٹوٹ پڑو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ لڑکیوں کو اٹھا لو۔"

صحرا کی رات اتنی شفاف ہوتی ہے کہ چاندنی نہ ہو تو بھی کچھ دور تک نظر آجاتا ہے۔ شتر سوار اونٹوں سے کود آئے۔ پھر تلواریں اور برچھیاں ٹکرانے کا اور دونوں فریقوں کی للکار کا شور رات کا جگر چاک کرنے لگا۔ کسی کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔ حدید اور محافظ نے لڑکیوں کو اس طرح اپنے درمیان کر لیا تھا کہ محافظوں کی پیٹھیں لڑکیوں کی طرف تھیں۔ لڑکیوں نے کئی بار کہا کہ ہمیں بھی کچھ دو۔ حدید نے کہا۔ "میری تلوار نکال لو۔" وہ خود برچھی سے لڑ رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اس کی نیام سے تلوار نکال لی اور دونوں محافظوں کے درمیان سے نکل گئی۔ حدید نے اسے کہا۔ "ہم سے جدا نہ ہونا لڑکی"۔۔۔ ڈاکوؤں کا زیادہ زور لڑکیوں پر تھا۔ عالم کی کوئی آواز نہ سنائی دی۔

یہ معرکہ بہت دیر لڑا جاتا رہا۔ آدمی بکھرتے چلے گئے۔ محافظ ایک دوسرے کو پکارتے رہے پھر ان کی پکار ختم ہوگئی۔ معرکے کا شور بھی کم ہوتا گیا۔ حدید نے

اپنے ساتھیوں کو پکارا لیکن اُسے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔ اسے ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے پکار رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ حدید سمجھ گیا کہ کوئی ڈاکو ایک لڑکی کو اونٹ کی بجائے کسی محافظ کے گھوڑے پر ڈال کر لے گیا ہے۔ وہ دوڑ کر ایک گھوڑے تک پہنچا۔ زین کسی ہوئی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور بھاگنے والے گھوڑے کے ٹاپوؤں کی آواز پر تعاقب میں گیا۔ دوسری لڑکی کے متعلق اسے معلوم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ صحرا میں کوئی رکاوٹ، کوئی ندی نالہ نہیں تھا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ اگلا گھوڑا بھی اچھی نسل کا تھا۔ فرق یہ کہ اُس گھوڑے پر دو سوار تھے۔

کوئی ایک میل بعد حدید کو اگلے گھوڑے کا سایہ نظر آنے لگا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا۔ فاصلہ کم ہو رہا تھا۔ حدید نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے بھی ایک گھوڑا آ رہا ہے جس کا سوار محافظ بھی ہو سکتا تھا ڈاکو بھی۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پچھلا گھوڑا قریب آ گیا تھا۔ حدید نے پکارا — "کون ہو؟" — اُسے جواب نہ ملا۔ اس نے تعاقب جاری رکھا اور گھوڑے کو اور زیادہ تیز کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اگلا گھوڑا سیدھا جا رہا تھا۔ اس کی باگ شاید لڑکی کے ہاتھ میں آ گئی تھی کیونکہ حدید دیکھ رہا تھا کہ وہ گھوڑا دائیں بائیں ہو رہا ہے اور اس کی رفتار بھی گھٹتی جا رہی ہے..... وہ اس تک پہنچ گیا۔ اس کے پاس برچھی تھی۔ اس نے اگلے سوار کے پہلو پر جا کر برچھی کا وار کیا لیکن وہ گھوڑا ایک طرف ہو گیا۔ سوار تو بچ گیا برچھی گھوڑے کو لگی۔ حدید نے گھوڑا روکا اور گھمایا۔ دوسرا سوار بھی گھوڑے کو گھمانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن لڑکی جو اس کے آگے بیٹھی تھی، باگیں اِدھر اُدھر کر کے گھوڑے کا رُخ صحیح نہیں ہونے دیتی تھی۔ حدید نے لڑکی کو پکارا تو لڑکی اور زیادہ دلیر ہو گئی۔

سوار لڑکی کو ساتھ لیے گھوڑے سے کود گیا اور اس نے اپنے گھوڑے کو ڈھال بنا لیا۔ حدید اپنے گھوڑے کو گھما گھما کر لاتا مگر جدھر سے بھی وار کرنے آتا ڈاکو لڑکی کو ساتھ لیے اپنے گھوڑے کی اوٹ میں ہو جاتا۔ آخر حدید گھوڑے سے اتر آیا۔ اتنے میں دوسرا سوار بھی آ گیا۔ وہ محافظ نہیں ڈاکو تھا۔ وہ بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ حدید نے انہیں للکارا۔ "لڑکی کو نہیں لے جا سکو گے" — ایک ڈاکو نے لڑکی کو دبوچے رکھا اور دوسرا حدید سے لڑنے لگا۔ لڑکی کے پاس اب تلوار نہیں تھی۔ دوسرے ڈاکو نے لڑکی کو چھوڑ دیا اور وہ حدید پر ٹوٹ پڑا۔



حدید نے لڑکی کو پکار کر کہا — "تم گھوڑے پر بیٹھو اور شوبک کی طرف نکل جاؤ۔ میں ان دونوں کو تمہارے پیچھے نہیں آنے دوں گا" — مگر لڑکی وہیں کھڑی رہی۔

حدید نے دونوں کا خوب مقابلہ کیا۔ ڈاکوؤں نے اسے بار بار کہا — "ایک لڑکی کے لیے اپنی جان مت گنواؤ" — حدید نے ہر بار یہی جواب دیا — "پہلے میری جان لو پھر لڑکی کو لے جانا" — اور اس نے کئی بار لڑکی سے کہا — "تم یہاں کیوں کھڑی ہو، بھاگو یہاں سے" آخر لڑکی نے کہا — "تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی" — حدید زخمی ہونے لگا۔ اس نے ایک بار پھر لڑکی سے کہا — "میں زخمی ہو گیا ہوں۔ میرے مرنے سے پہلے نکل جاؤ"

ایک ڈاکو لڑکی کی طرف گھوما۔ حدید کو موقع مل گیا۔ اس نے برچھی اس کے پہلو میں اتار دی، لیکن اس وقت دوسرے ڈاکو کی تلوار اس کے کندھے پر لگی۔ لڑکی نے ایک ڈاکو کو گرتے دیکھ لیا۔ اس نے دوڑ کر اس کی تلوار لے لی اور پیچھے سے آ کر دوسرے ڈاکو کی پیٹھ میں برچھی کی طرح اتار دی۔ وہ سنبھلنے لگا تو آگے سے حدید کی برچھی اس کے سینے میں اتر گئی۔ وہ ڈاکو بھی ختم ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی حدید بھی کھڑا رہنے کے قابل نہ رہا۔ لڑکی نے اسے سہارا دیا تو اس نے کہا — "تم ٹھیک ہو نا؟ مجھے چھوڑ دو۔ گھوڑے پر بیٹھو اور فوراً شوبک کو روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں خیریت سے پہنچا دے گا۔ شوبک دور نہیں۔ اپنے ساتھیوں کی طرف نہ جانا۔ وہاں شاید کوئی زندہ نہیں ہوگا"

"زخم کہاں کہاں ہیں؟" لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"مجھے مرنے دو لڑکی!" حدید نے کہا — "تم نکل جاؤ۔ خدا کے لیے میرا فرض تم خود ہی پورا کر دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اور قزاق اِدھر آ نکلے"

لڑکی کی غلط فہمی اور شکوک رفع ہو چکے تھے۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس شخص نے اس کی خاطر جان خطرے میں ڈالی ہے۔ اس نے اسے اکیلا چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ دوڑ کر گئی۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی پانی کی چھاگل کھول لائی اور حدید کے منہ کے ساتھ لگا دی۔ اسے پانی پلا کر چھاگل گھوڑے کے ساتھ باندھ دی اور اس سے پوچھنے لگی کہ اس کے زخم کہاں ہیں۔ حدید نے اسے زخم بتائے تو اس نے اپنے کپڑے پھاڑے اور کچھ ٹکڑے حدید کے لباس سے پھاڑے۔ انہیں پانی میں بھگو کر اس نے حدید کے زخموں پر باندھ دیا۔ اسے اس کام کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ اس نے حدید کو سہارا دے کر اٹھایا اور گھوڑے تک لے گئی۔ بڑی مشکل سے اسے گھوڑے پر بٹھایا۔ خود دوسرے گھوڑے پر بیٹھنے لگی تو حدید نے کہا — "میں اکیلا گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکوں گا" — وہاں تین

گھوڑے تھے۔ لڑکی نے یہ دانشمندی کی کہ گھوڑے ضائع کرنے مناسب نہ سمجھے۔ دو گھوڑوں کی باگیں ایک گھوڑے کی زین کے پیچھے باندھ دیں اور خود حدید کے پیچھے سوار ہوگئی۔ اس نے حدید کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا لی اور اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔

"شوبک کی سمت بتا سکتے ہو؟" — لڑکی نے پوچھا۔

حدید نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ستارے دیکھے اور ایک طرف اشارہ کرکے کہا — "اس رخ کو چلو" — پھر اس نے کہا — "میں شاید زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ خون نکل رہا ہے۔ جہاں کہیں میری جان نکل جائے مجھے وہیں دفن کردینا اور اگر تمہیں میری نیت پر کوئی شبہ تھا تو وہ دل سے نکال کر مجھے بخش دینا۔ میں نے امانت میں خیانت نہیں کی۔ خدا تمہیں زندہ و سلامت اپنے ٹھکانے پر پہنچا دے۔"

گھوڑا چلا جا رہا تھا اور رات گزرتی جا رہی تھی۔

صبح طلوع ہوئی تو حدید نیم بے ہوشی کی حالت میں تھا اور اپنے آپ کو ہوش میں رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔ اس کا خون رک گیا تھا لیکن زیادہ تر خون بہہ جانے سے اُس کا جسم بے جان ہوگیا تھا۔ لڑکی نے اسے چھوٹے سے نخلستان میں اتارا، اسے پانی پلایا۔ گھوڑوں کے ساتھ کچھ کھانے کی چیزیں بندھی ہوئی تھیں، وہ حدید کو کھلائیں۔ اس سے اس کا دماغ صاف ہونے لگا۔ اسے پہلا خیال یہ آیا کہ پہلے وہ اس لڑکی کا محافظ تھا اب اس کا قیدی ہے۔ لڑکی نے اسے لٹا دیا۔ وہ رات بھر گھوڑے پر سوار رہے تھے۔ کچھ دیر کے آرام سے حدید کا جسم ٹھکانے آگیا۔ اس نے لڑکی سے کہا — "شوبک دور نہیں شاید ایک دن کی مسافت ہے۔ تم ایک گھوڑا لو اور اسے بھگاتی لے جاؤ، جلدی پہنچ جاؤ گی۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"تم زندہ واپس نہیں پہنچ سکو گے۔" لڑکی نے کہا — "اگر یہیں سے واپس جانا ہے تو مجھے ساتھ لے چلو۔ تم نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا، میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔"

"میں مرد ہوں۔" حدید نے کہا — "میرا دل نہیں مان رہا کہ ایک لڑکی میری حفاظت کرے۔ اس سے بہتر ہے کہ میں مر جاؤں۔"

"میں ان معمولی سی لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو گھروں میں پڑی رہتی ہیں۔" لڑکی نے کہا — "اور جو مرد کی حفاظت کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتیں۔ مجھے ایک فوجی مرد سمجھو۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرا ہتھیار میری خوبصورتی، میری جوانی اور میری چرب زبانی



ہے۔ میں تمہاری طرح سختیاں برداشت کرسکتی ہوں۔ میں شوبک تک پیدل پہنچ سکتی ہوں۔"

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔" حدید نے کہا — "ڈاکو ہم دونوں کو کتنا قریب لے آئے ہیں مگر ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ تم میرے ملک کی بنیادیں ہلانے کی کوشش کر رہی ہو اور ایک دن میں تمہارے ملک پر حملہ کرنے آؤں گا۔"

"لیکن اس وقت میری دوستی قبول کرلو۔" لڑکی نے کہا — "دشمنی کی باتیں اُس وقت سوچیں گے جب تم تندرست ہوکر اپنے ملک میں چلے جاؤ گے۔" اس نے حدید کی گردن کے نیچے بازو کرکے اسے اٹھایا۔ حدید اب اٹھ سکتا تھا۔ وہ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا گھوڑے تک پہنچ گیا۔ لڑکی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں رکھا اور اسے سہارا دے کر گھوڑے پر سوار کردیا۔ لڑکی بھی اسی گھوڑے پر سوار ہونے لگی تو حدید نے ہاتھ آگے کرکے اسے روک دیا اور کہا — "تم اب دوسرے گھوڑے پر بیٹھو۔ میں اکیلا سواری کرسکوں گا۔"

"اس کے باوجود میں اسی گھوڑے پر بیٹھوں گی۔" لڑکی نے کہا — "تمہیں اپنے ساتھ لگائے رکھوں گی۔"

حدید کی ضد کے باوجود لڑکی اس کے پیچھے سوار ہوگئی اور جب ایک بازو اُس کے سینے پر رکھ کر اسے اپنے ساتھ لگانے لگی تو حدید نے مزاحمت کرتے ہوئے کہا — "مجھے ذرا اپنے سہارے بیٹھنے دو" — لڑکی نے اسے زبردستی اپنے ساتھ لگا کر اس کا سر اپنے کندھے پر ڈال لیا۔ اس نے حدید سے پوچھا — "میں جانتی ہوں تم مجھے بدکار لڑکی سمجھ کر مجھ سے دُور رہنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"نہیں۔" حدید نے کہا — "میں تمہیں صرف لڑکی سمجھ کر دور رہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر تمہیں اپنے قریب کرنے کی خواہش ہوتی تو دو راتیں تم بے بسی کی حالت میں میری قید میں رہی ہو۔ میں تمہیں اپنی لونڈی بنا سکتا تھا لیکن میں نے اپنے اوپر شیطان کا غلبہ نہیں ہونے دیا تھا۔ اب تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میں امانت میں خیانت کر رہا ہوں۔ میرے اندر گناہ کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔"

"تم پتھر تو نہیں ہو؟" لڑکی نے اس سے پوچھا — "مجھے تو جس مرد نے دیکھا ہے بھوکی نظروں سے دیکھا ہے۔ میں نے صرف اتنی سی قیمت دے کر تمہاری قوم کے دو مومنوں کے ایمان خرید لیے تھے۔"

"کتنی قیمت؟" — حدید نے پوچھا۔

"صرف اتنی سی کہ انہیں پاس بٹھایا اور سر اپنے کندھے پر رکھ لیا تھا"

"ان کے پاس ایمان تھا ہی نہیں" حدید نے کہا۔

"جو کچھ بھی تھا" لڑکی نے کہا — "وہ میں نے ان سے لے لیا تھا۔ اس کی جگہ ان کے دلوں میں اپنی قوم کے خلاف غداری ڈال دی تھی"

"وہ کون ہیں؟" — حدید نے پوچھا۔

"ابھی نہیں بتاؤں گی" لڑکی نے جواب دیا — "جس طرح تم اپنے فرض کے پکے ہو اسی طرح مجھے بھی اپنا فرض عزیز ہے"

حدید خاموش ہو گیا۔ وہ لڑکی کے جسم کی حرارت اور ہلکی ہلکی بُو محسوس کر رہا تھا۔ لڑکی کے کھلے ہوئے ریشمی سے بال ہوا سے لہرا کر اس کے گالوں پر پڑ رہے تھے اور گالوں کو سہلا رہے تھے۔ اسے اونگھ آ گئی۔ گھوڑا چلتا رہا۔ بہت دور جا کر حدید کی آنکھ کھلی تو سورج سر پر آ چکا تھا۔ اس نے کہا — "گھوڑے کو ایڑ لگاؤ۔ مجھے امید ہے کہ ہم سورج غروب ہونے کے بعد شوبک پہنچ جائیں گے"

لڑکی نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور صحرا تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔

✪

سورج غروب ہو چکا تھا۔ شوبک کے قلعے کے اس کمرے میں جہاں صلیبی حاکموں اور کمانڈروں کے اجلاس ہوا کرتے تھے، وہاں حاکم اور کمانڈر بیٹھے تھے۔ ان میں عالم جاسوس بھی بیٹھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا — "میں یہ نہیں بتا سکتا کہ دونوں لڑکیوں کا کیا حشر ہوا یا ہو رہا ہے۔ میں نے انہیں بچانے بلکہ انہیں دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی کیونکہ ان سے زیادہ قیمتی یہ راز تھا جو مجھے آپ تک پہنچانا تھا۔ جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تو میں موقع دیکھ کر ایک طرف ہو گیا اور ایک گھوڑے تک پہنچ گیا۔ ایک تو میری رہائی ایک معجزہ ہے۔ دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ میں اتنے خونریز معرکے میں سے صاف بچ کر نکل آیا۔ کوئی بھی میرے پیچھے نہیں آیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکو نہیں تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھیجے ہوئے آدمی تھے۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اس نے ہم تینوں کو خود سزائے موت کیوں نہ دی اور لڑکیوں کو خراب کرانے کا یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔ یہ ایک ڈھونگ تھا۔ لڑکیاں اب ان لوگوں کے قبضے میں ہوں گی اور ظالمانہ اذیتیں برداشت کر رہی ہوں گی"



"انہیں چھڑانے کا ہم کوئی طریقہ نہیں سوچ سکتے" ایک صلیبی حاکم نے کہا۔ "یہ قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں۔ ہمارے پاس لڑکیوں کی کمی نہیں۔ ہمارا یہ طریقہ کامیاب ہے۔ اسے جاری رکھنے کے لیے اور لڑکیاں تیار کرو..... سب آ گئے ہیں۔ اب وہ راز بتاؤ جو تم اپنے ساتھ لائے ہو"

عالم جاسوس انہیں سنا چکا تھا کہ وہ قاہرہ کی ایک مسجد سے کس طرح گرفتار ہوا تھا۔ قید خانے میں اس کے ساتھ اور لڑکیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوا اور سلطان ایوبی نے انہیں کس طرح خلافِ توقع رہا کیا۔ اس نے یہ بھی سنایا کہ یہ راز سلطان ایوبی نے اسے کس طرح دیا ہے۔ اس نے تاریخ بتا کر کہا — "صلاح الدین ایوبی اس روز اپنی فوج کو کوچ کرائے گا۔ وہ کرک پر حملہ کرے گا۔ نائب سالار کہہ رہے تھے کہ شوبک کو پہلے لینا چاہیے کیونکہ یہ زیادہ مضبوط قلعہ ہے لیکن صلاح الدین شوبک پر اپنی طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کرک کو کمزور سمجھ کر پہلے اسے لینا چاہتا ہے۔ وہاں وہ اپنی فوج اور رسد وغیرہ کا اڈہ بنائے گا۔ رسد جمع کر کے وہ کمک بلائے گا اور فوج کو کافی آرام دے کر شوبک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ خاص طور پر کہا تھا کہ وہ ہمیں بے خبری میں لینا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ اس نے یہ بتائی ہے کہ اس کی فوج کم ہے اور ہماری فوج زیادہ بھی ہے اور ہمارے پاس گھوڑے بھی بہتر ہیں اور ہمارے پاس خود اور زرہ بکتر ہیں۔ اس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر صلیبی فوج نے اسے راستے میں روک لیا تو اسے شکست کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ وہ کھلے میدان میں لڑنے سے ڈرتا ہے" — عالم جاسوس نے وہ تمام باتیں بتائیں جو اس نے سلطان ایوبی کی زبان سے سنی تھیں۔

اتنے قیمتی اور اہم راز کی تفصیل سُن کر لڑکیوں کو سب بھول گئے اور اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات کرنے لگے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سلطان ایوبی غیر معمولی طور پر دانشمند جنگجو ہے۔ اس نے کرک پر حملے کا جو پلان بنایا ہے، اس میں اس کی جنگی فہم و فراست کا پتہ ملتا ہے۔ راستے میں نہ لڑنے کا فیصلہ بھی اس کی دانائی کی دلیل ہے۔ وہ راستے میں طاقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ یہ خدائے یسوع مسیح کا خاص کرم ہے کہ اس کے پلان کا علم ہو گیا ہے، ورنہ وہ کرک کو شوبک جیسے مضبوط دفاع کے لیے خطرہ بن سکتا تھا..... انہوں نے اسی وقت سلطان ایوبی کے پلان کے مطابق اپنی فوجوں کی نقل و حرکت اور دفاع کا پلان بنانا شروع کر دیا۔

پلان میں یہ اقدامات طے پائے:

صلیبی افواج کی متحدہ مرکزی کمان شوبک میں ہی رہے گی۔ رسدگاہ بھی وہیں رکھی جائے گی۔ جنگ کو شوبک سے ہی کنٹرول کیا جائے گا۔

کرک کی قلعہ بندی کو اور زیادہ مضبوط کیا جائے گا۔ کچھ اور فوج کرک منتقل کردی جائے گی۔

ایوبی کو کرک سے دُور اس کی اپنی سرحد کے اندر کسی دشوار گزار علاقے میں روکا جائے گا۔ اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج بھیجی جائے گی۔ اس فوج میں گھوڑسوار اور شتر سوار زیادہ ہوں گے۔ کوشش کی جائے گی کہ ایوبی کی فوج کو گھیرے میں لے لیا جائے۔ پانی کے چشموں پر پہلے سے قبضہ کرلیا جائے۔

ان اقدامات پر فوری طور پر عمل درآمد کے احکامات نافذ کردیئے گئے۔ ہر کوئی خوش تھا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ سلطان ایوبی کا کوئی راز قبل از وقت معلوم ہوگیا تھا ورنہ اس نے صلیبیوں کو ہمیشہ آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ اس پر حیرت کا بھی اظہار کیا گیا کہ سلطان ایوبی جیسے آدمی سے یہ لغزش سرزد ہوئی کہ ان جاسوسوں کو دوسرے کمرے میں بٹھاکر جنہیں وہ رہا کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا ایسی نازک باتیں بلند آواز سے کیں جو اسے شکست فاش سے دوچار کرسکتی تھیں۔ انہوں نے ایک اہتمام یہ بھی کیا کہ فرانس کی فوج جو وہاں سے بہت دور تھی یہ پیغام بھیج دیا کہ فلاں دن سے پہلے پہلے ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو روکا جاسکے۔

اتنے میں ایک صلیبی افسر اندر آیا اور انٹیلی جنس کے سربراہ کے کان میں کچھ کہا۔ اس سربراہ نے سب کو بتایا کہ ان دو میں سے ایک لڑکی جو ڈاکوؤں کے گھیرے میں آگئی تھی ابھی ابھی آئی ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اس کے ساتھ ایک زخمی مسلمان محافظ ہے۔ عالم جاسوس سب سے پہلے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی باہر چلے گئے۔ حدید کو لڑکی نے برآمدے میں لٹا دیا تھا اور خود اس کے پاس بیٹھی تھی گھوڑے کی اتنی لمبی سواری اور تیز رفتاری نے حدید کے زخم کھول دیئے تھے۔ اس کا خون جو صبح بند ہوگیا تھا پھر بہنے لگا تھا اور اس پر غشی طاری ہوئی جارہی تھی۔ صلیبی کمانڈروں نے حدید کی طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ ڈاکوؤں کا حملہ ایک ڈھونگ تھا۔ انہوں نے لڑکی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے اندر چلنے کو کہا۔ وہ بڑی قیمتی لڑکی تھی لیکن اس نے اُس وقت تک



اندر جانے کا ارادہ ملتوی کردیا جب تک حدید کی مرہم پٹی نہیں ہوجاتی۔

انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن نام کا جرمن تھا۔ اس نے لڑکی کو پرے لے جاکر کہا — ”کس سانپ کے بچے کی تم مرہم پٹی کرانا چاہتی ہو۔ یہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی کہ بچ کر آگئی ہو، ورنہ یہ درندے تمہیں ان وحشیوں کے حوالے کرنا چاہتے تھے جو ڈاکو بن کر آئے تھے۔“

”یہ جھوٹ ہے“۔ لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔ ”پہلے ہمیں بھی یہی شک تھا لیکن اس شخص نے میرے سارے شکوک رفع کردیئے ہیں۔ اس نے دو ڈاکوؤں کو ہلاک کرکے مجھے بچایا ہے۔“ اس نے ہرمن کو سارا واقعہ سنا دیا اور یہ بھی بتایا کہ یہ شخص اسے بار بار کہتا تھا کہ مجھے یہیں مرنے دو اور تم چلی جاؤ۔

صلیبیوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اتنی گہری اتری ہوئی تھی کہ اتنے زیادہ افسروں میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ اس زخمی کی مرہم پٹی کرو۔ عالم جاسوس تک نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ لڑکی ان کے ساتھ اندر نہیں جارہی تھی۔ آخر کسی نے کہا کہ زخمی کو کمرے میں لے چلو اور فوراً مرہم پٹی کرو۔ اسے اٹھوا کرلے گئے اور لڑکی اپنے افسروں کے ساتھ چلی گئی۔ اسے کہا گیا کہ وہ بیان کرے کہ کس طرح زندہ بچی ہے۔ اس نے پوری تفصیل سے سنا دیا۔ اس دوران اس کے لیے وہیں کھانا اور شراب آگئی۔ اس نے کہا — ”اگر زخمی کو کھانا کھلایا جاچکا ہے تو میں کھاؤں گی۔ میں ذرا اسے دیکھ آؤں“ — وہ جانے کے لیے اٹھی۔

”ٹھہرو لوزینا!“ — ہرمن نے اسے بڑے رعب سے کہا — ”تم دوسری بار صلیب کی فوج کے احکامات کی خلاف ورزی کررہی ہو۔ پہلے تمہیں اندر چلنے کو کہا گیا تو تم نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ پہلے زخمی کو اٹھاؤ۔ اب تم بلا اجازت اور بدتمیزی سے باہر جارہی ہو۔ یہ سب صلیبی فوج کے اعلیٰ حکام ہیں اور یہاں دو صلیبی حکمران بھی بیٹھے ہیں۔ جانتی ہو اس حکم عدولی اور بدتمیزی کی سزا کیا ہے؟ .... دس سال سزائے قید۔ اور جب تم یہ حکم عدولی دشمن کے ایک معمولی سے عہدیدار کی خاطر کررہی ہو، تو تمہیں سزائے موت بھی دی جاسکتی ہے۔“

”کیا صلیبی حکمران اور کمانڈر اس انسان کو اس کا صلہ نہیں دیں گے کہ اس نے ان کی ایک تجربہ کار جاسوسہ کی جان اپنی جان خطرے میں ڈال کر بچائی ہے؟“ لڑکی نے کہا — ”میں جانتی ہوں کہ وہ میرے دشمن کی فوج کا عہدیدار ہے لیکن میں نے

دشمن اس وقت کھوئے گی جب وہ اپنی فوج میں واپس چلا جائے گا۔"

"دشمن ہر حال میں اور ہر جگہ دشمن ہے" — ایک صلیبی کمانڈر نے چلا کر کہا — "فلسطین میں ہم نے کتنے مسلمانوں کو زندہ رہنے دیا ہے؟ ان کی نسل ہم کیوں ختم کر رہے ہیں؟ اس لیے کہ وہ ہمارے دشمن ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔ دنیا پر صرف صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ ایک زخمی مسلمان ہمارے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بیٹھ جاؤ۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

☆

اگلی صبح سے شوبک میں ایک نئی سرگرمی شروع ہوگئی۔ یہ فوجی نوعیت کی سرگرمی تھی شوبک شہر کے لوگ اس سرگرمی سے بے نیاز اپنے کام کاج میں مصروف ہوتے جا رہے تھے۔ قلعے سے فوجیں نکل رہی تھیں۔ سامان بھی ادھر اُدھر کیا جا رہا تھا۔ باہر سے آنے والی فوج کی عارضی خیمہ گاہ کے لیے جگہ خالی کی جا رہی تھی۔ رسد اکٹھی کرنے کے لیے اونٹوں کی قطاریں آ رہی تھیں۔ فوجی ہیڈکوارٹر میں بھی بھاگ دوڑ تھی۔ یہ ساری تیاری صلاح الدین ایوبی کا حملہ روکنے کے لیے کی جا رہی تھی اور ان احکامات پر عمل درآمد شروع ہوگیا تھا جو گزشتہ رات کے پلان کے مطابق دیئے گئے تھے۔ ہر ایک افسر اس افراتفری میں مصروف تھا۔ چند ایک بڑے افسر کرک روانہ ہو گئے تھے۔

صرف ایک لڑکی تھی جو اس سرگرمی اور بھاگ دوڑ سے لاتعلق تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو زخمی حدید کو لائی تھی۔ اس کے افسر ہرمن نے اسے لوزینا کے نام سے پکارا تھا۔ رات اسے کانفرنس کے کمرے سے آدھی رات کے بعد فراغت ملی تھی۔ وہ جاسوسی کے خصوصی شعبے سے تعلق رکھتی تھی اس لیے کانفرنس میں اس کی ضرورت تھی۔ اُس سے قاہرہ کے ان افراد کے متعلق رپورٹیں لینی تھیں جن کے پاس وہ جاتی رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد نیند اور گھوڑ سواری کی تھکن نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ کانفرنس کے بعد ایک افسر نے اسے کہا تھا — "اُسے ڈاکٹر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ تمہیں اس کی اتنی زیادہ پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ تمہاری ڈیوٹی ایسی ہے جس میں ایسے جذبات کامیاب نہیں ہونے دیا کرتے" — اور اس کے اپنے شعبے کے بڑے افسر، ہرمن نے اسے کہا تھا — "اگر آج رات میں نہ ہوتا تو گرنارڈ اور گے آف لوزینان جیسے بادشاہ جو کسی کو بخشا نہیں کرتے تمہیں قید میں ڈال دیتے۔ تمہارے محافظ کا انتظام کر دیا گیا



ہے اور تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اسے تم نہیں ملو گی۔"

"کیوں؟" — لوزینا نے حیرت اور مایوسی سے پوچھا — "کیا میں اس کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکوں گی؟"

"نہیں"۔ ہرمن نے کہا — "کیونکہ وہ دشمن کا فوجی ہے۔ تم اپنا شعبہ جانتی ہو کیا ہے۔ ہم تمہیں اس سے ملنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ تو تمہارے فن اور فرض کا تقاضہ ہے۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کے ساتھ تمہاری جذباتی وابستگی ہو گئی ہے۔ تمہیں دشمن کے ساتھ ایسی وابستگی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"آپ مجھے صرف اتنا سا یقین دلا دیں کہ اس کی مرہم پٹی ہو گئی ہے" لوزینا نے کہا — "اور اسے صحیح و سلامت واپس بھیج دیا جائے گا۔"

"لوزینا!" ہرمن نے جھنجلا کر کہا — "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری یہ خواہش پوری کر دی جائے گی اور سنو۔ تم بڑے مشکل اور خطرناک مشن سے واپس آئی ہو اور تمہارا سفر زیادہ خطرناک تھا۔ تمہیں آرام کے لیے دس دن چھٹی دی جاتی ہے۔ مکمل آرام کرو۔"

یہ باتیں رات کو ہوئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ جاسوس لڑکیوں کی رہائش ہائی کمان کے ہیڈکوارٹر سے بہت دور تھی۔ اس جیسی اعلیٰ درجے کی جاسوس لڑکیاں نہایت اچھے کمروں میں رہتی تھیں جہاں انہیں شہزادیوں جیسی سہولتیں اور عیاشی میسر تھی۔ ان کی ڈیوٹی ایسی تھی کہ انہیں مسلمان ملکوں میں بھیجا جاتا تھا جہاں پکڑے جانے کی صورت میں انہیں ہر قسم کی اذیت اور ذلت میں ڈالا جا سکتا تھا۔ موت یا سزائے موت تو یقینی تھی۔ ایسی ڈیوٹی کا تقاضا تھا کہ ان لڑکیوں کو دنیا کی ہر آسائش مہیا کی جائے۔

لوزینا کمرے میں جاتے ہی سو گئی تھی۔ دوسرے دن اس کا جسم ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اٹھنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ اٹھی اور ناشتہ کرکے باہر نکلی۔ اس کے ساتھ والے کمروں کی لڑکیاں آگئیں۔ وہ اس سے قاہرہ کی باتیں سننا چاہتی تھیں۔ اس نے بہت ہی مختصر سی بات سنا کر انہیں ٹال دیا اور ہسپتال کی طرف چل پڑی۔

☆

وہ تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ اس کی ایک ساتھی لڑکی جو اس کی ہمراز سہیلی بھی تھی پیچھے سے جا ملی اور پوچھا — "لوزی! کہاں جا رہی ہو؟ اور تم پریشان ہو۔ یہ تھکن کا اثر ہے یا کوئی خاص واقعہ ہو گیا ہے؟ تمہیں چھٹی نہیں ملی؟"

"چھٹی مل گئی ہے" اس نے جواب دیا — "ایک خاص واقعہ ہو گیا ہے جس نے

مجھے پریشان کر دیا ہے۔" وہ سہیلی کو ساتھ لیے ایک درخت کے نیچے جا بیٹھی اور اسے تمام واقعہ سنا دیا۔ اسے اپنے افسروں نے جو دھمکیاں دی تھیں وہ بھی سنائیں اور اس نے کہا۔ "میں حدید سے ملنا چاہتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس کی مرہم پٹی نہیں ہوئی اور اسے شہر سے نکال دیا گیا ہے یا اسے مرنے کے لیے کسی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ہے۔"

"تم نے بتایا ہے کہ تمہیں اس سے ملنے سے منع کر دیا گیا ہے۔" سہیلی نے اُسے مشورہ دیا۔ "یہ خطرہ مول نہ لو۔ تم اگر پکڑی گئیں تو جانتی ہو کہ سزا کیا ہے؟"

"اس شخص کے لیے میں سزائے موت بھی قبول کر لوں گی۔" لوزینا نے کہا۔ "میں تمہیں سنا چکی ہوں کہ اس نے میری خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے۔ میری جان کو تو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ڈاکو مجھے لے بھی جاتے تو چند دن مجھے خراب کر کے کسی امیر کبیر آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتے۔ حدید میرے اس انجام سے آگاہ تھا۔ اس نے میری عزت کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ ڈاکوؤں نے کہا بھی تھا کہ لڑکی ہمیں دے دو اور چلے جاؤ۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں پاکباز لڑکی نہیں مگر اس نے مجھے امانت سمجھا۔"

"تم اس کے لیے جذباتی ہو گئی ہو؟"

"ہاں!" لوزینا نے جواب دیا۔ "میں جذبات کا اظہار ہرمن کے آگے نہیں کر سکتی تھی، اپنا دل تمہارے آگے رکھ سکتی ہوں۔ تم میری سہیلی ہو اور عورت کا دل رکھتی ہو۔ ہماری زندگی کیا ہے؟ ہم ایک خوبصورت خنجر اور میٹھا زہر ہیں۔ ہمارا جسم مردوں کی تفریح اور فریب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ میں نے یہ باتیں پہلے کبھی نہیں سوچی تھیں۔ اپنے وجود کو جذبات سے خالی سمجھا تھا مگر اس آدمی کے جسم کو میں نے اپنے جسم کے ساتھ لگایا تو میرے وجود میں وہ سارے جذبات بیدار ہو گئے جو میں سمجھتی تھی مجھ میں نہیں ہیں۔ میں ایک ہی بار ماں، بہن، بیٹی اور کسی کو چاہنے والی لڑکی بن گئی۔ یہ شاید اس کا اثر تھا کہ اپنے آپ کو میں بادشاہوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والی شہزادی سمجھتی تھی...

"مجھ میں اتنی تخریب کاری ڈالی گئی ہے کہ جابر حکمرانوں کو بھی انگلیوں پر نچا سکتی ہوں مگر ڈاکوؤں نے مجھے بکنے والی چیز بنا دیا۔ مجھے اس سطح پر لے آئے جہاں مجھ جیسی لڑکیاں ہر رات نئے گاہک کے ہاتھ فروخت ہوتی ہیں یا کسی مسلمان امیر یا حاکم کے ہاتھ فروخت ہو کر اس کے حرم کی لونڈیاں بن جاتی ہیں۔ اس آدمی نے جس کا نام حدید ہے، مجھے اس سطح سے اوپر اٹھا لیا۔ اس سے پہلے میں اس کی قیدی تھی۔ اس نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ مجھے تفریح کا ذریعہ بناتا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا۔ اس نے مجھے نظر انداز کیا پھر اس نے



جب میری عزت کو بچانے کے لیے اپنا جسم کٹوا لیا تو میں نے بے قابو ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا اور اس سطح کی لڑکی بن گئی جس سے مجھے گرا دیا گیا ہے۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی بات یاد آئی۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ تم کسی باعزت آدمی کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتی؟ میں نے دل میں کہا تھا کہ یہ مسلمان احمق ہے۔ میں اب محسوس کر رہی ہوں کہ ہمارے دشمن نے کتنی عظیم بات کہی تھی... میں تمہیں صاف بتا دیتی ہوں کہ میں اب جاسوسی نہیں کر سکوں گی۔ میرے دماغ میں بچپن سے جو سبق ڈالے گئے تھے وہ صحرا کی خوفناک رات نے ڈاکوؤں کے خطرے نے اور حدید کے جسم کی حرارت اور اس کے خون کی بُو نے زائل کر دیئے ہیں۔"

"تم اتنی لمبی بات نہ کرتی تو بھی میں جان گئی تھی کہ تم کیا محسوس کر رہی ہو۔" اس کی سہیلی نے کہا۔ "لیکن میں حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتی ہوں۔ اسے چلے جانا ہے۔ تم اس کے ساتھ نہیں جا سکو گی۔ وہ اگر یہاں تکلیف میں ہے تو حکم ہے کہ تم اسے نہیں مل سکتیں۔ اگر پکڑی گئیں تو اپنے ساتھ اسے بھی مروا دو گی۔"

"تو تم میری مدد کرو۔" لوزینا نے منت کی۔ "یہ معلوم کرو کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے صرف یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ٹھیک ہو گیا ہے اور تندرستی کی حالت میں چلا گیا ہے تو میرے دل کو چین آ جائے گا۔"

"ہاں!" سہیلی نے کہا۔ "میں یہ کام کر سکتی ہوں۔ تم کمرے میں چلی جاؤ۔"

وہ کمرے میں چلی گئی اور اس کی سہیلی کسی اور طرف نکل گئی۔

قاہرہ میں بھی فوجوں میں بہت سرگرمی تھی۔ فوج کو جنگی مشقیں کرائی جا رہی تھیں۔ چند ایک دستے الگ کر لیے گئے تھے۔ انہیں شبخون مارنے، تھوڑی تعداد میں دشمن کی کئی گنا زیادہ نفری پر حملہ کرنے اور "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کی مشقیں اس طرح کرائی جا رہی تھیں کہ رات کو بھی دستے چھاؤنی سے باہر رہتے تھے۔ سلطان ایوبی ذاتی طور پر یہ مشقیں دیکھتا تھا۔ وہ تیسرے چوتھے روز اعلیٰ کمانڈروں اور دستوں کے کمانداروں تک کو لیکچر دیتا اور انہیں نقشوں اور خاکوں کی مدد سے جنگی چالیں سکھاتا تھا۔ اُس نے اس ٹریننگ کا بنیادی اصول یہ رکھا تھا۔ "کم تعداد سے دشمن کا زیادہ نقصان کرنا۔ ہتھیار سے زیادہ عقل کو استعمال کرنا۔ آمنے سامنے کے معرکے سے گریز۔ سامنے سے حملہ نہ کرنا۔ دس بارہ آدمیوں کے

شبخون سے اتنا نقصان کرتا جتنا ایک سو آدمی دن کے وقت دُو بدو معرکے میں کر سکتے ہیں۔"

اس کے علاوہ وہ دشمن کے کسی قلعے یا شہر کو لمبے محاصرے میں رکھنے کے طریقے بتاتا اور قلعوں کی دیواروں میں نقب لگانے کے سبق دیتا تھا۔ اس نے تمام اونٹوں گھوڑوں اور خچروں کا معائنہ کر لیا تھا۔ کمزور یا عمر خوردہ جانوروں کو اس نے الگ کر دیا تھا۔ حملے کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ سلطان ایوبی نے فلسطین کی فتح کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کے پہلے مرحلے میں کامیابی سے داخل ہونے کی تیاری زور و شور سے کر رہا تھا۔ اُدھر اسے راستے میں ہی روکنے کے اہتمام ہو رہے تھے۔

دونوں فوجوں کی تیاریاں ایسی تھیں جیسے ایک دوسری کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گی۔ صلیبیوں کی تیاریوں کا دائرہ شوبک سے کرک تک اور مصر کی سرحدوں تک تھا۔ وہ اس وسیع دائرے کو سلطان ایوبی کے لیے ایسا پھندا بنا رہے تھے جس میں سے اُس کے لیے ساری عمر نکلنے کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا۔ ان کی تیاریاں سلطان ایوبی کے اُس منصوبے کی روشنی میں ہو رہی تھیں جو اُن تک قبل از وقت پہنچ گیا تھا۔

ان وسیع تیاریوں کے اندر شوبک میں ایک سرگرمی اور بھی تھی، جس کا تعلق جنگ سے نہیں جذبات سے تھا اور یہ ایک خفیہ سرگرمی تھی۔ لوزینا اپنے کمرے میں پڑی حدید کے لیے بے قرار ہو رہی تھی اور اس کی سہیلی دو روز سے حدید کو ڈھونڈ رہی تھی۔ وہ افسروں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا اور وہ سپاہیوں کے ہسپتال میں بھی نہیں تھا۔ وہ جاسوس لڑکی تھی۔ بڑے بڑے افسر بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ لوزینا کو اور ہر جاسوس لڑکی کو وہاں یہی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے باوجود یہ سہیلی جس سے بھی پوچھتی کہ لوزینا کے ساتھ جو زخمی مسلمان آیا تھا وہ کہاں ہے تو اسے یہی ایک جواب ملتا — "میں نے تو اسے نہیں دیکھا"۔ تیسرے دن ایک افسر نے اسے رازداری سے بتایا کہ اس کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی اور اسے مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔

سہیلی نے جب یہ خبر لوزینا کو سنائی تو اس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ "مسلمانوں کا کیمپ" ایک خوفناک جگہ تھی۔ اس میں پہلی جنگوں کے مسلمان قیدی بھی تھے اور وہ مسلمان بھی جنہیں کسی جرم کے بغیر صلیبیوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں سے پکڑا تھا۔



یہ مسلمان زیادہ تر ان قافلوں میں سے پکڑے جاتے تھے جنہیں صلیبی لُوٹتے تھے۔ یہ کیمپ قید خانہ نہیں تھا، نہ یہ جنگی قیدی کیمپ کہلاتا تھا۔ یہ ایک بیگار کیمپ تھا جس پر کوئی ایسا کڑا پہرہ نہ تھا جیسا قید خانوں میں ہوتا ہے۔ ان بدنصیب قیدیوں کا کوئی باقاعدہ ریکارڈ بھی نہ تھا۔ یہ لوگ مویشی بنا دیئے گئے تھے۔ جہاں ضرورت ہوتی ان میں سے بہت سے آدمی ہانک کر لے جائے جاتے اور ان سے کام لیا جاتا تھا۔ انہیں خوراک صرف اتنی سی دی جاتی جس سے وہ زندہ رہ سکتے تھے۔ وہ خیموں میں رہتے تھے۔ ان میں جو بیمار پڑ جاتا اس کا علاج اسی صورت میں کیا جاتا تھا کہ بیماری معمولی ہو۔ اگر بیماری فوراً زور پکڑ لے تو اسے زہر دے کر مار دیا جاتا تھا۔ یہ بدنصیب مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو صرف اس جرم کی سزا بھگت رہے تھے کہ وہ مسلمان ہیں۔ سلطان ایوبی کو اس کے جاسوسوں نے اس بیگار کیمپ کے متعلق خبریں دے رکھی تھیں۔

حدید کو بھی کیمپ میں بھیج دیا گیا تھا۔ لوزینا کے لیے یہ حکم تھا کہ اسے نہ ملے۔ ہرمن کو شک ہو گیا تھا کہ یہ ایک جذباتی وابستگی ہے، لیکن لوزینا نے اس حکم کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ حدید "مسلمانوں کے کیمپ" میں ہے تو اس نے سہیلی سے کہا کہ وہ اسے آزاد کرائے گی۔ سہیلی نے اس کی جذباتی حالت دیکھ کر مدد کا وعدہ کیا اور دونوں نے پلان بنا لیا۔

وہ اسی وقت شہر میں گئی اور ایک پرائیویٹ ڈاکٹر سے ملی۔ اسے کہا کہ وہ ایک زخمی کو لا رہی ہے جس کا علاج اسے اس شرط پر کرنا پڑے گا کہ وہ اس کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے۔ ڈاکٹر نے اس رازداری کی وجہ پوچھی تو لوزینا نے کہا — "وہ ایک غریب سا مسلمان ہے جس نے میرے خاندان کی بہت خدمت کی ہے۔ وہ کہیں لڑائی جھگڑے میں زخمی ہو گیا ہے۔ اُس کے پلّے کچھ بھی نہیں اس لیے کوئی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کرتا۔ چونکہ یہاں تمام ڈاکٹر عیسائی ہیں اس لیے وہ کسی مسلمان کا علاج بلا اُجرت نہیں کرتے۔ رازداری کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر شہر کے منتظم تک یہ خبر پہنچ گئی کہ ان مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا ہوا ہے تو وہ اسی کو بہانہ بنا کر انہیں مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج دے گا۔ انہیں تو نہ چاہیے۔ میں اس آدمی کو اس خدمت اور ایثار کا صلہ دینا چاہتی ہوں جو اس نے میرے خاندان کے لیے کیا ہے۔ میں اسے رات کے وقت لاؤں گی۔ بتائیے آپ کتنی اُجرت لیں گے۔ میں رازداری

کی بھی اجرت دوں گی۔"

اس دوران ڈاکٹر اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا۔ لوزینا نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔ یہی بتایا تھا کہ وہ ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔ لڑکی کا غیر معمولی حسن دیکھ کر ڈاکٹر جو اجرت لینا چاہتا تھا، اسے وہ زبان پر نہیں لا رہا تھا۔ لوزینا اس میلان اور اس فن کی ماہر تھی۔ وہ مردوں کی نظریں پہچانتی تھی۔ اس نے اپنے فن کو استعمال کیا تو ڈاکٹر موم ہو گیا۔ لوزینا نے سونے کے چار سکے اس کے آگے رکھ دیئے اور جب ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا کہ تم سے زیادہ قیمتی کوئی سکہ نہیں تو لوزینا نے مخصوص مسکراہٹ سے کہا۔ "آپ جو قیمت مانگیں گے دوں گی۔ میرا کام کر دیں۔"

ڈاکٹر یہ تو سمجھ گیا کہ معاملہ خطرناک اور پُراسرار معلوم ہوتا ہے لیکن لوزینا کو دیکھ کر اس نے خطرہ قبول کر لیا اور کہا۔ "لے آؤ۔ آج رات، کل رات، جب چاہو لے آؤ۔ اگر میں سویا ہوا ملوں تو جگا لینا۔" اس نے ایک ہاتھ میں سونے کے سکے اور دوسرے ہاتھ میں لوزینا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

✪

اس مہم کا سب سے زیادہ نازک اور پُرخطر مسئلہ تو یہ تھا کہ حدید کو کیمپ سے نکالا کس طرح جائے۔ رات کو وہاں پہرہ برائے نام ہوتا تھا۔ ان بدنصیب قیدیوں میں جاگنے کی سکت ہی نہیں تھی۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے انہیں مشقت پر لگایا جاتا اور سورج غروب ہونے کے بعد کیمپ میں لایا جاتا۔ ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ لوزینا کی سہیلی نے کیمپ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کریں جن میں ایک یہ بھی تھی کہ زخمی اور بیمار قیدیوں کو معمولی سی ایک ڈسپنسری میں ہر روز بھیجا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ صرف ایک پہرہ دار ہوتا ہے۔ دوسرے دن لوزینا اپنی سہیلی کے ساتھ وہاں پہنچ گئی جہاں مریض قیدیوں کو لے جایا جاتا تھا۔ اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ پچیس تیس مریضوں کی ایک پارٹی نہایت آہستہ آہستہ چلتی آ رہی تھی اور پہرہ دار ہاتھ میں لاٹھی لیئے انہیں مویشیوں کی طرح ہانکتا لا رہا تھا۔ جو تیز نہیں چل سکتے تھے انہیں وہ لاٹھی سے دھکیل دھکیل کر لا رہا تھا۔

دونوں لڑکیاں آگے چلی گئیں۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے تماشہ دیکھ رہی ہوں۔ جب مریضوں کا ٹولہ ان کے قریب سے گزر رہا تھا تو وہ ہر ایک کو دیکھنے لگیں۔ اچانک



لوزینا کو دھچکہ لگا۔ حدید اسے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے اچھی طرح چلا نہیں جاتا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ رونق اور رمق بجھ گئی تھی جو لوزینا نے زخمی ہونے سے پہلے دیکھی تھی۔ حدید کے کندھے جھک گئے تھے۔ اس کے کپڑے خون سے لال تھے۔ خون خشک ہو چکا تھا۔ لوزینا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مگر حدید کی آنکھوں میں نفرت تھی۔ اس نے منہ پھیر لیا..... یہ مریض ٹولہ آگے نکل گیا تو لوزینا اور اس کی سہیلی پہرہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کرنے لگیں جن میں ان مسلمان مریضوں کے خلاف نفرت تھی۔ انہوں نے زبان کے جادو سے پہرہ دار کو اپنا گرویدہ کر لیا اور کہا کہ وہ ازراہِ مذاق ان قیدیوں کے ساتھ باتیں کرنا چاہتی ہیں۔

ڈسپنسری میں دوسرے مریض بھی تھے۔ خاصا ہجوم تھا۔ قیدیوں کو ایک طرف بٹھا دیا گیا۔ لوزینا ان کے قریب چلی گئی اور اس کی سہیلی نے پہرہ دار کو باتوں میں الجھا لیا۔ حدید دیوار کے سہارے بیٹھ گیا تھا۔ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ لوزینا نے آنکھ کے اشارے سے اسے پرے بلایا۔ وہ جب اس کے قریب گیا تو لوزینا نے آہستہ سے اُسے کہا۔ "مجھے حکم ملا ہے کہ تم سے کبھی نہ ملوں۔ بیٹھ جاؤ۔ ہم یہ ظاہر نہیں ہونے دیں گے کہ ہم باتیں کر رہے ہیں۔"

"میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہارے حکم دینے والوں پر۔" حدید نے نحیف مگر غضبناک آواز میں کہا۔ "میں نے تمہیں کسی صلے کے لالچ میں ڈاکوؤں سے نہیں بچایا تھا۔ وہ میرا فرض تھا۔ کیا تم فرض ادا کرنے والوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو؟"

"چپ رہو حدید!" لوزینا نے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ باتیں بعد میں ہوں گی۔ مجھے بتاؤ کہ رات تم کس جگہ ہوتے ہو۔ آج رات تمہیں وہاں سے نکلنا ہے۔"

حدید اُس سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لوزینا نے اسے آنسوؤں سے اور بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ وہ اسے دھوکہ نہیں دے رہی۔ حدید نے بتایا کہ وہ رات کو جہاں سوتا ہے وہاں سے نکلنا مشکل نہیں لیکن نکل کر وہ جائے گا کہاں؟..... انہوں نے جلدی جلدی میں فرار کا منصوبہ بنا لیا۔

✪

"مسلمانوں کا کیمپ" ایسی نیند سویا ہوا تھا جیسے یہ لاشوں کی بستی ہو۔ پہرہ دار بھی سو گئے تھے۔ یہاں سے کبھی کوئی بھاگا نہیں تھا۔ بھاگ کر کوئی جاتا بھی کہاں! اس کے علاوہ پہرہ داروں کو یہ بھی معلوم تھا کہ کوئی ایک آدھ بھاگ بھی گیا تو کون جواب طلبی کرے گا۔

رات کا پہلا پہر ختم ہو رہا تھا کہ پچھلے پرانے ایک خیمے سے ایک آدمی پیٹ کے بل رینگتا ہوا خیموں کی اوٹ میں وہاں تک چلا گیا جہاں اسے کوئی پہرہ دار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آگے اسے اندھیرے میں بھی کھجور کا درخت نظر آنے لگا جہاں تک اسے پہنچنا تھا۔ ایک سایہ سر سے پاؤں تک موٹے کپڑے میں لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ رینگنے والا اٹھ کھڑا ہوا اور کھجور کے تنے تک پہنچ گیا۔ وہ حدید تھا۔ لوزینا اس کی منتظر تھی۔

"تیز چل سکو گے؟" — لوزینا نے پوچھا۔

"کوشش کروں گا" — حدید نے جواب دیا۔

وہ کیمپ سے دور نکل گئے۔ آگے وسیع علاقہ غیر آباد تھا۔ مشکل یہ تھی کہ حدید تیز نہیں چل سکتا تھا۔ لوزینا نے سہارا دے کر تیز چلانے کی کوشش کی اور اسے بتاتی گئی کہ اسے کیسے کیسے حکم اور دھمکیاں ملی ہیں۔ اس نے حدید کی غلط فہمی رفع کر دی۔ آگے شہر کی گلیاں آگئیں اور پھر ڈاکٹر کا گھر آگیا۔ تین چار بار دستک دینے سے ڈاکٹر باہر آیا اور انہیں فوراً اندر لے گیا۔ اس نے حدید کے زخم کھول کر دیکھے تو کہا کہ کم از کم بیس روز مرہم پٹی ہوگی۔ یہ سن کر لوزینا کے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ آگیا۔ وہ یہ تھا کہ اتنے دن وہ حدید کو چھپائے گی کہاں؟ اسے بیگار کیمپ میں واپس تو نہیں لے جانا تھا۔ اس کی عقل جواب دے گئی۔ ڈاکٹر مرہم پٹی کر چکا تو اس نے کہا کہ اسے نہایت اچھی اور مقوی غذا کی ضرورت ہے۔

لوزینا اسے پرے لے گئی اور کہا — "یہ جہاں رہتا ہے وہاں اسے اچھی غذا نہیں مل سکتی۔ میں گھر میں اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتی۔ آپ اسے یہیں رکھیں اور جو چیز اس کے لیے فائدہ مند ہو وہ کھلائیں۔ مجھ سے آپ جتنی قیمت اور اُجرت مانگیں گے دوں گی۔"

ڈاکٹر نے جو اجرت بتائی وہ بہت ہی زیادہ تھی۔ لوزینا نے کم کرنے کو کہا تو ڈاکٹر نے کہا — "تم مجھ سے بہت ہی خطرناک کام کرا رہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ شخص مسلمانوں کے کیمپ سے لایا گیا ہے اور یہ مصری فوج کا سپاہی ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ مجھے منہ مانگی اجرت دو گی تو تمہارا یہ راز میرے گھر سے باہر نہیں جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے" — لوزینا نے کہا — "اور یہ بھی سن لو ڈاکٹر! اگر یہ راز فاش ہو گیا تو آپ زندہ نہیں رہیں گے۔"

ڈاکٹر نے حدید کو ایک کمرے میں لٹا دیا اور اسے بتایا کہ وہ ٹھیک ہونے تک یہیں



رہے گا۔ اس نے اندر سے اسے دودھ اور پھل لا دیئے اور لوزینا کو ایک اور کمرے میں لے گیا . . . دوسرے دن لوزینا اور اس کی سہیلی نے کیمپ کی جاسوسی کی۔ ڈسپنسری میں گئیں۔ مریض قیدی وہاں لے جائے گئے۔ دونوں لڑکیوں نے پہرہ دار کے ساتھ گپ شپ لگائی اور اپنے خصوصی ڈھنگ سے باتیں کر کے معلوم کر لیا کہ حدید کی گمشدگی سے کیمپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور وہاں کوئی ہلچل نہیں۔

دن گزرتے گئے۔ ڈاکٹر کو چونکہ منہ مانگی قیمت اور اجرت مل رہی تھی، اس لیے اس نے حدید کو چھپائے بھی رکھا اور اس کا علاج پوری توجہ سے کرتا رہا۔ اسے مقوی غذا بھی دیتا رہا۔ لوزینا شام کے بعد وہاں جاتی۔ کچھ دیر حدید کے ساتھ بیٹھتی اور بہت دیر ڈاکٹر کے کمرے میں گزارتی۔ اس روزمرہ کے معمول میں بیس روز گزر گئے اور حدید کے زخم مل گئے۔ اس کی صحت بھی بحال ہو گئی۔ لوزینا نے ڈاکٹر سے کہا کہ وہ کل رات کسی بھی وقت حدید کو لے جائے گی۔

دوسرے دن اس نے اپنی سہیلی کو استعمال کیا۔ چھوٹے عہدے کا ایک افسر اس کی سہیلی کے پیچھے پڑا رہتا تھا۔ سہیلی نے اس افسر کو جھانسہ دیا اور لوزینا نے اس کے ٹرنک سے اس کی وردی نکال لی جو اُس نے حدید کو پہنا دی۔ گھوڑے کا انتظام مشکل نہ تھا۔ وہ بھی ہو گیا۔ یہ اہتمام اس لیے کیا جا رہا تھا کہ شہر کے اردگرد مٹی کی بہت اونچی دیوار تھی۔ اس کے چار دروازے تھے جو رات کو بند رہتے تھے۔ اُن دنوں دن کے وقت یہ دروازے کھلے رکھے جاتے تھے کیونکہ سلطان ایوبی کے آنے والے حملے کے لیے فوجوں اور ان کے سامان کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔

سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے قلعے کے بڑے دروازے کی طرف ایک صلیبی افسر گھوڑے پر جا رہا تھا۔ اس کی کمر سے لٹکتی ہوئی تلوار مسلمانوں کی طرح ٹیڑھی نہیں سیدھی تھی اور اُس کا دستہ صلیب کی شکل کا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے صلیبی تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے اونٹوں کا ایک کارواں رسد سے لدا ہوا باہر جا رہا تھا۔ ظاہر یہی ہوتا تھا جیسے یہ گھوڑ سوار افسر اس کارواں کے ساتھ جا رہا ہو۔ وہ دروازے کے پاس پہنچا تو صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ، ہرمن، گھوڑے پر سوار دروازے میں داخل ہوا۔ وہ کہیں باہر سے آ رہا تھا۔ اس نے اس افسر کو دیکھا اور مسکرایا، مگر اس افسر نے مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے نہ دیا۔ ہرمن چند قدم اندر کو آیا تو اس نے گھوڑا روک لیا۔ اسے دو تین سو قدم دور لوزینا کھڑی نظر آئی جس نے

ہرمن کو دیکھا تو وہاں سے تیزی سے اپنے ٹھکانے کی طرف چلی گئی۔

علی بن سفیان کی طرح ہرمن بھی ماہر جاسوس اور سراغرساں تھا۔ اس نے فوراً گھوڑا دروازے کی طرف گھمایا اور ایڑ لگادی۔ وہ اپنا ایک شک رفع کرنا چاہتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو گھوڑا دوڑ پڑا۔ باہر جاکر ہرمن نے دیکھا کہ جو افسر اس کے پاس سے گزرا تھا وہ اتنی دُور نکل گیا تھا کہ اس کے تعاقب میں جانا بیکار تھا۔ اُس گھوڑسوار نے دروازے سے نکلتے ہی گھوڑے کو ایڑ لگادی تھی۔ گھوڑا بہت تیز رفتار تھا۔ ہرمن اسے دیکھتا رہا اور وہ صحرا کی وسعت میں گم ہوگیا ــــ لوزینا نے حدید کو آزاد کرا کے صلہ دے دیا تھا۔

✪

ہرمن نے گھوڑا موڑا اور تیزی سے اندر گیا۔ وہ سب سے پہلے مسلمانوں کے کیمپ میں گیا اور وہاں کے انچارج سے حدید کی نشانیاں بتا کر پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ کچھ پتہ نہ چلا جس خیمے میں حدید کو رکھا گیا تھا وہاں کے رہنے والوں نے بتایا کہ ایک صبح وہ یہاں سے غائب تھا۔ وہ سمجھے کہ اسے اِدھر اُدھر کردیا گیا ہے۔ ہرمن کا شک یقین میں بدل گیا۔ وہ حدید ہی تھا جسے اُس نے صلیبی فوج کی وردی میں دروازے سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ مزید تفتیش سے پہلے لوزینا کے کمرے میں گیا۔ وہ سر ہاتھوں میں تھامے رو رہی تھی۔

"کیا اسے تم نے بھگایا ہے؟" ہرمن نے گرج کر کہا۔ لوزینا نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ ہرمن نے کہا ــــ "جھوٹ بولوگی تو میں تفتیش کرکے ثابت کردوں گا کہ اسے تم نے فرار میں مدد دی ہے"

"نہ آپ کو تفتیش کی ضرورت ہے نہ مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت" ــــ لوزینا نے کہا ــــ "میری زندگی ایک شاہانہ جھوٹ اور میرا وجود ایک خوبصورت دھوکا ہے۔ اپنی روح کی نجات کے لیے میں سچ بول کر مر رہی ہوں" ــ اس کی آواز میں غنودگی تھی جو بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اٹھی تو اس کی ٹانگیں لڑکھڑائیں۔ اس کے قریب ایک گلاس پڑا تھا جس میں چند قطرے پانی تھا۔ اس نے گلاس اٹھا کر ہرمن کی طرف بڑھا کر کہا ــــ "میں نے اپنے آپ کو سزائے موت دے دی ہے۔ اس گلاس میں پانی کے چند قطرے گواہی دیں گے کہ میں نے اپنے ناپاک جسم کو سزائے موت اس



لیے نہیں دی کہ اپنی قوم سے غداری کی اور دشمن کو قید سے بھگا دیا ہے بلکہ میرا جرم یہ تھا کہ میں ان انسانوں کو دھوکے دینے گئی تھی جن کے ہاں کوئی دھوکہ اور فریب نہیں۔ ان میں سے چار انسانوں نے میری وہ عزت بچانے کے لیے جو میرے پاس تھی ہی نہیں، دس ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا۔ پھر ایک انسان نے مجھے اپنا جسم کٹوا کر ڈاکوؤں سے چھینا۔ مجھے نیکی اور بدی، محبت اور نفرت کا فرق معلوم ہوگیا۔ میں سچ بول کر مر رہی ہوں۔ یہ پُرسکون موت ہے"

وہ گرنے لگی تو ہرمن نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر اسے تھام لیا۔ لوزینا نے اپنے جسم کو جھٹکا دیا اور ہرمن کے بازوؤں سے نکل کر پرے ہوگئی۔ اونگھتی ہوئی آواز میں بولی ــــ "میرے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ اب تمہارے کام کا نہیں رہا۔ اس زہر نے اس میں سچ داخل کردیا ہے۔ تمہیں ناپاک جسموں کی ضرورت ہے.... اُسے میں نے بھگایا ہے۔ اسے میں نے بیس روز چھپائے رکھا تھا۔ اسے میں نے فرینڈیس کی وردی چرا کر پہنائی تھی۔ اُسے میں نے گھوڑا دیا تھا۔ میں اس کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی۔ میں اس کے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی، اس لیے میں نے زہر پی لیا۔ اگر تم مجھے پکڑ نہ لیتے تو بھی میں زہر پی لیتی" ــــ وہ پلنگ پر لڑھک گئی۔ ہرمن کو اُس کی آخری سرگوشی سنائی دی ــــ "سچ بول کر مرنے میں کتنا سکون ہے" ــــ اُس نے آخری سانس اس طرح لی جیسے سکون سے آہ بھری ہو۔

اُسے جب دفن کرچکے تو ایک افسر نے پوچھا ــــ "اس کا کوئی خاندان تھا تو انہیں اس کی موت کی اطلاع دے دو"

"اس کا خاندان ہم ہی تھے" ــــ ہرمن نے جواب دیا ــــ "اسے دس گیارہ سال کی عمر میں کسی قافلے سے اغوا کرکے لائے تھے"

صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کوچ کیے تیسرا دن تھا۔ صلیبیوں نے اسے راستے میں روکنے کے لیے فوج بھیج دی تھی۔ حملہ چونکہ کرک پر آ رہا تھا، اس لیے صلیبیوں نے شوبک سے زیادہ تر فوج کرک بھیج دی تھی۔ اس کا ایک حصہ شام کی طرف بھی بھیج دیا تھا تاکہ نورالدین زنگی مدد کے لیے آئے تو اُسے کرک سے کچھ دور روکا جا سکے اور اس فوج کا کچھ حصہ سلطان ایوبی کو راستے میں روکنے والی فوج کو دیا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کرکے کوچ کرایا تھا اور تینوں کو دُور دور رکھا تھا۔ وہ جب اُس مقام پر پہنچ گیا جہاں صلیبیوں سے ٹکر ہونی چاہیے تھی، اُس

نے تینوں حصوں کے کمانڈروں اور ان کے ماتحت کمانڈروں کو اپنے خیمے میں بلایا۔

"ہم اس مقام پر آگئے ہیں جہاں مجھے راز فاش کر دینا چاہیے"۔۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم شاید حیران ہو رہے ہو گے کہ میں تمہیں یہ بتاتا رہا ہوں کہ میں کرک پر حملہ کروں گا مگر میں تمہیں کسی اور طرف لے آیا ہوں۔ میں کرک پر حملہ نہیں کر رہا۔ ہماری منزل شوبک ہے۔ ایک سوال تم سب کو پریشان کر رہا ہے کہ میں نے ان تین جاسوسوں کو جن میں ایک عالم تھا اور دو لڑکیاں کیوں رہا کر دیا تھا اور انہیں محافظ کیوں دیئے تھے۔ اس سوال کا جواب سُن لو۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ والے کمرے میں بٹھا کر درمیان کا دروازہ آدھا کُھلا رکھا اور علی بن سفیان اور دو نائبین کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ میں فلاں تاریخ کو کرک پر حملہ کر رہا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ جاسوس سُن رہے تھے۔ میں نے ان کے کانوں میں یہ بھی ڈالا کہ میں صلیبیوں سے کھُلے میدان کی جنگ سے ڈرتا ہوں....

"اس قسم کی باتیں ان کے کانوں میں ڈال کر انہیں رہا کر دیا اور انہیں محافظ دیئے تاکہ وہ صحیح و سلامت شوبک پہنچ جائیں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ راستے میں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ ڈاکوؤں نے تین محافظوں اور ایک لڑکی کو مار ڈالا ہے۔ چوتھا محافظ کل رات شوبک سے واپس آگیا ہے۔ وہاں ہمارے جو جاسوس ہیں انہوں نے اطلاع دی ہے کہ عالم جاسوس زندہ شوبک پہنچ گیا تھا جس نے میرا دھوکہ کامیاب کر دیا ہے۔ صلیبیوں نے اپنی فوج میری مرضی کے مطابق تقسیم کر دی ہے۔ اس وقت تمہاری فوج کا بائیں والا حصہ صلیبیوں کی بہت بڑی فوج کے بائیں پہلو سے چار میل دُور ہے"۔

اُس نے بائیں حصے کے کمانڈر سے کہا۔ "آج سورج غروب ہونے کے بعد تم اپنے تمام گھوڑ سوار دستے سیدھے آگے دو میل لے جاؤ گے۔ وہاں سے اپنے بائیں کو ہو جانا۔ چار میل سیدھا جانا پھر بائیں کو جانا اور دو میل پر تمہیں دشمن آرام کی حالت میں ملے گا۔ حملہ کرنا تم جانتے ہو۔ یہ تیز ہلّہ ہو گا۔ راستے میں جو کچھ آئے اسے کچلتے ہوئے نکل آؤ اور اپنی اسی جگہ پر آجاؤ جہاں سے چلے تھے۔ دوسرا حصہ شام کے بعد سیدھا آگے بڑھے گا۔ آٹھ نو میل جا کر بائیں کو ہو جائے گا۔ تمہیں دشمن کی رسد اور قافلے ملیں گے۔ اس کے علاوہ تم دشمن کے عقب میں ہو گے۔ دن کے وقت دشمن بائیں والے حصے کے تعاقب میں آئے گا لیکن تم سامنے کی ٹکر نہیں لو گے۔ دن کو بہت پیچھے آجاؤ گے۔ رات کو پھر حملہ کرو گے اور رکو گے نہیں۔ صلیبی آگے بڑھیں گے تو



درمیان والا حصہ عقب سے حملہ کرے گا اور دشمن کے سنبھلنے تک بکھر جائے گا۔ تیسرا حصہ جو میرے ساتھ ہے، آج رات کوچ کر رہا ہے۔ ہم کل دوپہر تک شوبک کا محاصرہ کر چکے ہوں گے۔ باقی دو حصے صلیبیوں کو ان طریقوں سے جن کی میں تمہیں مشق کراتا رہا ہوں دشمن کو صحرا میں پریشان کیے رکھیں گے۔ اس تک رسد نہیں پہنچنے دیں گے وہ جوں ہی پانی کے چشموں سے ہٹے گا تم چشموں پر قبضہ کر لو گے۔ حملہ ہمیشہ پہلو پر کرو گے اور لڑنے کے لیے رکو گے نہیں۔ جانباز دستے ہر رات دشمن کے مویشیوں پر آگ پھینکیں گے"۔

یہ ۱۱۷۱ء کے آخری دن تھے جب کرک والوں کو سلطان ایوبی کے لمبے انتظار کے بعد پتہ چلا کہ شوبک جیسا اہم قلعہ سلطان ایوبی کے محاصرے میں آگیا ہے جب کہ زیادہ تر فوج کرک میں اکٹھی کر لی گئی ہے اور صحرا میں بھیج دی گئی ہے۔ شوبک کو وہ کوئی مدد نہیں دے سکتے تھے۔ صحرا میں جو فوج گئی تھی، مسلمان اُس کا بُرا حشر کر رہے تھے۔ صلیبیوں کی پریشانی یہ تھی کہ مسلمان سامنے آکر نہیں لڑتے تھے۔ وہ گوریلا اور کمانڈو طرز کے حملوں سے ان کا نقصان کر رہے تھے۔ انہوں نے رسد روک لی تھی۔ پانی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں کی یہ فوج نہ لڑنے کے قابل رہی تھی نہ پیچھے ہٹ کر شوبک کو بچانے کے لیے پہنچ سکتی تھی۔

شوبک میں صلیبیوں نے قلعے اور شہر کی دیواروں سے تیروں اور برچھیوں سے بہت مقابلہ کیا لیکن سلطان ایوبی کے نقب زن دستوں نے دیواریں توڑ لیں۔ یہ محاصرہ تقریباً ڈیڑھ مہینہ رہا۔ آخر سلطان ایوبی شوبک میں داخل ہو گیا۔ وہ سب سے پہلے بیگار کیمپ میں گیا، جہاں کے بدنصیب قیدیوں نے شکر کے سجدے کیے۔ صلیبیوں کی صحرا والی فوج بے ترتیبی میں پسپا ہو کر کرک کے قلعے میں چلی گئی جہاں بہت سی فوج بیکار بیٹھی صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہی تھی۔

# اَیونا جب عائشہ بنی

۱۱۷۲ء کا دوسرا مہینہ گزر رہا تھا۔ شوبک کا قلعہ تو سر ہو چکا تھا لیکن شہر میں ابھی بدنظمی اور افراتفری تھی۔ عیسائی اپنے کنبوں سمیت وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ بھاگ بھی گئے تھے۔ انہیں ڈر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جس طرح انہوں نے شوبک کے مسلمان باشندوں پر ظلم و تشدد روا رکھا تھا، اسی طرح اب مسلمان ان کا جینا حرام کر دیں گے۔ اس انتقامی کارروائی سے وہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ انہوں نے جب اپنی فوج کو قلعے سے بھاگتے، سلطان ایوبی کے تیراندازوں کے تیروں سے مرتے اور ہتھیار ڈالتے دیکھا تو بال بچوں کو لے کے گھروں سے نکلنے لگے۔ مسلمان سپاہ نے انہیں جانے نہیں دیا تھا۔ سالاروں اور کمانداروں نے اپنے طور پر حکم دے دیا تھا کہ شہر سے کسی شہری کو کہیں جانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ سپاہی بھاگنے والے عیسائیوں کو ریگستان کے دُور دراز راستوں، گوشوں اور ٹیلوں کے علاقوں سے روک روک کر واپس بھیج رہے تھے۔

یہ لوگ دراصل اپنے اور اپنے حکمرانوں کے گناہوں کی سزا سے بھاگ رہے تھے۔ انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کو کیڑے مکوڑے بنا رکھا تھا۔ "مسلمانوں کا کیمپ" اس کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ سلطان ایوبی کو اس کیمپ کا علم تھا۔ وہ شوبک میں داخل ہوتے ہی اس کیمپ میں پہنچا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق وہاں دو ہزار کے قریب مسلمان قید تھے۔ یہ دو ہزار لاشیں تھیں۔ ان سے مویشیوں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ ان سے غلاظت تک اٹھوائی جاتی تھی۔ ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو یہاں جوانی میں لائے گئے تھے اور بوڑھے ہو چلے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ وہ انسان ہیں۔ ان میں پہلی لڑائیوں کے جنگی قیدی بھی تھے اور ان میں اُن بدنصیبوں کی تعداد زیادہ تھی جنہیں صلیبیوں نے قافلوں سے اور شہر سے پکڑ کر کیمپ میں ڈالا تھا۔ یہ امیر کبیر تاجر تھے یا

خوبصورت لڑکیوں کے باپ تھے۔ ان سے دولت، مال اور لڑکیاں چھین لی گئی تھیں۔ ان میں شہر کے وہ مسلمان بھی تھے جن کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کے وفادار اور صلیب کے دشمن ہیں۔ شہر میں جو مسلمان رہتے تھے وہ نماز اور قرآن گھروں میں چھپ چھپ کر پڑھتے تھے، وہ بھی اس طرح کہ آواز باہر نہ جائے..... وہ معمولی حیثیت کے عیسائیوں کو بھی جھک کر سلام کرتے تھے۔ اپنی جوان بیٹیوں کو تو وہ پردے میں رکھتے ہی تھے۔ اپنی معصوم بچیوں کو بھی وہ باہر نہیں نکلنے دیتے تھے۔ عیسائی خوبصورت بچیوں کو اغوا کر لیتے تھے۔

سلطان ایوبی نے جب ان دو ہزار زندہ لاشوں کو دیکھا تو اس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اس نے کہا تھا — "ان مظلوموں کو آزاد کرانے کے لیے میں پوری کی پوری سلطنتِ اسلامیہ کو داؤ پر لگا سکتا ہوں" — اس نے ان کی غذا اور اُن کی صحت کے لیے فوری احکامات جاری کر دیئے تھے اور کہا تھا کہ ابھی انہیں اسی جگہ رکھا جائے اور انہیں بستر مہیا کیے جائیں۔ اس کے پاس ابھی ان کی کہانیاں سننے کے لیے وقت نہیں تھا۔ اسے ابھی باہر کی کیفیت کو قابو میں لانا تھا۔ باہر کا یہ عالم تھا کہ جنگ ابھی جاری تھی جس کی نوعیت کھلی جنگ کی سی نہیں تھی۔ صورت یہ تھی کہ صلیبی فوج جو سلطان ایوبی کے دھوکے میں آ کر کرک اور شوبک سے دُور اُس کی فوج کو روکنے کے لیے چلی گئی تھی وہ بکھر کر پسپا ہو رہی تھی۔ مسلمان دستے اُس پر شب خون مار مار کر اور زیادہ بُرا حال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو اطلاعیں مل رہی تھیں کہ بعض جھڑپوں میں اس کے دستے گھیرے میں آ کر نقصان اٹھا رہے تھے۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ کرک کے قلعے میں جو صلیبی فوج ہے، وہ صحرا میں پھنسی اور بکھری ہوئی اپنی فوج کی مدد کے لیے بھیج دی جائے گی۔

اس صورت حال کے لیے سلطان ایوبی کے پاس فوج کی کمی تھی۔ مصر سے وہ کمک نہیں منگوانا چاہتا تھا کیونکہ وہاں کی سازشیں دبی نہیں تھیں۔ معزول کی ہوئی فاطمی خلافت کے حامی درپردہ سازشوں میں مصروف تھے۔ سوڈانی حبشی الگ طاقت جمع کر رہے تھے۔ ان دونوں کو صلیبی مدد دے کر سلطان ایوبی کے خلاف متحد کر رہے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ متعدد مسلمان سیاسی اور فوجی سربراہ بھی سلطان ایوبی کے خلاف درپردہ کارروائیوں میں مصروف تھے۔ یہ ایمان فروشوں کا ٹولہ تھا جو اقتدار کے حصول کے لیے اسلام کے دشمنوں کے ساتھ سازباز کر رہا تھا۔ انہوں



نے حشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں جنہوں نے سلطان ایوبی کے قتل کا منصوبہ بنا لیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی نے کئی بار کہا تھا کہ صلیبیوں کی یہ کتنی بڑی کامیابی ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مسلمانوں کو قتل کرا رہے ہیں۔ وہ بیشک ایمان فروش ہیں جنہیں میں نے غداری کی پاداش میں سزائے موت دی ہے لیکن وہ مسلمان تھے، کلمہ گو تھے۔ کاش، یہ لوگ اپنے دشمن کو پہچان لیتے۔

اب جب کہ شوبک کا قلعہ اس کے قدموں میں تھا اور وہ قلعے کی دیوار پر اپنے فوجی مشیروں وغیرہ کے ساتھ گھوم رہا تھا اسے شہر کے مسلمان باشندے گروہ در گروہ ناچتے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے نظر آ رہے تھے۔ اونٹوں پر شہیدوں کی لاشیں اور زخمی لائے جا رہے تھے، سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اس کا دستِ راست بہاؤالدین شدّاد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے — "صلاح الدین کے چہرے پر فتح و نصرت کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ خوشیاں منانے والے شوبک کے مسلمانوں کا ایک گروہ دف اور شہنائی کی تال پر ناچتا اس دیوار کے دامن میں آن رکا جہاں ہم کھڑے تھے۔ صلاح الدین ایوبی انہیں دیکھتا رہا۔ لوگ اسے دیکھ کر پاگلوں کی طرح ناچنے لگے۔ ایوبی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ اس نے ان لوگوں کے لیے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ بس دیکھ رہا تھا۔ گروہ میں سے کسی نے بلند آواز سے کہا 'صلاح الدین بن نجم الدین ایوب! تم شوبک کے مسلمانوں کے لیے پیغمبر بن کر اترے ہو' — وہ لوگ عربی نسل کے تھے۔ ایک دوسرے کو باپ کے نام سے پہچانتے اور پکارتے تھے۔ اس لیے ان میں بیشتر صلاح الدین ایوبی کو بن ایوب یا بن نجم کہتے تھے۔ سلطان ایوبی کرد نسل سے تھا.....

"ناچنے والوں میں سے کسی نے نعرہ لگایا — 'کرد کے بچے! ہم تیری پیغمبری کو سجدہ کرتے ہیں' — صلاح الدین ایوبی یکلخت بیدار ہو گیا۔ تڑپ کر بولا 'انہیں کہو مجھے گناہگار نہ کریں۔ میں پیغمبروں کا غلام ہوں۔ سجدے کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے' — میں نے سلطان کے ایک محافظ سے کہا، بھاگ کر جاؤ اور ان لوگوں سے کہو کہ ایسے نعرے نہ لگائیں۔ امیرِ مصر ناراض ہوتے ہیں۔ محافظ جانے لگا تو ایوبی نے اسے روک کر کہا 'آرام سے کہنا۔ ان کا دل نہ دکھانا۔ انہیں ناچنے دو۔ انہیں گانے دو۔ انہوں نے جہنم سے نجات حاصل کی ہے۔ میری زندگی ان لوگوں

کی خوشیوں کے لیے وقف ہے"۔ —— وہ اور کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ اس کی آواز بھرّا گئی تھی۔ یہ جذبات کا غلبہ تھا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔ وہ ہم سب سے اپنے آنسو چھپا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہم سب کی طرف دیکھا اور کہا —— "ہم ابھی فلسطین کی دہلیز پر پہنچے ہیں۔ ہماری منزل بہت دُور ہے۔ ہمیں شمال میں وہاں تک جانا ہے جہاں سے بحیرۂ روم کا ساحل گھوم کر مغرب کو جاتا ہے۔ ہمیں سرزمینِ عرب سے آخری صلیبی کو دھکیل کر بحیرۂ روم میں ڈبونا ہے"۔

وہیں سلطان ایوبی نے اپنے متعلقہ مشیر کو حکم دیا کہ سارے شہر میں منادی کرا دو کہ کوئی غیر مسلم اس خوف سے شہر سے نہ بھاگے کہ مسلمان انہیں پریشان کریں گے۔ کسی کو کسی مسلمان فوجی یا شہری سے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ قلعے کے دروازے پر شکایت کرے۔ اس کا ازالہ کیا جائے گا۔ اس نے زور دے کر کہا کہ ہم کسی کے لیے تکلیف اور مصیبت کا نہیں پیار اور محبت کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ اگر کسی نے اسلامی حکومت کے خلاف کوئی بات یا حرکت کی تو اسے اسلامی قانون کے تحت سزا دی جائے گی جو بہت سخت ہوگی اور یاد رکھو کہ اسلامی قانون سے نہ کوئی غیر مسلم بچ سکتا ہے نہ مسلمان —— اس کے ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ شہر میں اگر کوئی صلیبی فوجی یا جاسوس چھپا ہُوا ہے یا اسے کسی نے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے تو وہ فوراً اپنے آپ کو مسلمان فوج کے حوالے کر دے۔

سلطان ایوبی کی فوج قلعے کی ایک دیوار توڑ کر اندر گئی تھی۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ قلعے کے اس حصے پر فوراً قبضہ کیا جائے جہاں صلیبیوں کے محکمۂ جاسوسی کا مرکز تھا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے اس مرکز کے متعلق بہت سے معلومات دی تھیں اور راہنمائی بھی کی تھی مگر صلیبی اتنے اناڑی نہیں تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے اسی حصے کو خالی کیا اور دستاویزات نکال لے گئے تھے۔ ان کی جاسوسی کا سربراہ، ہرمن اور اس کے دیگر ماہرین وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ البتہ آٹھ لڑکیاں پکڑی گئی تھیں جو علی بن سفیان کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ وہ ان سے معلومات لے رہا تھا۔ ان لڑکیوں نے بتایا تھا کہ کم و بیش بیس لڑکیاں وہاں سے نکل گئی ہیں۔ وہ سب اپنے طور پر بھاگی تھیں۔ ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔ مرد جاسوس بھی نکل گئے تھے۔ ان آٹھ لڑکیوں میں سے ایک نے اپنی ساتھی لڑکی، لوزینا کے متعلق بتایا تھا کہ اس نے ایک مسلمان فوجی (حدید) کو قلعے سے فرار کرا کے خودکشی کر لی تھی۔



شوبک میں امن اور شہری انتظامات بحال کرنے کی سرگرمیاں تھیں اور کرک میں شوبک پر حملے اور اسے سلطان ایوبی سے چھڑانے کی سکیمیں بن رہی تھیں لیکن صلیبی حملے کے لیے اتنی جلدی تیار نہیں ہو سکتے تھے جتنا وہ سمجھتے تھے۔ ان کے سامنے پہلا سوال تو یہ تھا کہ ان کے عالم جاسوس نے بڑی پکی اطلاع دی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس کی فوجیں کرک کی طرف ہی آ رہی تھیں۔ ان کے قاہرہ کے جاسوسوں نے بھی ناقابلِ تردید اطلاعیں دی تھیں کہ سلطان ایوبی کی فوج کرک پر حملہ کرے گی جس کی کمان وہ خود کرے گا مگر آدھے راستے سے اس کی فوجوں نے رُخ بدل دیا اور ایسی چالیں چلیں کہ صلیبی فوج جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے گئی تھی، شب خونوں کی زد میں آ گئی اور سلطان ایوبی نے کرک سے اتنی زیادہ دُور شوبک پر حملہ کر دیا۔

یہ سوال ایک کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا جس میں صلیبی فوج کے اعلیٰ افسر اور صلیبی حکمران موجود تھے۔ ان کے محکمۂ جاسوسی کا سربراہ، جرمن نژاد ہرمن اور عالم جاسوس جسے سلطان ایوبی نے قاہرہ سے گرفتار کر کے رہا کر دیا تھا، ملزموں کی حیثیت سے کانفرنس میں پیش کیے گئے۔ عالم جاسوس شوبک کے قلعے سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اسے کانفرنس میں ہتھکڑیوں میں پیش کیا گیا تھا۔ اس پر الزام یہ تھا کہ اس نے غلط اطلاع دے کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا اور ان کی فتح کا باعث بنا ہے۔ اس نے ایک بار پھر بیان دہرایا کہ اسے یہ اطلاع کس طرح ملی تھی کہ سلطان ایوبی کرک پر حملہ کرے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اس کی اطلاع میں کوئی شک تھا تو متعلقہ محکمے کو اس کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کے اس بیان پر ہرمن سے پوچھا گیا کہ اس نے جاسوسی کے ماہر کی حیثیت سے کیوں تسلیم کر لیا تھا کہ اس جاسوس کی لائی ہوئی اطلاع بالکل صحیح ہے۔

"مجھے اس ضمن میں بہت کچھ کہنا ہے" —— ہرمن نے کہا —— "میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر ہوں مگر کئی مواقع ایسے آئے ہیں جن میں میری مہارت اور میرے جاسوسوں کی محنت اور قربانی کو نظر انداز کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میری مہارت فوج کی مرکزی کمان کے حکم یا کسی بادشاہ کے حکم کی نذر ہو گئی۔ اس کانفرنس میں تین حکمران موجود ہیں اور ان کی متحدہ کمان کے اعلیٰ کمانڈر بھی موجود ہیں اور جبکہ ہم اتنی بڑی شکست سے دوچار ہوئے ہیں جس میں شوبک جیسا قلعہ ہاتھ سے نکل گیا ہے، اس کے ساتھ میلوں وسیع علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے، سال بھر کی رسد اور دیگر سازوسامان دشمن کے ہاتھ لگا ہے اور شوبک کی پوری آبادی مسلمانوں

کی غلام ہو گئی ہے، میں آپ کی خامیاں اور احمقانہ حرکتیں آپ کے سامنے رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور میں آپ سب کو بصد احترام یاد دلاتا ہوں کہ ہم نے صلیب پر حلف اٹھایا ہے کہ صلیب کے وقار کے لیے اپنا آپ قربان کر دیں گے۔ اگر آپ میں سے کسی کے ذاتی وقار کو ٹھیس پہنچے تو اسے صلیب کا وقار پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔"

ہرمن کی حیثیت ایسی تھی کہ کونارڈ، گے آف لوزینان اور شاہ آگسٹس جیسے خودسر بادشاہ بھی اس کی بات رد کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ جاسوسی کا تمام تر نظام اس کے ہاتھ میں تھا۔ ان میں تباہ کار جاسوس بھی تھے۔ ہرمن کسی بھی حکمران کو خفیہ طریقے سے قتل کرانے کی ہمت اور اہلیت رکھتا تھا۔ اسے اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنا تجزیہ پیش کرے۔

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ دشمن کے راز معلوم کرنے کے لیے اور اس کی کردارکشی کے لیے صرف لڑکیوں پر کیوں بھروسہ کیا جا رہا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"اس لیے کہ عورت انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے" — کسی حکمران نے کہا۔ "کردار کُشی کا بہترین ذریعہ عورت ہے، خواہ وہ تحریر میں ہو یا گوشت پوست کی صورت میں ہو۔ کیا تم اس سے انکار کر سکتے ہو کہ عرب میں بہت سے مسلمان امراء، قلعہ داروں اور وزراء کو ہم نے عورت کے ہاتھوں اپنا غلام بنا لیا ہے؟"

"لیکن آپ یہ نہیں سوچ رہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حکومت فوج کے ہاتھ میں ہے" ہرمن نے کہا۔ "اُن کا خلیفہ اپنا حکم نہیں منوا سکتا۔ فوجی امور میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی مصر میں حیثیت ایک گورنر کی ہے لیکن اس نے وہاں کے خلیفہ کو معزول کر دیا ہے۔ اِدھر نور الدین زنگی ہے جس کی حیثیت ایک سالار اور وزیر کی ہے لیکن جنگی امور میں اسے بغداد کے خلیفہ سے حکم اور اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لہٰذا یہ پیشِ نظر رکھیے کہ آپ نے چند ایک امیروں، وزیروں اور قلعہ داروں کو ہاتھ میں لے لیا ہے تو ان کی حیثیت چند ایک غداروں کی ہے۔ وہ آپ کو اپنے ملک کا ایک انچ علاقہ بھی نہیں دے سکتے۔ اسلامی سلطنت کے اصل حکمران فوجی ہیں۔ نور الدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوجوں کی تربیت ایسی کی ہے کہ آپ لڑکیوں سے اس فوج کا کردار خراب نہیں کر سکتے اور نہ ہی کر سکے ہیں۔ اس فوج کے لیے شراب پینا سنگین جرم ہے۔ اسلام میں ہر کسی کے لیے شراب حرام ہے۔ اس پابندی کا اثر یہ ہے کہ مسلمان فوجی ہو یا شہری وہ اپنے ہوش ٹھکانے رکھتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی شراب کا عادی ہوتا تو آج مصر ہمارا ہوتا اور صلاح الدین ایوبی شوبک کے قلعے کا فاتح نہ



ہوتا بلکہ اس قلعے میں ہمارا قیدی ہوتا۔"

"ہرمن!" — ایک کمانڈر نے اسے ٹوک کر کہا — "اپنی بات لڑکیوں تک رکھو۔ ہمارے پاس مسلمانوں کے اوصاف سننے کے لیے وقت نہیں ہے۔"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں" — ہرمن نے کہا — "کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کا استعمال ناکام ہو چکا ہے۔ گزشتہ دو برسوں میں ہم بڑی قیمتی لڑکیاں مصر میں بھیج کر مسلمان فوجیوں کے ہاتھوں مروا چکے ہیں۔ لڑکی کے معاملے میں یہ بھی یاد رکھیے کہ عورت ذات جذباتی ہوتی ہے۔ آپ لڑکیوں کو کتنی ہی سخت ٹریننگ کیوں نہ دیں، وہ مردوں کی طرح پتھر نہیں بن سکتیں۔ ہم انہیں خطروں میں پھینک دیتے ہیں۔ خطرہ بہرحال خطرہ ہوتا ہے اور دل و دماغ پر اثر کرتا ہے۔ بعض اوقات حالات بہت ہی بگڑ جاتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمان فوجی ہماری لڑکیوں کو تفریح کا ذریعہ بنانے کی بجائے انہیں پناہ میں لے لیتے ہیں اور ان کے جسم اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ لڑکیاں جذبات سے مغلوب ہو کے رہ جاتی ہیں۔ حال ہی میں ہماری ایک لڑکی کو صلاح الدین ایوبی کے ایک کمانڈر نے ڈاکوؤں سے بچایا اور زخمی ہو گیا۔ لڑکی اسے شوبک میں لے آئی۔ ہم نے اسے مسلمانوں کے کیمپ میں پھینک دیا۔ لڑکی نے اسے ہماری فوج کے ایک افسر کی وردی پہنا کر قلعے سے نکال دیا۔ اسے گھوڑا بھی دیا۔ میں نے لڑکی کو پکڑ لیا۔ لڑکی نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اس نے سزا کے خوف سے خودکشی نہیں کی تھی۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ گناہگار ہے اور اپنے جسم کو دھوکے کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ یہ احساس اتنا شدید تھا کہ اس نے زہر پی لیا....

"لڑکیوں کے خلاف میں ایک دلیل اور بھی دینا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس جو جاسوس لڑکیاں ہیں، ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جنہیں ہم نے بچپن میں مسلمانوں کے قافلوں سے یا ان کے گھروں سے اغوا کرایا تھا۔ انہیں ہم نے اپنا مذہب دیا اور اپنی ٹریننگ دی۔ وہ جوان ہوئیں اور اپنا بچپن اور اپنی اصلیت بھول گئیں۔ انہیں یاد بھی نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کی بیٹیاں ہیں مگر ہم نے ان کے صرف نام بدلے، ان کا مذہب اور اُن کا کردار بدلا، ان کے خون کو نہ بدل سکے۔ میں انسانی نفسیات کو سمجھتا ہوں لیکن یہ میرا تجربہ ہے کہ مسلمان کی نفسیات دوسرے مذاہب کے انسانوں سے مختلف ہے۔ یہ لڑکیاں جب کسی مسلمان کے سامنے جاتی ہیں تو جیسے انہیں اچانک یاد آ جاتا ہے کہ ان کی رگوں میں بھی مسلمان باپ کا خون ہے۔ مسلمان کے خون سے اس کا مذہب نکلتا نہیں۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ کسی لڑکی کو جاسوسی کے لیے نہ بھیجا جائے؟"۔ ایک کمانڈر نے اس سے پوچھا۔

"کسی ایسی لڑکی کو نہ بھیجا جائے جو کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوئی تھی"۔۔۔ ہرمن نے جواب دیا۔۔۔ "اگر آپ لڑکیوں کو برے کے سے نکال ہی دیں تو صلیب کے لیے بہتر رہے گا۔ آپ مسلمان اُمرا کے حرموں میں لڑکیاں بھیجتے رہیں۔ آپ انہیں پھانس سکتے ہیں۔ وہ آسانی سے آپ کے ہاتھ آجاتے ہیں کیونکہ انہوں نے میدانِ جنگ نہیں دیکھا۔ ان کی تلوار ہماری تلوار سے نہیں ٹکرائی ہیں ان کی صرف فوج پہچانتی ہے۔ دشمن کو صرف فوج جانتی ہے۔ اس لیے وہ ہمارے جھانسے میں نہیں آسکتی"۔

صلیبیوں کا شاہ آگسٹس انتہا درجے کا شیطان فطرت حکمران تھا جو اسلام کی دشمنی کو عبادت سمجھتا تھا۔ اس نے کہا۔۔۔ "ہرمن! تمہاری نگاہ محدود ہے۔ تم صرف صلاح الدین اور نورالدین کو دیکھ رہے ہو۔ ہم اسلام کو دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں اس مذہب کی بیخ کنی کرنی ہے۔ اس کے لیے کردار کشی اور نظریات میں شکوک پیدا کرنا لازمی ہے۔ مسلمانوں میں ایسی تہذیب رائج کرو جس میں کشش ہو۔ ضروری نہیں کہ ہم اپنا مقصد اپنی زندگی میں حاصل کرلیں ۔۔۔ ہم یہ کام اپنی اگلی نسل کے سپرد کر دیں گے۔ کچھ کامیابی وہ حاصل کرے گی اور یہ مہم اس سے اگلی نسل ہاتھ میں لے لے گی ....

پھر ایک دور ایسا آہی جائے گا جب اسلام کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ اگر اسلام زندہ رہا بھی تو یہ مذہب کسی اور صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو جنم نہیں دے گا۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ مذہب مسلمانوں کا اپنا ہوگا لیکن یہ مذہب ہماری تہذیب میں رنگا ہوا ہوگا۔ ہرمن! آج سے سو سال بعد پر نظر رکھو۔ فتح اور شکست عارضی واقعات ہیں۔ ہم شوبک پر دوبارہ قبضہ کرلیں گے۔ تم مصر میں سازشوں کو مضبوط کرو، فاطمیوں اور سوڈانی حبشیوں کو مدد دو۔ حشیشین کو استعمال کرو"۔

کانفرنس کے کمرے میں ایک صلیبی افسر داخل ہوا۔ گرد سے اٹا ہوا اور تھکا ہوا تھا۔ وہ اس فوج کے کمانڈروں میں سے تھا جو باہر ریگستان میں چلی گئی تھی اور آہستہ آہستہ کرک کی طرف پسپا ہو رہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ اس نے کہا۔۔۔ "فوج کی حالت اچھی نہیں۔ میں یہ تجویز لے کے آیا ہوں کہ کرک کی تمام تر فوج کے ساتھ کافی کمک ملا کر شوبک پر حملہ کر دیا جائے اور مسلمانوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ آمنے سامنے کی جنگ لڑیں۔ اس



وقت جنگ کی کیفیت یہ ہے کہ ہمارے دستے مرکزی کمان کے حکم کے مطابق کرک کی طرف پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کے شب خون مارنے والے دستے تھوڑی سی نفری سے رات کو عقبی حصے پر شب خون مارتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ دن کے وقت ان کے تیر انداز چند ایک تیر برسا کر نقصان کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ وہ نشانہ گھوڑے یا اونٹ کو بناتے ہیں۔ جس جانور کو تیر لگتا ہے، وہ بھگدڑ مچا دیتا ہے۔ اسے دیکھ کر دوسرے گھوڑے اور اونٹ بھی ڈرتے اور بے قابو ہو جاتے ہیں۔ ہم نے رک کر اِدھر اُدھر کے دستے اکٹھے کیے اور جوابی حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن مسلمان آمنے سامنے نہیں آتے۔ ہمارے کچھ دستوں کو انہوں نے صرف اس لیے مارا ہے کہ مسلمان انہیں اپنی مرضی کے میدان میں لے جا کر لڑاتے ہیں۔ سپاہ میں لڑنے کا جذبہ ماند پڑ گیا ہے۔ جذبے کو بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک شدید جوابی حملہ کیا جائے"۔

اس مسئلے پر بحث شروع ہوگئی۔ صلیبیوں کے لیے مشکل یہ پیدا ہوگئی تھی کہ ان کی فوج کا بڑا حصہ جسے بہترین لڑاکا سمجھا جاتا تھا۔ کرک سے دُور ریگزار میں بکھر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی چال کامیاب تھی۔ اس کے کمانڈر اور دستوں کے عہدیدار اس کی چال کو خوش اسلوبی سے عملی رنگ دے رہے تھے۔ وہ پانی پر قبضہ کر لیتے تھے، بلندیوں پر پہنچ جاتے تھے، ٹیلوں کے علاقوں میں گھات لگاتے تھے اور دن کے وقت اگر ہوا تیز ہو تو ہوا کے رُخ سے حملہ کرتے تھے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا تھا کہ ہوا اور گھوڑوں کی اڑائی ہوئی ریت صلیبیوں کی آنکھوں میں پڑتی اور انہیں اندھا کرتی تھی۔ سلطان ایوبی کی نفری کافی نہیں تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ صلیبی حملہ کر دیتے تو سلطان ایوبی کے پاس اتنی نفری نہیں تھی کہ وہ شوبک کو بچا سکتا۔ اس نے جنگی فہم و فراست سے کام لیا اور صلیبیوں پر اپنا رعب قائم کر دیا تھا۔ شوبک کے شمال مشرق میں صلیبیوں کی خاصی فوج بیکار بیٹھی تھی۔ اسے اس ڈر سے واپس نہیں بلایا جا رہا تھا کہ نورالدین زنگی سلطان ایوبی کو کمک بھیج دے گا۔

صلیبی حکمران اور کمانڈر کرک کے قلعے میں بیٹھے ہوئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ شوبک میں ایوبی کو یہ مسئلہ پریشان کر رہا تھا کہ صلیبیوں نے حملہ کر دیا تو وہ کس طرح روکے گا۔

وہ جرائم پیشہ آدمی موزوں رہیں گے جنہیں ان کی خواہش کے مطابق جیلوں سے نکال کر فوج میں لیا گیا ہے۔ فوج میں پیشہ ور مجرموں کو تلاش کرو اور انہیں چند دن ٹریننگ دے کر شوبک بھیج دو لیکن یہ خیال رکھو کہ ان میں وہی سپاہی ہوں جو شوبک میں رہ چکے ہیں اور وہاں کے گلی کوچوں اور لوگوں سے واقف ہیں ..... یہاں یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ جرائم پیشہ آدمی اس خطے کی زبان نہیں جانتے۔ اس کا یہ حل پیش کیا گیا کہ زیادہ تر ایسے آدمی بھیجے جائیں جو وہاں کی زبان جانتے ہوں۔

متعدد مؤرخین نے شوبک کی فتح کو کئی ایک رنگ دیئے ہیں۔ ان میں صاف گو قسم کے مؤرخین نے جو لیم آف ٹائر کی طرح عیسائی ہیں، صلیبیوں پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے حکمران خوبصورت لڑکیوں کے ذریعے مسلمان علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور کردار کشی پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس سے ان کے اپنے کردار کا پتہ ملتا ہے کہ کیا تھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے چند ایک غیر فوجی سربراہوں کو اپنے زیر اثر لے لیا تھا لیکن ان کے دماغ میں یہ نہ آئی کہ مسلمانوں کی ایک قوم بھی ہے اور ایک فوج بھی ہے۔ کسی قوم اور اس کی فوج کے قومی جذبے کو مارنا آسان کام نہیں ہوتا اور اس صورت میں جب کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے نہتے قافلے لوٹے تھے، ان کی بچیاں اغوا کی تھیں، مفتوحہ علاقوں میں وسیع پیمانے پر آبروریزی کی، قتلِ عام کیا اور مسلمانوں کو بیگار کیمپوں میں ٹھونس کر جانور بنا دیا مسلمان قوم اور فوج کے جذبے کو مجروح کرنا ممکن ہی نہیں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں انتقام کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اسلام کی صفوں میں چند ایک غدار پیدا کر لینے سے اس مذہب کی عظمت کو مجروح نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس وقت جب شوبک پر حملے کی ضرورت تھی اور جب صلاح الدین ایوبی جنگی لحاظ سے کمزور تھا، صلیبیوں نے شوبک سے چند ایک لڑکیوں کو نکال لانے پر توجہ مرکوز کر لی اور اس مہم کے لیے جانبازوں کا گروہ تیار ہونے لگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کی جنگی فہم و فراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے صلیبیوں پر یہ رعب طاری کر دیا تھا کہ اس نے ان کی فوج کو بکھیر دیا ہے۔ صلیبیوں نے اس تاثر کو قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہ دی کہ ایوبی کی اپنی فوج دستہ دستہ ٹولہ ٹولہ ہو کے بکھر گئی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلطان ایوبی اس صورتِ حال سے کچھ پریشان بھی تھا۔ اس کے مشیر خاص شداد، نے اس کی جس پریشانی



اس نے عیسائیوں کے بھیس میں اپنے جاسوس کرک بھجوا دیئے تھے تاکہ صلیبیوں کے عزائم اور منصوبوں سے آگاہ کرتے رہیں۔ اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اسے محاذ کی خبریں تیزی سے مل رہی تھیں۔ اس نے شوبک سے اور گرد و نواح کے علاقے سے فوج کے لیے بھرتی شروع کر دی اور حکم دیا کہ قلعے میں فوری طور پر اُن کی ٹریننگ شروع کر دی جائے۔ صلیبیوں کے بہت سے گھوڑے اور اونٹ قلعے میں رہ گئے تھے۔

باہر کے دستوں کو اس نے حکم بھیج دیا تھا کہ دشمن کے جانوروں کو مارنے کی بجائے پکڑیں اور قلعے میں بھیجتے رہیں۔ نئی بھرتی کی ٹریننگ کے سلسلے میں اس نے یہ حکم جاری کیا کہ انہیں شب خون مارنے کی اور متحرک جنگ لڑنے کی ٹریننگ دی جائے۔

کرک میں جو کانفرنس ہو رہی تھی اس میں ہرمن کی اس تجویز کو رد کر دیا گیا تھا کہ جاسوسی کے لیے لڑکیوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ البتہ عالم جاسوس کو چھوڑ دیا گیا اور اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ مسلمانوں پر نظریاتی حملہ کرنے کے لیے آدمی تیار کرے۔ اس کے بعد یہ پوچھا گیا کہ شوبک میں کتنی جاسوس لڑکیاں اور مرد رہ گئے ہیں اور کیا لڑکیوں کو وہاں سے نکالا جا سکتا ہے؟ ہرمن نے انہیں بتایا کہ چند ایک لڑکیاں مسلمانوں کی قید میں ہیں۔ کچھ نکل آئی ہیں اور کچھ لاپتہ ہیں۔ مرد جاسوسوں کے متعلق اس نے بتایا کہ چند ایک قید ہو گئے ہیں اور بہت سے وہیں ہیں۔ انہیں اطلاع بھیج دی گئی ہے کہ وہیں رہیں اور اب مسلمان بن کر اپنا کام کریں ..... ایک صلیبی حکمران نے کہا کہ جو لڑکیاں وہاں قید میں ہیں انہیں نکالنا شاید آسان نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے کہ کچھ لڑکیاں وہاں عیسائیوں کے گھروں میں روپوش ہو گئی ہوں۔ انہیں وہاں سے نکالنا لازمی ہے۔

تھوڑی دیر کے بحث مباحثے کے بعد طے ہُوا کہ ایک ایسا گروہ تیار کیا جائے جو سلطان ایوبی کے شب خون مارنے والے آدمیوں کی طرح جان پر کھیلنا جانتا ہو۔ اس گروہ کا ہر ایک آدمی ذہین اور پھرتیلا ہو۔ عربی یا مصری زبان بول سکتا ہو۔ اس گروہ کو ایسے مسلمانوں کے بھیس میں شوبک بھیجا جائے جس سے پتہ چلے کہ کرک کے عیسائیوں کے ظلم و تشدد سے بھاگ کر آئے ہیں۔ انہیں یہ کام دیا جائے کہ شوبک میں رہ کر لڑکیوں کا سراغ لگائیں اور انہیں وہاں سے نکالیں۔ اس کام کے لیے

کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہو سکتی ہے کہ اس کے دستے صلیبیوں کے تعاقب میں بکھر گئے تھے۔ ان سے مرکزیت ختم ہو گئی تھی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس کے دستے ذاتی اور قومی جذبے کے تحت لڑ رہے تھے۔ ایسی مثالیں بھی ملی ہیں کہ بعض مسلمان دستے صحرائی بھول بھلیوں میں بھٹک گئے اور خوراک اور پانی سے محروم رہے لیکن وہ ہر حال اور ہر کیفیت میں لڑتے رہے۔

یہ جذبے کی جنگ تھی جس سے صلیبی سپاہی عاری تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو پسپا ہوتے دیکھا تو ان میں لڑنے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ اگر صلیبی ادھر توجہ دیتے تو ایوبی کی بکھری ہوئی فوج پر قابو پا سکتے تھے مگر وہ ذرا ذرا سی باتوں پر اتنی زیادہ توجہ دیتے تھے جتنی اہم جنگی امور پر دی جاتی ہے۔

یہاں ایک اور وضاحت ضروری ہے۔ اُس دور کے صلیبی وقائع نگاروں کے حوالے سے دو تین غیر مسلم مؤرخین نے اس قسم کی غلط بیانی کی ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے مسلسل دو سال شوبک کو محاصرے میں رکھا اور ناکام لوٹ گیا۔ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے درمیان غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ زنگی کو اس کے مشیروں نے خبردار کیا تھا کہ ایوبی مصر کو اپنے ذاتی تسلط میں رکھ کر فلسطین کا بھی خود مختار حکمران بننا چاہتا ہے۔ وہ فلسطین پر قبضہ کر کے زنگی کو معزول کر دے گا۔ یہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ نور الدین زنگی نے اس بہانے شوبک کو اپنی فوج روانہ کر دی کہ یہ سلطان ایوبی کے لیے کمک ہے لیکن اس نے اپنے کمانڈروں کو یہ خفیہ ہدایت دی تھی کہ وہ شوبک کے جنگی امور اپنے قبضے میں لے لیں چنانچہ یہ فوج آئی۔ سلطان ایوبی سے کسی نے کہا کہ نور الدین زنگی نے یہ فوج اس کی مدد کے لیے نہیں بھیجی بلکہ اس کی مرکزی کمان پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجی ہے۔ یہ سن کر سلطان ایوبی دل برداشتہ ہو گیا اور وہ شوبک کا محاصرہ اٹھا کر مصر کو کوچ کر گیا۔

عیسائی مؤرخین نے زنگی اور ایوبی کی اس مفروضہ چپقلش کو بہت اچھالا ہے لیکن ان مؤرخین کی تعداد زیادہ ہے جنہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ سلطان ایوبی نے ڈیڑھ ماہ کے محاصرے کے بعد شوبک کا قلعہ لے لیا تھا۔ البتہ یہ پتہ بھی ملتا ہے کہ صلیبی تخریب کاروں نے نور الدین زنگی کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی تھی جو کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سلطان ایوبی کے والد نجم الدین ایوب لمبی مسافت طے کر کے شوبک پہنچے۔ انہیں شک ہو گیا تھا کہ ان کا بیٹا ایسی حماقت



پر اُتر ہی نہ آیا ہو اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تخریب کار اس کے کان زنگی کے خلاف بھر دیں۔

بہاؤ الدین شدّاد اپنی یادداشتوں میں رقمطراز ہے — "اپنے والد بزرگوار کو دیکھ کر ایوبی بہت حیران ہوا۔ اُن کے گھٹنے چھو کر مصافحہ کیا اور سمجھا کہ محترم والد اسے فتح کی مبارکباد دینے آئے ہیں مگر انہوں نے بیٹے کو پہلے الفاظ یہ کہے — کیا نور الدین زنگی جاہل ہے جس نے مجھ جیسے گمنام اور غریب آدمی کے بیٹے کو مصر کا حکمران بنا ڈالا ہے؟ کیا مجھے یہ سننا پڑے گا کہ تیرا بیٹا ذاتی اقتدار کی خاطر سلطنتِ اسلامیہ کے محافظ نور الدین زنگی کا دشمن ہو گیا ہے؟ .... جاؤ اور زنگی سے معافی مانگو ....."

بات کھلی تو معلوم ہوا کہ سلطان ایوبی کا ذہن صاف ہے اور وہ نور الدین زنگی سے کمک مانگنے والا ہے۔ نجم الدین ایوب مطمئن ہو گئے اور واضح ہو گیا کہ یہ صلیبیوں کی تخریب کاری اور عیاری ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنے خصوصی قاصد اور معتمد نقیہ عیسیٰ الہکاری کو اپنے والدِ محترم کے ساتھ رخصت کیا اور الہکاری کو نور الدین زنگی کے نام ایک تحریری پیغام دیا۔ اس کے ساتھ شوبک کے کچھ تحفے بھی بھیجے۔ اس نے لکھا "بیش قیمت تحفہ شوبک کا قلعہ ہے جو میں آپ کے قدموں میں پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد خدائے عزوجل کی مدد سے کرک کا قلعہ پیش کروں گا۔"

اس پیغام میں سلطان ایوبی نے واضح کیا تھا کہ صلیبیوں کی تخریب کاری سے خبردار رہیں اور یہ نہ بھولیں کہ کچھ مسلمان امرا بھی اس تخریب کاری اور سازشوں میں صلیبیوں کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ ان کی سرکوبی کی جائے۔ اس پیغام میں سلطان ایوبی نے شوبک کی اس وقت کی صورتِ حال اور اپنی فوج کی کیفیت تفصیل سے لکھی اور کچھ انقلابی تجاویز پیش کیں۔ اس نے زنگی کو لکھا کہ ان حالات میں جب دشمن ہماری سرزمین پر قلعہ بند ہے اور وہ میدانِ جنگ میں ہمارے خلاف سرگرم ہے اور زمین دوز کارروائیوں سے بھی ہمارے درمیان غلط پیدا کر رہا ہے، میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہماری غیر فوجی قیادت نہ صرف ناکام ہو گئی ہے بلکہ سلطنتِ اسلامیہ کے لیے خطرہ بن گئی ہے۔ ہم گھر سے دور بے رحم صحراؤں میں دشمن سے برسرِ پیکار ہیں۔ ہمارے مجاہد لڑتے اور مرتے ہیں۔ وہ بھوکے اور پیاسے بھی لڑتے ہیں۔ انہیں کفن نصیب نہیں ہوتے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے تلے روندی جاتی اور صحرائی لومڑیوں اور گدھوں کی خوراک بنتی ہیں۔ اسلام کی عظمت

اور قوم کے وقار کو جتنا وہ سمجھتے ہیں اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ہمارے غیر فوجی حکام اور سربراہوں کے خون کا ایک قطرہ نہیں گرتا۔ وہ میدانِ جنگ سے بہت دور محفوظ بیٹھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عیش و عشرت کے عادی ہو گئے ہیں۔ دشمن انہیں نہایت حسین اور چلبلی لڑکیوں اور یورپ کی شراب سے اپنا مرید بنا لیتا ہے۔ ہم دین و ایمان کی سربلندی کے لیے مرتے ہیں اور وہ ایمان کو دشمن کے ہاتھ بیچ کر عیش کرتے اور اس کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔

سلطان ایوبی نے لکھا کہ اب جبکہ میں فلسطین کی دہلیز پر آ گیا ہوں اور میں نے فلسطین لیے بغیر واپس نہ جانے کا تہیہ کر لیا ہے، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ (نورالدین زنگی) غیر فوجی تیارت پر کڑی نظر رکھیں۔ امیر العلماء سے کہیں کہ وہ مساجد میں اور ہر جگہ اعلان کر دے کہ سلطنتِ اسلامیہ کا صرف ایک خلیفہ ہے اور یہ بغداد کی خلافت ہے۔ ہر مسلمان پر اس واحد خلافت کی اطاعت فرض ہے لیکن خطبے میں اور کسی مسجد میں خلیفہ کا نام نہیں لیا جائے گا۔ عظیم نام صرف اللہ اور اس کے رسول صلعم کا ہے۔ یہ حکم بھی جاری کیا جائے کہ آئندہ جب خلیفہ یا کوئی حاکم کسی دورے یا معائنے کے لیے باہر نکلے گا تو اس کے محافظ دستے کے سوا کوئی جلوس اس کے ساتھ نہیں ہوگا اور لوگ راستے میں رک کر اور جھک جھک کر اسے سلام نہیں کریں گے.... سلطان ایوبی نے سب سے زیادہ اہم بات یہ لکھی کہ شیعہ سُنی تفرقہ بڑھتا جا رہا ہے۔ فاطمی خلافت کی معزولی نے اس تفرقے میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ تفریق ختم ہونی چاہیے۔ بے شک خلافت اور حکومت سُنی ہے لیکن کسی سُنی حاکم یا اہل کار کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ شیعوں کو اپنا غلام سمجھے۔ حکومت اور فوج میں شیعوں کو پوری نمائندگی دی جائے۔

اس قسم کی کچھ اور بھی انقلابی تجاویز تھیں جو سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی کو بھیجیں۔ مورخین اس پر متفق ہیں کہ زنگی نے ان پر فوری طور پر عمل کیا۔ اپنے ہاں بھی سلطان ایوبی نے شیعہ سنی تفرقہ پیار و محبت اور عقل و دانش سے مٹانا شروع کر دیا۔

✪

کرک میں صلیبی، سلطان ایوبی پر جوابی وار کرنے پر غور کر رہے تھے۔ ان کی مرکزی کمان نے قاصدوں کے ذریعے اپنی بکھری ہوئی فوج کو احکام بھیج دیئے کہ مسلمانوں سے لڑنے کی کوشش نہ کریں بلکہ نکلنے کی ترکیب کریں تاکہ جوابی حملے کے لیے زیادہ سے زیادہ فوج پہنچ جائے۔ ان احکام کے ساتھ ہی انہوں نے چالیس جانبازوں کا ایک گروہ تیار کر لیا جسے مظلوم مسلمانوں کے بہروپ میں شوبک میں داخل ہونا اور لڑکیوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔ صلیبی حکمرانوں نے اس خیال سے کہ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر ہے وہاں اپنے تخریب کاروں میں اضافہ کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔ وہ سوڈانیوں اور فاطمیوں کو جلد از جلد متحد کر کے قاہرہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔



شوبک اور کرک کے درمیانی علاقے میں بہت خون بہہ رہا تھا۔ وہ سارا علاقہ ہموار ریگستان نہیں تھا۔ کئی جگہوں پر مٹی اور ریتلی سلوں کے ٹیلے تھے اور کہیں ریت کی گول گول ٹیکریاں تھیں جن میں کوئی داخل ہو جائے تو باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ ایسے علاقوں میں صلیبی بھی مر رہے تھے اور سلطان ایوبی کے مجاہدین بھی — اور وہاں شوبک کے وہ عیسائی بھی مر رہے تھے جو مسلمانوں کے ڈر سے شہر سے کرک کی سمت بھاگ اٹھے تھے۔ فضا میں گدھوں کے غول اڑ رہے تھے۔ ان کے پیٹ انسانی گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ صحرائی درندے لاشوں کو چیر پھاڑ رہے تھے اور معرکہ آرائی کا یہ عالم تھا جیسے اُفق سے اُفق تک انسان ایک دوسرے کا کشت و خون کر رہے ہوں۔ اس وسیع ریگزار میں کہیں کہیں نخلستان بھی تھے جہاں پانی مل جاتا تھا۔ تھکے ہارے انسان، زخمی انسان اور پیاس کے مارے ہوئے انسان وہاں جا جا کر گرتے تھے۔

عماد ہاشم سلطان ایوبی کی فوج کے ایک چھوٹے سے دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ شامی باشندہ تھا۔ اسی لیے وہ اپنا نام عماد شامی بتایا کرتا تھا۔ صلیبیوں کے خلاف جو جذبہ ہر مسلمان سپاہی کے دل میں تھا، وہ عماد شامی میں بھی تھا لیکن اس کے جذبے میں انتقام کا قہر اور غضب زیادہ تھا۔ اس کے متعلق سب جانتے تھے کہ وہ یتیم ہے اور اس کا سگا عزیز رشتہ دار کوئی نہیں لیکن اُسے یہ یقین نہیں تھا کہ وہ یتیم ہے یا نہیں کیونکہ اس کا باپ اس کی آنکھوں کے سامنے مرا نہیں تھا۔ وہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں گھر سے بھاگا تھا۔ اس وقت اس کا گھر شوبک میں تھا۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس کے بچپن میں شوبک پر صلیبیوں کا قبضہ ہوا تھا اور انہوں نے مسلمانوں کا کشت و خون شروع کر دیا تھا۔ اس کا بچپن صلیبیوں کی دہشت میں گزرا تھا۔ اس نے مسلمان جنگی قیدی بھی دیکھے جنہیں مار مار کر لایا جا رہا تھا اور اس کے

سامنے دو قیدیوں کے سر کاٹ دیئے گئے تھے کیونکہ وہ زخموں کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے۔ اس نے مسلمان گھروں سے لڑکیاں اغوا ہوتے دیکھی تھیں اور اس نے مسلمانوں کو بیگار میں جاتے بھی دیکھا تھا۔ شوبک کے مسلمان کہا کرتے تھے کہ جب شہر میں عیسائی مسلمانوں کو بلاوجہ پکڑ پکڑ کر کیمپ میں لے جانا شروع کردیں اور ان کے گھروں پر حملے کرنے لگیں تو سمجھ لو کہ انہیں مسلمانوں کے ہاتھوں کہیں شکست ہوئی ہے۔

عماد شامی کا گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ اُس کی ایک بہن تھی جس کی عمر سات آٹھ سال تھی۔ اُسے وہ بہن یاد تھی۔ بہت خوبصورت اور گڑیا سی بچی تھی۔ گھر میں اس کا باپ تھا، ماں تھی اور ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ ایک روز عماد کی گڑیا سی بہن باہر نکل گئی اور لاپتہ ہوگئی۔ باپ نے تلاش کی مگر کہیں نہ ملی۔ ایک مسلمان پڑوسی نے اسے بتایا کہ اُسے عیسائی اٹھالے گئے ہیں۔ باپ شہر کے حاکم کے پاس فریاد لے کر گیا۔ جونہی اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہے، حاکم اس پر برس پڑا اور اس پر الزام عائد کیا کہ وہ حکمران قوم پر اتنا گھٹیا الزام تھوپ رہا ہے۔ گھر آکر باپ نے اور عماد کے بڑے بھائی نے عیسائیوں کے خلاف شور شرابا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو ان کے گھر حملہ ہوا۔ عماد نے اپنی ماں اور بڑے بھائی کو قتل ہوتے دیکھا۔ وہ باہر بھاگ گیا اور ایک مسلمان کے گھر جا چھپا۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر نہیں گیا کیونکہ اس مسلمان نے اس ڈر سے اُسے باہر نہ نکلنے دیا کہ عیسائی اسے بھی قتل کردیں گے۔

تھوڑے دنوں بعد اس مسلمان نے اسے ایک اور آدمی کے حوالے کردیا جو اسے چوری چھپے شہر سے باہر لے گیا۔ صبح کے وقت وہ ایک قافلے کے ساتھ جا رہا تھا۔ بہت دنوں کی مسافت کے بعد وہ شام پہنچا۔ وہاں اُسے ایک امیر کبیر تاجر کے گھر نوکری مل گئی۔ اب اس کی یہی زندگی تھی کہ نوکری کرے اور زندہ رہے۔ وہ ذہنی طور پر بالغ اور بیدار ہوگیا۔ یہ انتقام کا جذبہ تھا۔ اسی جذبے کے زیرِ اثر اسے فوجی اچھے لگنے لگے تھے۔ اس نے تاجر کی نوکری چھوڑ کر کسی فوجی حاکم کے گھر میں نوکری کرلی۔ عماد نے اسے بتایا کہ اس پر کیا بیتی ہے اور یہ بھی بتایا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونا چاہتا ہے۔

اس حاکم نے اس کی پرورش کی اور سولہ سال کی عمر میں اسے شام کی فوج میں



بھرتی کرا دیا۔ وہ انتقام کے لیے بے تاب تھا۔ اسے تین چار معرکوں میں شریک ہونے کا موقع ملا جن میں اس کے جوہر سامنے آگئے۔ گیارہ بارہ سال بعد اُسے اس فوج کے ساتھ مصر روانہ کردیا گیا جو نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی کی مدد کے لیے بھیجی تھی۔ دو سال مصر میں گذر گئے۔ پھر خدا نے اس کی یہ مراد بھی پوری کی کہ وہ شوبک پر حملہ کرنے والی فوج کے ساتھ گیا لیکن اُسے اُس فوج میں رکھا گیا جسے ریگزار میں صلیبیوں کی فوج پر حملے کرنے تھے۔

وہاں وہ صلیبیوں کے لیے قہر بنا ہوا تھا۔ اس کا چھاپہ مار سوار دستہ مشہور ہوگیا تھا۔ عماد شامی اپنے سواروں کو ساتھ لیے صحرا میں صلیبیوں کی سُن گن لیتا پھرتا اور بھیڑیوں اور چیتوں کی طرح ان پر جھپٹتا تھا مگر اس کے سینے میں جو آگ لگی ہوئی تھی وہ سرد نہیں ہوتی تھی.... ایک ماہ بعد اس کے دستے میں کُل چار سوار رہ گئے تھے، باقی سب شہید ہوگئے.... ایک رات اس نے ان چار سواروں سے صلیبیوں کے کم و بیش پچاس افراد کے دستے پر حملہ کردیا۔ وہ سارا دن چھپ چھپ کر اس کا پیچھا کرتا رہا تھا۔ دن کے وقت وہ چار سپاہیوں سے پچاس سپاہیوں پر حملہ نہیں کرسکتا تھا۔ اُن کے تعاقب میں وہ بہت دُور نکل گیا۔ رات کو صلیبی رک گئے اور انہوں نے پڑاؤ کیا لیکن بہت سے سنتری بیدار رکھے۔ عماد نے آدھی رات کے وقت گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور سوئے ہوئے صلیبیوں کے درمیان سے اس طرح گزرا کہ برچھی سے دائیں بائیں وار کرتا گیا۔ اس کے چاروں جانبازوں کا بھی یہی انداز تھا۔

انہیں جو ہلتی چیز نظر آئی اس پر برچھیوں یا تلواروں کے وار کرتے اندھیرے میں غائب ہوگئے۔ کئی سوئے ہوئے صلیبی ان کے گھوڑوں تلے روندے گئے۔ سنتریوں نے تاریکی میں تیر چلائے جو خطا گئے۔ آگے جاکر عماد نے اپنے جانباز سواروں کو روکا اور انہیں وہاں سے آہستہ آہستہ پیچھے لایا۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ دشمن بیدار ہوچکا ہے۔ وہ گھوڑ سواروں کو پھر قریب لے گیا اور ایڑ لگانے کا حکم دے دیا۔ اندھیرے میں اُسے سائے سے گھومتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ پانچوں گھوڑے سرپٹ دوڑتے ان کے درمیان سے گزرے مگر اب وہ دشمن پر وار کرکے آگے گئے تو وہ پانچ کی بجائے تین تھے۔ دو کو صلیبی تیر اندازوں نے گرا لیا تھا۔

عماد کا خون اور زیادہ جوش میں آگیا۔ اس نے اپنے مجاہدوں سے کہا۔ "ابھی انتقام لیں گے"۔ یہ اس کی حماقت تھی۔ اُس نے اپنے دونوں مجاہدوں کو موڑا اور صلیبیوں کے قریب آہستہ آہستہ آکر حملے کا حکم دے دیا۔ اب تو گھوڑے بھی تھک گئے تھے اور دشمن پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ اس حملے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عماد اکیلا رہ گیا۔ اب کے وہ دشمن میں سے نکلا تو اس کے ساتھ اپنے دو ساتھیوں کی بجائے دو صلیبی تھے جو اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ اندھیرے میں اس نے انہیں ان کی للکار سے پہچانا۔ ورنہ وہ انہیں اپنے ساتھی سمجھ رہا تھا۔

وہ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس پر تلواروں سے حملہ کیا۔ اس کے پاس لمبی برچھی تھی۔ دوڑتے گھوڑے سے اس نے دونوں کا مقابلہ کیا۔ گھوڑا گھما کر آمنے سامنے آکر معرکہ لڑا۔ لڑائی خاصی لمبی ہو گئی اور وہ دور ہٹتے چلے گئے۔ آخر عماد نے دونوں صلیبیوں کو مار لیا اور دونوں کے گھوڑے شوبک بھیجنے کے لیے پکڑ لیے۔ ان کی تلواریں بھی لے لیں مگر اسے یہ خیال نہ رہا کہ کہاں تک جا پہنچا ہے۔ اس نے گھوڑے کو اور اپنے آپ کو آرام دینے کے لیے ایک جگہ قیام کیا لیکن وہ سونے سے ڈرتا تھا کیونکہ کسی بھی وقت اور کہیں بھی وہ دشمن کے نرغے میں آ سکتا تھا۔ اس نے رات جاگتے گزار دی۔ ستارے دیکھ کر اس نے یہ معلوم کر لیا کہ شوبک کس طرف اور کرک کس طرف ہے اور اسے صحرا میں کون سی جگہ جانا ہے جہاں اسے اپنا کوئی دستہ مل جائے گا۔

صبح ہوتے ہی وہ چل پڑا۔ وہ صحراؤں میں جنا پلا تھا۔ بھٹکنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ تجربہ کار چھاپہ مار تھا، خطرے کو دُور سے سونگھنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اُسے دُور دُور صلیبی چار چار یا پانچ پانچ کی ٹولیوں میں جاتے نظر آئے۔ اگر اُس کے پاس دو فالتو گھوڑے نہ ہوتے تو کسی ٹولی پر حملہ کر دیتا۔ وہ بچتا بچاتا اپنی راہ چلتا گیا۔ راستے میں اُسے کئی جگہ گھوڑوں اور اونٹوں کے مردار اور صلیبی سپاہیوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں جنہیں گدھ اور لومڑیاں کھا رہی تھیں۔ ان میں اُس کے اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی ہوں گی۔ وہ چلتا گیا اور سورج افق پر چلا گیا۔ آگے ٹیلوں کا علاقہ آگیا جس میں سے راستے ہر چند قدم پر گھومتے تھے۔ یہاں ڈر تھا کہ صلیبیوں کی کوئی ٹولی رات کے لیے قیام کرے گی۔ وہ سورج غروب ہونے سے پہلے وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈر بھی تھا کہ کسی ٹیلے پر کوئی تیر انداز نہ بیٹھا ہو۔ وہ ہر



طرف اور اوپر دیکھتا چلتا گیا۔

آگے راستہ دو ٹیلوں کے درمیان سے مڑتا تھا۔ وہاں سے وہ مڑا تو اچانک اُسے کسی کے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ کوئی آدمی سامنے والے ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اس نے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا اور ایڑی لگائی۔ تیز رفتار سے وہ ٹیلے کے پیچھے گیا تو آگے راستہ ایک اور ٹیلے نے بند کر رکھا تھا۔ یہ جگہ ایک وسیع کھڈ بنی ہوئی تھی۔ عماد سے کوئی بیس قدم دُور ٹیلے کے پیچھے سے چھپنے والا ایک آدمی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عماد کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ اس آدمی کا سر ڈھکا ہوا تھا۔ وہ آدمی نہتہ معلوم ہوتا تھا۔ عماد نے اسے للکارا مگر وہ ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ٹیلا مشکل قسم کا تھا۔ عماد آگے چلا گیا۔ اس آدمی نے ایک کوشش اور کی مگر کہیں ہاتھ پاؤں نہ جما سکا۔ وہ نڈھال ہو چکا تھا۔ ٹیلے سے اس کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ لڑھکتا ہوا عماد کے گھوڑے کے قدموں میں آن پڑا۔ اُس کے سر سے چُغے کی اوڑھنی والا حصہ اُتر گیا۔ عماد یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک جوان لڑکی تھی اور خوبصورت اتنی جو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

عماد گھوڑے سے اُترا۔ لڑکی خوفزدہ تھی۔ اس کی رہی سہی قوت بھی خوف نے ختم کر دی۔ وہ اٹھی مگر بیٹھ گئی۔ عماد نے اس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ "پانی پلاؤ"۔ عماد نے ایک گھوڑے سے پانی کی چھاگل کھول کر اسے دے دی۔ اس نے بے تابی سے پانی پیا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ عماد نے اسے کھانے کے لیے کچھ دیا جو اس کے پیٹ میں گیا تو اس کے چہرے پر زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ عماد نے اسے کہا۔ "مجھ سے ڈرو نہیں۔ بتاؤ کون ہو؟"

"شوبک سے اپنے خاندان کے ساتھ چلی تھی"۔ اس نے تھکی ہاری زبان میں کہا۔ "سب مارے گئے ہیں۔ میں اکیلی رہ گئی ہوں۔ مسلمانوں نے راستے میں حملہ کر دیا تھا۔"

"مجھے سچ کیوں نہیں بتا دیتیں کہ تم کون ہو؟" عماد نے کہا۔ "تم نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔"

"جھوٹ ہی سہی" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا — "مجھ پر رحم کرو اور مجھے کرک تک پہنچا دو۔"

"شوبک تک" عماد نے کہا — "میں تمہیں شوبک لے جا سکتا ہوں۔ کرک نہیں۔ تم دیکھ رہی ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ میں راستے میں عیسائی فوج کے ہاتھوں مرنا نہیں چاہتا۔"

"پھر مجھے ایک گھوڑا دے دو" لڑکی نے کہا — "میں لڑکی ہوں۔ اگر راستے میں کسی کے قبضے میں آگئی تو جانتے ہو کہ میرا انجام کیا ہوگا۔"

"میں تمہیں گھوڑا بھی نہیں دے سکتا۔ تمہیں یہاں سے اکیلے روانہ بھی نہیں کر سکتا۔" عماد نے کہا — "یہ میرا فرض ہے کہ تمہیں اپنے ساتھ شوبک لے جاؤں۔"

"وہاں مجھے کس کے حوالے کرو گے؟"

"اپنے حاکموں کے حوالے کروں گا۔" عماد نے کہا اور اسے تسلی دی — "تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جس کا تمہیں ڈر ہے۔"

لڑکی کرک جانے کی ضد کر رہی تھی۔ عماد نے اسے بتایا کہ انہیں حکم ملا ہے کہ شوبک کے کسی عیسائی باشندے کو وہاں سے بھاگنے نہ دیا جائے۔ اس کے علاوہ اس نے لڑکی کو خبردار کیا کہ وہ کرک تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ چونکہ گوری رنگت کی خوبصورت لڑکی تھی اس لیے لڑکی کو یہ ڈر تھا کہ یہ مسلمان فوجی اسے بے آبرو کرے گا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اس کے ساتھ آبرو کا ہی سودا کر کے اُسے کہا جائے کہ وہ اسے گھوڑا دے دے۔ لڑکی نے اپنا رویہ بدل لیا اور عماد سے کہا — "میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ آج رات یہیں قیام کیا جائے۔ صبح شوبک کو روانہ ہو جائیں گے۔" عماد بھی تھکا ہُوا تھا۔ گھوڑوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لڑکی کی بھی حالت دیکھ رہا تھا۔ اُس نے وہیں رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے پہلے لڑکی نے اسے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے یہی دیکھا تھا کہ یہ بڑھی ہوئی داڑھی والا مسلمان فوجی ہے جو جسم کی ساخت اور گرد سے اٹے ہوئے چہرے سے وحشی لگتا ہے۔ اس سے اُسے رحم کی اُمید نہیں تھی۔ اب جبکہ اس نے کچھ اور ہی سوچ لیا تھا، اس نے عماد کو گہری نظروں سے دیکھا۔

اس وقت عماد بھی اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس قدر حسین لڑکی کا اس صحرا میں اکیلے رہ جانا جہاں صلیبی اور اسلامی سپاہی بلے عرصے سے بھوکے بھیڑیوں کی طرح بھاگتے دوڑتے پھر رہے ہیں اس کے



لیے کتنا خطرناک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی پر سپاہی یا کمانڈر آپس میں ہی لڑ مریں۔ وہ خود بھی فرشتہ نہیں تھا۔ اس نے لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا۔ اُس وقت لڑکی اسے دیکھ رہی تھی۔ عماد نے کوشش کی کہ وہ لڑکی سے نظریں پھیر لے مگر لڑکی کی آنکھوں نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔ اس نے اپنے جسم کے اندر کوئی ایسا جذبہ محسوس کیا جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ اس نے ایک بار نظریں جھکا لیں مگر آنکھیں اپنے آپ پھر اوپر اٹھ گئیں اور وہ بے چین سا ہونے لگا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ عماد نے آہستہ سے کہا — "تم شاید کنواری ہو؟"

"ہاں" لڑکی نے جواب دیا اور ذرا سا بھی سوچے بغیر کہہ دیا — "میرا دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ اگر میرے ساتھ کرک چلے چلو تو میں تمہارے ساتھ شادی کر لوں گی۔"

عماد بیدار سا ہو گیا۔ اس نے کہا — "پھر تم مجھے کہو گی کہ اپنا مذہب تبدیل کر لو، جو میں نہیں کر سکوں گا۔ تم شوبک چل کر میرے ساتھ شادی کرو اور مسلمان ہو جاؤ۔"

"مجھے بہر حال کرک جانا ہے۔" لڑکی نے کہا — "اگر میرے ساتھ وہاں تک چلو گے تو تمہاری دنیا بدل جائے گی۔"

لڑکی نے سودا بازی شروع کر دی تھی لیکن عماد کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ یہ سوچ ایسی تھی جسے وہ سمجھ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ بار بار لڑکی کے چہرے، اس کے ریشمی بالوں اور آنکھوں کو دیکھتا اور سر جھکا کر سوچ میں کھو جاتا تھا۔ لڑکی کی جیسے وہ کوئی بات سُن ہی نہیں رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کا چہرہ گہری شام کی تاریکی میں چھپ گیا۔ اس نے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے میں سے کھانے کی دو تین چیزیں نکالیں۔ لڑکی کو دیں اور خود بھی کھائیں۔ اس کا جسم اس قدر نڈھال تھا کہ جونہی لیٹا اس کی آنکھ لگ گئی۔

✪

آدھی رات کے بہت بعد لڑکی نے کروٹ بدلی اور اس کی آنکھ کُھل گئی۔ اس نے عماد کو دیکھا۔ وہ خراٹے لے رہا تھا۔ ان سے چند قدم دور گھوڑے کھڑے تھے۔ رات کے پچھلے پہر کا چاند ٹیلوں کے اُوپر آگیا تھا۔ صحرائی چاندنی آئینے کی طرح شفاف تھی۔ لڑکی نے گھوڑوں کو دیکھا۔ عماد کو اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ سونے سے پہلے گھوڑوں کی زینیں اتار دیتا۔ لڑکی نے گھوڑے

تیار دیکھے، عماد کو گہری نیند سوئے دیکھا اور یہ بھی محسوس کیا کہ پیٹ میں خوراک اور پانی جانے سے اس کا جسم تروتازہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنے چغے کے اندر ہاتھ ڈالا۔ جب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس کی آتنی دلکش انگلیوں نے ایک خنجر کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ چاندنی میں اسے عماد کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ تو بیہوشی کی نیند سویا ہوا تھا۔ لڑکی نے چاندنی میں چمکتے ہوئے خنجر کو دیکھا اور ایک بار پھر عماد کے چہرے پر نظر ڈالی۔ عماد آہستہ سے کچھ بڑبڑایا۔ وہ نیند میں بول رہا تھا۔ لڑکی یہی سمجھ سکی کہ وہ گھر والوں کو یاد کر رہا ہے۔

لڑکی نے عماد کے سینے کو غور سے دیکھا اور اندازہ کیا کہ اس کا دل کہاں ہے۔ وہ ایک سے دوسرا وار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ یہ وار دل پر ہونا چاہیے تھا تاکہ عماد فوراً مر جائے ورنہ وہ مرتے مرتے بھی اُسے مار ڈالے گا۔ لڑکی نے خنجر کو اور زیادہ مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑوں کو دیکھا۔ اس نے دل ہی دل میں پورا عمل دہرایا۔ وہ خنجر دل میں اتار دے گی اور بھاگ کر ایک گھوڑے پر سوار ہو جائے گی اور گھوڑے کو ایڑ لگا دے گی۔ وہ سپاہی نہیں تھی ورنہ وہ بلا سوچے سمجھے خنجر مار کر عماد کو ختم کر دیتی۔ یہی وجہ کافی تھی کہ عماد مسلمان ہے اور اس کا دشمن، مگر وہ بار بار عماد کے چہرے پر نظریں گاڑ لیتی تھی اور جب اسے قتل کرنے کے لیے خنجر کو مضبوطی سے پکڑتی تھی تو اس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ عماد ایک بار پھر بڑبڑایا۔ اب کے اس کے الفاظ ذرا صاف تھے۔ وہ خواب میں اپنے گھر پہنچا ہوا تھا۔ اس نے ماں کا نام لیا بہن کو بھی یاد کیا اور کچھ ایسے الفاظ کہے جیسے انہیں قتل کر دیا گیا اور عماد قاتلوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔

کوئی احساس یا جذبہ لڑکی کا ہاتھ روک رہا تھا۔ خوف بھی ہو سکتا تھا۔ یہ قتل نہ کرنے کا جذبہ بھی ہو سکتا تھا۔ لڑکی بے چین ہو گئی۔ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ قتل نہ کرے۔ آہستہ سے اٹھے۔ گھوڑے پر بیٹھے اور آہستہ آہستہ اس کھڈ سے نکل جائے۔ وہ اٹھی اور خنجر ہاتھ میں لیے گھوڑے کی طرف چل پڑی مگر ریت نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ اس نے رک کر عماد کو دیکھا تو اچانک اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس مرد نے اتنی بھی پرواہ نہیں کی کہ اسے ایک جوان لڑکی تنہائی میں مل گئی ہے اور اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ لڑکی عیسائی ہے جو اُسے سوتے میں قتل کر سکتی ہے اور اس نے گھوڑے کی زینیں بھی نہیں اتاریں اور اس نے



اپنی برچھی اور تلوار بھی احتیاط سے نہیں رکھی۔ کیوں؟ کیا اسے مجھ پر بھروسہ تھا؟ کیا یہ اتنا ہی بے حس ہے کہ میری جوانی اس کے اندر کوئی جذبہ بیدار نہیں کر سکی؟ .... اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اس آدمی نے اسے گھوڑے سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھا۔ وہ آہستہ آہستہ ایک گھوڑے تک پہنچی۔ گھوڑا ہنہنایا۔ لڑکی نے گھبرا کر عماد کو دیکھا۔ گھوڑے کی آواز پر بھی اس کی آنکھ نہ کھلی۔

وہ تین گھوڑوں کی اوٹ میں کھڑی ایک گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ "کون ہو تم؟" — لڑکی نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ایک آدمی نے منہ سے وسل بجائی اور کہا — "ہماری یہ قسمت؟" — وہ دو تھے۔ دوسرا ہنسا۔ لڑکی زبان سے پہچان گئی کہ یہ صلیبی ہیں۔ ایک نے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ لڑکی نے کہا — "میں صلیبی ہوں" — دونوں آدمی ہنس پڑے اور ایک نے کہا — "پھر تم سالم ہماری ہو۔ آؤ"

"ذرا ٹھہرو اور میری بات سنو" — اس نے کہا — "میں شوبک سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ میرا نام ایونا ہے۔ میں جاسوسی کے شعبے کی ہوں۔ کرک جا رہی ہوں۔ وہ دیکھو ایک مسلمان سپاہی سویا ہوا ہے۔ اس نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں اسے سوتا چھوڑ کر بھاگ رہی ہوں۔ میری مدد کرو۔ یہ گھوڑے سنبھالو اور مجھے کرک پہنچاؤ" — اس نے انہیں اچھی طرح سمجھایا کہ وہ صلیبی فوج کے لیے کتنی قیمتی اور کارآمد لڑکی ہے۔

ایک صلیبی نے اسے وحشیوں کی طرح بازوؤں میں جکڑ لیا اور کہا — "جہاں کہو گی پہنچا دیں گے" دوسرے نے ایک بیہودہ بات کہہ دی اور دونوں اسے ایک طرف کو دھکیلنے لگے۔ وہ صلیبی فوج کے پیادہ سپاہی تھے جو مسلمان چھاپہ ماروں سے بھاگے پھر رہے تھے۔ رات وہ چھپ کر ذرا آرام کرنا چاہتے تھے۔ ایسی خوبصورت لڑکی نے انہیں حیوان بنا دیا۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ انہیں صلیب کا بھی کوئی خیال نہیں تو اس نے اس اُمید پر بلند آواز سے بولنا شروع کر دیا کہ عماد جاگ اٹھے گا۔ اسے سپاہیوں نے گھسیٹنا شروع کر دیا۔

اچانک ایک نے گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے ساتھی کا نام لے کر کہا — "بچو" — مگر اس کے بچنے سے پہلے ہی عماد کی برچھی اس کی پیٹھ میں اُتر چکی تھی۔ دوسرے نے

تلوار سونت لی۔ اُس وقت لڑکی نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ اس نے خنجر صلیبی سپاہی کے پہلو میں گھونپ دیا۔ یکے بعد دیگرے دو اور وار کیے اور چلا چلا کر کہا — "تمہیں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ تم صلیب کے نام پر غلیظ داغ ہو"۔

جب دونوں صلیبی ٹھنڈے ہو گئے تو لڑکی بے قابو ہو کر رونے لگی۔ عماد نے اسے بہلایا اور کہا — "اب یہاں رکنا ٹھیک نہیں۔ ہو سکتا ہے زیادہ سپاہی اِدھر آ نکلیں۔ ہم ابھی شوبک کو روانہ ہو جاتے ہیں"۔ اس نے لڑکی سے پوچھا — "انہوں نے تمہیں جگایا تھا؟"

"نہیں"۔ لڑکی نے جواب دیا — "میں جاگ رہی تھی اور گھوڑوں کے پاس کھڑی تھی"۔

"وہاں کیوں؟"

"گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنے کے لیے"۔ لڑکی نے اعتراف کرتے ہوئے کہا — "میں تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی"۔

"تم نے خنجر کہاں سے لیا ہے؟"

"میرے پاس تھا"۔ لڑکی نے جواب دیا — "میں نے پہلے ہی ہاتھ میں لے رکھا تھا"۔

"پہلے ہی ہاتھ میں کیوں لے رکھا تھا؟" عماد نے پوچھا — "شاید اس لیے کہ میں جاگ اٹھوں تو تم مجھے قتل کر دو"۔

لڑکی نے جواب نہ دیا۔ عماد کو دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد بولی — "میں تمہیں قتل کر کے بھاگنا چاہتی تھی۔ پیشتر اس کے کہ تم مجھے قتل کرو، میں تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں کہ میں نے یہ خنجر تمہیں قتل کرنے کے لیے کھولا تھا لیکن ہاتھ اٹھا نہیں۔ میں یہ نہیں بتا سکتی کہ میں نے تمہارے دل میں خنجر کیوں نہیں اُتارا۔ تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں بزدل نہیں۔ پھر بھی میں تمہیں قتل نہ کر سکی۔ میں کوئی وجہ بیان نہیں کر سکتی۔ شاید تم کچھ بتا سکو"۔

"زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔ عماد نے کہا — "تمہارا ہاتھ میرے خدا نے روکا تھا اور تمہاری عزت خدا نے بچائی ہے۔ میرا وجود تو ایک بہانہ اور ایک سبب تھا..... کسی گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور چلو"۔

لڑکی نے خنجر عماد کی طرف بڑھا کر کہا — "میرا خنجر اپنے پاس رکھ لو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گی"۔



"تم میری تلوار بھی اپنے پاس رکھ لو"۔ عماد نے کہا — "تم مجھے قتل نہیں کر سکو گی"۔ یہ مذاق نہیں تھا۔ دونوں پر سنجیدگی طاری تھی۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تیسرا گھوڑا ساتھ لے کر چل پڑے۔

سورج نکلنے تک وہ اُس علاقے میں پہنچ چکے تھے جہاں کوئی صلیبی سپاہی نظر نہیں آتا تھا۔ عماد کی اپنی فوج کے چند سپاہی اسے نظر آئے، جن کے ساتھ اس نے کچھ باتیں کیں اور چلتے گئے۔ اپریل کا سورج بہت ہی گرم تھا۔ وہ منہ اور سر لپیٹے ہوئے چلتے گئے۔ دُور سے ریت پانی کے سمندر کی طرح چمکتی نظر آتی تھی اور بائیں سمت ریتلی سلوں کی پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ سفر کے دوران وہ آپس میں کوئی بات نہ کر سکے۔ گرمی کے علاوہ ان لاشوں نے بھی ان پر خاموشی طاری کر رکھی تھی جو انہیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ کوئی ایک بھی لاش سالم نہیں تھی گِدھوں اور درندوں نے ان کے اعضاء الگ کر دیئے تھے۔ بعض لاشوں کی صرف ہڈیاں اور کھوپڑیاں رہ گئی تھیں۔ عماد نے لڑکی سے کہا — "یہ تمہاری قوم کے سپاہی ہیں۔ یہ اُن بادشاہوں کی خواہشوں کا شکار ہو گئے ہیں جو اسلامی سلطنت کو ختم کرنے برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے ہیں"۔

لڑکی خاموش رہی۔ وہ بار بار عماد کو دیکھتی تھی اور آہ بھر کر سر جھکا لیتی تھی۔ عماد نے سلوں کی پہاڑیوں کا رُخ کر لیا۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں پانی ضرور ہو گا اور سایہ بھی۔ سورج ان کے پیچھے جانے لگا تو وہ پہاڑیوں میں پہنچ گئے۔ تلاش کے بعد انہیں ہری جھاڑیاں اور گھاس نظر آ گئی۔ ایک جگہ سے پہاڑی کا دامن پھٹا ہُوا تھا۔ وہاں پانی تھا۔ وہ گھوڑوں سے اُترے۔ پہلے خود پانی پیا پھر گھوڑوں کو پانی پینے کے لیے چھوڑ دیا اور سائے میں بیٹھ گئے۔

"تم کون ہو؟" لڑکی نے اس سے پوچھا — "تمہارا نام کیا ہے؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں مسلمان ہوں"۔ عماد نے جواب دیا — "میرا نام عماد ہے اور میں شامی ہوں"۔

"رات خواب میں تم کسے یاد کر رہے تھے؟"

"یاد نہیں رہا"۔ عماد نے کہا — "میں شاید خواب میں بول رہا ہوں گا۔ میرے ساتھی مجھے بتایا کرتے ہیں کہ میں خواب میں بولا کرتا ہوں"۔

"تمہاری ماں ہے؟ بہن ہے؟" لڑکی نے پوچھا اور کہا — "تم شاید انہیں یاد کر رہے تھے"۔

"تھیں کبھی!" عماد نے آہ بھر کر کہا — "اب انہیں خواب میں دیکھا کرتا ہوں"۔

لڑکی نے اُس سے ساری بات پوچھنے کی بہت کوشش کی لیکن عماد نے اور کچھ نہیں بتایا۔ اس نے لڑکی سے کہا — "تم نے اپنے متعلق جھوٹ بولا تھا۔ مجھے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ تم کون ہو۔ میں تمہیں متعلقہ حاکم کے حوالے کرکے واپس آجاؤں گا۔ اگر سچ بول سکو تو اپنے متعلق کچھ بتا دو لیکن یہ نہ کہنا کہ تم ان صلیبی لڑکیوں میں سے نہیں ہو جو ہمارے ملک میں جاسوسی کے لیے آتی ہیں"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو"۔ لڑکی نے کہا — "میں جاسوس لڑکی ہوں۔ میرا نام اُبونا ہے"

"تمہارے ماں باپ کو معلوم ہے کہ تمہارا کام کس قسم کا ہے؟" عماد نے پوچھا

"میرے ماں باپ نہیں ہیں"۔ ایونا نے جواب دیا — "میں نے ان کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میرا محکمہ میری ماں اور اس محکمہ کا حاکم ہرمن میرا باپ ہے"۔ اس نے یہ بات یہیں پر ختم کر دی اور کہا — "میری ایک ساتھی لڑکی نے ایک مسلمان سپاہی کو بچانے کے لیے زہر پی لیا تھا۔ میں اُس وقت بہت حیران ہوئی تھی کہ کوئی صلیبی لڑکی ایک مسلمان کے لیے اتنی بڑی قربانی کر سکتی ہے؟ میں آج محسوس کر رہی ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

پتہ چلا تھا کہ اُس مسلمان سپاہی نے بھی تمہاری طرح اُس لڑکی کو ڈاکوؤں سے لڑ کر بچایا، خود زخمی ہُوا اور لڑکی کو شوبک تک پہنچایا تھا۔ تمہاری طرح اس نے بھی دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ لڑکی کتنی خوبصورت ہے۔ لوزینا بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں تمہاری خاطر اپنی جان قربان کر دوں گی"۔

"میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے"۔ عماد نے کہا — "ہم لوگ حکم کے پابند رہتے ہیں"۔

"شاید یہ جذبات کا اثر ہے کہ میں ایسے محسوس کرتی ہوں جیسے میں نے پہلے بھی تمہیں دیکھا ہے"۔

"دیکھا ہوگا"۔ عماد نے کہا — "تم مصر گئی ہوگی۔ وہاں دیکھا ہوگا"۔

"میں مصر ضرور گئی ہوں"۔ لڑکی نے کہا — "تمہیں نہیں دیکھا تھا"۔ اس نے مسکرا کر پوچھا — "میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں"۔

"تمہاری خوبصورتی سے میں نے انکار نہیں کیا"۔ عماد نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں



سمجھ گیا ہوں تم نے یہ سوال کیوں کیا ہے۔ تم مزید حیران ہوگی کہ میں نے تمہارے ساتھ وہ سلوک کیوں نہیں کیا ہے جو تمہاری صلیب کے دو سپاہیوں نے تمہارے ساتھ کرنا چاہا تھا۔ ہو سکتا ہے تمہارے دل میں یہ خوف ابھی تک موجود ہو کہ میں تمہیں دھوکہ دے رہا ہوں اور تمہیں شوبک لے جا کر خراب کروں گا یا تمہارے ساتھ تمہاری مرضی کے خلاف شادی کر لوں گا یا تمہیں بیچ ڈالوں گا۔ میں تمہارا یہ خوف دُور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لڑکی میرے مذہب کی ہو یا کسی دوسرے مذہب کی۔ میں کسی لڑکی کو بُری نظر سے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جب تیرہ چودہ سال کا تھا تو میری ایک چھوٹی سی بہن اغوا ہو گئی تھی۔ اس کی عمر چھ سات سال تھی۔ سولہ سال گزر گئے ہیں۔ اسے شوبک کے عیسائی اٹھا لے گئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ اگر زندہ ہے تو کسی امیر کے حرم میں ہوگی یا تمہاری طرح جاسوسی کرتی پھر رہی ہوگی۔ میں جس لڑکی کو دیکھتا ہوں اسے اپنی بہن سمجھ لیتا ہوں۔ اسے بُری نظر سے اس لیے نہیں دیکھتا کہ وہ میری گمشدہ بہن ہی نہ ہو۔ میں تمہیں صرف اس لیے شوبک لے جا رہا ہوں کہ محفوظ رہو۔ میں جانتا تھا کہ صحرا میں اکیلے جانے اور پیدل چلنے سے تمہارا کیا حشر ہوتا اور تم کسی کے ہاتھ چڑھ جاتیں تو تمہارا حال وہی ہوتا جو تمہارے اپنے صلیبی بھائی کرنے لگے تھے۔ مجھے اپنی خوبصورتی کا احساس نہ دلاؤ۔ میں اس احساس کے لحاظ سے مُردہ ہوں۔ مجھے لذّت اِن صحراؤں میں صلیبیوں کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے اور ان کا خون بہاتے ملتی ہے"۔

لڑکی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں پیاس کا تاثر تھا۔ اس کے ساتھ ایسی باتیں کسی نے نہیں کی تھیں۔ اسے بے حیائی اور عیاری کے سبق دیئے گئے تھے اور اس کی باتوں اور چال ڈھال میں بڑی محنت سے جنسی کشش پیدا کی گئی تھی۔ اسے ایک بڑا ہی خوبصورت فریب بنایا گیا تھا۔ اس پر حُسن اور شراب کا نشہ طاری کیا گیا تھا۔ اسے عصمت کے موتی سے محروم رکھا گیا تھا اور وہ اس ٹریننگ کے بعد اپنی ساتھی لڑکیوں کی طرح اپنے آپ کو مردوں کے دلوں پر راج کرنے والی شہزادی سمجھنے لگی تھی۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ اس کا گھر کہاں ہے اور اس کے ماں باپ کیسے تھے۔ عماد کی جذباتی باتوں نے اُس کی ذات میں ایک عورت کے جذبات بیدار کر دیئے۔ وہ گہری سوچ کے عالم میں کھو گئی۔ عماد سے جیسے وہ بے تکلف ہو گئی ہو۔

اس نے گہری سوچ کے عالم میں کہا ــــ "ایک ڈراؤنے خواب کی طرح یاد آتا ہے کہ مجھے ایک گھر سے اٹھایا گیا تھا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا کہ اُس وقت میری عمر کیا تھی۔" اس نے اپنے بالوں میں دونوں ہاتھ پھیرے اور بالوں کو دونوں مٹھیوں میں لے کر جھنجھوڑا جیسے پرانی یادوں کو بیدار کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس نے اُکتا کر کہا ــــ "کچھ یاد نہیں آتا۔ میرا ماضی شراب اور عیش و عشرت اور حسین عیاریوں میں گم ہو گیا ہے۔ میں نے کبھی بھی نہیں سوچا کہ میرے والدین کون تھے اور کیسے تھے۔ مجھے کبھی ماں باپ کی ضرورت محسوس ہوئی ہی نہیں۔ میرے اندر جذبات تھے ہی نہیں۔ مجھے معلوم ہی نہیں کہ مرد باپ اور بھائی بھی ہو سکتا ہے۔ مرد مجھے اپنی تفریح کے استعمال کی چیز سمجھتے ہیں لیکن میں مردوں کو استعمال کیا کرتی ہوں۔ جس پر میری خوبصورتی اور میری جوانی کا نشہ طاری نہ ہو اسے میں حشیش اور شراب سے اپنا غلام بنا لیا کرتی ہوں۔ مگر اب تم نے جو باتیں کی ہیں انہوں نے مجھ میں وہ حسیں بیدار کر دی ہیں جو ماں، باپ، بہن اور بھائی کا پیار مانگتی ہیں۔"

اس کی بے چینی بڑھتی گئی۔ وہ رک رک کر بولتی رہی پھر بالکل ہی چپ ہو گئی۔ کبھی عماد کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگتی اور کبھی اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے بال مٹھی میں لے کر جھنجھوڑنے لگتی۔ وہ دراصل گم گشتہ ماضی اور حال کے درمیان بھٹک گئی تھی۔ عماد نے جب اُسے کہا کہ اٹھو چلیں، تو وہ بھولے بھالے معصوم سے بچے کی طرح اس کے ساتھ چل پڑی۔ ان کے گھوڑے انہیں پہاڑی علاقے سے بہت دور لے گئے تو بھی وہ عماد کو دیکھ رہی تھی۔ صرف ایک بار اس نے ہنس کر کہا ــــ "مرد کی باتوں اور وعدوں پر میں نے کبھی اعتبار نہیں کیا۔ میں سمجھ نہیں سکتی کہ میں کیوں محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے تمہارے ساتھ جانا چاہیے۔" ــــ عماد نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

وہ جب شوبک کے دروازے پر پہنچے تو اگلے روز کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ وہ صحرا میں ایک اور رات گزار آئے تھے۔ عماد لڑکی کو جہاں لے جانا چاہتا تھا اُس جگہ کے متعلق پوچھ پوچھ کر وہ چل پڑا۔ گھوڑے شہر میں سے گزر رہے تھے۔ لوگ ایونا کو رک رک کر دیکھتے تھے۔ چلتے چلتے عماد نے ایک مکان کے سامنے گھوڑا



روک لیا اور بند دروازے کو دیکھنے لگا۔ ایونا نے اس سے پوچھا۔ "یہاں کیوں رک گئے ہو؟" ــــ اس نے جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ دروازے کے قریب جا کر گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اس نے دروازے پر آہستہ آہستہ دو تین ٹھوکیں ماریں۔ ایک بزرگ صورت انسان نے دروازہ کھولا۔

"یہاں کون رہتا ہے؟" عماد نے عربی زبان میں پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا ــــ "عیسائیوں کا ایک خاندان رہتا تھا۔ ہماری فوج آ گئی تو پورا خاندان بھاگ گیا ہے۔"

"اب آپ نے اس پر قبضہ کر لیا ہے؟"

بوڑھا ڈر گیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ سوار فوجی ہے اور اس سے بازپرس کر رہا ہے کہ عیسائی کے مکان پر اس نے کیوں قبضہ کر لیا ہے جبکہ سلطان ایوبی نے منادی کے ذریعے حکم جاری کیا ہے کہ کسی مسلمان کی طرف سے کسی عیسائی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ورنہ سخت سزا دی جائے گی۔ بوڑھے نے کہا۔ "میں نے قبضہ نہیں کیا۔ اس کی حفاظت کے لیے یہاں آ گیا ہوں۔ میں اسے بالکل بند کر دوں گا۔ اس کا مالک زندہ ہے۔ وہ مسلمان ہے اور پندرہ سولہ سال سے بیگار کیمپ میں پڑا ہے۔"

"کیا امیرِ مصر نے انہیں کیمپ سے رہا نہیں کیا؟" عماد نے پوچھا۔

"وہاں کے مسلمان اب آزاد ہیں لیکن ابھی کیمپ میں ہی ہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا ــــ "ان سب کی حالت اتنی بری ہے کہ قابلِ احترام سالارِ اعظم ایوبی نے ان کے لیے دودھ، گوشت، دوائیں اور نہایت اچھے رہن سہن کا انتظام وہیں کر دیا ہے۔ بہت سے طبیب ان کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ ان میں جس کی صحت بحال ہو جاتی ہے اسے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں جو رہتے ہیں انہیں ان کے رشتہ دار وہیں ملنے جاتے ہیں۔ اس مکان کا مالک بھی وہیں ہے۔ ایک تو اس کا بڑھاپا ہے اور دوسرے کیمپ کی پندرہ سولہ سالوں کی اذیتیں۔ بے چارہ صرف زندہ ہے۔ میں اسے دیکھنے جایا کرتا ہوں۔ امید ہے صحت یاب ہو جائے گا۔ میں نے اُسے بتا دیا تھا کہ اس کا مکان خالی ہو گیا ہے۔"

"اس کے رشتہ دار کہاں ہیں؟" عماد نے پوچھا۔

"کوئی بھی زندہ نہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا اور تین چار گھر چھوڑ کر ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا ــــ "وہ میرا ذاتی مکان ہے۔ میں ان لوگوں کا صرف پڑوسی تھا

آپ مجھے ان کا رشتہ دار کہہ سکتے ہیں۔"

عماد یہ پوچھ کر کہ اندر مستورات نہیں ہیں گھوڑے سے اُتر کر اندر چلا گیا۔ کمروں میں گیا۔ دیواروں پر ہاتھ پھیرا۔ ایونا بھی اندر چلی گئی۔ اس نے عماد کو دیکھا۔ وہ آنسو پونچھ رہا تھا۔ ایونا نے آنسوؤں کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا ۔۔۔ "اپنے بچپن کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں اس گھر سے بھاگا تھا۔ یہ میرا گھر ہے"۔۔۔ اس کے آنسو بہنے لگے۔ اس نے بوڑھے سے پوچھا ۔۔۔ "ان کے رشتہ دار مر گئے ہیں؟ ان کی کوئی اولاد بھی تھی؟"

"صرف ایک لڑکا بچا تھا جو عیسائی ڈاکوؤں سے بچ کر میرے گھر آ گیا تھا۔" بوڑھے نے جواب دیا ۔۔۔ "اسے میں نے شام روانہ کر دیا تھا۔ اگر یہاں رہتا تو مارا جاتا۔"

عماد کو وہ رات یاد آ گئی جب وہ اس گھر سے بھاگ کر پڑوسی کے گھر جا چھپا تھا۔ وہ یہی پڑوسی تھا مگر اس نے بوڑھے کو بتایا نہیں کہ وہ لڑکا جسے اس نے شوبک سے شام کو روانہ کر دیا تھا وہ یہی جوان ہے جسے وہ یہ کہانی سنا رہا ہے۔ عماد کے لیے جذبات پر قابو پانا محال ہو گیا لیکن وہ سخت جان فوجی تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا ۔۔۔ "میں اس مکان کے مالک سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا نام بتا دو۔"

بوڑھے نے اسے اس کے باپ کا نام بتا دیا۔ عماد کو اپنے باپ کا نام اچھی طرح یاد تھا۔

"اس لڑکے کی ایک بہن تھی۔" بوڑھے نے کہا ۔۔۔ "بہت چھوٹی تھی۔ اسے عیسائیوں نے اغوا کر لیا تھا۔ اسی ضمن میں اس گھر کے سارے افراد عیسائیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔"

"ایونا!" عماد نے لڑکی سے کہا ۔۔۔ "اپنی مقدس صلیب کے پرستاروں کی کرتوت سن رہی ہو؟"

ایونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چھت کو دیکھنے لگی۔ اُس نے کمرے کے دروازے کے ایک کواڑ کو بند کیا اور اس کی الٹی طرف دیکھنے لگی۔ کواڑ پر تین چار چھوٹی چھوٹی اور گہری لکیریں کُھدی ہوئی تھیں۔ وہ بیٹھ کر ان لکیروں کو بڑی غور سے دیکھنے لگی۔ عماد اسے دیکھ رہا تھا۔ ایونا لکیروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ اٹھی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ وہاں بھی کواڑوں پر ہاتھ پھیر کر کچھ ڈھونڈنے لگی۔ عماد نے جا کر اس سے پوچھا ۔۔۔ "کیا دیکھ رہی ہو؟"



لڑکی مسکرائی اور بولی ۔۔۔ "تمہاری طرح میں بھی اپنا بچپن ڈھونڈ رہی ہوں۔" اس نے عماد سے پوچھا ۔۔۔ "یہ تمہارا گھر تھا؟ تم یہیں سے بھاگے تھے؟"

"یہیں سے۔" عماد نے جواب دیا اور اُسے سنا دیا کہ کس طرح اُن کے گھر پر عیسائیوں نے حملہ کیا اور اس کی ماں اور بڑے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ عماد بھاگ گیا اور وہ آج تک یہ سمجھتا رہا کہ اس کا باپ بھی قتل ہو گیا ہے۔ لیکن یہ بوڑھا بتاتا ہے کہ باپ کیمپ میں زندہ ہے۔

"تم نے اس بوڑھے کو بتا دیا ہے کہ وہ لڑکے تم ہی ہو جسے اس نے پناہ دی تھی؟"

"میں بتانا نہیں چاہتا۔" اس نے تذبذب کے عالم میں کہا۔

ایونا اُسے بڑی غور سے دیکھنے لگی اور بوڑھا ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ یہ دونوں یہاں کیا دیکھ رہے ہیں۔ عماد بچپن کی یادوں میں گم ہو گیا تھا۔ بوڑھے نے پوچھا ۔۔۔ "میرے بیٹے کیا حکم ہے؟"

عماد چونکا اور حکم دینے کے لہجے میں بولا ۔۔۔ "اس مکان کو اپنی نگرانی میں رکھیں۔ یہ آپ کی تحویل میں ہے۔" اس نے ایونا سے کہا ۔۔۔ "آؤ۔ چلیں۔"

"کیا تم اپنے باپ سے نہیں ملو گے؟" ایونا نے اس سے پوچھا۔

"پہلے اپنا فرض ادا کر لوں۔" عماد نے جواب دیا ۔۔۔ "مجھے ریگستان میں میرا کمانڈر ڈھونڈ رہا ہوگا۔ وہ مجھے مردہ قرار دے چکے ہوں گے۔ وہاں میری ضرورت ہے۔ آؤ، میرے ساتھ آؤ۔ میں یہ امانت کسی کے حوالے کر دوں۔"

✪

"لڑکیاں، لڑکیاں، لڑکیاں۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے شگفتہ سے لہجے میں علی بن سفیان سے کہا ۔۔۔ "کیا یہ کمبخت صلیبی میرے راستے میں لڑکیوں کی دیوار کھڑی کرنا چاہتے ہیں؟ کیا وہ لڑکیوں کو میرے سامنے نچا کر مجھ سے شوبک کا قلعہ لے لیں گے؟"

"امیرِ محترم!" علی بن سفیان نے کہا ۔۔۔ "آپ اپنی ہی باتوں کی تردید کر رہے ہیں۔ یہ لڑکیاں دیوار نہیں بن سکتیں۔ دیمک بن چکی ہیں اور دیمک کا کام کر رہی ہیں۔ آپ کے اور محترم نورالدین زنگی کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش لڑکیوں کے ہاتھوں کرائی گئی ہے اور ان لڑکیوں نے حشیش اور شراب کے ذریعے ہمارے مسلمان حکام اور امراء کو استعمال کیا ہے۔"

"یہ وہی موضوع ہے جس پر ہم سو بار بات کر چکے ہیں" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے ان لڑکیوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔ یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آٹھوں جاسوس ہیں۔ انہوں نے اب تک کوئی نیا انکشاف کیا ہے یا نہیں؟"

"انہوں نے بتایا ہے کہ شوبک میں صلیبی جاسوس اور تخریب کار موجود ہیں" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "لیکن ان میں سے کسی کی بھی نشاندہی نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے گھروں اور ٹھکانوں کا علم نہیں۔ ان میں سے تین مصر میں کچھ وقت گزار آئی ہیں۔ وہاں انہوں نے جو کام کیا ہے وہ آپ کو بتایا جا چکا ہے۔"

"کیا وہ قید خانے میں ہیں؟" سلطان ایوبی نے کہا۔

"نہیں" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ اس نے کہا۔ "وہ اپنی پرانی جگہ رکھی گئی ہیں۔ ان پر پہرہ ہے۔"

اتنے میں دربان اندر آیا۔ اس نے کہا۔ "عماد شامی نام کا ایک عہدیدار ایک صلیبی لڑکی کو ساتھ لایا ہے۔ کہتا ہے کہ اسے اس نے کرک کے راستے سے پکڑا ہے اور یہ لڑکی جاسوس ہے۔"

"دونوں کو اندر بھیج دو" سلطان ایوبی نے کہا۔

دربان کے جاتے ہی عماد اور ایونا اندر آئے۔ سلطان ایوبی نے عماد سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے بہت لمبی مسافت سے آئے ہو۔ تم کس کے ساتھ ہو؟"

"میں شامی فوج میں ہوں" عماد نے جواب دیا۔ "میرے کمانڈر کا نام احتشام ابنِ محمد ہے اور میں البرق دستے کا عہدیدار ہوں۔"

"البرق کس حال میں ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا اور علی بن سفیان سے کہا۔ "البرق فی الواقع برق ہے۔ ہم نے جب سوڈانیوں پر شبخون مارے تھے تو البرق قیادت کر رہا تھا۔ صحرائی چھاپوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔"

"سالارِ اعظم!" عماد نے کہا۔ "آدھا دستہ اللہ کے نام پر قربان ہو چکا ہے۔ میرے گروہ میں سے صرف میں رہ گیا ہوں۔"

"تم نے اتنی جانیں ضائع تو نہیں کیں؟" سلطان ایوبی نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "مر جانے اور قربان ہونے میں بہت فرق ہے۔"

"نہیں سالارِ اعظم!" عماد نے جواب دیا۔ "خدائے ذوالجلال گواہ ہے کہ ہم نے ایک ایک جان کے بدلے بیس بیس جانیں لی ہیں۔ اگر صلیبیوں کی فوج اپنے



ٹھکانے پر پہنچ گئی تو وہ صرف چند ایک زخمی ہوں گے۔ فلسطین کی ریت کو ہم نے صلیبیوں کے خون سے لال کر دیا ہے۔ ہمارے دوسرے دستوں نے بھی دشمن پر پورا قہر برسایا ہے۔ دشمن میں اب اتنا دم نہیں رہا کہ وہ تھوڑے سے عرصے میں اگلی جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔"

"اور تم؟" سلطان ایوبی نے لڑکی سے پوچھا۔ "کیا تم پسند کرو گی کہ اپنے متعلق ہمیں سب کچھ بتا دو؟"

"سب کچھ بتاؤں گی" ایونا نے کہا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔

"عماد شامی!" سلطان ایوبی نے عماد سے کہا۔ "فوجی آرام گاہ میں چلے جاؤ، نہاؤ دھوؤ۔ آج کے دن اور آج کی رات آرام کرو۔ کل واپس اپنے جیش میں چلے جانا۔"

"میں دشمن کے دو گھوڑے بھی لایا ہوں" عماد نے کہا۔ "ان کی تلواریں بھی ہیں۔"

"گھوڑے اصطبل میں اور تلواریں اسلحہ خانے میں دے دو" سلطان ایوبی نے کہا اور ذرا سوچ کر کہا۔ "اگر ان گھوڑوں میں کوئی تمہارے گھوڑے سے بہتر ہو تو بدل لو۔ باہر کے محاذ پر گھوڑوں کی کیا حالت ہے؟"

"کوئی پریشانی نہیں" عماد نے بتایا۔ "اپنا ایک گھوڑا ضائع ہوتا ہے تو ہمیں صلیبیوں کے دو گھوڑے مل جاتے ہیں۔"

عماد سلام کر کے باہر نکل گیا۔ اس نے امانت صحیح جگہ پہنچا دی تھی۔ ادھر سے تو وہ فارغ ہو گیا لیکن اس کے دل پر بوجھ تھا۔ یہ جذبات کا بوجھ تھا۔ یہ بچپن کی یادوں کا بوجھ تھا اور یہ اس باپ کی محبت کا بوجھ تھا جو کیمپ میں پڑا تھا۔ وہ تذبذب میں مبتلا تھا۔ جنگ ختم ہونے تک وہ باپ سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ ڈرتا تھا کہ باپ کی محبت اور دل کے پرانے زخم اس کے فرض کے راستے میں حائل ہو جائیں گے..... وہ اپنے گھوڑے کے پیچھے دو گھوڑے باندھے اصطبل کی طرف جا رہا تھا۔ اسے ماحول کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ گھوڑا اسے ایک گھاٹی پر لے گیا۔ اس نے سامنے دیکھا۔ شوبک کا قصبہ اُسے نظر آ رہا تھا۔ وہ رک گیا اور اس قصبے کو دیکھنے لگا جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور جہاں سے جلاوطن ہوا تھا۔ اس پر جذبات نے رقّت طاری کر دی۔

"راستے سے ہٹ کر رکو سوار!" اسے کسی کی آواز نے چونکا دیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا۔ پیچھے ایک گھوڑ سوار دستہ آ رہا تھا۔ اس نے گھوڑے ایک طرف کر لیے۔ جب دستے کا اگلا سوار اس کے قریب سے گزرا تو عماد سے پوچھا۔ "باہر سے آئے ہو؟ وہاں

کی کیا خبر ہے؟"

"اللہ کا کرم ہے دوستو!" اس نے جواب دیا۔ "دشمن ختم ہو رہا ہے۔ شوبک کو کوئی خطرہ نہیں۔"

دستہ آگے چلا گیا تو عماد دائیں طرف چل پڑا۔

"میں نے آپ سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔" اَیونا سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔ وہ بتا چکی تھی کہ وہ جاسوس ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ وہ قاہرہ میں ایک مہینہ رہ چکی ہے۔ اس نے وہاں کے چند ایک سرکردہ مسلمانوں کے نام بھی بتائے تھے جو سلطان ایوبی کے خلاف سرگرم تھے اور اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ صلیبیوں کی طرف سے سوڈانیوں کو بہت مدد مل رہی ہے اور صلیبی فوج کے تجربہ کار کمانڈر سوڈانیوں کو شبخون مارنے کی ٹریننگ دے رہے ہیں..... ایونا نے کسی استفسار کے بغیر ہی اتنی زیادہ باتیں بتا دیں جو جاسوس اذیتوں کے باوجود نہیں بتایا کرتے کیونکہ ان میں اُن کی اپنی ذات بھی ملوث ہوتی ہے۔ اس سے علی بن سفیان شک میں پڑ گیا۔

"اَیونا!" علی بن سفیان نے اسے کہا۔ "میں بھی تمہارے فن کا فنکار ہوں۔ میں تمہیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ تم اونچے درجے کی فنکار ہو۔ ہمارے تشدد اور قید خانے سے بچنے اور ہمیں گمراہ کرنے کا تمہارا طریقہ قابلِ تعریف ہے مگر میں اس دھوکے میں نہیں آسکتا۔"

"آپ کا نام؟" اَیونا نے پوچھا۔

"علی بن سفیان!" علی نے جواب دیا۔ "تم نے شاید ہرمن سے میرا نام سنا ہوگا۔"

اَیونا اٹھی اور آہستہ آہستہ علی بن سفیان کے قریب جا کر دو زانو بیٹھ گئی۔ اس نے علی بن سفیان کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہاتھ چوم کر بولی۔ "آپ کو زندہ دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ آپ کے متعلق مجھے بہت کچھ بتایا گیا تھا۔ ہرمن کہا کرتا تھا کہ علی بن سفیان مر جائے تو ہم مسلمانوں کی جڑوں میں بیٹھ کر انہیں جنگ کے بغیر ختم کر سکتے ہیں۔" لڑکی اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ "میں نے قاہرہ میں آپ کو دیکھنے کی بہت کوشش کی تھی مگر دیکھ نہ سکی۔ میری موجودگی میں آپ کے قتل کا منصوبہ تیار ہوا تھا۔ پھر مجھے نہیں بتایا گیا کہ یہ منصوبہ کامیاب ہوا تھا یا نہیں۔ مجھے شوبک بلا لیا گیا تھا۔"



"ہم کس طرح یقین کریں کہ تم نے جو کچھ کہا ہے، سچ کہا ہے؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"آپ مجھ پر اعتبار کیوں نہیں کرتے؟" لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"اس لیے کہ تم صلیبی ہو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"اگر میں آپ کو یہ بتا دوں کہ میں صلیبی نہیں مسلمان ہوں تو آپ کہیں گے کہ یہ بھی جھوٹ ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ سولہ سترہ سال گزرے، میں اسی قصبے سے اغوا ہوئی تھی۔ یہاں آ کر مجھے پتہ چلا ہے کہ میرا باپ کیمپ میں ہے۔" اس نے اپنے باپ کا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اُسے اپنے باپ کا نام اب معلوم ہوا ہے۔ اس نے سنایا کہ عماد نے اسے کس طرح صحرا سے بچایا تھا اور وہ رات کو اُسے قتل کرنے لگی مگر اس کا خنجر والا ہاتھ اٹھتا ہی نہیں تھا۔ اس نے کہا۔ "میں نے دن کے وقت اس کے چہرے پر اور اس کی آنکھوں میں نظر ڈالی تو میرے دل میں کوئی ایسا احساس بیدار ہو گیا جس نے مجھے شک میں ڈال دیا کہ میں عماد کو پہلے سے جانتی ہوں یا اسے کہیں دیکھا ضرور ہے۔ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ایسے نہیں ہو سکتا..... رات کو دو صلیبی سپاہیوں نے مجھ پر حملہ کیا تو عماد جاگ اٹھا۔ اس نے ایک کو برچھی سے مار دیا۔ میں اُس وقت تک اپنے آپ کو صلیبی سمجھتی تھی۔ میری ہمدردیاں صلیبیوں کے ساتھ تھیں مگر میں نے دوسرے صلیبی سپاہی کو خنجر سے ہلاک کر دیا اور مجھے خوشی اس پر نہیں ہوئی کہ میں نے اُن سے اپنی عزت بچائی ہے بلکہ اس پر ہوئی کہ میں نے عماد کی جان بچائی ہے.....

"اور جب راستے میں عماد نے میرے ساتھ اپنے متعلق کچھ جذباتی باتیں کیں تو زندگی میں پہلی بار میرے سینے میں بھی جذبات بیدار ہو گئے۔ میں تمام سفر میں عماد کو دیکھتی ہی رہی۔ مجھے صرف اتنا یاد آیا کہ مجھے بچپن میں اغوا کیا گیا تھا مگر یہ یاد بھی ذہن میں دھندلی ہو گئی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھ جیسی لڑکیوں کو کس طرح تیار کیا جاتا ہے۔ بچپن کی یادیں اور اصلیت ذہن سے اُتر جاتی ہے۔ یہی حال میرا ہوا۔ لیکن مجھے یقین ہونے لگا کہ عماد کو میں جانتی ہوں۔ یہ خون کی کشش تھی۔ آنکھوں نے آنکھوں کو اور دل نے دل کو پہچان لیا تھا۔ شاید عماد نے بھی یہی کچھ محسوس کیا ہو اور شاید اسی احساس کا اثر تھا کہ اس نے مجھ جیسی دلکش لڑکی کو اس طرح

نظر انداز کیے رکھا جیسے میں اس کے ساتھ تھی ہی نہیں۔ اس نے مجھے گہری نظروں سے بہت دفعہ دیکھا ضرور تھا۔

ایونا نے تفصیل سے سنایا کہ شوبک میں داخل ہو کر عماد ایک مکان کے آگے رُک گیا اور ہم دونوں اندر چلے گئے..... اس نے کہا۔ "یہ گھر اندر سے دیکھ کر میری یادیں بیدار ہونے لگیں۔ مجھے ذہن پر دباؤ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ذہن اپنے آپ ہی مجھے اس گھر میں گھمانے پھرانے لگا۔ میں نے ایک کواڑ کی اندر کی طرف دیکھا۔ وہاں مجھے خنجر کی نوک سے کھدی ہوئی لکیریں نظر آئیں۔ یہ میں نے بچپن میں بڑے بھائی کے خنجر سے کھودی تھیں۔ میرا ذہن مجھے ایک اور کواڑ کے پیچھے لے گیا۔ وہاں بھی ایسی ہی لکیریں تھیں۔ پھر میں نے عماد کو اور زیادہ غور سے دیکھا۔ داڑھی کے باوجود اس کی سولہ سترہ سال پرانی صورت یاد آگئی۔ میں نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے قابو میں رکھا۔ میں نے عماد کو بتایا نہیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ وہ اتنا پاک فطرت انسان اور میں اتنی ناپاک لڑکی۔ وہ اتنا غیرت مند اور میں اتنی بے غیرت۔ اگر میں اسے بتا دیتی تو معلوم نہیں وہ کیا کر گزرتا۔"

اس دوران علی بن سفیان نے کئی بار سلطان ایوبی کی طرف دیکھا۔ وہ لڑکی کو ابھی تک شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، لیکن لڑکی کی جذباتی کیفیت، اس کے آنسو اور بعض الفاظ کے ساتھ اس کی سسکیاں دونوں پر ایسا اثر کر رہی تھیں جیسے لڑکی کی باتیں سچ ہیں۔ لڑکی نے آخر انہیں اس پر قائل کر لیا کہ اس کے متعلق وہ چھان بین کریں۔ اس نے کہا۔ "آپ مجھ پر اعتبار کریں نہ کریں، مجھے قید خانے میں ڈال دیں، جو سلوک کرنا چاہتے ہیں کریں، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے کچھ کر کے مرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا کر سکتی ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"اگر آپ مجھے کرک تک پہنچا دیں تو میں صلیب کے تین چار بادشاہوں اور اپنے ملکے کے سربراہ ہرمن کو قتل کر سکتی ہوں۔"

"ہم تمہیں کرک تک پہنچا سکتے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن اس کام سے نہیں کہ تم کسی کو قتل کرو۔ میں تاریخ میں اپنے متعلق یہ تہمت چھوڑ کر نہیں مرنا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنے دشمنوں کو ایک عورت کے ہاتھوں مروایا تھا



اور شوبک میں فوج لے کے بیٹھا رہا۔ اگر مجھے پتہ چلے گا کہ صلیبیوں کا کوئی بادشاہ کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہے تو میں اس کے علاج کے لیے اپنے طبیب بھیجوں گا اور پھر ہم تم پر ایسا بھروسہ کر بھی نہیں سکتے۔ البتہ تمہاری اس خواہش پر غور کر سکتے ہیں کہ تمہیں معاف کر کے کرک بھیج دیں۔"

"نہیں۔" ایونا نے کہا۔ "میرے دل میں ایسی کوئی خواہش نہیں۔ میں یہیں مروں گی۔ میری اس خواہش کا ضرور خیال رکھیں کہ عماد کو یہ نہ بتائیں کہ میں اس کی بہن ہوں۔ میں کیمپ میں اپنے باپ کو ضرور دیکھنے جاؤں گی لیکن اُسے بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں اس کی بیٹی ہوں۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔

علی بن سفیان نے اپنی ضرورت کے مطابق اس سے بہت سی باتیں پوچھیں پھر سلطان ایوبی سے پوچھا کہ اسے کہاں بھیجا جائے۔ سلطان ایوبی نے سوچ کر کہا کہ اسے آرام اور احترام سے رکھو۔ فیصلہ سوچ کر کریں گے۔

علی بن سفیان اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اُن کمروں میں سے ایک اسے دے دیا جہاں جاسوس لڑکیاں رہا کرتی تھیں۔ لڑکی نے وہاں رہنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ "ان کمروں سے مجھے نفرت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے اُس گھر میں رکھا جائے جہاں سے میں اغوا ہوئی تھی؟"

"نہیں۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "کسی کے جذبات کی خاطر ہم اپنے قواعد و ضوابط نہیں بدل سکتے۔"

وہاں کے پہرہ داروں اور ملازموں کو کچھ ہدایات دے کر علی بن سفیان لڑکی کو وہاں چھوڑ گیا۔

عماد فوجی آرام گاہ میں گیا اور نہا کر سو گیا مگر اتنی زیادہ تھکن کے باوجود اس کی آنکھ کھل گئی۔ کوشش کے باوجود وہ سو نہ سکا۔ اس کے ذہن میں یہی ایک سوال کلبلا رہا تھا کہ باپ سے ملے یا نہ ملے۔ تھک ہار کر وہ اٹھا اور اس جگہ کی طرف چل پڑا جو شوبک میں مسلمانوں کے کیمپ کے نام سے مشہور تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنے باپ کا نام لیا اور پوچھتا پوچھتا باپ تک پہنچ گیا۔ اس کے سامنے ایک بوڑھا لیٹا ہوا تھا۔ عماد نے اس سے ہاتھ ملایا اور اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔ اس کا باپ ہڈیوں کا پنجر بن چکا تھا۔ اسے اچھی خوراک اور دوائیاں دی جا رہی تھیں۔ عماد نے اپنا تعارف کرائے بغیر اس سے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ سولہ

برسوں کی اذیت ناک مشقت، قید اور بچوں کے غم نے اس کا یہ حال کر دیا ہے کہ اتنی اچھی غذا اور اتنی اچھی دوائیاں اس پہ کوئی اثر نہیں کر رہیں۔

باپ دھیمی آواز میں عماد کو اپنا حال سنا رہا تھا لیکن عماد سولہ سترہ سال پیچھے چلا گیا تھا۔ اسے باپ کی صورت اچھی طرح یاد تھی۔ اب اس کے سامنے جو باپ لیٹا ہوا تھا اس کے چہرے کی ہڈیاں باہر نکل آئی تھیں۔ پھر بھی اسے پہچاننے میں عماد کو ذرہ بھر دقت نہ ہوئی۔ اس نے کئی بار سوچا کہ اسے بتا دے کہ وہ اس کا بیٹا ہے؟۔ اس نے عقل مندی کی کہ نہ بتایا۔ اس نے دو خطرے محسوس کیے تھے۔ ایک یہ کہ باپ یہ خوشگوار دھچکہ برداشت نہیں کر سکے گا۔ دوسرا یہ کہ اگر اس نے برداشت کر لیا تو اس کے لیے رکاوٹ بن جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ محاذ پہ جانے لگے تو یہ صدمہ اسے لے بیٹھے ـــــ وہ باپ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔

وہ آرام گاہ میں واپس گیا تو اسے حکم ملا کہ مرکز اسے ابھی یہیں رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ہر وقت آرام گاہ میں حاضر رہے۔ وہ بہت حیران ہوا کہ مرکزی کمان کو اس کے ساتھ کیا کام ہو سکتا ہے؟ یہ حکم علی بن سفیان نے ایونا کے متعلق چھان بین کرنے کے سلسلے میں بھیجا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ایونا کی کہانی کہاں تک صحیح ہے۔ وہ کیمپ میں گیا۔ ایونا نے اسے اپنے باپ کا نام بتا دیا تھا جو اُسے عماد سے معلوم ہوا تھا۔ علی بن سفیان نے باپ سے تصدیق کرالی کہ اس کی بچی اغوا ہوئی تھی۔ بڑا بیٹا اور بیوی مارے گئے اور چھوٹا بیٹا اس کے پڑوسی کے ہاں چلا گیا تھا جس کے متعلق اسے کیمپ میں اطلاع ملی تھی کہ شوبک سے نکلوا دیا گیا ہے۔

آدھی رات کا عمل ہوگا۔ ایونا بستر سے اٹھی۔ اس وقت تک اسے نیند نہیں آئی تھی۔ اس نے علی بن سفیان کے رویے سے محسوس کر لیا تھا کہ اس پر اعتبار نہیں کیا گیا اور اب نہ جانے اس کا انجام کیا ہوگا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کس طرح یقین دلائے کہ اس نے جو آپ بیتی سنائی ہے وہ جھوٹ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا خون انتقام کے جوش سے کھول رہا تھا۔ عماد کے ساتھ اپنے گھر میں جا کر اس کے ذہن میں بچپن کی یادیں از خود جاگ اٹھی تھیں اور خواب کی طرح اسے بہت سی باتیں یاد آگئی تھیں۔ اسے یہ بھی یاد آگیا کہ اسے اغوا کے بعد بے تحاشا پیار، کھلونوں اور تہایت اچھی خوراک سے یہ روپ دیا گیا تھا۔ پھر اسے وہ گناہ یاد آئے جو اس سے کرائے گئے تھے اور

وہ سراپا گناہ بن گئی تھی۔ وہ انتقام لینے کو بیتاب ہوئی جا رہی تھی۔ ۔ ۔ ۔ اس جذباتی حالت نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ اس ذہنی کیفیت میں باپ سے ملنے کی خواہش بھی شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ وہ باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ باہر دو پہرہ دار ہر وقت ٹہلتے رہتے تھے۔ اس کا دماغ اب سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ اب جذبات کے زیرِ اثر تھی۔

اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ اسے باتوں کی آوازیں سنائی دیں۔ دائیں طرف کوئی بیس گز دُور اسے دونوں پہرہ دار باتیں کرتے سائے کی طرح نظر آئے۔ لڑکی دروازے میں سے سر نکالے انہیں دیکھتی رہی۔ پہرہ دار وہاں سے ذرا پرے ہٹ گئے۔ لڑکی دبے پاؤں باہر نکلی اور اس عمارت کی اوٹ میں ہو گئی۔ آگے گھاٹی اترتی تھی۔ وہ بیٹھ گئی اور پاؤں پر سرکتی گھاٹی اتر گئی۔ اب اسے پہرہ دار نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا کیمپ کہاں ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اب یہ کیمپ قید خانے سے مہمان خانہ بن گیا ہے۔ اس لیے اسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہاں کوئی سنتری اسے روک لے گا۔ وہ باپ کو ملنے جا رہی تھی جس کا اسے صرف نام معلوم تھا۔ وہ تیز تیز جا رہی تھی کہ اسے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اس نے پیچھے دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ اس آہٹ کو وہ اپنے قدموں کی آہٹ سمجھ کر چل پڑی لیکن یہ کسی اور کی آہٹ تھی۔ ایک تنومند آدمی وہیں سے اس کے پیچھے چل پڑا تھا جہاں سے وہ گھاٹی اتری تھی۔

ایونا کو یہ آہٹ ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ رکی ہی تھی کہ اس کے سر اور منہ پر کپڑا آن پڑا۔ پلک جھپکتے کپڑا بندھ گیا اور دو مضبوط بازوؤں نے اسے جکڑ کر اٹھا لیا۔ وہ تڑپی مگر تڑپنا بیکار تھا۔ رات تاریک تھی اور یہ علاقہ غیر آباد تھا۔ ذرا آگے جا کر اسے ایک کمبل میں لپیٹ کر گٹھڑی کی طرح اٹھا لیا گیا۔ وہ ایک نہیں دو آدمی تھے۔ ۔ ۔ نصف گھنٹے کے بعد اسے اتار کر کھولا گیا۔ وہ ایک کمرے میں تھی جس میں دو دیئے جل رہے تھے۔ وہاں چار آدمی تھے۔ اس نے سب کو باری باری حیرت سے دیکھا اور کہا ـــــ "تم لوگ ابھی یہاں ہو؟ ۔ ۔ ۔ ۔ اور آپ گیرالڈ؟ آپ بھی یہیں ہیں؟"

"ہم جاکر آئے ہیں" ـــ گیرالڈ نے جواب دیا ـــــ "تم سب کو یہاں سے نکالنے کے لیے اچھا ہوا کہ تم مل گئیں"

یہ وہ چالیس صلیبی تھے جنہیں کرک سے اس کام کے لیے بھیجا گیا تھا کہ جاسوس

لڑکیاں جو مسلمانوں کے قبضے میں رہ گئی ہیں انہیں وہاں سے نکالیں اور شوبک میں اپنے جو جاسوس رہ گئے ہیں انہیں وہاں منظم کریں اور اگر ممکن ہو تو وہاں تخریب کاری بھی کریں۔ تخریب کاری میں ایک کام یہ بھی تھا کہ اصطبل میں داخل ہو کر جانوروں کے چارے میں زہر ملائیں، رسد کو آگ لگائیں اور فوجیوں کے لنگر خانے میں بھی زہر ملا سکیں تو کوشش کریں۔ اس گروہ کا کمانڈر گیراڈ نام کا ایک برطانوی تھا جو تباہ کاری جاسوسی کا ماہر سمجھا جاتا تھا۔ ایونا اسے بہت اچھی طرح جانتی تھی بلکہ اس کی شاگرد رہ چکی تھی اور اس کے ساتھ اس کی دوستانہ بے تکلفی بھی تھی۔ اسے دیکھ کر ایونا کا خون نفرت اور انتقام کے جوش سے کھول اٹھا لیکن وہ فوراً سنبھل گئی۔ یہ موقع نفرت کے اظہار کا نہیں تھا۔ گیراڈ تو ایسا گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایونا بالکل بدل گئی ہے۔ اس نے ایونا سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی تھی؟ ایونا نے کہا کہ اسے فرار کا موقع مل گیا تھا۔ اس لیے وہ فرار ہو رہی تھی۔

گیراڈ نے اسے بتایا کہ وہ چھاپہ مار جاسوسوں کا ایک گروہ کرک کے مظلوم مسلمانوں کے بہروپ میں یہاں لایا ہے۔ ان دنوں شوبک کے حالات ایسے تھے کہ یہ گروہ آسانی سے ایک ہی گروہ کی صورت میں شہر میں آ گیا تھا۔ جنگ کی وجہ سے لوگ آ جا رہے تھے۔ اردگرد کے دیہات کے مسلمان بھی شہر میں آ رہے تھے۔ اسی دھوکے میں یہ گروہ بھی آ گیا۔ شہر میں پہلے سے جاسوس موجود تھے۔ انہوں نے پورے گروہ کو پس پردہ کر لیا۔ گیراڈ نے ایونا کو بتایا کہ وہ دو راتوں سے اس مکان کو دیکھ رہا ہے جس میں لڑکیاں ہیں۔ اس جگہ سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہ انہی کی بنائی ہوئی تھی۔ رات کو وہ دیکھنے جاتا تھا کہ پہرہ داروں کی حرکات اور معمول کیا ہے۔ یہ بڑا اچھا اتفاق تھا کہ اسے ایونا مل گئی۔ ایونا نے اسے بتایا کہ لڑکیوں کو نکالنا آسان نہیں، تاہم نکالا جا سکتا ہے۔

رات کو ہی سکیم تیار ہو گئی۔ ایونا نے گیراڈ کو بتایا کہ لڑکیاں کھلے کمروں میں ہیں جو قید خانہ نہیں۔ پہرہ دار صرف دو ہیں۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی تفصیلات تھیں جو ایونا نے انہیں بتائیں۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ لڑکیوں کو نکالنے کے لیے کتنے آدمی جائیں گے اور باقی آدمی کون سے مکان میں جمع ہوں گے۔ اس سکیم کے بعد ایونا نے یہ تجویز پیش کی کہ اسے واپس چلے جانا چاہیے کیونکہ اس کی گمشدگی سے لڑکیوں پر پہرہ سخت کر دیا جائے گا جس سے یہ مہم ناممکن ہو جائے گی۔ گیراڈ نے ایونا کی یہ تجویز پسند کی اور اسے اپنے ساتھ لے



جا کر اس کی رہائش گاہ کے قریب چھوڑ گیا۔ ایونا کو باہر سے آتے دیکھ کر پہرہ داروں نے اس سے بازپرس کی۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ دور نہیں گئی تھی۔ پہرہ دار اس لیے چپ ہو رہے کہ یہ ان کی لاپروائی تھی کہ لڑکی نکل گئی تھی۔

دوسرے دن علی بن سفیان کسی اور کام میں مصروف تھا۔ ایونا نے پہرہ داروں سے کہا کہ وہ اسے علی بن سفیان کے پاس لے چلیں۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں اس کے بلانے پر کوئی نہیں آئے گا بلکہ اس کی جب ضرورت ہو گی تو اسے بلا لیا جائے گا۔ ایونا نے بڑی مشکل سے پہرہ داروں کو قائل کیا کہ وہ کسی اور کو بتائے بغیر مرکزی کمان کے کسی فرد تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ نہایت اہم اور نازک بات کرنی ہے۔ اس نے پہرہ داروں سے کہا کہ اگر انہوں نے اس کا پیغام نہ پہنچایا تو اتنا زیادہ نقصان ہو گا کہ پہرہ دار اس کوتاہی کی سزا سے بچ نہیں سکیں گے.... پہرہ داروں نے پیغام بھجوانے کا بندوبست کر دیا۔ علی بن سفیان نے پیغام ملتے ہی لڑکی کو بلا لیا۔ اس کے بعد لڑکی کمرے میں واپس نہیں آئی۔

رات کو جب شوبک کی سرگرمیاں سو گئیں اور شہر پر خاموشی طاری ہو گئی تو اس عمارت کے اردگرد آٹھ دس سائے سے حرکت کرتے نظر آئے جہاں لڑکیوں کو رکھا گیا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ دونوں پہرہ دار غائب تھے۔ آٹھ دس چھاپہ مار خوش ہونے کی بجائے حیران ہوئے ہوں گے کہ پہرہ دار نہیں ہیں۔ وہ آٹھوں پیٹ کے بل رینگ کر آگے آئے۔ ایونا نے انہیں بتا دیا تھا کہ لڑکیاں کون کون سے کمرے میں ہیں۔ کمروں کے دروازوں اور کھڑکیوں سے یہ لوگ واقف تھے۔ دو چھاپہ مار ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ باقیوں نے پروا نہ کی کہ وہاں پہرہ دار ہیں یا نہیں۔ انہیں یہ بتا دیا گیا تھا کہ پہرہ دار صرف دو ہوتے ہیں۔ دو پر دس کا قابو پانا مشکل نہیں تھا۔ وہ سب لڑکیوں کے کمروں میں گھس گئے مگر ان میں سے باہر کوئی بھی نہ نکلا۔

گیراڈ اسی مکان میں تھا جہاں وہ گزشتہ رات ایونا کو لے گیا تھا۔ اس مکان میں سکیم کے مطابق بیس آدمی تھے۔ باقی کسی اور عیسائی کے گھر چھپے ہوئے تھے۔ گیراڈ بے صبری سے لڑکیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تک انہیں اس کے آدمیوں کے ساتھ پہنچ جانا چاہیے تھا.... آخر دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک کا یہ طے شدہ خاص انداز تھا۔

گیرالڈ نے خود جا کر دروازہ کھولا۔ یہ مکان پرانے دور کی قلعہ نما حویلی تھی جس میں ایک امیر کبیر عیسائی رہتا تھا۔ گیرالڈ نے جوں ہی دروازہ کھولا اسے کسی نے باہر گھسیٹ لیا۔ فوجیوں کا ایک ہجوم دروازے میں داخل ہوا۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی برچھیاں تھیں۔ فوجی تیز اور تند سیلاب کی طرح اندر چلے گئے۔ ایک وسیع کمرے میں بیٹھے ہوئے بیس صلیبی چھاپہ مار جاسوسوں کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ ان سے ہتھیار لے لیے گئے اور انہیں گھر کے مالک اور اس کے کنبے سمیت باہر لے گئے۔

ایسا ہی ہلّہ اس مکان پر بھی بولا گیا جہاں باقی صلیبی چھاپہ مار تیار بیٹھے تھے۔ یہ دونوں چھاپے بیک وقت مارے گئے۔ اسی رات دس گیارہ مکانوں پر چھاپے مارے گئے۔ یہ سرگرمی رات بھر جاری رہی۔ مکانوں کی تلاشی لی گئی اور صبح کے وقت علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے سامنے جو لوگ کھڑے کیے ان میں ایک تو گیرالڈ اور اس کے چالیس چھاپہ مار تھے اور تقریباً اتنی ہی تعداد اُن جاسوسوں اور تخریب کاروں کی تھی جنہیں دوسرے مکانوں سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ان مکانوں سے جو سامان برآمد ہوا اس میں بے شمار ہتھیار، زہر کی بہت سی مقدار، تیروں کا ذخیرہ، آتش گیر مادہ اور بہت سی نقدی برآمد ہوئی۔ یہ کارنامہ ایونا کا تھا۔ اس نے گیرالڈ کے ساتھ سکیم بنائی تھی اور اس سے ان تمام جاسوسوں کے ٹھکانے معلوم کر لیے تھے جو شوبک میں چھپے ہوئے تھے۔ گیرالڈ کو اس پر کلی اعتماد تھا۔ ایونا رات کو ہی واپس آ گئی اور صبح اس نے تمام تر سکیم علی بن سفیان کو بتا دی اور جاسوسوں کے ٹھکانوں کی بھی نشاندہی کر دی۔ علی بن سفیان کے جاسوس دن کے سارے ٹھکانے دیکھ آئے تھے۔ شام کے وقت سلطان ایوبی کے خصوصی چھاپہ مار دستوں کو ان ٹھکانوں پر چھاپے مارنے کے لیے بلایا گیا تھا۔ لڑکیوں کو کمروں سے نکال کر کہیں اور چھپا دیا گیا تھا۔ ان کی جگہ ہر کمرے میں تین تین چھاپہ مار بھیج دیے گئے۔ جوں ہی چھاپہ مار لڑکیوں کو اپنے ساتھ لانے کے لیے کمروں میں داخل ہوئے مسلمان چھاپہ ماروں نے انہیں پکڑ لیا۔ اس طرح شوبک میں صلیبیوں کے تقریباً تمام جاسوس اور چھاپہ مار پکڑے گئے۔ ان میں سب سے زیادہ قیمتی گیرالڈ تھا۔ تمام کو تفتیش اور اس کے بعد سزا کے لیے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

ایونا نے ان تمام مسلمان سرکردہ شخصیتوں کی بھی نشاندہی کر دی جو قاہرہ میں سلطان ایوبی کے خلاف سرگرم تھے۔ حشیشین کے ہاتھوں سلطان ایوبی اور علی بن سفیان کو قتل کرنے کا جو منصوبہ تیار کیا گیا تھا وہ بھی ایونا نے بے نقاب کیا اور سلطان



ایوبی سے کہا ۔۔۔ ”اب تو آپ کو مجھ پر اعتبار آ جانا چاہیئے“۔

وہ منظر بڑا ہی جذباتی اور رقت انگیز تھا جب عماد کو بتایا گیا کہ ایونا اس کی بہن ہے اور جب بہن بھائی کو ان کے باپ کے سامنے کھڑا کیا گیا تو جذبات کی شدت سے بوڑھا باپ بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے بتایا کہ اس کی بیٹی کا نام عائشہ ہے۔ سلطان ایوبی نے اس خاندان کے لیے خاص وظیفہ مقرر کیا اور علی بن سفیان کے محکمے کے لیے حکم جاری کیا کہ تمام جاسوس لڑکیوں کے متعلق چھان بین کی جائے۔ صلیبیوں نے دوسری لڑکیوں کو بھی مسلمان گھرانوں سے اغوا کیا ہوگا۔ سلطان نے حکم میں کہا کہ ان میں جو مسلمان ہیں ان کے خاندان ڈھونڈے جائیں اور لڑکیوں کو ان کے حوالے کیا جائے۔

٭ سلطان ایوبی کی فوج بہت بڑے خطرے سے محفوظ ہو گئی ۔۔۔۔ شوبک سے دور کے محاذ کی خبریں امید افزا تھیں لیکن فوری ضرورت یہ تھی کہ بکھرے ہوئے دستوں کو یکجا کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے سلطان ایوبی نے شوبک کا فوجی نظام اپنے معاونوں کے حوالے کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر شوبک سے دور صحرا میں منتقل کر لیا۔ اس نے برق رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھ لی۔ اس کے ذریعے اس نے ایک ماہ میں بکھرے ہوئے دستے ایک دوسرے کے قریب کر لیے۔ اس کے بعد انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے شوبک کا دفاع اسی طرح منظم کر دیا جس طرح قاہرہ کا کیا تھا۔ سب سے دور سرحدی دستے تھے جس کے سوار گشت کرتے تھے۔ ان سے پانچ چھ میل پیچھے فوج کا دوسرا حصہ خیمہ زن کر دیا اور تیسرے حصے کو متحرک رکھا۔

کرک میں اکٹھی ہونے والی فوج کی کیفیت ایسی تھی کہ فوری حملے کے قابل نہیں تھی۔ ادھر سلطان ایوبی نے بھرتی کی رفتار تیز کر دی اور نئی بھرتی کی ٹریننگ کا انتظام کھلے صحرا میں کر دیا۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا کہ وہ کرک میں اپنے جاسوس بھیجے جو وہاں کی اطلاعیں لانے کے علاوہ یہ کام بھی کریں کہ وہاں کے رہنے والے مسلمان نوجوانوں کو کرک سے نکلنے اور یہاں آ کر فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔